مجموعۂ

رسائل امام شاہ ولی اللہؒ

(رؤیا و مکاشفات، مکتوب، تصوف، آداب بیعت، سلاسل اولیا و مشائخ، رد بدعت
اور اصلاح عقائد پر مشتمل و محیط امام شاہ ولی اللہ محدثؒ کے نادر و نایاب رسائل و کتب کا گرانقدر مجموعہ)

جلد ششم

تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

مجموعۂ

رسائل امام شاہ ولی اللہؒ

(رؤیا و مکاشفات، مکتوب، تصوف، آداب بیعت، سلاسل اولیا و مشائخ، رد بدعت اور اصلاح عقائد
پر مشتمل و محیط
امام شاہ ولی اللہ محدثؒ کے نادر و نایاب رسائل و کتب کا گرانقدر مجموعہ)

جلد ششم

تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی

جملہ حقوق بحق انسٹی ٹیوٹ محفوظ

نام کتاب : مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد ششم
مرتبہ : مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی
قیمت : ۳۰۰
سن اشاعت : مارچ ۲۰۱۵ء
تعداد : ۵۰۰
کمپوزنگ : ریاض احمد
مطبع : نیو پرنٹ سنٹر، دریا گنج نئی دہلی
آئی ایس بی این : 978-93-84153-02-1
ناشر : شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، مسجد کاکا نگر، نزد (این، ڈی، ایم، سی پرائمری اسکول) کاکا نگر نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۰۳

بہ تعاون قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

All Rights Reserved by the Institute

Title : Majmua Rasail-e-Imam Shah Waliullah-VI
Editing : Maulana Mufti Ataur Rahman Qasmi
First Edition : March - 2015
Price : 300
ISBN : 978-93-84153-02-1
Composing : Riyaz Ahmed

Published by

Shah Waliullah Institute
Masjid Kaka Nagar, Near (N. D. M. C.
Primary School) Kaka Nagar, New Delhi-110 003
Ph. : 011-26953430, Mob.9811740661
website : www.shahwaliullah.com
Email : shahwaliullah_institute@yahoo.in

فہرست کتب

نمبر شمار	کتب		صفحہ
۱۔	مقدمہ	مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی	۵
۲۔	شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کا اجمالی تعارف	مولانا عبید اللہ سندھیؒ	۱۵
۳۔	الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین ﷺ	امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ	۹۷
۴۔	مکتوب مدنی	//	۱۲۱
۵۔	القول الجمیل فی بیان سواء السبیل	//	۱۴۵
۶۔	انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ	//	۲۱۷
۷۔	البلاغ المبین	//	۳۴۳
۸۔	العقیدۃ الحسنۃ	//	۴۸۵

مقدمہ

الحمدللہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ اپنے قیام کے روز اوّل سے علمی وتحقیقی میدان میں تیز گام ہے اور اپنے بنیادی واساسی مقاصد واہداف کو بروئے کار لانے میں مصروف عمل ہے۔ اس میں کوئی دورائے نہیں ہے کہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ اپنے تحقیقی منصوبوں اور دینی وثقافتی پروگراموں کے حوالے سے ہندوستان ہی نہیں برصغیر میں جانا پہچانا جاتا ہے۔ اور قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ اب تک متنوع موضوعات بالخصوص تفسیر وحدیث، فقہ وتصوف، تاریخ وثقافت اور آثار واوقاف کے موضوع پر ۲۵ سے زائد کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔

انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے جہاں متنوع موضوعات پر تحقیق وتصنیف کا کام جاری ہے، وہاں دوسری طرف مشاہیر علما اور معاصرین کی علمی خدمات پر قومی وبین الاقوامی سیمیناروں کا انعقاد بھی کیا جاتا رہا ہے اور فکر ولی اللہی سے تعلق رکھنے والے مستند علما ومشائخ اور دانشوروں میں سے ہر سال کسی ایک کو ”شاہ ولی اللہ ایوارڈ“ بھی دیا جاتا ہے اس کے زیر اہتمام ایک موقر ماہنامہ براہین بھی نکلتا ہے۔ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے اب تک درجنوں قومی وبین الاقوامی سیمینار منعقد ہو چکے ہیں، جس میں ہند وبیرون ہند کے علما ومشائخ اور مقالات نگار حضرات شریک ہو چکے ہیں۔ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے ۲۱، ۲۲، ۲۳ نومبر ۲۰۱۴ء کو ”شاہ ولی اللہ کے

افکار کی عصری معنویت'' کے موضوع پر ایک سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار منعقد کیا گیا تھا جس میں ہندوستان کے دینی مدارس اور عصری یونیورسٹیوں کے اسکالروں اور مقالہ نگاروں کے علاوہ تاجکستان، کویت، ساؤتھ افریقہ اور مصر کے مقالہ نگار بھی شریک ہوئے تھے۔ اس سیمینار میں بھاری تعداد میں مقالات پڑھے گئے تھے اور اس سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کو جناب ضمیر الدین شاہ (ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل) وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور پروفیسر طلعت احمد وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کی موجودگی میں دلی کے لیفٹیننٹ گورنر جناب نجیب جنگ صاحب کے ہاتھوں ''شاہ ولی اللہ ایوارڈ ۲۰۱۳'' جیسا باوقار اعزاز تفویض کیا گیا۔

اسی افتتاحی اجلاس میں شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی گرانقدر نئی مطبوعات، مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد دوم، سوم، چہارم کا اجرا بھی عمل میں آیا تھا۔ جناب نجیب جنگ صاحب نے ان متعدد کتابوں کا اجرا کرتے ہوئے کہا کہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ قلت وسائل کے باوجود تحقیقاتی میدان میں غیر معمولی پیش رفت کر رہا ہے، جو میرے لئے باعث مسرت اور دوسرے اداروں کے لئے باعث عبرت ہے۔

جناب ضمیر الدین شاہ صاحب اور پروفیسر طلعت احمد نے بھی کہا کہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی نئی مطبوعات سے شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے معیار تحقیق اور اس کی فعالیت کا بحسن وخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ہمیں کھلے دل سے اس کا اعتراف کرنا چاہیے

ڈاکٹر مولانا بدرالحسن قاسمی کویت نے بھی شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے اس بین الاقوامی سیمینار کے انعقاد اور متعدد ضخیم کتابوں کی اشاعت پر اظہار مسرت کیا اور انسٹی ٹیوٹ کے علمی کاموں کا اعتراف کیا۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی صاحب مصنف سیرۃ النبیؐ کے صاحبزادے اور مشہور ماہر اسلامیات پروفیسر سلمان ندوی صاحب سابق صدر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز ڈربن یونیورسٹی ساؤتھ

افریقہ نے بھی اس سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں اپنا کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ کی فقہی آرا کی روشنی میں ملت کو درپیش مسائل کے حل کرنے پر زور دیا اور آئندہ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے حضرت شاہ صاحب کی فقہی آرا پر خواہ چھوٹا ہی سہی، ایک فقہی سیمینار کے انعقاد کا مشورہ بھی دیا، جسے سامعین نے بے حد پسند کیا اور اس کی عصری ضرورت کا احساس کیا، اس افتتاحی اجلاس میں دوسرے مہمانان خصوصی نے بھی تحسینی کلمات کا اظہار کیا تھا۔

آمدم بر سر مطلب! جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی نے حکیم الامت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے جملہ رسائل وکتب کو ”مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ“ کے نام سے تحقیق وتعلیق اور تصحیح وتنقیح کے ساتھ شائع کرنے کا ایک جامع منصوبہ بنایا تھا، جس کے تحت اب تک مجموعۂ رسائل کی پانچ ضخیم جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔ اب اس مجموعۂ رسائل کی چھٹی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، جو میرے لئے بے انتہائی خوشی ومسرت کا مقام ہے، چونکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عوامی مقبولیت کے باوجود (چند معروف کتابوں کا استثنٰی کرکے) آپ کے زیادہ تر رسائل وکتب آج سے ۸۰، ۹۰ سال سے قبل ہی شائع ہوئے تھے جو عرصہ دراز سے نایاب تھے اور بازار میں کہیں بھی دستیاب نہیں تھے، البتہ کسی کسی قدیم کتب خانہ میں اور بعض بعض لائبریریوں میں بعض رسائل موجود ہیں۔ ان نادر ونایاب رسالوں اور کتابوں کو تلاش وجستجو کرنا بھی خاصا مشکل کام ہے اور اتفاق سے اگر بعض کتب خانوں میں موجود بھی ہیں تو قدامت وبوسیدگی اور کرم خوردنی کی وجہ سے لائق مطالعہ بھی نہیں ہیں اور متعدد نسخوں کے موازنہ وتقابل کے بعد ہی صحیح عبارت اور صحت املا کا علم ہوپاتا ہے۔

میں ان نادر ونایاب رسائل وکتب کی تلاش وجستجو میں دلی کے علاوہ ملک کی دوسری دینی لائبریریوں اور سرکاری کتب خانوں کی خاک چھانتا پھرتا رہا ہوں، بعض دوستوں کی کرم فرمائی سے بھی مجھے بعض رسائل دستیاب ہوئے ہیں، جن کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔

اس مجموعۂ رسائل میں مقدمہ تعارف کے علاوہ حکیم الامت حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث

دہلویؒ کے چھ نادر و نایاب رسائل و کتب شامل ہیں۔

اس مجموعۂ رسائل جلد ششم کے شروع میں مشہور مجاہد آزادی مفکر اسلام مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی ایک معرکۃ الآرا تحریر ''امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف'' شامل ہے، جس سے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے افکار و نظریات کی تفہیم میں بڑی مدد ملتی ہے، حضرت مولانا سندھی فکر ولی اللہی کے شارح عظیم اور مفکر جلیل تھے، انھوں نے اس اجمالی تعارف میں الامام الدہلویؒ کے نظریہ تفسیر و حدیث، اور فقہ و تصوف پر بڑی عمیق بحث کی ہے اور حضرت شاہ صاحب کی سوچ اجاگر کی ہے، اس اجمالی تعارف میں حضرت شاہ صاحب کے بعض رسائل کا بھی تذکرہ ہوا ہے۔

اس مجموعۂ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد ششم میں شامل حکیم الامت حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نادر و نایاب رسائل شامل ہیں جن میں پہلا اہم رسالہ ''الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم'' ہے جو عالم کشف، مشاہدہ اور رویا میں حضرت نبی ذی وقار صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث اور اکتساب فیض کے موضوع پر ایک قیمتی رسالہ ہے

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> ''کمترین خلائق احمد جو ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری الدہلوی کے نام سے مشہور ہے، عرض کرتا ہے کہ احادیث مبارکہ میں سے یہ چالیس حدیثیں ہیں جو عالم خواب میں یا آپ کی روح مبارک کے مشاہدے کی حالت میں آپ سے روایت کی گئی ہیں، میں نے انہیں اس رسالے میں جمع کر دیا ہے، ان میں سے کچھ حدیثیں ایسی ہیں جنھیں کسی واسطے کے بغیر براہِ راست ذات اقدس سے میں نے اخذ کیا ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں کہ آپ کی روایت میں میرے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دو یا تین واسطے ہیں میں نے اس کا نام الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم تجویز کیا ہے۔

(صفحہ ۲۴۷ تصوف فاؤنڈیشن لاہور)

۱۔ الدرالثمین کے مطبوعہ نسخوں کے علاوہ اس کے مخطوطات بھی کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، خدابخش لائبریری پٹنہ اور رضا لائبریری رام پور میں موجود ہیں، یہ رسالہ عربی زبان میں ہے، اس کے مترجم مولانا سید محمد فاروق قادری صاحب ہیں، انھوں نے اس کا بڑا عمدہ و فصیح ترجمہ کیا ہے، یہ ترجمہ نیٹ پر بھی دستیاب ہے اور تصوف فاؤنڈیشن لاہور سے شائع ہوا ہے لیکن اس میں تاریخ اشاعت درج نہیں ہے۔ یہ کتاب متعدد بار متعدد اداروں سے شائع ہو چکی ہے۔

۲۔ دوسرا مکتوب مدنی ہے، یہ مکتوب دراصل شیخ آفندی اسمٰعیل بن عبداللہ الرومی ثم المدنی کے ایک سوال کے جواب میں لکھا گیا ہے، جو انھوں نے مسئلہ وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود کے متعلق شیخ ابن عربیؒ اور حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ کے نظریات کے بارے میں استفسار کیا تھا اور ان کے درمیان تطبیق کی راہ تلاش کرنے کی درخواست کی تھی۔

چنانچہ حضرت شاہ صاحب رقمطراز ہیں:

> ”عبد ضعیف احمد ولی اللہ بن عبدالرحیم عفی اللہ عنہ کی طرف سے آفندی اسمٰعیل بن عبداللہ الرومی ثم المدنی کی طرف، اللہ تعالیٰ انہیں ان کی نیک امیدوں اور خواہشوں میں کامرانی عطا کرے!
>
> امابعد! میں اس اللہ کی حمد وستائش کا تحفہ تمہاری طرف ارسال کر رہا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے برگزیدہ رسول اور اس کے صحابہ وآل پر درود و سلام بھیجتا ہوں، تمہارا مکتوب مجھے ملا ہے، جس میں تم نے وحدۃ الوجود کے اس تصور کے بارے میں دریافت کیا ہے، جس کو شیخ اکبرؒ اور اس کے اتباع نے پیش کیا ہے اور وحدۃ الشہود کی اس تشریح کی وضاحت چاہتی ہے، جس کا ذکر مجدد الف ثانیؒ نے کیا ہے، تم نے یہ بھی پوچھا ہے کہ آیا دونوں بزرگوں کے نظریات میں تطبیق ممکن ہے۔
>
> (مکتوب مدنی صفحہ ۱، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)

مکتوب مدنی عربی زبان میں ہے، اس کا قلمی نسخہ خدابخش لائبریری پٹنہ میں ہے، یہ ۹ اوراق

پر مشتمل ہے، اس رسالہ کے ترجمہ نگار مولانا محمد حنیف ندوی صاحب ہیں، انھوں نے اس کا بڑا معیاری اور عمدہ ترجمہ کیا ہے، یہ ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۸۶۵ میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاھور سے شائع ہوا تھا، جس کے ناشر محمد اشرف ڈار صاحب ہیں، اس کا مطبوعہ نسخہ بھی خدا بخش لائبریری میں موجود ہے۔

۳۔ تیسری کتاب القول الجمیل فی بیان سواء السبیل ہے، جس کے مقدمے میں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

> حمد و صلوٰۃ کے بعد بندہ ضعیف، رحمت خداوندی کا امیدوار ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم (اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو اپنی خصوصی رحمت کا سایہ مرحمت کرے اور آخرت میں دائمی نعمت کے خزانے سے سرفراز کرے) عرض کرتا ہے کہ یہ کتاب اصول طریقت اور اس سے متعلق موضوعات پر مشتمل ہے، یہ وہ اصول اور قواعد ہیں، جنہیں ہم نے اپنے سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ کے مشائخ سے حاصل کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو، میں نے اس کا نام القول الجمیل فی بیان سواء السبیل' تجویز کیا ہے۔
>
> (صفحہ ۴۰ تصوف فاؤنڈیشن، لاہور)

اس میں بیعت، بیعت کی حیثیت، آداب اور شرائط مرشد، تعلیم و تربیت سالک، اشغال مشائخ قادریہ، اشغال مشائخ چشتیہ، اشغال مشائخ نقشبندیہ، حقیقت نسبت، خاندانی مجرب عملیات، علمائے ربانی کے آداب و فرائض وغیرہ اہم مباحث و مسائل بیان کئے گئے ہیں، یہ کتاب عربی زبان میں ہے، جس کے مترجم سید محمد فاروق قادری صاحب ہیں، جنھوں نے بڑے محتاط طریقے سے اس کا سلیس و بامحاورہ ترجمہ کیا ہے، یہ کتاب تصوف فاؤنڈیشن لاہور سے شائع ہوئی ہے، اس کا مخطوطہ بھی رضا لائبریری رام پور اور خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

۴۔ اس سلسلہ کی چوتھی کتاب ''انتباہ فی بیان سلاسل اولیاء اللہ'' ہے جس میں۔ سلسلہ ولی اللہی، سلسلہ قادریہ، سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ سہروردیہ، سلسلہ کبریہ، سلسلہ مدینیہ، سلسلہ

شاذلیہ، اور سلسلہ شطاریہ جیسے مشہور سلاسل کا ذکر کیا گیا ہے اور ان سلاسل سے حضرت شاہ صاحب اور ان کے والد مرحوم کا بھی تعلق رہا ہے۔

چنانچہ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

> "احمد بن عبدالرحیم عمری دہلوی المعروف ولی اللہ (اللہ تعالیٰ اسے، اس کے مشائخ اور والدین کو اپنی عظیم رحمت میں ڈھانپ لے) عرض کرتا ہے کہ یہ رسالہ جس کا نام انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ واسانید وارثی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکھا گیا ہے، ان مشہور سلاسل کے تعارف پر مبنی ہے جس سے یہ فقیر ظاہری و باطنی علوم میں نسبت رکھتا ہے اور ان کی کسی نہ کسی شاخ سے منسلک ہے"۔ اللہ تعالیٰ اس تالیف کو خالص اپنی ذات کیلئے کرے اور مجھے اور عام لوگوں کو اس سے نصیب کامل عطا فرمائے۔
>
> (صفحہ ۱۲۶، تصوف فاؤنڈیشن لاہور)

زیر تربیت قدیم مطبوعہ نسخہ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ کے سرورق پر مندرجہ ذیل عبارت موجود ہے۔

"ھو الولی

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون

از تصنیف حضرت دستگاہ حقائق انتباہ، مجمع کمالات ظاہری و باطنی منبع مکارم حسنات صوری ومعنوی زبدۂ مفسرین وقدوہ محدثین پیشوائی سالکین فانی اللہ باقی باللہ جناب جد امجدی حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ الموسوم بہ "مترجم انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" بہ تصحیح تام وصحت جس کو لاکلام برائے فائدہ ہر خاص وعام عموی مکرم سید ظہیر الدین عرف سید احمد صاحب نے عرصہ ہوا طبع کرایا تھا۔ اور شائقین کے متواتر اصرار سے مرحوم کے ہمشیر زادے سید عبدالغنی جعفری کلیمی نواسہ وجانشین حضرت شاہ صاحب ممدوح نے

بار دوم۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

آرمی برقی پریس دہلی میں طبع کرایا‘‘۔

انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھی گئی ہے اس کا قدیم اردو ترجمہ سید ظہیر الدین عرف ولی اللہی نے بہت پہلے آرمی پریس دہلی سے طبع کرایا تھا، اس کے بعد اسی قدیم اردو ترجمہ کو دوبارہ سید عبدالغنی جعفری کلیمی نے شائع کرایا تھا، یہی ترجمہ اس مجموعہ رسائل میں شامل ہے، اس ترجمہ کو میرے دوست جناب عبدالرحمٰن کوندو صاحب سری نگر، کشمیر نے مجھے عنایت فرمایا تھا۔ انھوں نے کہا تھا کہ اس کا دوسرا حصہ بھی ہے لیکن مجھے اس کا دوسرا حصہ دستیاب نہ ہو سکا ہے۔ اس ترجمہ کے علاوہ ایک دوسرا ترجمہ بھی مجھے دستیاب ہوا ہے جس کے ترجمہ نگار مولانا سید محمد فاروق قادری صاحب ہیں ان کا ترجمہ سادہ و سلیس ہے، مجھے افسوس ہے کہ یہ ترجمہ مجھے بعد میں دستیاب ہوا تھا، ورنہ یہی ترجمہ شامل کتاب ہوتا۔

انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ کا قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

۵۔ اس مجموعہ میں پانچویں کتاب البلاغ المبین ہے جس کے ترجمہ نگار مولانا محمد علی مظفری صاحب گوجرانوالہ ہیں، جو مولانا عبداللہ قصوری کے پھوپھی زاد بھائی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے بڑے معتقد تھے، ۱۹۱۵ء میں آپ نے کلکتہ کا سفر کیا تھا، اور مولانا آزادؒ سے ملاقات کی تھی اور وہاں مولانا آزاد کی مجالس وعظ میں شریک ہوتے تھے، آپ نے دہلی میں پروفیسر خواجہ عبدالحی صاحب فاروقی استاد جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا کام بھی کیا، اور شدھی تحریک کے دور میں دہلی اور اس کے اطراف میں مرتدین میں کام کیا تھا، آپ کا تعلق مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے بھی تھا، قیام پاکستان کے بعد مولانا محمد علی مظفری صاحب سرکاری عہدہ پر بھی فائز رہے اور کئی مسجدوں میں امامت و خطابت کے فرائض بھی انجام دیئے۔

مولانا محمد علی مظفری بڑے قناعت پسند اور متوکل انسان تھے، مولانا آخر میں سخت بیمار ہوئے تو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب دو دفعہ آپ کی مزاج پرسی اور عیادت کے لئے تشریف لے گئے تھے اور علاج و معالجے کے لئے ایک رقم بھی عنایت فرمائی تھی آپ نے ۱۲؍ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ

میں تریسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی تھی۔

البلاغ المبین ۲۰۰۲ میں قرآن آسان تحریک کے زیر اہتمام قومی پریس لاہور سے شائع ہوئی تھی، یہی نسخہ میرے سامنے ہے۔ مولانا محمد علی مظفری مرحوم نے اس کا بڑا عمدہ ترجمہ کیا ہے، اس کا قلمی نسخہ رضا لائبریری رام پور میں ہے۔ جس کے متعلق ڈاکٹر ابوسعد اصلاحی صاحب لائبریرین رضا لائبریری اپنے ایک مضمون 'رام پور رضا لائبریری میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصنیفات کے قلمی نسخے'' میں لکھتے ہیں:

> مخطوطہ نمبر ۴۲۱ بلاغ المبین فن عقائد
>
> ورق ۸۷، سطر ۱۳، سائز ۱۷+۲۴ خط معمولی نستعلیق سنہ کتابت ۱۲۳۸ھ
>
> ''ابتداء! الحمد للہ...... این رسالہ ایست نامیدہ ببلاغ المبین کہ آیات کلام رب الانام واحادیث صحیحہ رسول علیہ السلام وآثار صحابہ کرام واخبار اولیاء عظام اندران ترجمہ نمودہ آمد۔
>
> ترقیمہ: بحسب ارشاد فیض بنیاد مولوی مکرمی مولانا رشید الدین خان صاحب دامت ارشادھم ببلاغ المبین (۱۱۶۶) بتاریخ بست وچہارم شہر رجب ۱۲۳۸ در بلدہ اجمیر اتمام وست اختتام پذیرفت کتبہ میر شاہ علی۔
>
> (صفحہ ۱۹۲، امام شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار ونظریات مطبوعہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی)

۶۔ اس مجموعہ رسائل میں شامل آخری رسالہ ''العقیدۃ الحسنۃ'' ہے، جو علم عقائد میں ایک جامع ترین رسالہ ہے، جس کے فاضل ترجمہ نگار وشارح مولانا عبدالحمید صاحب سواتی ہیں، جو گوجرانوالہ کے مدرسہ نصرۃ العلوم کے مدرس تھے، اور اردو اور عربی کے بہترین ترجمہ نگار تھے۔ انھوں نے اپنی ترجمہ نگاری کے ذریعہ اپنی غیر معمولی صلاحیت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ العقیدۃ الحسنۃ، امام طحاویؒ کی مشہور کتاب عقیدۃ الطحاوی کے طرز پر ایک جامع کتاب ہے، جو درس نظامیہ

کے نصاب تعلیم میں شامل کرنے کے لائق ہے اور اصلاح عقائد میں ایک گرانقدر تصنیف ہے۔

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے اور اس کی عربی زبان بہت شستہ وشگفتہ ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد ششم شائع ہو رہی ہے اس موقع پر بڑی ناسپاسی ہوگی اگر ڈاکٹر خواجہ اکرام الدین صاحب ڈائریکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا شکریہ ادا نہ کیا جائے جنھوں نے اس مجموعہ کی اشاعت میں غیر معمولی دلچسپی لی اور ہر ممکن مدد کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تمام شرور وفتن سے محفوظ رکھے اور علمی ترقیات سے نوازے۔ مولانا عبدالرحمٰن کوندو صاحب کا بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ وہ شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کے علمی کاموں میں بڑی علمی معاونت فرماتے ہیں اور وہ ایک لائق ومخلص دوست ہیں۔

آخر میں محترمہ مسرت جہاں صاحبہ اور ڈاکٹر توقیر احمد راہی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ ان دونوں حضرات نے بھی اس تحقیقی کام میں بھرپور تعاون کیا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں بھی بعافیت رکھے۔

مجھے یقین ہے کہ مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ کی دوسری جلدوں کی طرح یہ جلد ششم بھی ہاتھوں ہاتھ لی جائے گی اور علمی ودینی حلقوں میں قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھی جائے گی۔

عطاء الرحمٰن قاسمی

چیئرمین

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ

نئی دہلی

امام ولی اللہ دہلویؒ
کی
حکمت کا اجمالی تعارف

تحریر دلپذیر

مولانا عبید اللہ سندھیؒ

تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

فہرست مضامین

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۱۔	امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کا اجمالی تعارف از مولانا عبید اللہ سندھیؒ	۲۱
۲۔	باب اول (تحصیلی ملکات)	۲۱
۳۔	تحصیلی ملکات کی تشریح	۲۱
۴۔	شاہ عبدالرحیم کا علمی سلسلہ	۲۲
۵۔	فصل (۲) شاہ ولی اللہؒ کی ذہنیت کا بنیادی مسئلہ	۲۲
۶۔	فصل (۳) حکمت عملی کے باب میں شاہ ولی اللہ کا امتیاز اور اس کے اسباب	۲۴
۷۔	باب دوم (تکمیلی ملکات)	۲۷
۸۔	فصل (۱) شاہ ولی اللہ از قرآن فہمی کے باب کی ایک عام غلط فہمی کی اصلاح	۲۷
۹۔	فصل (۲) قرآن میں قصص الانبیاء کی تکرار کا حل اور مضامین قرآن کی ولی اللہی تقسیم جس کی رعایت سے فہم قرآن کا دروازہ کھل جاتا ہے اور قرآن تک رسائی ہو سکتی ہے	۲۸
۱۰۔	عقدہ لاینحل اور مسئلہ حقیقت روح	۲۹
۱۱۔	فصل (۳) شاہ صاحب کی تقسیم کے مطابق قرآن کا ایک اہم مضمون مخاصمۃ اور عام علما کی اس نکتہ سے بے اعتنائی	۳۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۔	فصل (۴) متن قرآن سے شاہ ولی اللہ کا اعتنا اور اس کی برکات آپ کا ترجمہ قرآن "فتح الرحمٰن" اور اس کی خصوصیات	۳۳
۱۳۔	فصل (۵) آیات متشابہات کے متعلق شاہ صاحب کا مسلک	۳۵
۱۴۔	فصل (۶) رسوخ فی العلم کی تشریح	۳۷
۱۵۔	فصل (۷) مسئلہ نسخ فی القرآن اور شاہ صاحبؒ	۳۹
۱۶۔	فصل (۸) شاہ صاحب اور مقصد قرآن کی تعیین	۴۱
۱۷۔	فصل (۹) شاہ صاحب کی حکمت کی اساس و بنیاد	۴۲
۱۸۔	الامام کا لقب اور شاہ صاحبؒ	۴۳
۱۹۔	فصل (۱۰) مضامین قرآن کا ظاہری انتشار اور شاہ صاحبؒ	۴۳
۲۰۔	فصل (۱۱) ربط آیات اور شاہ ولی اللہؒ	۴۴
۲۱۔	فصل (۱۲) قرآن اور سنت کے باہمی تعلق کے بارے میں شاہ صاحب کی خاص رائے	۴۵
۲۲۔	فصل (۱۳) اجماع کا تعلق اور استنباط قرآن سے	۴۵
۲۳۔	باب سوم (علم حدیث)	۴۷
۲۴۔	فصل (۲) کتب حدیث پر شاہ صاحب کی تنقید اور طبقات کی تقسیم	۴۹
۲۵۔	مولانا محمد قاسم نانوتوی اور کتب حدیث کے متعلق ولی اللّٰہی نظریہ کی عقلی تشریح	۵۱
۲۶۔	فصل (۳) ہمارا اپنا استقراء اور ولی اللّٰہی نظریہ کی مزید تشریح	۵۵
۲۷۔	ائمہ تنقید حدیث کے تین طبقے	۵۶
۲۸۔	ائمہ فقہ الحدیث کے چار طبقے	۵۶
۲۹۔	ائمہ مصنفین کے دو طبقے	۵۷
۳۰۔	ان ائمہ کے بعد کے محدثین کی خدمات کی اقسام	۵۷
۳۱۔	فصل (۴) صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ابن ماجہ ہے یا موطا مالکؒ	۵۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۲۔	سنن ابن ماجہ کا علمی درجہ	۵۸
۳۳۔	درجہ تکمیل	۵۹
۳۴۔	فصل (۵) صحیح وضعیف حدیثوں میں تمیز کا ملکہ پیدا کرنے کا ولی اللٰہی طریقہ	۵۹
۳۵۔	شاہ صاحب کی تحقیق میں موطا مالک کی اہمیت واقدمیت	۶۰
۳۶۔	فقہاء سبعہ	۶۳
۳۷۔	فصل (۶) عام علما نے موطا کو اس قدر اہمیت کیوں نہیں دی	۶۴
۳۸۔	وصیت شیخ الہندؒ	۶۴
۳۹۔	مسند احمد	۶۵
۴۰۔	فتح الباری	۶۵
۴۱۔	سبب الرجوع الی الموطا	۶۶
۴۲۔	باب چہارم۔ علم فقہ	۶۸
۴۳۔	فصل (۱) عرب اور رسول اللہ کی بعثت کا مقصد	۶۸
۴۴۔	قرآن اور دنیا میں انٹرنیشنل انقلاب کا پروگرام	۷۲
۴۵۔	انقلاب کا قرآنی پروگرام اور طاقت	۷۲
۴۶۔	عدم تشدد کا مسلک	۷۳
۴۷۔	قرآن کی انقلابی تحریک کا آئیڈیا	۷۳
۴۸۔	اس تحریک کو چلانے والی پارٹی یا حزب اللہ	۷۳
۴۹۔	سینٹرل کمیٹی کی تعیین	۷۴
۵۰۔	مسئلہ خلافت وامامت	۷۴
۵۱۔	فصل (۲) عجم	۷۵
۵۲۔	سلاطین اور علمائے کرام	۷۶
۵۳۔	سلاطین اسلام اور صوفیہ	۷۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۴۔	فصل (۳) تطبیق الفقہ والحدیث	۷۸
۵۵۔	ایران اور خراسان	۷۸
۵۶۔	حجازی اور عراقی فقہ کی تدوین	۷۹
۵۷۔	تدوین فقہ اور ہندوستان	۸۰
۵۸۔	شاہ ولی اللہؒ اور فقہ	۸۱
۵۹۔	حجاز پہنچ کر شاہ صاحب کا فقہی مسلک	۸۳
۶۰۔	مرکز کی تلاش اور پھر حنفی فقہ کی طرف رجوع	۸۳
۶۱۔	ہند میں فقہ حنفی اور شاہ ولی اللہؒ	۸۴
۶۲۔	حنفیت میں شاہ صاحب کی الہامی تجدید	۸۵
۶۳۔	شاہ صاحب بحیثیت مجتہد منتسب	۸۶
۶۴۔	امام عبدالعزیز دہلویؒ	۸۶
۶۵۔	مشائخ دیوبند	۸۷
۶۶۔	باب پنجم (تصوف و فلسفہ)	۸۸
۶۷۔	فصل (۲) عجمی اقوام اور فلسفہ اشراق	۹۰
۶۸۔	فصل (۳) آرین اقوام کو سامی نبوت سمجھانے کا ولی اللٰہی طریقہ	۹۱
۶۹۔	فصل (۴) شاہ صاحب کی نظر میں تصوف کی اہمیت اور ضرورت	۹۲
۷۰۔	فصل (۵) اسلام اور ہندوستانیت	۹۳
۷۱۔	فصل (۶) نبوت کی رہنمائی کی ضرورت صرف امور آخرت ہی میں نہیں ہے بلکہ دنیاوی معیشت کا سنوارنا بھی نبوی ہدایات کا محتاج ہے	
	ابن خلدون کی ایک سنگین غلطی پر انتباہ	۹۴
۷۲۔	روحانیت اور اخلاق انسانی کا تعلق اقتصادیات سے شاہ صاحب کی نظر میں	۹۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰے

باب اول (تحصیلی ملکات)

شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے تحصیلی ملکات کی تشریح سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ایسے مشائخ کا اجمالی تذکرہ کردیا جائے جن کی صحبت نے ان کی ذہنیت کو صاف کیا ہے۔

تحصیلی ملکات کی تشریح

تحصیلی ملکات سے ہماری مراد ہے عربی زبان کا سیکھنا۔ منطقی اصطلاحات کا استعمال کرنا، سوسائٹی کے رائج الوقت قانون یعنی فقہ حنفی کے متون وشروح کا پڑھنا، اس قانون کے عقلی نظام یعنی اصول فقہ کا سمجھنا متکلمین کے مختلف اسکول اور ان کی باہمی مسابقت سے شناسا ہونا۔ اس کے بعد حقائق کائنات پر اپنی صاف ذہنیت سے غور کرنا اور اپنے کسبی اطمینان پر بھروسہ کرنا۔ یہ سب علوم وفنون تحصیلی ملکات کا ذریعہ ہیں اس وقت ہم آخری حصے پر سب سے پہلے بحث کرتے ہیں۔

آزاد ذہنیت سے حقائق کائنات کو سوچنے کا فلسفہ حقیقۃ الوجود اور اس کے تنزلات کو سمجھنے کا نام ہے، اس فن کے امام متاخرین صوفیہ میں حضرت شیخ اکبر (محمد بن علی) محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸) ہیں، شاہ صاحبؒ کے مربی اصل میں سب سے پہلے ان کے والد شاہ عبدالرحیم

(متوفی ۱۱۳۱ھ) ہیں وہ ابن عربیؒ کے فلسفہ کے پورے ماہر استاذ تھے۔

شاہ عبدالرحیمؒ کا علمی سلسلہ

شاہ عبدالرحیم اپنے بھائی شیخ ابوالرضا محمدؒ (متوفی ۱۱۰۱ھ) کے شاگرد ہیں، شیخ ابوالرضا مذکورہ بالا فلسفہ میں ایک مستقل امام کا درجہ رکھتے ہیں، شاہ صاحب کی یہ ذہنیت اپنے والد اور چچا سے خاندانی خصوصیات کے ضمن میں بلا قصد تکمیل پاتی ہے شاہ صاحب کے والد اور چچا خواجہ عبداللہ المعروف بہ خواجہ خورد (متوفی ۱۰۷۵ھ) کے خاص صحبتی ہیں۔ خواجہ خورد اپنے والد خواجہ رضی الدین محمد باقی عرف باقی باللہ دہلوی (متوفی ۱۰۱۲ھ) کے پانچ شاگردوں کے ہم صحبت ہیں (۱) حضرت امام ربانی شیخ احمد سہرندی مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ) (۲) شیخ اللہ داد دہلوی (متوفی) (۳) خواجہ حسام الدین دہلوی (متوفی ۱۰۴۰ھ) (۴) شیخ رفیع الدین متوفی ۱۰۵۲ھ) (۵) شیخ تاج الدین سنبھلی مکی (متوفی ۱۰۵۰ء) خواجہ باقی باللہ نظریہ وحدۃ الوجود کے بہت بڑے امام تھے۔ ان کی امامت اشراقی طرز کی ہے وحدۃ الشہود کا اسکول امام ربانی نے مرتب کیا ہے۔ خواجہ خورد اور شاہ صاحب کے والد اور چچا اگرچہ امام ربانی سے پورے مستفید ہوئے مگر ان کا فکر وحدت الوجود کی طرف مائل ہے۔ امام ولی اللہؒ نے ”انفاس العارفین“ میں اپنے والد اور چچا کے مقالات اور مقامات اس طرح ذکر کئے۔ جس سے مذکورہ مقالات اور مقامات کی شرائع الہیہ سے تطبیق ہو جائے ہر دو بھائیوں کے خاص نظریات کا ماحصل ایک ایسی شاہراہ بنانے کی سعی ہے جس پر مسلمان فلاسفر (صوفیہ و متکلمین) اور فقہا ساتھ ساتھ چل سکیں، کشف، عقل، نقل میں خصوصی مہارت پیدا کر کے جس طرح اہل علم فرقوں میں منقسم ہو گئے اسی طرح یہ افتراق فنا ہو جائے تا کہ اسلامی ذہنیت جو زنگ آلود ہو رہی ہے اپنے جوہر دکھا سکے، یہ شاہ صاحبؒ کی ذہنیت کا ایک اچھا مظاہرہ ہے، کہ وہ وحدۃ الوجود کے فلسفہ کو شرائع الہیہ کی تشریح و تفصیل میں استعمال کر سکتے ہیں۔

فصل (۲) شاہ ولی اللہؒ کی ذہنیت کا بنیادی مسئلہ

امام ولی اللہ حدیث شریف کی تکمیل کیلئے ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین گئے، پورے دو سال وہاں رہے سب سے بڑا استاذ جس سے ان کو معنوی مناسبت پیدا ہوئی وہ شیخ ابوطاہر مدنی متوفی ۱۱۴۵ھ ہیں۔ شیخ مذکور زیادہ تر اپنے والد شیخ ابراہیم کردی (متوفی ۱۱۰۱ھ) سے مستفید ہوئے۔

حسن اتفاق سے شیخ ابراہیم کردی اور شاہ عبدالرحیم کی ذہنیت متقارب تھی، کیونکہ ہر دو کا سلسلہ تلمذ جلال الدین دوانی تک پہنچتا ہے بنابریں شیخ ابوالطاہر مدنیؒ کی صحبت شاہ ولی اللہؒ کو بہت موافق آئی۔

ہم نے شیخ ابراہیم کردی کے بہت سے رسالے مطالعہ کیے، وہ شریعت اسلامیہ کو ابن عربی کے فلسفہ سے حل کرتے ہیں اور اس باب میں وہ ایک مستقل مفکر امام کا درجہ رکھتے ہیں۔ شیخ ابراہیم کی تاثیر شیخ ابوالطاہر کے ہر قول و فعل میں نمایاں نظر آتی ہے، ہماری سمجھ میں ان دو مختلف طریقوں کا شاہ صاحب کے والد و چچا کا طریق اور دوسرا شیخ ابوالطاہر مدنی اور شیخ ابراہیم کے دوسرے شاگردوں کا طریق جو حرمین میں تھے ایک فکر پر متحد ہونا شاہ صاحب کی ذہنیت کا بنیادی مسئلہ ہے، کوئی عالم خواہ کسی زمانے کا کسی مذہب و ملت کا ہو مگر اس کی تعلیمات شاہ صاحب کے اساسی فلسفہ پر پوری اترتی ہوں وہ سب عالم شاہ صاحب کے یہاں مصیب ہیں، ان کے مختلف اقوال کو جمع کرنا، ان میں تطبیق دینا شاہ صاحب کا علمی کمال ہے۔

(۱) اس کی ایک مثال یہ ہے کہ شیخ اکبر کی وحدت الوجود اور امام ربانی کی وحدت شہود کو شاہ صاحب ایک دوسرے پر منطبق مانتے ہیں تعبیرات کے اختلاف کو کچھ زیادہ وزن نہیں دیتے، اس مسئلہ کو شاہ صاحب نے مکتوب مدنی میں واضح کر دیا ہے شاہ صاحب کی مذکورہ بالا تطبیق کو ''ائمہ مجددیہ'' کو سخت ناگوار گزری ہے۔ تاہم وہ شاہ صاحب کے کمالات کے انھیں لفظوں میں معترف ہیں جن میں وہ اپنے ائمہ کا کمال بیان کرتے ہیں۔

(۲) ہم شاہ صاحب کے اس مسئلہ کو کہ وہ ائمہ فقہا میں حنفیہ اور شافعیہ کو ایک ہی درجہ پر قبول کرتے ہیں اسی اصول پر حل کرتے ہیں، انھوں نے دیکھا کہ ان کے والد اور چچا حنفی ہیں اور اس فلسفہ (وحدۃ الوجود) کو صحیح طریق سے جانتے اور چلاتے ہیں۔ نیز انھوں نے دیکھا کہ شیخ ابوالطاہر مدنی اور شیخ ابراہیم کردی شافعی المذہب ہیں پھر اس اصل کو اس طرح مانتے ہیں، بنابریں ان کے نزدیک حقیقت شناسی کے نقطہ نظر سے فقہ حنفی اور فقہ شافعی میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے، شاہ صاحب اپنے ملک میں اپنی سوسائٹی میں، فقہ حنفی کے پابند ہیں، مگر ان کی عقلیت فقہ شافعی کی توہین برداشت نہیں کرتی جیسے عام فقہا کے مشاجرات،

بلا قصد، استخفاف مذکور پر منتج ہوتے ہیں۔

اسی مسئلہ کو ہم ذرا آگے بڑھاتے ہیں، شاہ صاحب فقہ حنفی کو امام ربانی محرر مذہب نعمانی، محمد بن الحسن الشیبانی (متوفی ۱۸۹ھ) کی کتابوں سے اخذ کرتے ہیں اور فقہ امام شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) کو براہ راست امام شافعی کی کتابوں سے لیتے ہیں، پھر ان ہر دو اماموں کو امام مالک (متوفی ۱۷۸ھ) کا شاگرد پاتے ہیں، اس پر وہ یہ قاعدہ تجویز کر لیتے ہیں کہ موطا مالک فقہ کی اصل ہے جس سے مالکی، شافعی، حنفی مذاہب پیدا ہوئے پھر آگے بڑھ کر وہ اہل مدینہ کی فقہ کا مرکز حضرت فاروق اعظمؓ کو قرار دیتے ہیں، بنابریں ان مذاہب ثلثہ کو فاروق اعظم کے مذہب کی تشریح مانتے ہیں۔ ازالۃ الخفا میں وہ فاروق اعظم کو مجتہد مستقل اور ان ائمہ ثلثہ کو مجتہد منتسب کے درجے پر تسلیم کرتے ہیں اس سے وہ ائمہ اہل سنت کے مذہب کو قرآن وسنت کی صحیح تشریح قرار دیتے ہیں ہماری سمجھ میں یہ خبر اس رنگ میں جو متقدمین کی کتابوں میں بھی نظر نہیں آئی، شاہ صاحب کی اس مذکورہ بالا عقلی ذہنیت کی صفائی کا نتیجہ ہے۔

فصل (۳) حکمت عملی کے باب میں شاہ ولی اللہ کا امتیاز اور اسکے اسباب

چشتی طریقہ میں حضرت شیخ عبدالعزیز دہلوی البحر المواج عرف شکر بار، مولف رسالہ عزیزیہ (یہ رسالہ انفاس العارفین میں پورا نقل ہے متوفی ۹۷۵ھ) ایک بہت بڑے عالم، عارف، متشرع بزرگ گزرے ہیں، ان کے والد شیخ حسن بن طاہر (متوفی ۹۰۹ھ) سلطان سکندر لودی کے زمانہ میں دہلی آبسے تھے، شیخ عبدالعزیزؒ کے پوتے شیخ رفیع الدین بن قطب العالم بن عبدالعزیز ہیں، جو خواجہ باقی باللہ کے خواص اصحاب سے تھے، شیخ رفیع الدین شاہ عبدالرحیم کے نانا ہیں، ان سے اسی طریقے پر شاہ عبدالرحیم کو فیض پہنچا، شاہ عبدالرحیم کی پیدائش سے دو سال پیشتر آپ شاہ عبدالرحیم کی خلافت کی سند لکھ کر ان کی والدہ کو دے گئے تھے، یہ جملہ مشہور ہے کہ جس طرح مغلیہ خاندان میں سلطنت کا تسلسل رہا، اسی طرح شیخ عبدالعزیز کی اولاد میں شاہ ولی اللہ تک پھر اُن کی اولاد تک جو سراج الدین بہادر شاہ ثانی (متوفی ۱۲۷۴ھ) کے زمانے تک ہی، علم وعرفان کا تسلسل رہا ہے۔

شاہ عبدالرحیمؒ کے ایک استاد میر محمد زاہد ہروی (متوفی ۱۱۰۱ھ) ہیں، ان کا سلسلہ تلمذ شیخ

محقق جلال الدین دوانی (متوفی ۹۲۸ھ) پر ختم ہوتا ہے۔ سلطان محمد خان فاتح نے جب یورپین اقوام کو اسلام سے آشنا کرنا ضروری سمجھا تو اپنے اہل عصر علما کو شریعت وحکمت کی تطبیق پر متوجہ کیا ان میں سے محقق دوانی ایک نامور استاذ ہیں حکمت علمی میں اکثر افاضل زیادہ توجہ نہیں کرتے تھے مگر شیخ جلال الدین دوانی نے محقق نصیر الدین طوسی متوفی ۶۷۲ھ) کے بعد اخلاق جلالی لکھ کر اس فن کو زندہ کر دیا۔ شاہ عبدالرحیم نے شاہ ولی اللہ کو حکمت عملی سکھانے میں خصوصی توجہ برتی ہے۔ جس کا ذکر ''انفاس العارفین'' اور ''جز لطیف'' میں موجود ہے۔

شاہ عبدالرحیم قدس سرہ کا یہ کارنامہ بھی قابل احترام ہے کہ حکمت عملی سکھانے پر خاص زور دیتے تھے عام متکلمین نے ارسطو کی حکمت نظریہ کو اپنا مطمح نظر بنالیا ہے، وہ حکمت عملی سے سروکار نہیں رکھتے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم کلامیہ میں دلچسپی سے حصہ لینے والے فقہا اور متکلمین قومی زندگی کی ضروریات میں تدبر اور تفکر سے محروم ہو گئے۔ امام ولی اللہؒ فرماتے ہیں ''حضرت ایشاں با اخلاق سلیمہ مرضیہ از شجاعت وفراست وکفایت وغیرت بوجہ اتم موصوف بودند۔ وعقل معاش مثل عقل معاد کامل ووافر داشتند ودر مجلس صحبت، حکمت عملی وآداب معاملہ بسیاری آموختند۔ بحوالہ کتاب ''تمہید'' فی الانفاس'' ایں فقیر را در مجلس صحبت حکمت عملی وآداب معاملہ بسیارے آموختند۔ اس بنیاد پر شاہ ولی اللہؒ نے عظیم الشان عمارت کھڑی کر دی ہے اپنے حالات میں جہاں اور انعامات الٰہیہ کا ذکر کرتے ہیں یہ بھی لکھتے ہیں۔ ''حکمت عملی کہ صلاح ایں دورہ دوراں است بوسعت تمام افادہ فرمودند وتوفیق تشید آن بہ کتاب وسنت وآثار صحابہ دادند'' (جزء لطیف) اگر شاہ ولی اللہ کے شاہ کار حجۃ اللہ البالغہ پر غور کیا جائے تو اس میں ایک امتیازی وصف یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ مباحث ارتفاقات میں حکمت عملی کا مفصل ذکر کر کے تمام احادیث کو انہیں ابواب پر تقسیم کر دیتے ہیں پھر خاص موقعہ پر حدیث کے ذیل میں حکمت عملی کا کوئی نکتہ ذکر کر دیتے ہیں۔

الغرض شاہ صاحب کی تمام کتابیں عبادات کے چار ابتدائی ارکان کے بعد حکمت عملی کے ابواب پر مرتب ہیں اس کا ایک نتیجہ ہماری سمجھ میں یہ ہے کہ شاہ صاحب نے حسن وقبح (یعنی بر واثم) کے معنی لفظی بحثوں سے مجرد کر کے ہر طالب حق کے لئے انکو مشخص کر دیا ہے۔ ان کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کو اچھا کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے نوعی خواص اس میں کاملاً

پائے جاتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک گدھے کو ہم اچھا کہیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ حماریت کے لازم اس میں پورے موجود ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ مثلاً ایک انسان سے بھی بڑھ کر ہے۔ اسی طرح اگر ہم ایک نبات کو یا ایک جماعت کو اچھا کہیں گے تو اس کے نوعی خواص کے اعتبار سے اس کی قیمت لگائیں گے بنابریں ایک انسان کو اچھا کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس میں انسانیت نوعیہ کے خواص کاملاً پائے جاتے ہیں اسی طرح جس قدر ان اوصاف میں تنزل ہوگا اسی قدر اس کی خوبی میں نقص پیدا ہوتا جائے گا، انسانیت کے اوصاف کیا ہیں؟ اس کا جواب ایک ماہر حکمت کے نزدیک یہ ہوگا کہ تمام اقوام اور اصناف میں استقراء تام کے بعد جس قدر اوصاف مشترک پائے جاتے ہیں وہ انسانیت کا مصداق ہیں شاہ صاحبؒ کی حجۃ اللہ پڑھ کر دیکھئے وہ ہر بات میں کسی عمل کی، کسی خلق کی، کسی عقیدہ کی خوبی فقط اس طریقے سے ثابت کریں گے کہ وہ انسانیت کے عام افراد میں یعنی مشرق ومغرب میں اور عرب وعجم میں پایا جاتا ہے، یہ ایسا نفیس جوہر حکمت ہے جس سے عام مصنفین کی کتب خالی ہیں دوسرے علما کی کتابیں پڑھ کر حسن وقبح کی تمیز میں براوثم کی حقیقت معین کرنے میں خیالی فلسفہ گھڑنے سے زیادہ کوئی کمال پیدا نہیں ہوگا۔

شاہ صاحب کی اس استقرائی اجتماعیت کے بعد ایک طالب علم اس ورطہ سے یک لخت نکل جاتا ہے، وہ گھر کے نظام کو ایک سلطنت کے طور پر چلانے کی فکر صحیح اپنے اندر رکھتا ہے اسی کو بڑھا کر وہ محلے، مدینے اور مدن میں پھیلا کر دنیا کی سیاست پر حکمراں بن سکتا ہے، اس کے بعد وہ عالم سمجھ سکتا ہے کہ اسلام عالمگیر انقلاب کا مکمل پروگرام ہے جس پر قرآن عظیم حاوی ہے اور وہ اس نقطہ نظر سے اپنی تشریح آپ ہی کسی تکمیل اور تشریح کا محتاج نہیں، یہ شاہ صاحب کے فلسفہ کا بہترین نتیجہ ہے جس نے قرآن کو مسلمانوں کے اذہان کے قریب کر دیا۔

باب دوم (تکمیلی ملکات)

اب ہم شاہ صاحبؒ کے تکمیلی ملکات سے بحث کرتے ہیں۔ تکمیلی ملکات سے ہماری مراد یہ ہے کہ:

(الف) صاف عقلیت سے تمام معلومات کو مرتب کر لینا تا کہ ان میں کسی قسم کا تضاد اور تزاحم باقی نہ رہے۔

(ب) وہبی قوتوں سے سرشار ہونا تا کہ تمام اختلافات کی اصلاح کے لئے جو تدابیر الٰہیہ کام کر رہی ہیں وہ بھی محسوس ہونے لگیں۔ اس وقت وہبی کا استناد، اول الذکر قوت عقلی پر ہو، غرض اس پہلے عقلی فیصلہ کی اس قوت وہبی سے تائید ہو رہی ہو۔

(ج) اس کے بعد قرآن حکیم کے حقائق پر عقلی اور وہبی ہر دو قوتوں سے غور کرنا۔ اور اس کے تاریخی انقلابات کو مرتب طور پر سوچنا، سامنے لانا، اور واضح کرنا، پھر اس علم کی ایک تعلیم گاہ بنا کر راسخین فی العلم تیار کرنا جو اپنے زمانہ میں اور آئندہ آنے والے دور میں قرآنی تعلیمات کو ملل اور ادیان کے مقابلہ میں قائم رکھ سکیں۔ یہ نمبر سوم مذکورہ بالا قوتوں (عقلی اور وہبی) کے استعمال کا پہلا میدان ہے، اس کی تفصیل پر مختصراً آئندہ بحث آتی ہے۔

فصل (۱) شاہ ولی اللہؒ اور قرآن فہمی کے باب کی ایک عام غلط فہمی کی اصلاح

فقہاء عظام نے قرآن عظیم کو اپنی ''اصول فقہ'' میں پہلے درجہ پر رکھا ہے، مگر اس سے مراد ان کے یہاں چند آیات احکام ہیں جو اوامر و نواہی کی شکل میں قرآن حکیم میں مدون ہیں، اس

تخصیص کا یہ اثر پیدا ہوا کہ ایک عالم سارا قرآن سمجھنا ضروری نہیں جانتا پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کی تفسیر واعظوں اور قصہ گو افسانہ طراز لوگوں کے ہاتھ آگئی اور فقہا کا اس میں دخل نہ رہا۔

ائمہ فقہا نے اپنے اصول میں بالاتفاق یہ مسئلہ درج کیا ہے کہ اگر قرآن شریف میں ایک آیت بلفظ عموم نازل ہوئی ہو اور مفسرین اس کا کوئی خاص واقعہ سبب بتاتے ہوں تو قرآن فہمی میں عموم الفاظ ہی مدنظر رہے گا خصوصیت محل کو اس میں دخل نہیں ہوگا۔

اس قاعدے پر اتفاق ہوتے ہوئے آپ جس تفسیر کو اٹھا کر دیکھیں گے ہر آیت کے ماتحت ایک جزئی واقعہ پائیں گے۔ مثلاً یہ آیت ابوجہل کے حق میں ہے، یہ عبداللہ بن اُبی منافق کے بارے میں نازل ہوئی، یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت میں اُتری، اس میں اہل بیت کے فضائل کا بیان ہے، عام اساتذہ اور طلبہ کو آپ انہیں جزئی چیزوں میں غور کرتا ہوا پائیں گے، شاہ صاحب نے ''الفوز الکبیر'' کی ابتدا میں اس غلطی کو نہایت وضاحت سے بیان کردیا ہے۔ اور آیات احکام کا مطلب یہ بتلایا کہ اجتماعی طور پر انسان میں جو بداخلاقیاں اور بداعمالیاں موجود ہیں ان کو ان آیات کا سبب نزول سمجھنا چاہیے عرب یا عجم، زمانے کے تقدم یا تاخر سے ان کو کوئی تعلق نہیں۔ الفوز الکبیر میں ہے ''محقق آنست کہ وجود اعمال فاسدہ وجریان مظالم درمیان ایشاں سبب نزول آیات احکام است''۔

اس طریقے پر سوچنے والی ایک جماعت شاہ صاحب کے صحبت یافتہ لوگوں میں پیدا ہوگئی شاہ محمد عاشق پھلتی اور شاہ محمد امین کشمیری ولی اللٰہی اس گروہ کے سرکردہ ہیں، سراج الہند مولانا شاہ عبدالعزیز (متوفی ۱۲۳۹ھ) نے شاہ ولی اللہ صاحب کے بعد ان سے پڑھ کر تکمیل کی۔

فصل (۲) قرآن میں قصص انبیا کی تکرار کا حل اور مضامین قرآن کی ولی اللٰہی تقسیم جس کی رعایت سے فہم قرآن کا دروازہ کھل جاتا ہے اور قرآن تک رسائی ہوسکتی ہے۔

قرآن شریف میں انبیا کے قصے مکرر سکرر موجود ہیں، انسان بے ترتیبی سے پڑھتے پڑھتے اکتا جاتا ہے شاہ صاحب نے عامہ کتب الٰہیہ کے لئے تین اصول مقرر کئے ہیں جن کے بعد وہ تمام قصص ایک اعلیٰ روحانیت پیدا کرنے کا ذریعہ بن جائیں گے وہ تین اصول حسب ذیل ہیں۔

(۱) التذکیر بآلاء اللہ (۲) التذکیر بایام اللہ (۳) التذکیر بالموت وما بعدہ آپ نے ان تینوں فنون پر الفوز الکبیر کے مقدمے میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ قرآن شریف سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ذکر، یعنی مطلق تذکرے کے لئے نازل ہوا، قال اللہ تعالی شانہ ’’**ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر** ‘‘ تذکیر مذکور کی بحث کو مستقل طور پر کسی نے ہاتھ تک نہیں لگایا، عام واعظ اور قصہ گو لوگ ان آیتوں میں تصرف کرتے رہے اور ان کی بحثیں ایک طرح تلاعب کے درجہ تک جا پہنچیں۔

(۱) واضح رہے کہ مذکورہ بالا تذکیر میں مفسر کو ایک تو علوم طبعیات میں کافی مہارت ہونی چاہئے تاکہ الاء اللہ کی تشریح کر سکے، سطعات میں شاہ صاحب نے تصریح کردی ہے کہ حکمت طبعیہ کو قرآن عظیم نے الاء اللہ کی تذکیر میں استعمال کیا ہے۔

(۲) تذکیر بایام اللہ کو فقط ایک مورخ اور فلسفہ تاریخ کا حاذق و ماہر ہی حل کرسکتا ہے کہ ایک قوم کس طرح بڑھی تھی، پھر کس طرح گری۔ (۳) انسانی زندگی موت پر ختم نہیں ہوتی اس پر حنفی ادیان میں یہودی، نصرانی، مسلم سب متفق ہیں اور صابی ادیان میں سے سناتنی، بدھسٹ اور مجوس جو تناسخ کے قائل ہیں، وہ بھی موت پر زندگی کو ختم نہیں کرتے آزاد طبع عقلمندوں کی جماعت میں سے بھی بہت بڑا حصہ، انسانی زندگی کو موت پر ختم نہیں کرتا البتہ ادنی طبع کے چند بوالہوس شور مچاتے رہتے ہیں ان سے عوام متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، اس غفلت سے انسان کو نکالنا اور اس کی زندگی کا مفہوم اسے سمجھانا، اس کے ثمرات جو اس دنیا میں پیدا ہوتے ہیں یا وہ ثمرات جو موت کے بعد پیدا ہونگے ان کو ذہن نشین کرانا قرآن عظیم کے مقاصد میں اہم چیز ہے۔

اس مسئلہ کو (تذکیر بالموت وما بعدہ کو) الٰہیات کا ایک بہت بڑا فاضل ہی سمجھا پڑھا سکتا ہے جسے عقلی الٰہیات کے ماسوا مختلف ادیان کے نظریات مابعد الموت پر پورا پورا عبور حاصل ہو۔

عقدہ لاینحل اور (مسئلہ حقیقت روح)

یہاں ایک پیچیدگی غلط تفسیر سے پیدا ہوئی جس نے مسلم مفکرین کے اذہان کو جامد بنا رکھا

ہے، مابعد الموت کے مسئلہ پر غور کرنے سے پیشتر انسانی روح کو سمجھنا از حد ضروری ہے۔ عامہ مفسرین نے روح کے علم کو متشابہات میں داخل کر رکھا ہے، کوئی مفکر اس کے قریب نہیں جا سکتا، اس لئے تمام مسائل مابعد الموت تحت اللفظ ترجمہ پڑھنے سے زیادہ قابل غور نہیں سمجھے جاتے یہاں تک کہ عقائد کی کتابوں میں توحید اور نبوت کا مسئلہ تو عقلی مانا جاتا ہے اور عذاب القبر سے لیکر آگے کی تمام بحثیں نقلی سمجھی جاتی ہیں۔ عذاب القبر کو صرف اسلئے مانا جاتا ہے کہ حدیث شریف میں اس کا ذکر موجود ہے۔

شاہ صاحب نے اپنی تالیفات میں مسلمانوں کو اس غلطی سے بچالیا ہے، مابعد الموت جو زندگی قرآن ثابت کرتا ہے ان کے یہاں مسلسل عقلی نتائج کا مجمل بیان ہے، عقل صریح کی پوری تائید کے بغیر کوئی چیز قرآن منوانے کی خواہش نہیں رکھتا۔

اس ہمارے دور میں جب سے ہندوستان سے اسلامی حکومت چلی گئی ہے شاہ صاحب کے ان افادات پر توجہ نہ کرنا مسلمانوں کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے۔

فصل (۳) شاہ صاحب کی تقسیم کے مطابق قرآن کا ایک اہم مضمون ''مخاصمۃ'' اور عام علما کی اس نکتہ سے بے اعتنائی

شاہ صاحب نے قرآن کے اصول میں سے پانچویں اصل مخاصمہ قرار دیا ہے جو یہود ونصاری، مشرکین اور منافقین کے ساتھ جاری ہے اس کی پوری تفصیل ''الفوز الکبیر'' کے مقدمہ میں ملے گی۔ ہماری سمجھ میں شاہ صاحب کے مباحث (دربارہ مخاصمہ) کا خلاصہ یہ ہے کہ علم اخلاق جو احکام شرعیہ کے ضمن میں ملحوظ ہے۔ اس کی تعلیم دو طرح دینی چاہئے اول بطریق اوامر ونواہی دوم ان اخلاق حمیدہ کے تارکین کی زندگی میں جو معائب پیدا ہوتی ہیں ان کی تفصیل بتائی جائے۔

ایک جماعت جو اپنے آپ کو احکام الٰہیہ کا پابند مان لیتی ہے پھر اس ملت کے متبعین کے لئے مرکز کا کام دیتی ہے اس جماعت کی خرابی سے ساری ملت برباد ہو جاتی ہے، ان کی مثالیں یہود ونصاری سے مخاصمہ کرکے واضح کر دی گئیں۔

ایک ایسی جماعت جو عقلی اصول پر اپنی ترقی تجویز کر لیتی ہے وہ اپنے مسلمہ اخلاق کی

پابندی کو ترک کر کے کس طرح برباد ہوتی ہے، اس کی توضیح مشرکین کے مناظرے میں آئے گی۔

ایک شخص جو اپنے آپ کو کسی مذہب کا پابند سمجھتا ہے پھر تساہل اور تہاون سے ان احکام کے مقصد کو پورا نہیں کرتا۔ اس کی غلطیاں منافقین کے مناظرے سے واضح ہونگی۔

شاہ صاحبؒ کی اس توضیح کے بعد مخاصمہ قرآن حکیم کے مقاصد میں نہایت اہم درجہ رکھتا ہے۔ فقیہ اس کو بے التفاتی سے پڑھ کر گزر جاتا ہے۔

ہمارے خیال میں بہت کم مفسرین ایسے ہونگے جو اس مقصد پر متوجہ ہوتے ہوں جن لوگوں نے یہ خیال بنایا تھا کہ فقیہ بننے کیلئے قرآن کریم کے فقط اوامر و نواہی کافی ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ قرآن کو مس تک نہیں کر سکے۔

جب مسلمانوں کی مرکزی جماعت کا قرآن عظیم کے متعلق یہ خیال ہوا تو عوام بیچارے اس بارہ میں کہاں تک قابل ملامت قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے قرآن کے مضامین کو مذکورہ بالا پانچ ابواب میں تقسیم کر کے دنیائے اسلام پر رحمت کا دروازہ کھول دیا ہے، یہاں اگر ان کی کسبی عقلی اور وہبی اشراقی قوتیں کام نہ کرتیں تو ہمارے خیال میں قرآن کو اس طرح واضح کرنا ناممکن تھا۔

ہم نے امام فخرالدین رازی (محمد بن عمر متوفی ۶۰۶ھ) کی تفسیر پڑھی۔ نیز جاراللہ زمخشری (محمود بن عمر متوفی ۵۳۸ھ) کی تفسیر کا مطالعہ کیا، ان کے علاوہ معالم التنزیل از (ابومحمد حسین بن مسعود فرا) بغوی (متوفی ۵۱۰ھ) اور تفسیر حافظ (عمادالدین ابوالفدا اسماعیل بن عمر المعروف بہ) ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) بھی پڑھی، ان سے ہمیں اپنی استطاعت کے مطابق سوائے تحیر کے کچھ نصیب نہیں ہوا، اگر طالب علمی کے عہد میں ہم نے نجم الائمہ حضرت شیخ الہند قدس سرہ (متوفی ۱۳۳۹ھ) سے چند آیتوں کی تفسیر نہ سنی ہوتی جو کتابوں میں نہیں ملتی اور ہمارے لئے وہ اطمینان کا ذریعہ بن سکی اور اس کے ساتھ ہی شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) کے بعض تفسیری جملے ہم نے نہ پڑھے ہوتے تو ہم علم تفسیر کے حاصل کرنے سے قطعاً مایوس ہو جاتے، ہم مانتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں نے انھی کتابوں سے قرآن سمجھا تھا جب وہ قرآن کی حکومت

مجتہدانہ اصول پر قائم کر رہے تھے، مگر اس قسم کی تفسیروں سے قرآن فہمی ہمارے لئے ناممکن ہے۔

ہم نے مولانا شیخ الہند قدس سرہ سے اصول تفسیر پر کتابیں مانگیں، آپ نے کتاب الانفاق فی علوم القرآن'' از حافظ جلال الدین (عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی متوفی ۹۱۱ھ) ہمیں مرحمت فرمائی، میں نے پوری کوشش سے ساری کتاب بارہا پڑھی، سوائے چند اوراق کے مجھے اس میں کوئی چیز دلچسپ نظر نہ آئی جسے اصول کا درجہ دیا جا سکے یہ زمانہ ایسا تھا کہ میں اصول فقہ سے فارغ ہو کر اس میں ایک مستقل تصنیف لکھ چکا تھا، اسی زمانہ میں حضرت مولانا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک مختصر سا رسالہ اصول تفسیر میں شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی لکھا ہے جس کا نام ''الفوز الکبیر'' ہے۔

یہاں میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت مولانا قدس سرہ کی عادت مبارکہ کا ضمناً ذکر کروں، آپ جانتے تھے کہ امام فخر الدین رازی اور علامہ (مسعود بن عمر التوفی ۷۹۱ھ) تفتازانی کو عموماً طلبہ میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ان نام پر وہ حضرات کے مقابلہ میں طلبہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی بات سننے کے لئے بھی تیار نہیں نجم الائمہ شیخ الہند اگر کسی مسئلے میں امام رازی یا علامہ تفتازانی کی تغلیط کرتے تو مبہم طور پر یہ فرماتے کہ محققین کی رائے اس مسئلہ میں یوں ہے طلبہ سمجھتے کہ یہ محققین ان حضرات سے بھی کوئی متقدم ہستیاں ہوں گی، میں ایک لمبے عرصے کے بعد متفطن ہوا کہ محققین سے مراد حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم اور ان کے اساتذہ کرام اور مشائخ عظام ہیں جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ پر ختم ہو جاتے ہیں۔

یہ باعث تھا کہ آپ نے ''الفوز الکبیر'' مجھے شروع میں عطا نہ کی، بلکہ فقط اس کا تذکرہ کر دیا جب میں سندھ پہنچا تو مجھے ''الفوز الکبیر'' کا نسخہ ملا، اس سے پیشتر میں امام رازی کی تفسیر کا مطالعہ کر کے کافی پریشان ہو چکا تھا فصل اول کا مطالعہ ختم کر لینے کے بعد میں مطمئن ہو گیا کہ انشاءاللہ علم تفسیر مجھے آ سکتا ہے پھر اس دن سے آج تک میں ان کے مسلک سے باہر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کر سکا۔

فصل (۴) متن قرآن سے شاہ ولی اللہ کا اعتنا اور اس کی برکات، آپ کا ترجمہ قرآن "فتح الرحمان" اور اس کی خصوصیات

قرآن شریف کو عامہ مسلمین کے اذہان کے قریب لانا ضروری تھا مسلمانوں کی ذہنی سطح استوار کرنے کے لئے سب سے پہلے شاہ عبدالرحیم نے یہ بہترین راستہ اختیار کیا کہ متن قرآن عظیم تحقیق و تفہیم سے پڑھانے لگے اس سے پہلے علما کا یہ دستور تھا کہ قرآن شریف فقط تلاوت کرنے کے لئے پڑھاتے اور مطالب سکھانے کے لئے جس فن سے انہیں دلچسپی ہوئی اس قسم کی ایک تفسیر طالب علم کو پڑھا دیتے جس سے قرآن شریف گویا اس فن کی ایک اعلیٰ کتاب بن جاتی اور جو اخلاقی ذہنیت استاد کی طبیعت میں مرکوز ہوتی، تفسیر پڑھنے سے اور راسخ ہو جاتی۔

شاہ ولی اللہ قدس سرہ لکھتے ہیں "غالباً در حلقہ یاران بیروں از تلاوت ہر روز دو سہ رکوع بہ تدبر و بیان معانی می خواندہ انفاس ص ۸۶ دوسرے موقع پر تحریر کیا ہے "از جملہ منن عظمی بریں ضعیف آن بود کہ چند بار در مدارست قرآن عظیم یا تدبر و شان نزول و رجوع بہ تفاسیر بہ خدمت ایشاں حاضر شدم و ایں معنی سبب فتح عظیم افتادہ، جزء لطیف

اس کا اثر یہ ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے متن قرآن کی حقیقت اپنے اشراق سے اس طرح معین کر لی کہ یہ کتاب بذات خود ایک کامل مکمل نصاب ہے اس پر اضافہ کی کوئی ضرورت نہیں، ہندوستانی مسلمانوں کی شاہی زبان فارسی تھی۔ ۱۱۵۰ھ میں آپ نے اس کتاب مجید کا فارسی میں "فتح الرحمٰن" کے نام سے ترجمہ کیا، جو ۱۱۵۱ھ میں ختم ہوا اور ۱۱۵۶ھ میں "فتح الرحمٰن" کی تدریس کا افتتاح ہوا، آپ نے ترجمہ کے ساتھ مختصر طور پر تشریحی فوائد بھی لکھے جن کی اہمیت میں یورپ جا کر سمجھ سکا ہوں۔

(الف) مثال کے طور پر "کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ" کی تفسیر ملاحظہ ہو، قصاص کا ترجمہ مساوات اور مماثلت، غالباً آپ کو کسی تفسیر میں نہیں ملے گا۔ انسانی مساوات کو یہاں مبنائے حیات قرار دیا گیا ہے کما قال تعالیٰ شانہٗ "و لکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون" پھر انسانی سوسائٹی کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے (الف) خود اپنی

قوم (ب) اور اجنبی، اجنبی کو ''العبد بالعبد'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور اپنی قوم کو (ج) **الذکر والانثی** میں تقسیم کر دیا ہے، اس بنیادی چیز پر جہاں تک میری نظر کام کر سکی ہے کسی حکیم نے تنبیہ نہیں کی، ہمارے دور میں جبکہ ہم یورپ سے اشتراک عمل کرنے پر مجبور ہیں اور یورپین نظریات کو ہم بڑی عزت وعظمت سے لیتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں انسانی سوسائٹی کو تحلیل کرنے والے حکما مسلمانوں میں کم نظر آتے ہیں تو نوجوان مسلمان کے دماغ پر اس کا اچھا اثر نہیں پڑتا، وہ یہاں پہنچ کر اپنی خودی گم کرنے لگتا ہے، اگر اساسی چیز اس کو قرآن حکیم میں سمجھا دی جائے تو وہ تفصیلات ہر اچھے عالم سے لے سکتا ہے اور اس کی اسلامیت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا۔

(ب) سورہ رعد کی آخری آیتوں **اولم یروا انا ناتی الارض ننقصها من اطرافها واللہ یحکم لا معقب لحکمه وهو سریع الحساب الخ** پر شاہ صاحب کا حاشیہ پڑھیے، اس سے مکہ معظمہ ہی میں ''اسلامی حکومت'' کی تاسیس آپ کو سمجھ آنے لگے گی اور اس سے بہت سے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں آپ کو سہولت ہوگی، پارٹی پالیٹکس کی بنیاد اس بیان میں روشن نظر آتی ہے جس کی تفصیل ''فیوض الحرمین'' میں زیادہ موجود ہے وہاں آپ نے سلطنت کو خلافت ظاہرہ سے تعبیر کیا ہے اور سلطنت پیدا کرنے والی پارٹی کو آپ خلافت باطنہ کا نام دیتے ہیں۔ قرآن کی حکومت پیدا کرنے والی پارٹی ہی کا نام حزب اللہ ہے اس طرح سیاسی مسائل پر غور کرنے کی توجہ، شاہ صاحب کی کتابیں پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے اس کے بعد یورپ کی موجودہ ترقی ہمارے لئے کوئی نئی چیز نہیں رہتی البتہ ہم اپنے چند غفلت شعار بادشاہوں اور امیروں کی سستی کا برا نتیجہ بھگت رہے ہیں۔ ہمارا مذہب اگر قرآنی قانون سے ماخوذ ہے تو ہم دنیا کے مقابلے میں پسپا نہیں ہو سکتے اگر بادشاہوں کی شکست کے بعد ان کی باقی ماندہ میراث کو ہم اسلام سمجھیں تو میری رائے یہ ہے کہ اس اسلام کی پوری شکست مان لینی چاہیے، تاکہ نئی نسل کو نئے سرے سے کام کرنے کی ہمت پیدا ہو، غلط اصولوں کی تصحیح میں ان کے دماغوں کو الجھانا نہیں چاہیے۔

قرآن عظیم کا مذکورہ بالا ترجمہ میرے نزدیک ایک ہندوستانی کے لئے تمام تفاسیر سے بہتر کتاب ہے، اس کے ازبر کر لینے کے بعد دوسری تفاسیر پڑھنی چاہئیں۔ تب کہیں ان سے استفادہ

کیا جا سکتا ہے اگر یہ ترجمہ ایک استاد سے پڑھنے کے بعد ذہن میں راسخ نہیں ہوا تو میرے خیال میں ایک عجمی موجودہ تفاسیر سے کوئی معتد بہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا خواہ وہ تفاسیر نقلی ہوں یا عقلی یا ادبی۔

فصل (۵) آیات متشابہات کے متعلق شاہ صاحب کا مسلک

قرآن حکیم نے آیات قرآنی کی تقسیم محکمات اور متشابہات میں کر دی ہے عموماً اہل علم متشابہات میں بحث کرنا ناممکن سمجھتے ہیں، پھر متشابہات کی ایسی واضح تعریف وتفسیر جس سے تمام ایسی آیتیں تحقیقی اور تحدیدی طور سے جدا کر لی جا سکیں کوئی متفق علیہ موجود نہیں ہے اس کا اثر یہ ہوا کہ ایک تو قرآن بتمامہ نا قابل فہم ہو گیا، اور متشابہات میں غور نہ کرنا ایک اصول اور عقیدہ مقرر ہو گیا، ایک کتاب کی نسبت جب یہ عقیدہ بن جائے کہ اس کے بعض حصے (جس کا پورا تعین بھی نہیں) فہم سے بالاتر ہیں تو انسانی متوسط عقول کے لئے ساری کتاب مشتبہ بن جاتی ہے طبیعت میں خدشات اور اوہام اٹھتے ہیں کہ فلاں فلاں آیات کا جو مفہوم ہم نے متعین کیا ممکن ہے کہ اس کی نقیض ان آیات میں موجود ہو جن کو ہم نہیں سمجھ سکتے، اس غلط فکر نے عمل کے لئے قرآن کی طرف سے مسلمانوں کے التفات کو یکسر ہٹا دیا۔

شاہ صاحب کے علوم میں یہ خاص قوت ہے کہ وہ متشابہات کے معانی راسخین فی العلم کے لئے تحقیقی راہ سے سمجھا سکتے ہیں۔ ان علوم کو ہم تکمیلی علوم میں شامل جانتے ہیں، بیشک ہر طالب علم اس درجہ پر نہیں پہنچ سکتا لیکن اگر وہ اپنی جدوجہد مسلسل جاری رکھے تو رسوخ فی العلم کا مرتبہ حاصل کر لینا اس کے لئے ناممکن نہیں ہے۔

اس یقین کو پیدا کرنے کے بعد قرآن کریم کے عالموں کی ایک مستقل سوسائٹی پیدا ہونا لازم ہے جس میں استاذ کامل ومکمل اور اہل علم اول اور دوم درجہ کے شامل ہوں، یہ قرآن کی تعلیمات کو دنیا میں کامیاب بنانے کے لئے مرکزی قوت ہو گی۔

مکہ معظّمہ میں رہتے ہوئے ہمیں زیادہ تر واسطہ ان اہل علم سے پڑتا رہا جو شیخ الاسلام (حافظ تقی الدین احمد بن عبدالحلیم عرف) ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۷ھ) کی امامت کے قائل ہیں، ظاہر یہ حنابلہ اور شافعیہ محدثین کی طرف ان کا علمی میلان ہے، وہ اسی وہم میں مبتلا تھے، کہ

متشابہات میں بحث کرنا فتنے کا دروازہ کھولنا ہے اور متشابہات کا علم یقینی طور پر حاصل کرنا کسی عالم کے لئے ممکن نہیں، اس طرح وہ ہماری تعلیم پر ایک پابندی عائد کرنا چاہتے تھے تاکہ ہم شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کو کھلے طور پر طلبہ کے سامنے پیش نہ کرسکیں، کیونکہ شاہ صاحب متشابہات میں بحث کرتے ہیں، اور یہ ان کے اصول کے خلاف ہے۔

ہمیں اس سے تھوڑے دنوں پریشانی رہی اور ہم نرمی سے عقلی طور پر ان کو سمجھاتے رہے اتفاقاً ہمیں حافظ ابن تیمیہ کی تفسیر قل ہو اللہ احد مطبوعہ مصر ہاتھ آئی جو ہمارے لئے ایک حیرت کا سبب بن گئی، ابن تیمیہؒ نہایت شدت سے اس فکر کی تردید کرتے ہیں کہ متشابہات کا علم خدا تعالی کے سوا کسی کو حاصل نہیں اور یہ نتیجہ ہے اس مشہور قاعدہ کا کہ ''**وما یعلم تاویلہ الا اللہ**'' پر وقف لازم مانا جاتا ہے ''**والراسخون فی العلم**'' کو اس سے منقطع کردیا جاتا ہے ابن تیمیہ پوچھتے ہیں کہ آیات متشابہات کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا یا نہیں اور اس سے اوپر جبرئیل بھی جانتے تھے یا نہیں اگر جواب نفی میں ہے تو ان آیتوں کے نازل کرنے کا کیا مطلب تھا۔

ہم نے یہ نقل ان اہل علم کو دکھلانا شروع کی اس پر وہ حیران رہ گئے بعدازاں وہ خود ابن تیمیہ کی دوسری کتابوں سے اس کی تائیدات تلاش کرکے ہمیں آکر سنانے لگے۔

میرا اپنا اس معاملے میں یہ حال ہے کہ جب سے میں نے ''مسلم الثبوت'' کی شرح از مولانا بحرالعلوم (متوفی ۱۲۲۵ھ) پڑھی اور یہ ۱۳۰۷ھ کا واقعہ ہے، تو اس زمانہ سے میں اس پر مطمئن تھا کہ بحث اور مناظرہ سے تو متشابہات کا مطلب حاصل نہیں ہوسکتا مگر وہبی طریقہ سے اللہ تعالی کاملین امت مرحومہ کو یہ علم عطا کرتا رہتا ہے اس کے بعد کافی زمانہ گزرنے پر خواجہ محمد معصوم سہرندی العروہ الوثقی (متوفی ۱۰۷۰ھ) کے مکتوبات میں میں نے پڑھا کہ حضرت امام ربانی وہبی طریقہ سے متشابہات کی تاویل پر قادر ہونے کو صحیح مانتے ہیں اور مقطعات کی تفسیر سمجھانے میں انھوں نے بڑی احتیاط برتی کہ اس مجلس میں سوائے خواجہ معصوم کے کوئی دوسرا حاضر نہ ہو۔

یہ میرے اساسی خیالات تھے شاہ ولی اللہ کی حکمت نے اس فکر کی تکمیل کردی، اس کے بعد قرآنی مفاہیم کو میں اطمینانی شکل میں سمجھ سکا، میرے خیال میں شاہ صاحبؒ کا اس فن کو تعلیم و تلقین

کے ذریعہ اپنی خاص جماعت میں عام کر دینا اس دوسرے ہزارہ میں ایک بہت بڑی نعمت ہے شاہ صاحب کے اتباع میں مولانا محمد اسماعیل شہید، (متوفی ۱۲۴۶ھ) پھر مولانا محمد قاسم اس حصے میں ایک استقلالی شان رکھتے ہیں یعنی اپنے اپنے زمانے کی اصطلاحات کے مطابق اہل علم کو مطمئن کر سکتے ہیں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو شخص تقدیر کے مسئلہ کو حجۃ اللہ البالغہ کے اصول پر حل نہیں کر سکتا وہ حکمت ولی اللہیہ سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے، تقدیر کا مسئلہ بیان کرنے میں مولانا محمد قاسم کی بھی وہی شان ہے جو شاہ صاحبؒ کی ہے مگر شاہ صاحب اپنے متبعین کو سمجھاتے ہیں اور مولانا ایک عیسائی، ایک آریہ سماجی کو بھی سمجھا سکتے ہیں۔

جو لوگ ان اصطلاحات کے پابند ہیں جن سے ان مسائل پر غور کرنا کسی راسخ فی العلم کے لئے بھی جائز نہیں ہو سکتا (اور ان ہی سے مدارس اور مکاتب بھرے پڑے ہیں) میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ اس زمانہ میں اسلام کیلئے کس قدر مفید ہو سکتے ہیں۔

یہ میری تربیت کا اثر لازم ہے کہ میں اس قسم کے غوامض میں خود رائی پسند نہیں کرتا مگر کسی راسخ فی العلم جماعت سے تعلق بھی پیدا نہ کرنا اور ان مسائل کے متعلق ہر وقت پریشان دماغی میں مبتلا رہنا طالب علم کی شان سے دور جانتا ہوں۔

فصل (۶) رسوخ فی العلم کی تشریح

"رسوخ فی العلم" کا مطلب یہ ہے کہ ایسے عالم کے معلومات میں کہیں تناقض نہیں ملتا جو چیزیں بظاہر متعارض ہیں وہ ایک قاعدے کے اندر اس کی نظر میں جمع ہو جاتی ہیں شاہ ولی اللہ نے مکتوب مدنی کے شروع میں لکھا ہے کہ ہمارے دور کے علوم خاصہ میں سے چوٹی کا علم تطبیق آرا ہے، اسی کلیہ کے ماتحت وہ وحدت شہود اور وحدت وجود کی تطبیق اسی رسالہ میں بیان کرتے ہیں۔

شاہ رفیع الدین صاحبؒ (متوفی ۱۲۴۹ھ) نے تکمیل الاذہان میں تطبیق الآراء کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے مولانا محمد اسمٰعیل شہید "عبقات" میں وجودیہ ورائیہ اور شہودیہ ظلیہ میں تطبیق کی سعی کرتے ہیں مولانا محمد قاسم "قاسم العلوم" میں "راسخین فی العلم" کے مابین اختلاف تسلیم ہی

نہیں کرتے وہ لکھتے ہیں کہ جیسے دو سلیم الحواس ایک چیز کے دیکھنے سننے میں مختلف نہیں ہو سکتے اسی طرح دو راسخ فی العلم کسی عقلی، وجدانی مسئلے میں بھی کبھی مختلف نہیں ہو سکتے جو اختلاف بظاہر نظر آتا ہے وہ فقط صوری ہوتا ہے۔

ان مقالات پر غور سے تامل کرنے کے بعد راسخ فی العلم کے معنے محقق ہو جاتے ہیں ہم شاہ صاحب کو راسخین فی العلم کا امام مانتے ہیں۔

مثال کے طور پر شاہ صاحبؒ کی تحقیقات کا ایک نازک مسئلہ یہاں ذکر کر دیتے ہیں، حضرت شیخ اکبر جو وحدت وجود کے مسئلے کے مسلم امام ہیں، ان کے کلام میں دو مختلف نظریے ملتے ہیں، ان کی تفصیل مولانا اسمٰعیل شہید کی زبان میں عینیہ اور ورائیہ ہے۔ یہ اصطلاح ''اخبار الاخیار'' میں بھی ملتی ہے اور '' **نفحات الانس** '' میں بھی موجود ہے، اہل علم کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان مختلف عبارات کا مرجع ومحمل کیا ہے جن میں ہر چیز کو وجود کا عین (بالفاظ دیگر واجب الوجود کا عین) کہا جاتا ہے اور پھر وہی عالم (شیخ اکبر) دوسرے موقع پر واجب الوجود اور ممکن الوجود میں فرق کرنے بیٹھ جاتا ہے پھر اس کے بعد تنزل وجود کا اصول تحقیق سے پیش کرتا ہے۔

اب شاہ صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ عینیت، نفس کلیہ پر ختم ہو جاتی ہے اس تمام تر کائنات کا ایک نفس ہے جیسے ایک شخص کا ایک نفس ہے، اس حقیقت پر ابن عربی کے یہاں بھی پوری بحث موجود ہے اور حکما کے ہاں بھی شاہ صاحب نفس کلیہ اور اس کے ماتحت تمام کائنات کو من وجہ ایک دوسرے کا حقیقتاً عین مانتے ہیں، جیسے زید وعمر اور انسان من وجہ عین ہیں، شاہ صاحب نفس کلیہ کو جنس الاجناس قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک جوہر اور عرض دونوں جنسیں نفس کلیہ کے ماتحت آتی ہیں، عام حکما یونان کا جوہر وعرض سے اوپر جنس مشترک عالی کا نہ ماننا ان کی قصور نظر پر محمول ہے۔

نفس کلیہ کا بطریق ابداع ذات حق سے صادر ہونا، ذات حق کو ''وراء الوراء'' ثابت کر دیتا ہے نسبت ابداعیہ میں مبدع اور مبدع کے مابین ایک طرح کی وحدت کہی جا سکتی ہے۔ مگر وہ وحدت حقیقی نہیں ہوتی، انسانی عقل وہاں جا کر تھک جاتی ہے، درجہ ابداع پر پہنچ کر عقل کسی امتیاز کو قائم کرنے پر قادر نہیں ہوتی، اس لئے مجازاً وحدت (بین المبدع والمبدع) کا اطلاق کر لیا جاتا ہے۔

اب مسئلہ صاف ہو گیا نفس کلیہ تک کائنات کی عینیت حقیقیہ ہے، اسی لئے صوفیہ بحر اور موج کی مثال دیتے ہیں اس سے اوپر ایک **معلوم الانیة مجهول الكيفية** نسبت ہے جسے ابداع سے تعبیر کرتے ہیں، عقل کے احاطے سے خارج ہونے کے باعث اس میں ہر قسم کے مشتبہ الفاظ مجازاً استعمال کئے جا سکتے ہیں اس قسم کا فیصلہ دینا، اور اس کو محقق طور پر سلیم عقول کے دماغ تک پہنچانا اور تمام متعارض اقوال کی توجیہ پر قادر ہونا ایک راسخ فی العلم امام ہی کی شان ہے۔

فصل (۷) مسئلہ نسخ فی القرآن اور شاہ صاحبؒ

قرآن عظیم میں فکری انتشار کا ایک اور باعث مسئلہ ناسخ و منسوخ کی بحث بھی ہے، اہل علم منسوخ آیات کو متفقہ طور پر محدود و محصور نہیں کرتے، یعنی ایسی آیات کی تحدید میں وہ خواہ باہم مختلف ہیں اس کا اثر قرآن شریف پڑھنے والے پر یہ پڑتا ہے کہ وہ ہر عملی معاملے (حکم) میں اس کے منسوخ ہونے کا شبہ پیدا کر کے اپنے آپ کو فارغ الذمہ بنا لیتا ہے۔

شاہ صاحب کے رسوخ فی العلم کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے نسخ فی القرآن کے مسئلہ کو اطمینان بخش طریقہ سے حل کر دیا۔ "الفوز الکبیر" میں اس کی مفصل بحث موجود ہے، شاہ صاحب نسخ کا لغوی ترجمہ متقدمین کی اصطلاح کو مانتے ہیں، متقدمین جب کسی آیت کو منسوخ کہیں گے تو اس سے اُن کی مراد کوئی خاص اصطلاحی معنی نہیں ہونگے، بلکہ لغوی مفہوم جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے وہی ان کی مراد ہوتا ہے، اگر کوئی مضمون ایک دفعہ مطلق یا مجمل بیان کر دیا جائے اور دوسرے موقع پر مطلق کی قیود واضح کر دی جائیں یا اجمال کو تفصیل سے بدل دیا جائے تو لغوی طور پر دونوں جگہ کہا جائے گا کہ دوسرے مضمون نے پہلے کو منسوخ کر دیا۔

اس اعتبار سے بے شک قرآن کی آیات میں کثرت سے نسخ موجود ہے کی سورتوں میں عموماً اصول اور کلیات محقق کئے جاتے ہیں، اور مدنی سورتوں میں ان کی تشریح اور تفصیل آتی ہے۔ ایک قوم کو تدریجی ترقی دینے والا کوئی استاذ اس طریق بیان سے بچ نہیں سکتا، اس تبدیلی کو جو قطعاً طبعی ہے معیوب نہیں سمجھا جا سکتا اور نہ اس سے شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ پھر متقدمین کے بعد متاخرین آتے ہیں۔ وہ نسخ کا ایک خاص مطلب معین کر لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک جیسے تورات کے تفصیلی

احکام پر عمل کرنا قرآن کے تفصیلی اوامر کے بعد ممنوع ہے، اسی طرح قرآن میں بعض ایسی آیتیں موجود ہیں جن پر عمل کرنا مطلقاً جائز نہیں۔

یہ اصطلاح فقہا کے باہمی اختلاف اور تضارب کے بعد پیدا ہوئی، شاہ صاحب اس اصطلاح پر قرآن میں منسوخ نہیں مانتے۔ لیکن واضح رہے کہ شاہ صاحبؒ کا بیان اس فصل میں حکیمانہ ہے قوم کی عام حالت کو مدنظر رکھ کر انھوں نے اس مسئلہ کو تدریجاً سمجھانے کی سعی کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ پہلے اہل علم پانچ سو آیتیں منسوخ مانتے رہے، لیکن شیخ جلال الدین سیوطی اتقان میں بیس سے زیادہ آیتیں منسوخ تسلیم نہیں کرتے اس بارے میں سیوطی کا مقتدا اور شیخ قاضی ابوبکر (محمد بن عبداللہ المعروف بہ) ابن العربی مالکی (متوفی ۵۴۳ھ) ہے، شاہ صاحب مذکورہ بالا بیس آیتوں میں بھی تطبیق دے کر نسخ کو پانچ آیتوں میں منحصر کر دیتے ہیں، اس کے بعد ہماری رائے یہ ہے کہ جس شخص نے ان پندرہ آیتوں کی تطبیق غور سے پڑھی وہ باقی ماندہ پانچ آیتوں میں بھی بآسانی تطبیق دے سکتا ہے، شاہ صاحب صراحۃً یہ نہیں کہتے کہ قرآن شریف میں کوئی آیت منسوخ نہیں اور وہ اس طرح صراحۃً لکھتے تو بعض معتزلہ کے قول سے تشابہ ہو جاتا اور عامہ اہل علم اس پر غور کرنا ہی چھوڑ دیتے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ مشکل آیتوں کو تو انھوں نے حل کر دیا اور نہایت آسان آیات میں نسخ مان لیا اگر اسلوب حکیم پر ان کے بیان کو حمل کیا جائے تو ہمارا مذکورہ بالا نتیجہ اخذ کرنا بعید نہیں ہوگا۔

ان پانچ آیات میں جو سب سے مشکل ہے ہم اس کو یہاں مثالاً بیان کر دیتے ہیں قال الامام ولی اللہ، کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت الایة قلت منسوخة باٰیة یوصیکم اللہ فی اولادکم وحدیث لا وصیة لوارث مبین للنسخ. الفوز الکبیر ۱۸۔
اگر وارثوں کے ایسے حالات نہ ہوتے جن میں وہ غیر وارث بھی بن سکتے ہیں تو اس کی توجیہ ناممکن ہوتی والدین خصوصاً ایسی حالت میں ہیں کہ وہ غیر وارث نہیں ہوتے، لہٰذا ان کے حق میں وصیت قطعی طور پر منسوخ ہونی چاہئے۔ اور آیت مذکورہ بالا میں مکتوبہ وصیت والدین کے لئے

ہے، اس لئے شاہ صاحب نے آیت مذکورہ کو قطعی طور پر منسوخ مان لیا، مگر میرے شخصی حالات ایسے تھے جن سے مجھے تنبہ ہوا، میری والدہ غیر مسلمہ میرے ساتھ موجود تھی، میں بیمار ہوا تو مجھے اس کی فکر لاحق ہوئی کہ اگر میں مرجاؤں تو اس بیچاری کو کوئی نہیں پوچھے گا، اس وقت اس کی جس قدر خاطر تواضع کی جاتی ہے وہ میری وجہ سے ہے میرے مرتے ہی یہ محروم ہو جائے گی، اب مجھے وصیت کا مطلب سمجھ میں آیا، کہ اگر حالات ایسے درپیش ہوں تو وصیت لازم ہے بنابریں **کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت** پر عمل کرنے کی ایک صورت نکل آئی اس لئے اس کو منسوخ کہنے کی ضرورت ہی نہیں اطلاق کو تطبیق کی خاطر مقید بیشک کر لیجئے۔ یہ تو فقہ قرآنی کا بہت بڑا وسیع باب ہے۔ علیٰ ہذا القیاس باقی ماندہ چارہ آیتوں میں تطبیق بہت آسان ہے وہ اولیٰ غیر اولیٰ عزیمت ورخصت پر عمل کرنے سے حل ہو جاتی ہیں۔

میں اپنی سمجھ کے موافق شاہ صاحب کے بیان کو ایک حکیمانہ طرز بیان سمجھتا ہوں میں اسے قبول نہیں کرسکتا، کہ جس امر پر مجھے تنبہ ہوا، شاہ صاحب کی نظر ادھر جا ہی نہ سکتی تھی، اور باقی چار آیتوں کی مثالیں میرے مطلب کی شواہد ہیں، وہاں انھیں قواعد سے بآسانی تطبیق ہوسکتی ہے جن کو وہ دوسری آیات میں استعمال کر رہے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ ذہنیت عامہ کو منتشر نہ کرنے کے لئے شاہ صاحب نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے اس کی مثال مسوی میں بھی ایک جگہ ملتی ہے، فرماتے ہیں کہ بعض اوقات غیر مطہر چیز کو شارع مطہر کے درجے پر رکھ دیتا ہے اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز (جس کی تطہیر زیر بحث ہے) نجس ہی نہیں ہے مگر چونکہ دیکھا جاتا ہے کہ نجاست کی نفی سے ذہنیت عامہ ابا کرے گی اس لئے ایک غیر مطہر چیز کو کہہ دیا جاتا ہے کہ ”**یطہرہ ما بعدہ**“

فصل (۸) شاہ صاحب اور مقصد قرآن کی تعیین

قرآن شریف کا مقصد معین کرنے کے لئے ”حجۃ اللہ“ کا باب **الحاجۃ الی دین ینسخ الادیان** پڑھنا چاہیے اس کے بعد **ازالۃ الخفا** میں ”**ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق الایۃ** کی تفسیر پڑھنا ضروری ہے یہ تفسیر شاہ صاحب کے نوادر میں سے ہے یہ مسئلہ (تعیین مقصد قرآن) بہت بڑی اہمیت کا مالک ہے کہ پہلے تمام ادیان پر اس دین کو فوقیت

دینا کیوں ضروری ہے؟ پھر آیا اس کا تحقق بھی ہوا یا محض ایک امید افزا خیال ہے، دونوں کتابوں کے مذکورہ بالا دو مباحث (باب تنسیخ الادیان اور تفسیر ہو الذی ارسل رسولہ الخ) کے پڑھنے کے بعد مذکورہ بالا ہر دو سوالوں کا تشفی بخش جواب مل جاتا ہے اور اس سے قرآن شریف کی حکمت اساسی طور پر معین ہو جاتی ہے پھر اس کی مزید توضیح آپ کو حجۃ اللہ البالغہ کے باب ''اقامۃ الارتفاقات'' میں ملے گی۔ اس مقصد (وجہ غلبہ دین حق اور اس کا وقوع) کو تشخیص اور تعیین سے محفوظ کرنے کے بعد اسلام کی حقیقت روشن ہو جائے گی۔

فصل (۹) شاہ صاحب کی حکمت کی اساس و بنیاد

مذکورہ سابق مقصد قرآن کو ہم شاہ ولی اللہ کی حکمت کی اساس مانتے ہیں، جب کبھی ہم فلسفہ ولی اللٰہی کہیں گے تو اس سے یہی مراد ہوگا، اس فلسفے کی تاریخ ارتقائی دنیا کی تکوینی ترقی کے ساتھ ساتھ تاویل الاحادیث میں ملے گی، آدم علیہ السلام کے زمانے میں جو شرائع مقرر تھے وہ اسی فلسفے کے ماتحت تھے اور اس زمانے کی حاجتوں کو پورا کرتے تھے جس قدر انسانیت ترقی کرتی گئی، اسی قدر اس فلسفے کی تفریعات میں بھی اضافہ ہوتا گیا، ابراہیمؑ سے پہلا دور (یعنی حنیفیت سے پیشتر کا دور) صابئین کا ہے تاویل الاحادیث میں اس دور کی (جس میں آدم، ادریس اور نوح تا قبل ابراہیم علیہ السلام داخل ہیں) پوری تشریح ملے گی، ادریس علیہ السلام ہی طبعیات، ریاضیات، الٰہیات کے بانی سمجھے جاتے ہیں حکمت کے ان اقسام کا مرکز بدلتا رہا، کبھی ہند، کبھی ایران، کبھی یونان اس کے بعد ابراہیمی دور آئے گا، حنفا اسی فلسفے کی شکل کو دوسرے رنگ میں بدل دیں گے، اس تبدیلی کے اسباب کیا تھے؟ اور تبدیلی کس شکل میں ہوئی، اس کی تفصیل ''تاویل الاحادیث'' میں ملے گی، اس اہم مسئلے کے حل کرنے پر انسانیت کی حقیقت مشخص ہوگی، فلسفہ وہی ہے جو دور صابئین میں تھا اس کی تشریعی صورت بدل جاتی ہے۔

دم بدم گر شود لباس بدل را
مرد صاحب لباس را چہ خلل

ہمارے حکماء اسلام اس مسئلے میں بہت تھوڑی بحث پر اکتفا کرتے رہے اس لئے وہ ''سورہ

انعام'' کو کبھی قابل اطمینان طریقے سے حل نہیں کر سکے، شاہ صاحب کی کتابیں عموماً اور تفہیمات الہیہ'' و بدور بازغہ خصوصاً اس مسئلہ کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے بار بار پڑھنی چاہئیں۔

الامام کا لقب اور شاہ صاحبؒ

ہم نے امام کا لفظ شاہ ولی اللہ کے منصب میں اسی ضرورت کے لئے اضافہ کیا ہے کہ یہ اہم مسئلہ ہمیں کوئی پہلا امام نہیں بتلاتا، اگر ہم شاہ صاحب کو امام مان لیں گے تو دوسرے لفظوں میں اس مسئلہ کی اہمیت اصلی شان میں طلبہ کے سامنے آجائے گی۔ انھیں غور کرنا پڑیگا کہ شاہ صاحب کیوں امام کہلاتے ہیں تو اس خصوصیت کی طرف آسانی سے توجہ مبذول ہو سکتی ہے۔ تاویل الاحادیث میں ابراہیم علیہ السلام سے لے کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیا کی زندگی کو تدریجی ترقی کے اصول سے موجہ بنایا گیا ہے۔

یہاں ہمیں یہ امر واضح کر دینا چاہئے کہ کسی مفکر کا اس سلسلہ بیان میں کسی خاص حصے سے اختلاف کرنا ہمارے نزدیک کوئی معیوب بات نہیں ہم شاہ صاحب کی امامت کو اس تسلسل تاریخی میں منحصر کرنا چاہتے ہیں ہمیں کوئی بڑا امام ایسا نظر نہیں آتا کہ جن انبیا کا ذکر قرآن شریف میں ہے ان کی تاریخ کو کسی فلسفے کے ماتحت مرتب کر دے، یہ خصوصیت خدا تعالی نے شاہ صاحب کے لئے ودیعت رکھی ہوئی تھی، ہماری رائے یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کی اس حکمت کو محققانہ سمجھنے کے بعد اگر قرآن عظیم تحت اللفظ پڑھا جائے گا تو وہ کسی زائد تفسیر کا محتاج نہیں ہوگا۔

فصل (۱۰) مضامین قرآن کا ظاہری انتشار اور شاہ صاحبؒ

یہاں تک جس قدر بحث قرآن عظیم کے متعلق شاہ صاحب کی کتابوں سے ذکر کی گئی، اس کا موضوع قرآن کے مواد خمسہ کی عقلی تشریح ہے، قرآن نے ان مضامین کو ایک خاص طریقے سے بیان کیا ہے، مضامین مختلف سورتوں میں منقسم ہیں، سورتوں کے مضامین میں ایک ربط جیسا کہ علمی کتابوں کی شان ہے نظر نہیں آتا، مولوی شبلی مرحوم کی زبان میں اُسے مختلف پھولوں کا ایک ڈھیر کہا جا سکتا ہے، شاہ صاحب حکمت بیان کرتے وقت اس موضوع (ربط آیات) پر مطلق توجہ نہیں کرتے وہ فرماتے ہیں، اُمی قوم کی تفہیم کیلئے ان کی عادات کے مطابق خود ان کے محاورات میں

قرآن نے اپنے مقاصد واضح کر دیئے، تکرار ہو یا اطناب اس سے بچنے کی کبھی سعی نہیں کی، مخاطبین کو عالم بنا دینا مقصد ہے، اس میں قرآن کامیاب ہو گیا ایک حکیم کی نظر میں اگر ایک علمی کتاب اس طرح سوسائٹی کو بلند کر دیتی ہے تو وہ تناسب آیات کی زیادہ ضرورت نہیں سمجھے گا، الفوز الکبیر میں شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ”بیان این علوم بروش تقریر عرب اول واقع شدہ نہ بروش تقریر متاخران، پس مناسبت در انتقال از مطلبے بہ مطلبے رعایت نکرد، بلکہ آں چہ القائے آن بر عباد خود مہم دانست، آن را نشر فرمود، ہر چہ مقدم شود گو شود و ہر چہ موخر شود گو شود“۔

فصل (۱۱) ربط آیات اور شاہ ولی اللہ

مگر یہ نہ سمجھا جائے کہ شاہ صاحب قرآن کی ادبی لطافت (نسق آیات) پر نظر نہیں رکھتے۔ ان کا مطلب فقط یہ ہے کہ سب سے پہلے مطالب پر غور کرنا چاہیئے جسے اکثر مفسرین فراموش کر چکے ہیں، علوم بلاغت اور اس کے توابع میں ہمارے متاخرین نے کوتاہی نہیں کی، مگر چونکہ حکمت کے اصول پر مطالب کو ذہن نشین کرنے کی طرف توجہ نہیں کر سکے، اس لئے ان کی ادبی موشگافیاں عقلمندوں پر زیادہ موثر نہیں ہوتیں، جب شاہ صاحب اصل مطلب سے فارغ ہو جاتے ہیں تو نمونہ کے طور پر ربط آیات پر توجہ دلانے میں کوتاہی نہیں کرتے جیسے سورہ بقرہ کی آیت ”یا بنی اسرائیل“ کے حاشیہ سے ظاہر ہے ان کے بعد شاہ عبدالعزیز آئے، انھوں نے فتح العزیز میں ربط آیات پر التزام سے بحث کی اور اس فن کو ظاہر کرنے میں شاہ صاحب کو اتباع میں سے آپ نے سبقت کی۔

میری توجہ شروع سے اس فن (ربط آیات وسور) کی طرف منعطف رہی، بعض بعض لطیف نکتے سمجھ میں آنے لگے، میں نے مولانا شیخ الہند سے جب ذکر کیا، تو حضرت نے بعض نادر فوائد تلقین فرمائے، مثلاً ایک غزوہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کے اندر ربوا کا مسئلہ آ گیا ہے، حضرت مولانا نے اس کا ایسا لطیف ربط بتایا جو تفسیروں میں نہیں ملتا، مولوی احمدی صاحب نے مجھ سے سن کر اپنے حاشیئے میں نقل کر دیا ہے اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے ربط آیات پر بحث کی اس قدر سرسری مضمون لکھتے ہیں کہ اس سے کہیں بہتر ہوتا کہ نہ لکھتے، حضرت خود اس طرف

زیادہ توجہ نہ دے سکے کہ یہ مسئلہ ان کا زیادہ وقت لیتا تھا۔

میں اس فن کی طرف قاضی ابوبکر بن عربی کا ایک مقولہ کتاب الاتقان میں پڑھنے کے بعد متوجہ ہوا وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ربط آیات کے تحت میں علوم جمہ مستتر پائے، مگر لوگوں کو اس کا طالب نہ دیکھا اس لئے توجہ ہٹالی میں خود تقریباً چالیس برس سے اس مسئلے پر غور کرتا رہا ہوں عموماً ان مقاصد قرآنیہ کو پیش نظر رکھ کر جو شاہ صاحب کی حکمت میں معین ہوئے، ایک ایک سورت کو ایک خاص موضوع اور معین مضمون کے لئے مقرر کر کے تسلسل قائم کرنے پر کامیاب ہوا مجھے کسی دوسرے حکیم کا قرار دادہ مضمون سلسلہ کلام الٰہی سے استنباط کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی میں معانی کو شاہ صاحب کی حکمت سے باہر جانے نہیں دیتا۔ عام مفسرین سے جہاں کہیں اختلاف کرونگا وہ شاہ صاحب کے اصول سے تثبت کے تحت میں ہوگا، بعض ایسے مواقع بھی ملیں گے کہ میری سند مولانا شاہ عبدالعزیز، اور شاہ رفیع الدین اور مولانا محمد اسماعیل شہید اور مولانا محمد قاسم کے کلام میں ملے گی شاذو نادر باتیں ایسی ہونگی جو خود میرے فکر کا نتیجہ ہیں میں ایسے موقع پر صراحۃً بتادیا کرتا ہوں کہ یہ میری سوچی ہوئی بات ہے اس کا ردو قبول ہر وقت سامع کے اختیار میں ہے مگر جن چیزوں میں ائمہ اور اساتذہ کی سند موجود ہے میرا جی چاہتا ہے کہ اہل علم تناسب آیات میں توجہ کریں اور ان کی تقلید سے اِبا نہ کریں۔

فصل (۱۲) قرآن اور سنت کے باہمی تعلق کے بارہ میں شاہ صاحب کی خاص رائے

عام اہل علم قرآن شریف کے ساتھ سنت اور اجماع کو ادلہ شرعیہ میں شمار کرتے ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب سنت کو قرآن سے مستنبط چیز مانتے ہیں لیکن اس استنباط کا طریقہ وہ نہیں ہے جو ائمہ فقہا میں مروج ہے بلکہ حکمت کے اصول پر استنباط کرنے کے طریقے اور ان کے اصول شاہ صاحب کے یہاں علیحدہ مقرر ہیں۔ ''خیر کثیر'' میں اس مسئلہ کی انھوں نے تفصیل لکھدی ہے، اس طرح پر اگر سنت کو مانا جائے تو قرآن کے استقلال پر کوئی زد نہیں پڑے گی۔

فصل (۱۳) اجماع کا تعلق اور استنباط قرآن سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے خلافت راشدہ کے آخری وقت تک یعنی شہادت

عثمان (۳۵ھ) تک شاہ صاحب کی تحقیق میں مسلمانوں میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ اس دور کو وہ دور اجماع کہتے ہیں اس کی تفصیل ''ازالۃ الخفا'' میں مذکور ہے شہادت عثمان کے بعد اختلاف شروع ہوا اب اجماع وہی مستند ہوگا جو مذکورہ دور اول کے تتبع میں منعقد ہو، شاہ صاحب اسی دور کو خیر القرون قرار دیتے ہیں، اس کی پوری تفصیل ''ازالۃ الخفا'' میں موجود ہے، اسے ساری دنیا جانتی ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کا مستند سوائے قرآن عظیم کے کوئی اور لکھی ہوئی چیز نہیں تھی اس پر یہ جماعت اپنے پارٹی پالیٹکس کے نظام کو ملحوظ رکھتے ہوئے عمل کرتی تھی، اس پارٹی کو سنٹرل کمیٹی کی طرف اشارہ ہے قرآن حکیم کی ذیل کی آیت میں **السابقون الاوّلون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ورضوعنه۔**

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے جو جماعت قرآن پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوئی اس کا وہ مرکزی حصہ جس کا ہر قول وفعل خدا تعالی کے ہاں پسندیدہ ہے وہ مہاجرین اور انصار کا پہلا طبقہ تھا، اس کی اتباع قرآن پر عمل کرنے کے لئے قیامت تک مسلمانوں کے لئے ضروری ہے، جو چیز اس زمانہ میں متعین ہوگئی۔ اس کو اسی شکل میں اور اسی معنی میں قائم رکھنا اتباع بالاحسان ہے، زمانے کے تغیرات سے جو نئی چیز قابل بحث پیش آئے وہاں اس جماعت تبعین بالاحسان کا فیصلہ ماننا ضروری ہوگا یہ اس دور کے مابعد کے اجماع کا حاصل ہے، اس طرح اجماع قرآن کی حکومت قائم کرنے والی جماعت کے متفقہ فیصلے یا اغلبیت کے فیصلوں کا نام ہوگا، لہٰذا اجماع قرآن سے علیحدہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ اجماعیات قرآن اصول کے تشریحی بائیلاز ہوں گے، اس سے کوئی ترقی کن جماعت، جو زمانہ کے طویل عرصہ میں کام کرے، خالی نہیں ہوسکتی، اس طرح اجماع بھی قرآن کے مقابل ایک مستقل اصل نہ بنا، بلکہ قرآن کی حکومت قائم کرنے والی جماعت کے اتفاق کا نام ہوا، اس طور سے مسلمانوں میں قرآن کے مستقل درجہ کا تعارف کرانے والی شخصیت امام ولی اللہ دہلویؒ ہیں۔

باب سوم (علم حدیث)

شاہ ولی اللہ سنت کے تمام ابواب کو قرآن عظیم سے مستنبط مانتے ہیں، مگر انبیا کے اصول استنباط کو ائمہ فقہا کے اصول فقہ سے علیحدہ قرار دیتے ہیں چنانچہ خیر کثیر میں فرماتے ہیں ''میں کتاب الصلوٰۃ کے متعلق تمام صحیح حدیثوں کو قرآن سے استنباط کرنے پر قادر ہو گیا ہوں، میرا جی چاہتا ہے کہ اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھ دوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن عظیم سے خود سمجھ کر (جیسے شاہ صاحب فرماتے ہیں) یا مستقل وحی سے اخذ کر کے (جیسے اہل علم کہتے ہیں) قرآن پر عمل کرنے کا مفصل پروگرام دیا ہے جسے علما حدیث نے بڑی محنتوں سے دو سو برس کے عرصہ میں جمع کیا اس طرح انبیا کی سیرتوں کو جمع کرنا پہلے زمانے میں بھی رائج رہا ہے۔ سطعات میں شاہ صاحبؒ تصریح کرتے ہیں کہ قرآن عظیم کی طرح ایسی وحی جس کے معانی اور الفاظ مقرر ہو کر نازل ہوں اور پھر قطعی طور پر محفوظ رہیں، چند ٹکڑوں کے ماسوا کسی مذہب کی کتاب الٰہی میں یہ طریقہ نہیں برتا گیا، عام طور پر ائمہ دین کتابیں اپنے اجتہاد سے جمع کرتے ہیں جو اس نبی کی سیرت اور اس کے اقوال کو جمع کر دیتی ہیں۔ یعنی ان ہی کتابوں میں وہ چیز بھی آجاتی ہے جو براہ راست لفظاً اور معناً مقرر ہو کر نازل ہوئی (جیسے تورات کے احکام عشرہ یا انجیل کے بعض خطبات) نیز وہ چیز بھی آجاتی ہے جو نبی اپنے اجتہاد سے تعلیم دیتا ہے (یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ اگر نبی کے اجتہاد پر منجانب اللہ گرفت نہ ہو تو وہ حکماً وحی سمجھی جاتی ہے) ہماری امت میں کتب مقدسہ کی اس قسم کی مثال میں شاہ صاحبؒ صحیح بخاری و صحیح مسلم کو پیش کرتے ہیں۔

اس بظاہر سادہ تحقیق میں ایک بہت بڑے اشکال کا حل موجود ہے جو کتب مقدسہ کے متعلق ہمارے اہل علم کے اذہان پر مستولی ہے، ہمارے علما عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ اصلی تورات اور انجیل غائب ہو چکی ہے چونکہ وہ کوئی کتاب قرآن شریف کی طرح محفوظ نہیں دیکھتے۔ اور ان کی ذہنیت میں یہ چیز راسخ ہے کہ سابقہ کتب الٰہی بھی قرآن کی طرح نازل ہوئی تھیں، اس لئے وہ ان کتابوں کو مقدس ماننے کے لئے کسی طرح تیار نہیں ہیں۔ اس نظریہ سے یہ برا نتیجہ پیدا ہوا کہ قرآن حکیم نے جہاں اہل کتاب کو اپنی کتابوں پر عمل کرنے کی دعوت دی اور عمل نہ کرنے کا الزام دیا اس کی صحیح تفسیر کرنے سے ہمارے علما عاجز آ گئے محض اسرائیلی یا خرافاتی روایات لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اگر کتب مقدسہ کو کتب حدیث کی طرح مان لیا جائے تو یہ اشکال من اصلہ رفع ہو جاتا ہے۔

سورہ والنجم کی آیت "ان ھوالا وحی یوحیٰ" کی دو طرح تفسیر کی جاتی ہے۔

(۱) شاہ صاحبؒ کے طریقے پر تحقیق یہ ہے کہ ضمیر "ھو" قرآن کی طرف راجع ہے اور ما ینطق عن الھویٰ" میں بھی نقل قرآنی کے متعلق بحث ہے۔

(۲) مگر اہل علم کی دوسری جماعت اس آیت کو قرآن سے مخصوص نہیں مانتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام تر اقوال کو ایک طرح وحی ثابت کرنے پر زور دیتی ہے ان کے نزدیک وما ینطق عن الھوی قرآنی نقل سے مقید نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول "وما ینطق عن الھویٰ" میں داخل ہے اور اسی کو "ان ھو الا وحی یوحی" میں وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(۱) ان حضرات کے نزدیک حدیث کی اصل بھی وحی ہی سے ثابت ہے، فقط الفاظ کا فرق ہے، قرآنی الفاظ وحی سے معین ہوئے اور حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے طبعی ملکہ سے صادر ہوتے ہیں، مگر معانی سب کے سب وحی ہیں۔

(۲) پھر ان کے نزدیک یہ فرق بھی موجود ہے کہ قرآن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مصحف میں کتابتہ محفوظ کر دیا گیا اور اس کی روایت بالتواتر قائم رہی، لیکن حدیث میں جو وحی آئی ان کے نزدیک بھی، نہ تو حضور کے زمانے میں اس کی کتابت ہوئی اور نہ اس کے لئے

تواتر ضروری ہے۔

ان لوگوں کی اصطلاح پر اگر کتب مقدسہ سابقہ کو کتب حدیث کا درجہ دیا جائے تو بطریق اولیٰ اس کو مستبعد نہیں سمجھنا چاہئے اگر یہ لوگ اس بات کو تسلیم کرلیں تو تمام اشکال حل ہو جائیں گے۔

(۱) ہماری کتب حدیث میں بالاتفاق غیر صحیح روایات بھی موجود ہیں (۲) نیز ان کتب حدیث میں ایک واقعہ کو مختلف طریقوں سے بھی روایت کیا گیا ہے (۳) ہماری بہت سی کتب حدیث میں بھی کاتبوں سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں جن کو محققین علما درست کرتے رہتے ہیں اس کے بعد اگر اناجیل اربعہ کو ہماری صحاح اربعہ (صحیحین ابوداؤد، ترمذی) کے درجہ پر رکھ دیا جائے تو ذرہ برابر اختلاف نظر نہیں آئے گا۔

میں نے انجیل کی شرح، مسٹر ہنری اسکاٹ کی اردو میں مطالعہ کی اس میں اناجیل اربعہ کے اختلافات کو اسی طرح جمع کرنے اور ترجیح دینے کی سعی کی گئی ہے، جیسے ہم کتب حدیث میں کرتے ہیں، اس دن سے میرے دماغ میں ایک نیا فکر پیدا ہوا جس سے کتب مقدسہ کی تحریف کا الزام جس طرح عموما ہم اہل کتاب پر عائد کرتے ہیں اور مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی نے ''اظہار الحق'' میں اس کو بڑی شدومد سے ثابت کیا ہے، کمزور ہونے لگا اور جو محقق عالم تورات میں تحریف کا انکار کرتے ہیں جیسے امام بخاریؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور امام ولی اللہ دہلویؒ، ان کی تحقیق کا مطلب سمجھ میں آنے لگا، مگر یہ فکر کبھی مکمل نہیں ہوسکتا جب تک ہم مقدسہ سابقہ کو کتب حدیث کے درجہ پر نہ لے آئیں، جب ''سطعات'' میں میں نے شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ بالا تصریح پڑھی تو اطمینان کا سانس لیا۔

فصل (۲) کتب حدیث پر شاہ صاحب کی تنقید اور طبقات کی تقسیم

حدیث کی کتابیں دو طرح پر مرتب کی گئیں، پہلی قسم وہ ہے جن میں فقط صحیح احادیث درج ہیں، دوسری قسم وہ کتابیں ہیں جن میں صحیح روایات کے ساتھ غیر صحیح روایات بھی لکھی گئیں، مگر تصریح کردی گئی کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں، پھر ان مصنفات کی روایات کا سلسلہ بھی یکساں قائم نہ رہ سکا

بعض صحاح ایسی ہیں جو تواتر کے قریب پہنچ گئیں، بعض ایسی بھی ہیں جو مشہور اور مستفیض کے درجے پر ہیں، اس فرق کو ملحوظ رکھ کر شاہ صاحب نے کتب احادیث کے طبقات مقرر کر دیئے۔

طبقہ اولیٰ میں موطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم کو رکھا، طبقہ ثانیہ میں سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی مقرر کی، ان چھ کتابوں کے ماسوا باقی طبقات میں کئی دہائیاں اور کئی سیکڑے کتب ملیں گی، شاہ صاحب کے نزدیک وہ سب قابل احتجاج نہیں ہیں۔

اس طرح شاہ صاحب نے علم حدیث میں ایک نئی روح پھونک دی، شیخ الاسلام ابن حجرؒ اور سیوطیؒ کے زمانے سے جو غیر محققانہ طریقہ اہل علم پر غالب آ رہا تھا اس نئی روح نے اس کو مغلوب کر دیا۔

میں نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) کے مقدمہ مشکوۃ میں جب یہ مضمون دیکھا کہ پچاس کے قریب حدیث کی کتابیں ہیں، جن میں صحیح اور غیر صحیح احادیث جمع کی گئی ہیں اور شیخ نے ان سب کو ایک درجے پر رکھا ہے وہ صحاح ستہ میں بھی غلط روایات کا اختلاط اسی طرح مانتے ہیں جس طرح باقی کتب میں تو میرے دماغ پر ایک پریشانی طاری ہوگئی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ یہ سب کتابیں مجھے کسی کتاب خانہ میں یکجا ملیں، ان کے مطالعہ کے بعد علم حدیث کی جو تحقیق ثابت ہو اس پر اعتماد کیا جائے، خالی پانچ کتابیں پڑھ لینے سے کیا ہوتا ہے اس کے بعد میں متون مذکورہ بالا کی فراہمی میں لگ گیا مگر بہت جلد اپنے آپ کو اس سے عاجز ماننے لگا۔

مجھے حضرت مولانا شیخ الہند قدس سرہ نے اس قسم کی تشویش سے نجات دلانے کے لئے مشورہ دیا کہ میں ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا مطالعہ جاری رکھوں، لیکن سندھ جانے سے پیشتر مجھے ایسا موقع دستیاب نہ ہو سکا، طبقات مذکورہ کی بحث جب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں مجھے سمجھ آئی اور معلوم ہوا کہ اصل قابل اعتنا فقط چھ کتابیں ہیں، جو پہلے اور دوسرے طبقے میں بیان ہو چکی ہیں تو طبیعت سے تمام بوجھ جاتا رہا۔

جن محدثین نے غیر صحیح احادیث جمع کر کے،

(الف) ان کی عدم صحت کی تصریح کر دی (ب) پھر ان کا فیصلہ بھی اہل علم کے نزدیک

مسلم ہے (ج) مزید اس کے ان کی کتابیں اہل علم میں رواج پذیر بھی ہیں، ان تین خصوصیات والی کتابوں کو شاہ ولی اللہ صاحب ان کتابوں کے درجے پر نہیں لانے دیتے جو خصوصیات مذکورہ بالا سے یکسر عاری ہیں۔

عام اہل علم اس دقیقے پر متنبہ نہیں ہو سکے، اور پچاس کتابوں کو مساوی درجے پر ایک فہرست میں درج کر گئے۔

شاہ ولی اللہ کی ”حجۃ اللہ البالغہ“ کا یہ مضمون شاہ عبدالعزیزؒ نے زیادہ تفصیل اور توضیح سے عجالہ نافعہ میں درج کر دیا ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور کتب حدیث کے متعلق ولی اللہی نظریہ کی عقلی تشریح

مگر دونوں کتابوں میں یہ مضمون ایک وجدانی فیصلے سے آگے نہیں بڑھ سکا، ہر دو بزرگوں نے کوئی عقلی دلیل اس پر قائم نہیں کی، بلکہ محققین اہل علم کا اتفاق اس معاملہ پر کافی سمجھا گیا ہے، ابتدا میں ایک حد تک میری دماغی تڑپ کو پورا کرنے کے لئے یہ امر کافی تھا مگر میں اس سے زیادہ توضیح وتوثیق کا خواہشمند تھا۔

اتفاقاً میں شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم کا رسالہ ”ہدیۃ الشیعہ“ مطالعہ کر رہا تھا، اس میں مولانا نے شاہ صاحب کے مذکورہ بالا مضمون کو عقلی طور پر مدلل کر دیا، اس طرح علم حدیث کی تنقید جو شاہ صاحب نے قائم کی تھی، ہمارے لئے قابل استفادہ ہوگئی۔

حضرت مولانا فرماتے ہیں:

> اوّل بطور تنبیہ گزارش ہے کہ کتابیں آدمیوں ہی کی تصنیف ہوتی ہیں، جیسے آدمی سب طرح کے ہوتے ہیں، جھوٹے سچے، معتبر غیر معتبر، فہمیدہ وغیرہ فہمیدہ، ایسے ہی کتابیں بھی سب طرح کی ہوتی ہیں۔
>
> (۱) ملحدان بے دین نے بہت سی کتابیں تصنیف کر کے اچھے اچھے بزرگوں کے نام لگا دی ہیں اور ان میں اپنی واہیات سیکڑوں بھر دی ہیں۔
>
> (۲) اور جو کتابیں کبرائے اہل سنت کی تصنیف ہیں، ان میں بھی اکثر ایسی ہیں کہ وہ

لوگوں کی فیض رسانی کے لئے تصنیف نہیں ہوئیں بلکہ بطور بیاض کے جمع کی گئیں تا کہ نظر ثانی کر کے ان کی روایات کا حال معلوم کریں اور اتفاق سے نظر ثانی کا اتفاق نہیں ہوا، یا ہوا اور کسی وجہ سے وہ بیاضیں لوگوں کے ہاتھ پلہ پڑ گئیں۔

(۳) اور بعض کتابیں ایسی ہیں کہ وہ بہت کم یاب اور بدرجہ غایت نادر الوجود بلکہ مفقود ہیں اور ملحدوں اور مبتدعوں کے وہ ہاتھ لگ گئیں۔ انھوں نے اپنی گھڑی ہوئی روایتیں ان میں داخل کر دی ہیں، یا اہل سنت کے مقابلہ کے وقت کسی روایت کو ان کتابوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، تا کہ اہل سنت خاموش ہو جائیں۔

سنو! اہل تشیع اکثر ایسا ہی کرتے ہیں اور ایسی کتابوں کا حوالہ دیا کرتے ہیں اس لئے اہل حق کو لازم ہے کہ جب کسی شیعہ سے کسی کتاب کا حوالہ سنیں تو اول تو یہ دریافت کریں کہ یہ روایت اس کتاب میں ہے کہ نہیں دوسرے اس کتاب کا حال تحقیق کریں کہ معتبر ہے کہ نہیں۔

فصل (۲)

اور معتبر ہونے کی یہ صورت ہے کہ کسی کتاب کی روایات کے معتبر ہونے میں چند باتیں ضروری ہیں اول تو یہ کہ اس کتاب کے مصنف کو تفریح طبائع محزونہ کے لئے فقط قصہ گوئی اور افسانہ خوانی، مدنظر نہ ہو، بلکہ واقعات واقعی کے مشتاقوں کی تسکین کے لئے اس کتاب کو تصنیف کیا ہو، ورنہ چاہئے کہ ''بہار دانش'' اور ''بوستان خیال'' کے افسانے اور ''چہار درویش'' اور ''بکاولی'' کی کہانیاں، اور ''فسانہ عجائب'' اور ''فسانہ غرائب'' کے طوفان سب کے سب دستاویز خاص وعام ہو جائیں۔

دوسری یہ کہ مصنف کتاب کسی کی رو و رعایت، اور کسی کی بغض و عداوت نہ رکھتا ہو اور اس کا حفظ اخبار، اور صدق گفتار، اس درجہ مشہور ہو کہ اس کی تحریر کی نسبت کسی کے دل میں شک و شبہ نہ ہو، اور نہ طومار کے طومار اخباروں کے جو لڑکیوں کی زبانوں میں اپنے بزرگوں کی شجاعت اور ان کے غنیموں کی بزدلی سے مشحون ہوا کرتے ہیں

بالاتفاق مسلم ہو جائیں اور شیعہ سنیوں کی، اور سنی شیعوں کی سندیات پر سر و چشم رکھنے لگیں اور ہر کس و ناکس کی بات قبول کرنے لگیں اور یہ فرق قوت وصف حفظ، وتفاوت صدق و کذب، اور علی ہذا القیاس یہ تہمت رد و رعایت اور کینہ و عداوت ہرگز قابل لحاظ نہ رہے۔

تیسری یہ کہ مصنف کتاب، باوجود صدق و دیانت اور حفظ و عدالت کے اس فن میں جس کی وہ کتاب ہے دستگاہ کامل رکھتا ہو اور ملکہ کما ینبغی، نہ یہ کہ دین میں مثلاً نیم ملا ہو، جس سے خطرہ ایمان ہو یا طب میں مثلاً نیم طبیب ہو کہ بیماروں کو خطرہ جان ہو۔

چوتھی یہ کہ وہ کتاب باوجود شرائط مذکورہ کے قدیم سے مشہور و معروف اور اسی قسم کے لوگوں کے واسطہ جو مجموعہ اوصاف مرقومہ ہوں، دست بدست ہم تک پہنچی ہو، ورنہ لازم، کیا الزم تھا کہ انجیل و توراۃ جو کلام ربانی ہیں اور اس خدا کی تصنیف ہیں جو بوجہ اتم جامع اوصاف مذکورہ کیا، مجموعہ صفات کمال اور معدن جملہ کمالات جلال و جمال ہے، اعتماد و اعتبار میں ہم پلہ قرآن مجید اور فرقان حمید کے ہو جائیں۔

پانچویں یہ کہ روایت کی کتاب میں ضروری ہے کہ مصنف کتاب نے اول سے التزام اس بات کا بھی کیا ہو کہ بجز صحیح روایتوں اور محقق حکایتوں کے اور اپنی کتاب میں درج نہ کرونگا، جیسے صحاح ستہ کہ ان کے مصنفوں نے یہ شرط کر لی ہے کہ بجز صحیح روایت کے اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے، اسی واسطے ان کتب کا نام صحاح ستہ مشہور ہو گیا۔

فصل (۳)

سو اگر کوئی کتاب کسی بیاض کی ہو کہ اس نے اس میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں اور صحیح و غلط حکایتیں اس غرض سے فراہم کر لی ہیں کہ بعد میں نظر ثانی کر کے صحیح صحیح کو قائم رکھ کر باقیوں کو نقل کے وقت حذف کرونگا جیسا کہ امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے کیا۔ یا صحیح کو صحیح بتلا کر، موضوع، یعنی بنائی ہوئی باتوں، اور گھڑی ہوئی حکایتوں اور ضعیف

وغیرہ کو لکھ کر اس کے بعد لکھ جاؤں گا کہ یہ موضوع ہے یا ضعیف ہے مثلاً جیسے امام ترمذی نے کیا، لیکن اتفاقات تقدیر سے ان کا یہ ارادہ پیش نہ گیا اور یہ آرزو پوری نہ ہونے پائی تھی، جی کی جی ہی میں تھی کہ اجل نے آدبایا، تو ایسی روایات کا ہرگز اعتبار نہ ہوگا۔

ورنہ کونسا مصنف نہیں کہ اس نے اول ایک مجموعہ بیاض بطور کلیات کے فراہم نہیں کیا، خود امام بخاریؒ سے بہت سی سندوں سے منقول ہے کہ انھوں نے چھ لاکھ حدیثوں سے چھانٹ کر بخاری شریف کی حدیثیں نکالی ہیں۔

اور عبدالرزاق بخاری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے کوئی تین دفعہ حدیثوں کی بیاض اکٹھی کی تھی اور ان کو چھانٹ کر بخاری کا مسودہ کیا تھا۔

بہر حال ایسی بیاضوں کا جمع کرنا ایسے ایسے ائمہ حدیث کی نسبت بھی ثابت ہے سو اگر اتفاق سے امام بخاری مثلاً، بعد فراہی بیاض کے قبل اس کے بخاری شریف کی حدیثیں اس میں سے چھانٹ کر بخاری تصنیف کریں، اس دارفانی سے کوچ کر جاتے تو وہ بیاض امام بخاری کی تصنیف سمجھی جاتی لیکن کوئی بتلائے تو کیا وہ قابل اعتبار کے ہوجاتی؟

سب جانتے ہیں کہ اگر وہ ایسی ہوتی تو امام بخاری کو چھانٹنے ہی کی کیا ضرورت تھی، تو اس صورت میں خود امام بخاری ہی اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ میری بیاض قابل اعتبار نہیں، پھر ہم کیونکر فقط اس سبب سے اس کا اعتبار کرنے لگیں کہ وہ ایسے بڑے محدث امام المحدثین کی تصنیف ہے کہ جہاں میں کوئی اس کا ثانی ہوا ہے نہ ہوگا۔

غرض اگر کوئی اس قسم کی کتاب کسی کو مل جائے اور اس کے مصنف کو، گو وہ کتنا ہی بڑا محدث کیوں نہ ہو، اس کی تہذیب اور تالیف کا اتفاق نہ ہوا ہو تو وہ کتاب کسی طرح علما کیا، جہال کے نزدیک بھی بہ شہادت عقل قابل اطمینان نہیں۔'' **انتھی کلماته الشریفة بحواله کتاب التمهید**''۔

شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم کے ارشادات کے بعد علم حدیث کی جو تنقید شاہ صاحب نے قائم کی تھی ہمارے لئے قابل استفادہ ہو گئی۔

یہ تھا تذکرہ پہلے اور دوسرے طبقہ کا۔

فصل (۳) ہمارا اپنا استقرا اور ولی اللہی نظریہ کی مزید تشریح

شاہ صاحب نے تیسرے، چوتھے اور پانچویں طبقے میں جن کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

(الف) یا تو ان کے مصنف ملتزم الصحۃ نہیں

(ب) یا ان کی روایت منقطع ہو گئی ہے یعنی کاتبوں کی بلا تصحیح نقل پر نسخوں کا انتشار تو ہوتا رہا مگر محدثین نے اپنے مشائخ سے پڑھ کر اس نسخہ کو صحیح کیا ہو، پھر اس طرح تسلسل قائم رہے کہ ہمارے زمانہ تک صحیح شدہ نسخے محفوظ طور پر مل سکیں، ایسا نہیں ہوا ایسے نسخے قابل اعتماد نہیں ہوں گے۔

(ج) ان کے سوا بعض ایسے محدثوں نے بھی کتابیں تصنیف کیں، جن کی لیاقت علمی بھی مسلم نہیں ہے۔

متاخرین محدثین نے جن کی ابتدا ابن السبکی (حافظ تاج الدین عبدالوہاب متوفی ۷۷۱ھ) سے ہوئی اور حافظ عراقی (عبدالرحیم بن حسین متوفی ۸۰۶) اور ابوالحسن ہیثمی (علی بن ابی بکر متوفی ۸۰۷) اور ابن حجر عسقلانی کے توسط سے سیوطی پر خاتمہ ہوا۔ ان غیر معتمد کتابوں کی روایتیں زوائد کے نام سے جمع کر دیں جس سے علم حدیث میں فتنے کا دروازہ کھل گیا اس ذخیرہ میں کافی سے زیادہ روایتیں ایسی موجود ہیں جن کو دوسرے طبقے کا مصنف ضعیف قرار دیتا ہے اور ان طبقات میں پہنچ کر ان متاخرین کے نزدیک وہ حدیث متواتر بن جاتی ہے۔

ہم نے کئی سال کی محنت سے شاہ صاحب کے طبقات کو استقرا کر کے یقین حاصل کیا، گو عقلی دلائل سے مولانا محمد قاسمؒ نے ہمیں مطمئن کر دیا تھا، مگر ہم نے اس کے ساتھ محدثین کی جو کتابیں مل سکتی ہیں ان میں عمل استقرا ابھی جاری رکھا تو شاہ صاحب کے اس نظریہ پر (کہ پہلے اور دوسرے طبقے کی حدیثیں ہی صحیح ہیں) پورا اطمینان حاصل ہوا۔

مثال کے طور پر صحیح حدیث میں آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ افضل الاعمال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ''الصلوٰۃ لوقتھا'' اس جملے کا صحیح ترجمہ یہی ہے کہ وقت سے نماز کو موخر نہ کیا جائے، یہ ضروری نہیں کہ اول وقت میں نماز ادا کی جائے، بلکہ بعض اوقات آخر وقت میں نماز ادا کرنا زیادہ مستحب مانا جاتا ہے، کما ثبت عنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام، ابردوا الظھر الخ'' اس کے مقابل بعض روایتوں میں ''افضل الاعمال الصلوٰۃ لاول وقتھا'' آیا ہے، ترمذی نے اس روایت کی تضعیف کردی، اب مستدرک حاکم کو دیکھئے وہ اسی جملہ مضاعفہ کو تیس چالیس سندوں سے روایت کرتا ہے، ایک غیر محقق عالم اس کثرت اسانید سے متاثر ہو کر اس کی صحت یا اس کے درجہ شہرت اور تواتر پر یقین کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، ہم نے حاکم کی ان روایات کی تنقید ''فتح الباری'' کی امداد سے شروع کی تو ان میں سے ایک سند بھی صحیح نہ نکلی۔

ان متاخر محدثین نے ائمہ متقدمین پر تصحیح احادیث میں پورا اعتماد نہیں کیا۔

واضح رہے کہ ائمہ تنقید کے طبقات تین ہیں۔

ائمہ تنقید حدیث کے تین طبقے

(طبقہ اولیٰ) شعبہ بن الحجاج متوفی ۱۶۰) سفیان بن سعید ثوری (متوفی ۱۶۰)

(طبقہ ثانی) یحییٰ بن سعید القطان (متوفی ۱۹۸) عبدالرحمٰن بن مہدی (متوفی ۱۹۸)

طبقہ ثالثہ) یحییٰ بن معین (متوفی ۲۳۳) امام احمد بن حنبل (متوفی ۲۴۱)

ان کے بعد ائمہ فقہ الحدیث کو چار طبقوں پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ائمہ فقہ الحدیث کے چار طبقے

(طبقہ اولی) سفیان ثوری	(امام مالک بن انس)
(طبقہ ثانی) عبداللہ بن المبارک	(امام شافعی)
(طبقہ ثالثہ) امام اسحٰق بن ابراہیم راہویہ	امام احمد بن حنبل
(طبقہ رابعہ) امام بخاری	امام ابوداؤد

ان کے بعد ائمہ مصنفین کے طبقے آتے ہیں۔

ائمہ مصنفین کے دو طبقے

(طبقہ اولیٰ) امام بخاری اور ابوداؤد

(طبقہ ثانی) مسلم و ترمذی، نسائی بھی اسی طبقہ میں شمار ہوتے ہیں، ان حضرات پر تصحیح احادیث کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد محدثین کی خدمات دو قسم کی ہیں۔

ان ائمہ کے بعد کے محدثین کی خدمات کی اقسام

اوّل، یہ کہ ان کتابوں کی خدمت کریں جن کا تعلق طبقہ اولیٰ اور ثانیہ سے ہے مثلاً ان کے اسماء الرجال لکھیں، ان کی فقہ پر بحث کریں، ان کی تائید میں طرق جمع کریں ان کی غلطیوں پر تنبیہ کریں، کیونکہ تھوڑی تھوڑی غلطیاں ہر مصنف سے ہوتی رہیں، حتیٰ کہ امام بخاری جو سب سے زیادہ متقن مانے جاتے ہیں، ان کی کتاب میں حافظ ابن حجر چالیس کے قریب ایسی حدیثیں مانتے ہیں جن کی اسانید ضعیف ہیں اور حافظ صاحب کے پاس بھی ان کا کوئی حل نہیں ہے، مگر جن ائمہ کی کتب پر اس طرح کی تنقید عمل میں آئی اور ان کی غلطیاں محدود اور معین ہوگئیں ان کی کتابوں سے استفادہ کرنا سہل ہو جاتا ہے۔

اس (قسم اول) کی طرح حدیث کی خدمت کرنے والے ائمہ محدثین ہمارے اساتذہ تک پائے جاتے ہیں، قسم دوم وہ محدثین ہیں جو علم حدیث میں جدت پیدا کر کے نئی تصانیف پیش کرنا چاہتے ہیں، ان کی تمام کتابیں اس قابل نہیں کہ ان سے کوئی دینی مسئلہ اخذ کیا جائے، ان میں جو نئی روایتیں ملیں گی وہ عموماً وہی ہوں گی جن کو پہلے ائمہ نے غیر صحیح سمجھ کر چھوڑ دیا ہے، اس طرح کی بے احتیاطی نے علم حدیث کو بجائے مفید ہونے کے ایک طرح مضر بنا دیا، اس دوسرے (جدت پسند) طبقے کی تصانیف میں وہ تمام نقائص پائے جاتے ہیں، جو اہل کتاب کی روایتوں میں ہمارے علما کے نزدیک قابل اعتراض ہیں۔

ہم نے حافظ ذہبی (شمس الدین محمد بن احمد متوفی ۷۴۸ھ) اور ابن تیمیہ حرانی متوفی ۷۲۷ اور حافظ ابوالحجاج مزی (یوسف بن زکی متوفی ۷۴۲) کے زمانہ تک علما میں تنقید کا مادہ واضح طور پر

پایا ہے اس زمانہ تک پہلی صنف کے عالم (یعنی محفوظ و صحیح کی خدمت کرنے والے) دوسروں سے ممتاز چلے آئے ہیں لیکن ابن السبکی سے لیکر پھر دونوں قسم کے علما میں اختلاط پایا جاتا ہے اور یہ سلسلہ اس طرح شاہ ولی اللہ تک ممتد ہے، شاہ صاحبؒ نے پھر تمیز پیدا کردی اور محققین کے اس طریقے پر چلنے والی ایک مستقل جماعت تیار کردی اسے ہم شاہ صاحبؒ ہی کی قوت تجدید کا ایک مظہر جانتے ہیں۔

فصل (۴) صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ابن ماجہ ہے یا موطا مالکؒ

محدثین میں عموماً مشہور ہے کہ صحاح چھ کتابیں ہیں، ان میں سے پانچ متفق علیہ ہیں، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، ششم میں اختلاف ہے، ایک بڑی جماعت موطا مالک کو چھٹی کتاب مانتی ہے، اس جماعت کے اولین امام قاضی عیاض (بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴) ہیں انھوں نے مشارق الانوار، موطا، بخاری، مسلم کی شرح میں لکھی، اسی عہد کے دوسرے امام قاضی ابوبکر بن عربی مالکی (متوفی ۵۴۳) میں ان کے بعد اس فکر کے داعی حافظ مجد الدین بن اثیر شافعی (مبارک بن محمد مولف جامع الاصول، و نہایہ متوفی ۶۰۶) ہیں جنھوں نے جامع االاصول میں ابن ماجہ کو نظر انداز کرکے موطا مالک کو چھٹی کتاب قرار دیا۔ ان کے بعد حافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیج حنفی (متوفی ۷۶۲) ہیں، ان کی تصریح ہے **اول من صنّف الصحیح مالک وقاله فی المصفی** پھر ان اساتذہ کی متابعت میں محدثین کی کثیر جماعتیں پیدا ہوئیں شاہ صاحب ان میں غالباً آخری ہستی ہیں۔

دوسری جماعت نے سنن ابن ماجہ کو چھٹی کتاب قرار دیا، پہلے جس عالم نے یہ تجویز کی وہ اسماء الرجال میں تو امام تھے، مگر فقہ اور تعامل مسلمین سے قطعاً نا آشنا ہیں، پھر ان کے تتبع میں عام طور پر یہی کتاب صحاح میں شمار ہونے لگی۔

سنن ابن ماجہ کا علمی درجہ

اس کتاب (ابن ماجہ) کا علمی درجہ فقہا محققین کے نزدیک یہ ہے کہ ہر وہ حدیث جس میں وہ منفرد ہے اگر موضوع نہیں تو ضعیف ضرور ہوگی۔

یہ کتاب ہمارے اساتذہ کے یہاں بھی درس میں مروج ہے، اس کو مذکورہ بالا قسم کی غیر صحیح کتب حدیث کے مطالعہ اور سمجھنے کے لئے نمونہ بنایا جاتا ہے، مگر طالب علم ابتدا تحصیل میں ان مشکل مسائل پر غور نہیں کرتے جب ایک عالم ہمارے مشائخ کے پاس درجہ تکمیل طے کرنے لگتا ہے تب اسے ان دقائق پر متوجہ کیا جاتا ہے۔

درجہ تکمیل

ہمارے یہاں درجہ تکمیل ایک قاعدے میں ضبط شدہ طریقہ نہیں بن سکا، عام طور پر فارغ التحصیل طلبہ جب اپنے طور پر پڑھانے لگتے ہیں تو ان کو شکوک پیدا ہوتے ہیں اور وہ ان کے ازالہ کے لئے پھر اساتذہ کی خدمت میں بار بار آتے ہیں اور تدریجا ان شبہات کا حل کرتے کرتے درجہ اطمینان تک جا پہنچتے ہیں، ہم ان کو درجہ تکمیل کا فارغ مانتے ہیں۔

میری طالب علمی اسی طرح پر ہوئی، اور میں آخر میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے طرز میں منفرد نہیں تھا۔ میری طرح میرے ساتھیوں میں اور حضرات بھی تحقیق کرتے کرتے انہیں مسائل پر پہنچے، جہاں میں پہنچا تھا، اس تجربہ کے بعد میں نے یہ نظریہ قائم کرلیا ہے کہ تحصیل کے بعد غیر قانونی طور پر ہمارے اساتذہ اپنی صحبت میں رہنے والے عالموں کو مکمل بنا دیتے ہیں۔

نوجوان طبقہ کے ساتھ میرا ان مسائل پر مذاکرہ ہوتا رہا، انھوں نے عام علما کی شکایت کی میں نے ان کو اس خاص طبقے (میری تکمیل کرنے والے حضرات) کا تعارف کرایا جن سے وہ مطمئن ہوگئے جن لوگوں نے اپنی ضد نہیں چھوڑی میں نے انہیں یونیورسٹیوں کے متوسط الاستعداد گریجویٹوں کی کثیر مثالوں سے لاجواب کردیا۔

فصل (۵) صحیح وضعیف حدیثوں میں تمیز کا ملکہ پیدا کرنے کا ولی اللہی طریقہ

یہ خرابی جو عام اذہان پر مستولی ہے، اس کی تہہ میں یہ مرض پنہاں ہے کہ حدیث کے فن کو صوصاً تصحیح اور تضعیف کو تقلیداً اخذ کیا جاتا ہے، ایک ایسا عالم جو اپنی سمجھ سے صحیح حدیثوں کو صحیح سمجھتا و آج پیدا ہونا متعذر ہوگیا ہے، اسماء الرجال میں توثیق وتضعیف کا اختلاف پھر صحیح حدیث کی ریف میں مختلف آرا طالب علم میں یکسوئی سے کوئی ملکہ پیدا ہونے نہیں دیتیں، آخر مجبور ہوکر فقہا

کا جو متوارث مسلک ہے اسی میں راجح ومرجوح کی تمیز پیدا کرنے کے بعد، جو حدیث اس مسلک کے موافق ہو اسے صحیح اور جو مخالف ہو، اس کو ضعیف بنانے کی استعداد حاصل ہونے پر طالب علم اپنا سفر ختم کر دیتا ہے۔

شاہ صاحب نے پہلے اس مرض کی تشخیص میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی، اس کے بعد مرض کے ازالہ کا پورا نصاب تیار کر کے اپنے طریقہ کی تعلیم شروع کر دی، اب ان کے طرز پر چل کر مجتہد منتسب کی طرح ایک محقق محدث پیدا ہو سکتا ہے جو ایک نئی حدیث کی تصحیح میں اگر چہ اپنے آپ کو عاجز پاتا ہوگا مگر جن احادیث کو ائمہ نے عموما صحیح کہا ہے ان کی صحت کے وجوہ معلوم کرنے میں وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے گا اس اطمینان کے بعد وہ فقہ پر نظر ثانی کرے گا جو مسائل صحیح احادیث کے مطابق پالے گا انہیں کو راجح مانے گا۔

اس طریقے کے عالم پیدا کرنے سے شاہ ولی اللہ نے سلف کے طریقے کو زندہ کر دیا جس کی مثال تیسری صدی ہجری کے بعد ملنا مشکل ہے۔

شاہ صاحب کی تحقیق میں موطا مالک کی اہمیت واقدمیت

فن حدیث میں شاہ صاحب کی تجدید اس بنیاد پر مرتکز ہے کہ صحاح ستہ میں اصح الکتب بخاری نہیں بلکہ موطا ہے بوجوہ ذیل:

(۱) موطا مالک کے اسانید کی تصحیح سمجھنا بہت آسان ہے کیونکہ ان میں عموما ایک دو ہی راوی ہوتے ہیں جن کا اکثر حصہ علما مدینہ سے ہے جن کو عام ائمہ مسلمین معتمد علیہ اور ثقہ مانتے ہیں اس لئے ان اسانید کا سمجھنا بہت آسان ہے۔

(۲) ادھر امام مالک کی شاگردی امام شافعی اور امام محمد ہر دو نے کی، ان ہر دو اماموں کی تنقید موطا پر موجود ہے اس سے بھی انسان کو موطا کی تصحیح میں بڑی مدد ملتی ہے۔

یہ ہر دو مجتہد امام مالک کے استنباط کی مخالفت تو کرتے ہیں مگر روایت کی تضعیف نہیں کرتے یہ چیز طالب العلم کے لئے سرمایہ توثق ہے۔

(۳) اس کے بعد ائمہ حدیث، امام بخاری، مسلم، ابوداود، ترمذی، امام مالک کی کتاب کی

شروح لکھتے ہیں، اس حصے کو شاہ صاحب نہایت وضاحت سے موطا کی شرح میں سمجھا دیتے ہیں۔

قال الامام ولی الله فی المسوٰی من تتبع مذاهبهم ورزق الانصاف من نفسه علم لامحالة ان الموطا عدة مذهب مالک واساسه، عمدة مذهب الشافعی واحمد وراسه، ومصباح مذهب ابی حنیفة وصاحبیه ونبراسه، وهذه المذاهب بالنسبة لموطا کالشروح للمتون وهو منها بمنزلة الدوحة من الغصون، وان الناس وان کانوا من فتاوی مالک فی رد وتسلیم وتنکیث وتقویم، ما صفالهم المشرب ولاتاتی لهم المذهب الا بما سعی فی ترتیبه واجتهد فی تهذیبه وقال الشافعی لذلک لیس احدا منّ علیّ فی دین الله من مالک.

علم ایضاً ان الکتب المصنفة فی السنن کصحیح مسلم وابی داؤد والنسائی وما یتعلق بالفقه من صحیح البخاری وجامع الترمذی مستخرجات علی المؤطا مطمح نظرهم فیها وصل ما ارسله، ورفع ما اوقفه واستدراک ما فاته وذکر المتابعات والشواهد لما اسنده واحاطه جوانب الکلام بذکر ماروی خلافه، وبالجمله فلا یمکن تحقیق الحق فی هذا اولا ذلک الا بالاکباب علی هذا الکتاب، انتهی

وقال فی المصفطی“

> بہ یقین معلوم شد کہ طریق اجتہاد وفقہ امروز مسدود است الا از یک وجہ کہ موطا را پیش گیرند، ووصل مرسل آں، وماخذ اقوال صحابہ وتابعین بہ شناسد ونظر مجتہدانہ اختیار کند وتعقبات شافعی وغیر آں درنظر وارد، بعد ازاں جہد کند بعلم احکام الٰہی ویقین یا غائب رائے حاصل کند بدلالت دلائل برآں مسائل

وقال ایضاً: چوں مبتدی قدر بر زبان عربی یافت موطا مالک بخوانانند، وہرگز آں را معطل نگذارند کہ اصل علم حدیث است وخواندآں فیض ہاوارده

وقال فى الحجة الطبقة الاولى. من كتب الحديث منحصرة بالاستقراء فى ثلثة كتب الموطا و صحيح البخارى وصحيح مسلم وقدووى الموطا عن مالك بغير واسطه الف رجل وقال الشافعى اصح الكتب بعد كتاب الله موطا مالك واتفق اهل الحديث على ان جميع مافيه صحيح على راى مالك ومن وافقه واما على راى غيره فليس فيه مرسل ولا منقطع الا وقد اتصل السندبه من طرف اخرىٰ فلا جرم انها صحيحة من هذاالوجه باب طبقات كتب الحديث.

وقال الامام عبدالعزيز فى العجالة النافعة، ونسبت دریں ہرسہ کتب (موطا وبخاری ومسلم)

> آن است کہ موطا گویا اصل وام صحیحین است ودر کمال شہرت رسیدہ، وہزار کس از علمائے عصر مالک موطا را روایت کردہ اند وعدالت وضبط رجال این کتاب مجمع علیہ است، در مکہ ومدینہ وعراق وشام ویمن ومصر مشہور شدہ وبناء فقہاء امصار بران است۔
>
> در زمان مالک، وبعد از زمان مالک نیز علما در تخریج بر موطا وذکر متابعات وشواہد احادیث آں سعی بلیغ نمودہ اندر، ودر شرح غریب، وضبط مشکلات وبیان فقہ وسائر وجوہ بیان آں قدر اہتمام نمودند کہ زیادہ بران متصور نیست صحیح بخاری وصحیح مسلم ہر چند در بسط وکثرت احادیث دہ چند موطا باشند، لیکن طریق روایت احادیث وتمیز رجال وراہ اعتبار واستنباط از موطا آموختہ اندر، انتہی۔

(قلت) فتقديم الموطا على سائر كتب الحديث والفقه، تختلف الطريقة الولى اللهية عن عامة الفقهاء والمحدثين اختلافا جوهرياً ومن لم يتفطن بذلك لا يصح ان بعد من اتباع الامام ولى الله انتهى. كتاب التمهيد.

پس موطا امام مالک ایسی مرکزی کتاب ہے، جس پر فقہا اور محدثین سب متفق ہیں، اب اگر اس کتاب کو اصل قرار دیکر حدیث کی باقی کتابیں پڑھی جائیں تو ان کتابوں کی صحت پر یقین

حاصل ہوسکتا ہے، میں اس طریقہ پر دو ماہ میں طالب علم کو حدیث سمجھنے کا فن سکھا تا رہا ہوں، آخر میں مکہ معظمہ رہتے ہوئے بھی حرم محترم کے علما نے مجھ سے یہ فن سیکھا۔

قرآن عظیم ہماری دانست میں اپنے موضوع کی مستقل کتاب ہے، گزشتہ فصول میں ہم نے اس کی توضیح کرنے کی سعی کی ہے، مگر آیات احکام پر عمل کرنے کے لئے ہمیں دور نبوت اور خلافت راشدہ کا طرز عمل معلوم ہونا ضروری ہے، اس کے لئے ہمیں ایک فقہ کی کتاب درکار ہے، جس میں تصریح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں ادا کرتے تھے، مسلمانوں سے زکوۃ اس طرح وصول کرتے تھے، بیع وشری کے معاملات اس طرح طے ہوتے تھے۔ غرض جمیع آیات احکام کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفا راشدین کے وفاقی دور (یعنی شہادت عثمانؓ تک سے معلوم ہونی چاہئے اور یہ چیز موطا میں ملتی ہے۔

حضرت علیؓ کے زمانے میں جب باہمی جنگیں شروع ہوئیں تو حضرت علیؓ مدینہ منورہ چھوڑ کر عراق تشریف لے گئے، یعنی اہل مدینہ نے جو علم سیکھا تھا اس پر فتنہ کا کوئی اثر نہیں پڑ سکا۔

اس کے بعد بنی امیہ کے دور میں سیاسی مرکز دمشق بنا، مگر انھوں نے علمی مرکز مدینہ طیبہ ہی کو تسلیم کیا، اس سے اہل مدینہ کا توارث بہت سے مسائل کو آسانی سے حل کرنے کا سبب بنا، اور یہ توارث موطا میں ملتا ہے، السنۃ التی لا اختلاف فیھا عندنا کذا و کذا، کا جملہ امام مالک جب ارشاد کرتے ہیں تو اس سے یہی توارث مراد ہوتا ہے، جو خلافت راشدہ سے شروع ہو کر بنی امیہ کے دور تک قائم رہا۔

فقہاء سبعہ

مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے بعد سات فقہا پیدا ہوئے (۱) سعید بن میسب (۲) عروہ بن الزبیر (۳) قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (۴) خارجہ بن زید بن ثابت (۵) عبید اللہ بن عبد اللہ بن مسعود (۶) سلیمان بن یسار (۷) ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن حارث یا سالم بن عبد اللہ بن عمر یا ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف، تعریب مقدمہ مصفی

ان فقہا سبعہ نے اہل مدینہ کے تمام تر علم کو محفوظ کر دیا، پھر ان کے شاگردوں (امام ابن

شہاب زہری وغیرہ) سے امام مالک نے علم لیا، لہٰذا اس سے بڑھ کر دنیا میں کسی کتاب کا صحیح ملنا ناممکن ہے۔

فصل (٦) عام علما نے موطا کو اس قدر اہمیت کیوں نہیں دی

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اہل علم نے کیوں اس کتاب کو موخر کر دیا؟ اس کا جواب معلوم کرنے کے لئے اس حقیقت کا سمجھنا ضروری ہے کہ جو علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں میں محفوظ رہے ان کی چار قسمیں قرار دی جاتی ہیں۔ (الف) علم فقہ (ب) مغازی و سیر (ج) تفسیر (د) فتن و ملاحم، امام بخاری کی کتاب ان ہر چہار فنون کی جامع واقع ہوئی ہے، اور اس طرح کی جامع کتاب اور اس سے بڑھ کر صحیح مجموعے کا ملنا ممکن نہیں ہے بنا بریں اہل علم سب اسی پر ٹوٹ پڑے۔

امام ولی اللہ قرآن عظیم کے معانی کو علیحدہ علیحدہ ابواب میں تقسیم کر چکے ہیں اور ان کے نزدیک ہر ایک باب ان میں سے اپنے افادے میں مستقل ہے، نہ تو کسی پہلی کتاب کا محتاج ہے اور نہ کسی بعد کے علم و عمل سے متاثر ہوتا ہے۔ البتہ فن احکام عملی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ سمجھنے کا محتاج ہے، خیر القرون میں جس طرح قرآن شریف پر عمل کیا گیا وہ اہل مدینہ کے یہاں محفوظ تھا اور موطا اس کا ایک اچھا نصاب ہے، اس لئے قرآن کریم پڑھنے کے بعد موطا کی ضرورت بہر حال باقی رہے گی۔

شاہ صاحب کی تقسیم میں احکام کے سوا جو فنون ہیں، ان میں قرآن حکیم کسی فن (مثلاً مغازی و تفسیر اور فتن و ملاحم) کا محتاج نہیں ہے، اب ایک ایسے امام کے لئے جو اسلام کو قرآن شریف میں مکمل پاتا ہو، موطا جیسی فقہ کی کتاب کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوگی۔

پھر شاہ صاحب کو یہ بھی معلوم ہے کہ امام احمد بن حنبل مغازی، تفسیر اور ملاحم میں صحیح روایت کا انکار کر چکے ہیں۔

وصیت شیخ الہندؒ

مجھے مولانا شیخ الہند نے دو کتابوں کے مطالعہ کی وصیت فرمائی۔

(الف) فنون حدیث میں میرا شغف دیکھا کہ تمام کتابوں کو جمع کرنے کا از حد ساعی ہوں، تو حضرت نے مجھے فرمایا کہ تمہیں صحاح سے اگر مزید کی ضرورت ہے تو مسند امام احمد کو کافی سمجھو۔

(ب) اور شرح حدیث میں فتح الباری سے تمسک کرو۔

مسند احمد

شاہ صاحب کا طریقہ سمجھنے کے بعد مجھے صحاح سے زائد متون کی حاجت محسوس نہیں ہوئی۔

(۱) مسند احمد کے متعلق افسوس ہے کہ اس میں ان کے بیٹے عبداللہ کی روایتیں ملا دی گئی ہیں

(۲) اور جن روایتوں کو امام احمد نے صراحتاً غیر صحیح کہا اور مسند سے ان کو کاٹ دیا تھا کاتبوں نے وہ بھی اس میں درج کر دی ہیں۔

(۳) ایک اور اتفاقی مصیبت یہ پیش آئی کہ امام احمد جب گھر میں معتکف ہو چکے تھے اس وقت ان سے مسند پڑھا گیا ہے اور امام کے بیٹے عبداللہ کے سوا اس کا اور کوئی راوی نہیں ہے اور عبداللہ بن احمد اتنا لائق اور قابل اعتماد نہیں ہے جتنا کہ اس کتاب کی روایت کے لئے ثقہ ہونا ضروری ہے۔ یہ کتاب یا تو مجمع مسلمین میں پڑھائی جاتی اور متعدد لوگ اس کے راوی ہوتے اور یا عبداللہ سے کوئی بہت بڑا افاضل اس کا راوی ہوتا۔

ان حالات کے پیش نظر مجھے ادھر توجہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، پھر بھی میں نے اس سے استفادہ کیا اور خاص خاص عالموں کے لئے میرا یہ مطالعہ مفید ہو سکتا ہے عام طور پر اس کے ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

فتح الباری

اس کے بعد میں نے فتح الباری سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے اور اس کا یہ نتیجہ تھا کہ میں صحیح بخاری کو حافظ ابن حجر سے بھی پڑھ کر اصح الکتب مانتا تھا، جن چالیس حدیثوں پر ابن حجر نے جرح کر کے لکھا کہ اس جرح کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا، میں ان کا بھی جواب دینے کے لئے تیار تھا، مجھے یہ برا معلوم ہوتا تھا کہ طالب علم کو حدیث کی جو پہلی مرکزی کتاب پڑھائی جائے اس پر بھی اس کو اعتماد کامل نہ ہو۔

سبب الرجوع الی الموطا

میرا کافی زمانہ اسی طرح گزرا، اس کے بعد شکوک پیدا ہونا شروع ہوئے جبکہ میں نوجوان تعلیم یافتہ گروہ سے ملنے لگا تو بعض چیزیں ان کو سمجھانا میرے لئے مشکل ہوا میں نے صحیح بخاری کے ابواب میں ربط پیدا کرنے کی اسی طرح کوشش کی جس طرح ایک سورت کی آیات میں تناسب پیدا کرتا رہا میں نے ان چیزوں میں سے بعض چیزیں مولانا شیخ الہند کو سنائیں آپ نے بہت پسند کیے، میں نے اس کے لئے قواعد کلیہ ضبط کر لئے ہیں جنھیں لکھ نہیں سکا، یہ چیز میرے پاس فتح الباری سے زائد تھی۔

مگر جس قدر میری توجہ قرآن عظیم کی طرف بڑھتی گئی اور نوجوانوں کو بخاری کی بعض احادیث کا سمجھانا مشکل ہوتا گیا، اسی قدر میرے سابقہ یقین میں تزلزل پیدا ہونے لگا میں اس کا کبھی قائل نہیں ہوا کہ دینی تعلیم اگر عربی مدارس کے طلبہ کو دی جائے تو اطمینان بخش ہو اور اگر وہی تعلیم کالج کے طلبہ کو دیجائے تو اطمینان پیدا نہ کر سکے، اگر ایسا ہو تو وہ تعلیم حقیقی اسلام کی تعلیم نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ قرآن ساری دنیا کے لئے نازل ہوا ہے، اگر کالج کے طلبہ کو ہم قرآن کی تعلیم اسی طریقے پر (جو عربی مدارس میں کامیاب ثابت ہوا) نہیں دے سکتے تو غیر مسلم لوگوں کو ہم کیا پڑھا سکتے ہیں۔

اس طرح ابن حجرؒ کی تحقیقات سے میری طبیعت غیر مطمئن ہونے لگی، رحمت الٰہی کا ایک کرشمہ سمجھنا چاہئے کہ مجھے موطا مالک کی شرح التمہید از حافظ ابن عبدالبر (یوسف ابوعمر مغربی متوفی ۴۶۳) مل گئی، اس نے فتح الباری کی جگہ لے لی، میں حافظ ابن حجر کی نسبت ابن عبدالبر کو بہت بڑا محقق مانتا ہوں ادھر شاہ ولی اللہ کا زور تھا کہ موطا کو سب پر ترجیح دینا لازم ہے، اب میں اس کا قائل ہونے لگ گیا موطا میں وہ تمام مشکل حدیثیں نہیں پائی جاتیں جن کا سمجھانا نوجوانوں کے لئے بہت مشکل ہے۔

اب ان مختلف اثرات کا مجموعی نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن عظیم کے بعد میں شاہ ولی اللہ کی کتاب مسوی شرح موطا کا پڑھنا، حدیث اور فقہ کے لئے کافی سمجھتا ہوں اور یہ اسلام میں ساری دنیا کو

سکھا سکتا ہوں مسلمانوں کو ائمہ فقہا کے طریقے پر اور غیر مسلموں کو حکمت کے اصول پر۔

جہاں تک میرا حلقہ اثر رہا، میں اس میں خدا کے فضل سے کامیاب رہا ہوں اس سے مجھے شاہ ولی اللہ کی اس تجدید کی (کہ موطا اصح الکتب ہے) برائ العین قدر و قیمت نظر آنے لگی متاخرین محدثین اس چیز کی طرف قطعا متوجہ نہیں ہیں، میں ان کی تعلیمات کو درجہ تکمیل کے لئے تو جائز قرار دیتا ہوں مگر قرآن سمجھنے کے لئے ان کی تعلیمات کی قطعا ضرورت نہیں ہے۔

مولانا حمید الدین مرحوم میرے بہت پرانے دوست تھے قرآن شریف کے تناسق آیات میں ہمارا مذاق متحد تھا، اگرچہ طریقے اور پروگرام میں کسی قدر اختلاف رہا، وہ بائبل مجھ سے بدرجہا اعلیٰ جانتے تھے اور میں حدیث ان سے زیادہ جانتا تھا جب تک میں ہندوستان میں ان ملتا رہا حدیث شریف کے ماننے نہ ماننے کا جھگڑا کبھی ختم نہیں ہوا، اتفاق جس سال میں مکہ معظمہ پہنچا ہوں اسی سال وہ بھی حج کے لئے آئے، ہماری باہمی مفصل ملاقاتیں رہیں، افکار میں بے حد توافق پیدا ہو گیا تھا، مگر وہاں بھی حدیث کے ماننے نہ ماننے پر بحث شروع ہو گئی، ہم نے سختی سے ان پر انکار کیا اور کہا کہ حدیث کو ضرور ہی ماننا پڑے گا، تنگ آکر فرمانے لگے، آخر آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا موطا مالک! فرمایا ہم اس کو مانتے ہیں، میں نے کہا بس آج سے ہمارا نزاع ختم ہے، ہم آپ کو صحیح بخاری ماننے کے لئے مجبور نہیں کرتے! رہا یہ کہ صحیح بخاری میں میرے اشکالات کیا ہیں، اور میں ایک یورپین نومسلم کو وہ کتاب کیوں نہیں پڑھا سکتا، ان تفاصیل پر میں مجالس عامہ میں گفتگو کرنے کا روادار نہیں، اہل علم جو تکمیل کر چکے ہیں یا تکمیل کے قریب ہیں ان سے میں مذاکرات میں سب کچھ کہہ دونگا، میں نے یوروپ کا سفر سخت انقلابی حالات میں کیا ہے، اور بحمد اللہ شاہ ولی اللہ کے طریقہ پر قرآن دانی اور موطا مالک کی فقہ کو مانتا ہوا سالم نکل آیا ہوں یہ میں شاہ صاحب کی تجدید کی بہت بڑی برکت مانتا ہوں، کاش اہل علم ادھر توجہ کریں اور نوجوان مسلمانوں کی مرکزی طاقت (یعنی عربی مدارس اور کالج کے طلبہ) سے ہونہار افراد کو جمع کر کے ایک شیرازے میں باندھ دیں۔

باب چہارم (علم فقہ)

فصل (۱) عرب اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق سورۂ جمعہ میں تصریح کردی گئی ہیں کہ اس کے پہلے مخاطب امیین ہیں، امیین سے مراد عرب کے وہ طوائف ہیں جنھوں نے قریش کی امامت کو تسلیم کرلیا ہے، بعثت کا مقصد دوسرے موقع پر قرآن عظیم نے اس طرح واضح کیا کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے مل کر دعا کی کہ ہماری نسل سے ایک امت مسلمہ (یعنی ابراہیمی حنیفی ملت پر پیدا کی جائے اور یہ "بیت" اس کا منبع اور اس کا مرکز ہو، اس امت مسلمہ کو ایک نبی کی ضرورت ہوگی جو ملت حنیفہ کی صحیح معنوں میں تعلیم دے اور ان کو اس کے لئے تیار کرے کہ اس دین کو وہ تمام امم میں پہنچا سکیں، یعنی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قریش کے لئے ہے (؟) قریش عربی قوموں میں مل جل کر عرب بن چکے ہیں، یہ سلسلہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں پہلے طبقہ سے شروع ہوا، اسماعیل کی اولاد، قبائل میں تقسیم ہوگئی ہر جگہ انھوں نے اپنا مرکز دعوت قائم کیا اور اس گروہ خاص کی امامت حاصل کرلی یہاں تک کہ تورات میں جو بارہ سرداروں کی پیشگوئی ہے، اہل کتاب اس کو اسماعیل علیہ السلام کی بلا واسطہ صلبی اولاد پر حمل کرتے ہیں، ہم ان کی تاویل کو ملت عربیہ میں حنیفیت کی اشاعت کے لئے تسلیم کرتے ہیں کہ انھیں بارہ سرداروں (یعنی حقیقی بلا واسطہ فرزندان اسماعیل) نے حنیفیت کا مرکز عرب میں پیدا کیا، بہت دیر بعد قصی نے منتشر اولاد اسماعیلؑ کو مکہ معظمہ میں جمع کردیا، یہاں سے خاتم النبیین کی بعثت کا ارھاص شروع ہوتا ہے، یہ لوگ جماعت

قصی بن کلاب، فقط عرب کی سرداری پر اکتفا کرنا نہیں چاہتے تھے بلکہ عراق و شام تک میں تجارت کے ذریعہ اپنا رسوخ پیدا کر رہے تھے اس طرح یہ مجمع الاقوام بنا کر ان پر سرداری اور حکومت کی متمنی تھے، یہ چیزیں ان کے یہاں خاندانی روایات کے ذریعے مستقل ہوتی رہتی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ایک بہت بڑا نبی پیدا ہوگا جو ہمیں تمام اقوام کا سردار بنا دیگا، بنی اسرائیل میں بھی یہی جذبہ موجود تھا اور اس معنی میں ہر دو خاندانوں کی باہمی رقابت جاری تھی۔

بنی اسرائیل پہلے تو موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی کو ان کے برابر ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کام موسیٰ علیہ السلام نے کیا ان کے نزدیک وہی ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا مصداق تھا مگر ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اسرائیلی قوموں سے باہر نہیں جا سکی۔

مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام ضرور ایسے بزرگ تھے جنھوں نے اس تعلیم کو غیر اسرائیلی لوگوں میں بالفاظ دیگر صائبین یا آرین قوموں میں بھی پہنچانے کی کوشش کی، مگر ان کی مرکزیت کو اسرائیلی قوموں نے ہی قبول کرنے سے انکار کر دیا، یہود عموماً مسیح علیہ السلام کی تعلیم سے کم مستفید ہوئے، اگرچہ آگے چل کر موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کو دنیا میں سنبھالنے والے یہی لوگ رہے جو مسیح کے حواریین سے مستفید ہوئے، آج ہمارے زمانے میں جس قدر تورات کی اشاعت ہے کیا یہ یہودیوں کی محنت کا نتیجہ ہے؟ ہرگز نہیں، مسیح کی تعلیم کے شائع کرنے سے پہلے عہد قدیم کا شائع کرنا ضروری تھا، اس لئے مسیحی سلطنتیں، اشاعتی جماعتیں عہد قدیم کی اشاعت کا ذریعہ بنیں۔

ان چیزوں کا اثر قریش کے اولی الرائے بزرگوں پر پڑتا رہا، وہ دیکھتے تھے کہ عیسائیوں نے بڑی بڑی سلطنتیں قائم کر لیں، مگر وہ حنفی دین کو سنبھال نہیں سکے، اس سے قریش مکہ کے مرکز میں یہ توقع قصی کے بعد مسلسل روز سے قائم رہی کہ ہم میں سے کوئی آدمی پیدا ہوگا جو اصلی مرکز پیدا کرے گا۔

جملہ معترضہ! (اجتماعیت اسلامیہ، اور انفرادیت مخترعہ)

ہمارے اہل علم ایک لمبے زمانے سے سلاطین کی انفرادی تحریکوں کا شکار ہو رہے ہیں، انھوں

نے اسلام کی اجتماعی قوت کو نظر انداز کر دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت پر اس طرح غور کیا جاتا ہے کہ ساری نسل انسانی میں خدا تعالیٰ کو منظور تھا کہ ایک اکمل انسان پیدا کرے وہ فرد فرید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے، اس موضوع کی ہر عالم اپنے فن سے توضیح کرتا ہے اسی پر سیرت کی کتابیں کثرت سے لکھی گئیں۔

ہم نے جب سے یورپ کی سیاسیات کا براہِ راست مطالعہ شروع کیا، ہمیں انسانی اجتماعی تحریک کے دونوں اسکولوں (یعنی سرمایہ دار اور محنت کش) کے مطالعہ کا ایک حد تک پورا موقع ملا، آج کل کے لیڈر بین الاقوامی تحریکوں کو چلانے کے لئے مذہب سے عداوت رکھنا ضروری خیال کرتے ہیں سوشلسٹ اپنے مافی الضمیر کو چھپانے کی ضرورت نہیں جانتے؛ وہ علانیہ مذہب پر حملہ کرتے ہیں سرمایہ دار اسکول معناً ان کا ہم صفیر ہے، مگر اپنی سیاست کو چلانے کے لئے مذہبی لوگوں کو استعمال کرتا رہتا ہے اس لئے یہ لوگ علانیہ مذہب سے دشمنی نہیں خریدتے۔

ہم نے اس اجتماعی تحریک کا لادینیت سے کوئی طبعی ربط محسوس نہیں کیا، اس لئے ہم نے لادینیت کو اجتماعی تحریک سے نکال کر باہر پھینک دیا، اب اسلام میں جو ہماری واقفیت تھی وہ دیوبندی اسکول میں تعلیم پانے سے شاہ ولی اللہ کی امامت پر مرتکز تھی، شاہ صاحبؒ کی کتابوں میں ہم نے اجتماعیت کا خاص زور دیکھا اگر چہ وہ اسے نمایاں نہیں کرنا چاہتے، کیونکہ ملک کی عام حالت اس کو برداشت نہیں کرسکتی تھی، ہمارا زمانہ شاہ پرستی کو چھوڑ کر بہت آگے بڑھ چکا ہے، مجھے کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ شاہ صاحب کی طرح میں بھی اجتماعیت اسلامیہ کو نمایاں کرنے میں تامل کروں، میرے لئے زیادہ سے زیادہ یہی نقصان ہوگا کہ میرے دوستوں میں جن لوگوں نے شاہ صاحبؒ کی حکمت غور سے نہیں پڑھی وہ میری مخالفت پر ڈٹ جائیں گے، لیکن اب ہماری حالت ایسی کمزور ہو چکی ہے کہ ان کمزور طاقتوں کی رعایت کرنا کوئی ضروری امر نہیں رہا، شاہ صاحبؒ کے زمانے میں پھر بھی مسلمانوں کا ایک سرمایہ محفوظ تھا، اس کی حفاظت کے لئے وہ مصالح وقتیہ کا خیال کرتے رہے، دو سو برس کے بعد وہ سب کچھ لٹ چکا ہے کوئی ایسی چیز باقی نہیں رہی جس کی حفاظت کیلئے ہم مصلحت وقتیہ کا خیال دل میں لاسکیں اس نے شاہ صاحب کی اصل تعلیم کو

پوست کندہ، تمام اصناف انسانیت میں شائع کرنا، میں نے اپنا مقصد زندگی بنالیا ہے۔

اس فیصلے کے بعد پہلا اثر میرے افکار پر یہ آیا کہ مجھے قرآن شریف کی تفسیر پر نظر ثانی کرنا پڑی اس میں سے انفرادیت کو خارج کر کے اصول اسلامیہ کی اجتماعی روح کو قائم رکھنا، میں نے اپنے لئے ضروری قرار دیا، ورنہ میں دنیا کی اقوام کے سامنے قرآن پیش نہیں کرسکوں گا۔

اگر قرآن شریف کی تعلیم کا مرکز میرے ذہن میں یہ ہوتا کہ وہ ایک اکمل ترین انسان کے ذریعہ نازل ہوئی اس لئے دنیا کو وہ پیغام سننا چاہئے تو مجھے اندیشہ ہے کہ ہر قوم اپنے بزرگ ومقتدا کو خصوصاً مسیحی قومیں معارضے میں اکمل ثابت کرنے کی سعی کریں گی اور وہ مقصد ان مبادی کے طے کرتے کرتے قابل توجہ نہیں رہے گا۔

میں قریش کی ہستی ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی دعا کا پہلا نتیجہ قرار دیتا ہوں کہ ایک امت ہونی چاہئے کہ وہ امم کو ہدایت دے (ومن ذریتنا امة مسلمة لک)

پھر اس امت کی ضرورتوں کے لئے ایک فرد امام درکار ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق دنیا سے بواسطہ قریش ہے اس نکتہ سے میرے بہت سے عقدے حل ہوگئے۔

میں قریش میں فردیت اور حنیفیت کا قائل نہیں رہا، اس لئے ہاشمیت، صدیقیت اور فاروقیت کے الفاظ میرے دماغ سے نکل چکے ہیں، ایک حدیث میں آیا ہے ‘‘الائمة من قریش ’’ایک اور روایت میں آیا ہے کہ بارہ سردار پیدا ہوں گے، ‘‘کلھم من قریش ’’مگر اب انفرادیت نے ہمارے دماغ خراب کردیئے ہیں۔

اس کے بعد سورہ بقر کی آخری آیتوں میں ‘‘لانفرق بین احد من رسلہ ’’ سے میں یہ سمجھا کہ پہلے ہمیں تمام انبیاء اللہ پر ایمان صحیح حاصل کرنا ضروری ہے، ان میں سے ایک فرد اکمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جماعت انبیا سے قطع کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر غور کرنا میرے نزدیک صحیح نہیں رہا۔

ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شخصی اوصاف میں اس قدر انہماک کر چکے ہیں کہ ان

کی پیدا کی ہوئی جماعت کی قدر و قیمت ہماری نظروں سے جاتی رہی، مگر قرآن شریف کا ایک اشارہ ہمارے اس تخیل کو درست کرنے کے لئے کافی ہے۔

(۱) محمد رسول اللہ کے ساتھ "والذین معہ" ملا کر آپ کی تمام کامیابی کو جماعتی کام بنا دیا گیا ہے۔

(۲) کتب حدیث میں ایک جملہ معروف ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت بر سر حق رہے گی، اس کی تفسیر میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "**ما انا علیه و اصحابی**"

(۳) قرآن عظیم نے جو دعا ہمیں اسلامی عقائد پر مضبوط رہنے کے لئے سکھائی وہ سورہ فاتحہ میں مذکور ہے، وہاں "صراط مستقیم" کی تفسیر "صراط الذین انعمت علیہم" سے کی گئی اور "الذین انعم اللہ علیہم" کی تفسیر خود قرآن شریف میں انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین سے کی گئی ہے اس سے فی البدایہ قرآن شریف کی تعلیم کو اجتماعی سمجھنا ضروری تھا، مگر کسی بے التفاتی کا شکار ہو کر ہم انفرادیت کی دلدل میں پھنس گئے۔

قرآن اور دنیا میں انٹرنیشنل انقلاب کا پروگرام

اس کے بعد میرے دماغ پر یہ اثر پیدا ہوا کہ قرآن عظیم دنیا کی تمام اقوام میں انٹرنیشنل انقلاب کا پروگرام ہے، اسے میں نے آیت "**ھو الذی ارسل رسوله بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کله ولو کرہ المشرکون**" سے استنباط کر لیا دین ہر قوم کا علیحدہ علیحدہ رہ چکا ہے، اور قومی افکار و اعمال کا مقدس حصہ اس قوم کا دین کہلاتا ہے جب اس دین حق کو تمام ادیان پر غالب کرنا منظور ہے تو تمام اقوام میں انقلاب پیدا کرنا ضروری ہوگا۔

انقلاب کا قرآن پروگرام اور طاقت

انقلاب مذکور کی دو صورتیں ہیں، اول یہ کہ تمام ادیان پر غلبہ فقط تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے ہو، اس طرح اگر متحقق ہوتا تو قومیں اپنی خوشی سے اس دین حق کو قبول کرتیں جب اس کے ساتھ "**ولو کرہ المشرکون**" کا جملہ نازل ہو چکا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایک مرکزی طاقت کے زور سے اس دین کا غلبہ پیدا کیا جائے گا۔ انٹرنیشنل انقلاب کا ترجمہ اس سے زیادہ اور

کچھ ہم نہیں سمجھ سکے۔

عدم تشدد کا مسلک

آج کل ہندوستان میں ایک نئی اصطلاح پیدا کی گئی ہے کہ عدم تشدد کی پابندی سے اقوام پر غلبہ حاصل کر لیا جائے گا، اور انقلاب اس نئے طریقے پر ہوگا۔

اب تک جو انقلاب کا مطلب سمجھا گیا ہے یہ اس سے مختلف چیز ہے۔

جب تک یہ تھیوری عمل میں نہ آجائے قدیم فیصلوں کو منسوخ نہیں کر سکتی، میں ذاتی طور پر عدم تشدد کی پالیسی ایک محدود زمانے کے لئے معین کر چکا ہوں، اور مجھے یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے کہ تاریخ میں مقدس ہستیوں نے اس پالیسی کو ایک خاص وقت کے لئے ضرور استعمال کیا ہے مگر انسانی فطرت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ محض اسی کی بنیاد پر آخر تک کامیابی کبھی بھی حاصل نہیں ہوئی۔

خیر یہ (عدم تشدد کا نظریہ) تو جملہ معترضہ میں ایک دوسرا جملہ معترضہ تھا اب ہم پھر اس مطلب (تکمیل جملہ معترضہ) پر بحث کو مکمل کرنا چاہتے ہیں۔

اگر قرآن عظیم کی تعلیم کو انٹرنیشنل انقلاب کا پروگرام مان لیا جائے تو اس کے لئے تین چیزوں کی تعیین ضروری ہے۔

(الف) اس کا آئیڈیا، (ب) اس کا پروگرام (ج) اس پروگرام کو چلانے والی سنٹرل کمیٹی

کوئی انقلابی تحریک، پارٹی پالیٹکس کے سوا کامیاب نہیں ہوتی اور ہر پارٹی پالیٹکس میں ان تین چیزوں کی تعیین ضروری ہے۔

قرآن کی انقلابی تحریک کا آئیڈیا

(۱) میں نے قرآن عظیم میں غور کر کے اس کا آئیڈیا اس آیت کو مقرر کیا **”هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون“**

اس تحریک کو چلانے والی پارٹی یا حزب اللہ

(۲) پروگرام کے لئے پہلے حزب اللہ کی تعیین و تحدید ضروری ہے حزب اللہ اس پارٹی کا نام ہے جو قرآن عظیم کے انٹرنیشنل انقلاب کو کامیاب بنانا مقصود حیات قرار دیتی ہے،

حزب اللہ کی ضروریات پر قرآن عظیم کی مختلف سورتوں میں کافی ہدایتیں دی گئی ہیں، جہاں جہاں یا ایھا الذین آمنوا ، وغیرہ سے مومنین کو خطاب کیا گیا کہ وہ کفار اور منافقین کے راستے پر نہ چلیں، بلکہ فلاں فلاں حکم کی اس اس طرح پابندی کریں۔ ان تمام مواقع کو حزب اللہ کا پروگرام سمجھنا چاہئے۔ ''یا ایھا الذین آمنوا '' کے پہلے مخاطب حزب اللہ کے افراد ہی ہوتے ہیں، اس میں مرد و عورت، عرب و عجم سب شامل ہیں۔ اس کا پہلا نمونہ ''السابقون الاولون من المھاجرین و الانصار '' ہیں اور ان کے بعد ''والذین اتبعوھم باحسان '' قیامت تک کی جمیع اقوام مسلمہ کو شامل ہے اس طرح یہ پروگرام قیامت تک جاری رہے گا

سینٹرل کمیٹی کی تعیین

(۳) اب فقط مرکزی کمیٹی کا سوال باقی رہ جاتا ہے میری سمجھ میں آیت ''السابقون الاوّلون من المھاجرین و الانصار '' سنٹرل کمیٹی کو معین کر دیتی ہے۔

مسئلہ خلافت و امامت

اس تخیل پر تفصیل سے بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے، مگر ایک آدھ مسئلہ کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، خلافت راشدہ کے دور کے بعد مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو گئے، اہل سنت اور شیعہ اہل بیت، ہمارے اصول پر اس اختلاف کا حل نہایت سہل ہوگا، ابوبکر صدیقؓ کی تقدیم کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ اس قدر کمالات نفیسہ کے مالک تھے کہ پوری جماعت صحابہؓ میں کوئی آدمی ان کے مقابل نظر نہیں آیا، ہمارے نزدیک مرکزی جماعت (سنٹرل کمیٹی) نے فیصلہ کیا کہ ابوبکر مقدم ہیں، اس لئے وہ واجب الاتباع تھے، اگر جماعت، علیؓ یا عثمانؓ یا عمرؓ کو مقدم کر دیتی تو مسلمانوں پر انھیں کی اطاعت ضروری ہوتی، اس منصب کے لئے جس قدر اہلیت امیدواروں میں ضروری ہے، اس میں یہ ہر چہار حضرات کامل اہلیت کے مالک ہیں، مسلمانوں کو ان کے ذاتی اوصاف دیکھ کر مسئلہ خلافت میں ایک کو ترجیح دینے کا فکر پیدا ہی نہیں کرنا چاہئے تھا جس سے یہ تحزب الاختلاف پیدا ہوا، جو جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم کو چلانے کے لئے چھوڑی، وہ مہاجرین اور انصار کے پہلے طبقہ میں سے ایسے لوگ تھے جن پر یہ صادق آتا ہے رضی

اللہ عنہم ورضوعنہ، یہ جملہ اس طرف مشیر ہے کہ ان کا فیصلہ خدا تعالیٰ کے یہاں پسندیدہ اور مرضی ہے، اس لئے کسی کو ان کی اطاعت سے چوں وچرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

بظاہر یہ مرکزی کمیٹی کی تشخیص میرا اپنا فکر ہے، مگر قرۃ العین اور ازالۃ الخفا کو غور سے پڑھئے تو آپ کو شاہ صاحبؒ کا اصلی مطمح نظر یہی آئے گا، میرا کام اس میں ان کی بات کو عام سمجھدار طبقہ تک پہنچانے کے سوا کچھ نہیں رہے گا۔

یہاں پر مذکورہ بالا معترضہ ختم ہو گیا ہے۔

فصل (۲) عجم

سورہ جمعہ میں امیین کے بعد "**و آخرین منہم لما یلحقوا بھم**" کا ذکر آیا ہے، اس کی تفسیر میں ایسی روایات موجود ہیں، جن سے ایرانی قوم کی طرف اشارہ نکل سکتا ہے، ایران اس زمانہ میں آرین (صابی) قوموں کا مرکز بن چکا تھا، اس سے پہلے زمانے میں ہندوستان کو یہ مرکزیت حاصل تھی، ہماری سمجھ میں "**و آخرین منہم**" کے مصداق میں، ایران اور ہند **وما یتبعھما** شامل ہونے چاہئیں، ہم اس حصہ کو قرآن حکیم کی بین الاقوامی تعلیم کا متن سمجھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جیسے امیین کے لئے ہے ویسے ہی اخرین کے لئے بھی ہے۔ اس اجتماعی تحریک کا پہلا مرکز قریش ہیں، ہماری دانست میں ان کی حکومت پانچ سو برس تک رہی، اس حکومت کے پہلے حصے میں وہ بارہ سردار گزر چکے ہیں، جنھوں نے قیصر وکسری کی حکومتوں کو ملا کر رومن امپائر کے رقبہ سے دو چند ممالک پر حکومت کی، اس حکومت کی اگر سیاسی فلاسفی سے تحلیل کی جائے تو وہ انسانیت کے لئے ایک نمونہ کی حکومت ہے، ولید بن عبد الملک (متوفی ۹۶ھ) کہتے ہیں کہ داؤد وسلیمان علیہما السلام کی حکومت شام میں رہی وہ نبی تھے، اس سے قطع نظر کرلو، پھر میری حکومت کا ان کی حکومت سے مقابلہ کرو اور دیکھو کوئی اندھا نہیں جس کے لئے میں نے عصاکش مقرر نہ کیا ہو، کوئی بھوکا اور بیمار نہیں ہے جس کو کھانا اور دوا نہ پہنچتی ہو۔

یہ ایک عرب بادشاہ کی حکومت ہے، خلیفہ راشد کی خلافت نہیں، خلیفہ راشد کی حکومت تو گویا آئیڈیل حکومت ہے اس کی نظیر پھر مسلمان پیدا ہی نہیں کر سکے، مگر قریش کے یہ بادشاہ اور سردار بھی

اس قدر اجتماعیت کے مالک تھے وہ اگر چہ اپنے گھروں میں اور اپنے خاندان کے افراد کے لئے قیصر وکسری سے بھی زیادہ شاندار زندگی مہیا کرتے ہوں اور اس کا ہم انکار نہیں کر سکتے ، مگر وہ انسانی اجتماع کو اور اس کی ضرورتوں کو نظر انداز نہیں ہونے دیتے تھے۔

انفرادی فکر والے ہمارے مورخین نے ان کے ذاتی اور شخصی نقائص کو بڑھا چڑھا کر دکھایا ہے اس لئے کہ اس مورخ کے نزدیک جس خاندان کی حکومت چاہئے ، بدقسمتی سے حکمراں خاندان اور اس کی آپس میں جنگ ہے۔

اب ہم تاریخ اس طرح پڑھنا نہیں چاہتے ، دیکھنا یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے عام انسانیت کے لئے کیا کام کیا ، اگر شاہان اسلام کے اجتماعی کام اچھے ہیں تو ان کے شخصی نقائص اور تھوڑا سا مالی تفوق ہم برداشت کر سکتے ہیں ، مسلمانوں سے باہر بھی بادشاہ گزرے ہیں ، ہند اور یونان میں کوئی شخص اس طرح انسانیت کا خادم نظر نہیں آتا۔

سلاطین اور علمائے کرام

ان بادشاہوں میں اعتدال پیدا کرنے والی جماعتیں ہمارے نزدیک فقہا اور صوفیہ تھے ، فقہا میں سے جب ایک فقیہ کو قاضی القضاۃ بنا دیا جاتا ، تو بادشاہ اپنی تمام قلمرو کے قضاۃ کے فیصلوں میں (جو قاضی القضاۃ کے نائب ہوتے تھے) کسی قسم کی مداخلت نہیں کرتا تھا اس نے اسلامی انصاف کو ایک استقلالی درجہ دے دیا ہے۔

ہمیں ہندوستان کی تاریخ میں ایسی چیزیں معلوم ہیں کہ سلطان عالمگیر کے نالائق جانشینوں نے اپنے سب سے بڑے قاضی کی مجالس خاصہ میں نہایت بے توقیری کی قاضی مذکور کے بعض احباب نے اس کو شرم اور غیرت دلائی کہ تم کیوں اس درجہ تک اپنی ہتک گوارا کر لیتے ہو ، قاضی کا جواب یہ تھا کہ یہ شخص میری قضا کے فیصلوں میں میرا قلم نہیں روکتا ، اس لئے اس کی سلطنت میں مسلمانوں کے فائدے کے لئے اپنی ہتک گوارا کر لیتا ہوں۔

اب دیکھئے اجتماعی فکر بدلنے سے میں اس ہتک کرنے والے (سلطان محمد شاہ) کی بھی تعریف کرتا ہوں اور پہلے میں اس قاضی کی بے عزتی کو اس کا سب سے بڑا جرم قرار دیتا تھا ، یہ

چیز قاضی کے فیصلوں میں دخل نہ دینا، ہارون ومہدی ومنصور کے زمانے سے ایک حقیقت واضح بن چکی ہے اور قریش کے آخری زمانے تک نہایت سختی سے اس کی پابندی کی گئی، قاضی کے فیصلے کو وہ گویا خدا تعالیٰ کا حکم سمجھ کر نہایت ادب واحترام سے دیکھتے تھے۔

سلاطین اسلام اور صوفیہ

دوسرا عنصر جس نے شاہانہ طغیان سے ان بادشاہوں کو بچایا وہ صوفیہ کا مجمع تھا، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (متوفی ۵۶۱) بغداد میں خلفا کے سامنے، اپنی خانقاہ میں ان کے احکام پر تنقید کرتے رہے اور وہ شیر مادہ کی طرح اسے پی جاتے تھے اور یہ عرب بادشاہوں کی تنزل کا آخری دور تھا، وہ جس وقت زیادہ صلاحیت کے مالک تھے تو صوفیہ اور زہاد کی صحبت اور نصیحت کو اپنی سعادت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

بغداد میں خلفا عباسیہ نے ایرانیوں کو حکومت کے لئے تیار کر دیا، اور بغداد کے زوال کے بعد بخارا کی حکومتیں برسر کار آگئیں اس سے غزنی پیدا ہوئی پھر غزنین سے لاہور اور دہلی عجمیوں کے مرکز بنے،

اگر اسلام کو عربی اقوام کے لئے معین کر دیا جائے تو یہ تمام محنتیں (بغداد، بخارا، غزنی، مصر، دہلی وغیرہ کو مرکز بنانا) اسلامی اجتماع پر ایک وبال ہوں گی، آج ہم غلط فہم عربوں کو اسی میں مبتلا دیکھتے ہیں مگر جس وقت جس نے اسلام کی اساسی حکمت، بین الاقوامیت کو قرار دیا، تو ہمارے نزدیک قرآن کے مقاصد پورا کرنے والے عرب اور پھر ان کے بعد عجم ایک ہی درجہ پر آ جائیں گے یہ اسی اجتماعی فکر کا اثر ہے کہ عربوں کی انفرادیت ہماری نظروں سے غائب ہو چکی ہے وہ (عرب) اس اجتماعی تحریک کے امام ہیں، انھوں نے سب سے پہلے اس اجتماعیت کو دنیا میں کامیاب کر دکھلایا، وہ قیامت تک انسانی نسلوں کے لئے قرآن کی اجتماعیت پر عمل کرنے کے لئے نمونہ رہیں گے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہونا چاہئے کہ ان کی مرکزی قوت کے کمزور ہونے پر اسلام ختم ہو گیا۔

ہم امیر المومنین معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی فتوحات اور قسطنطنیہ پر ان کے حملہ کو

جس قدر عزت واحترام سے دیکھتے ہیں، سلطان محمود غزنوی (متوفی ۴۲۱ھ) کی محنتوں کی بھی ہم ویسی ہی قدر کرتے ہیں یہ ہمارے ذہن سے عربی عجمی فرق کے زائل ہونے کا ایک نمونہ ہے۔

فصل (۳) تطبیق الفقہ والحدیث

انقلابی تحریکوں میں اساسی قانون غیر متبدل ہوتا ہے، اس کے بعد اس کے چلانے والی قوم کے طبعی خصوصیات کے مطابق دوسرے درجہ کا نظام سنٹرل کمیٹی پیدا کر لیتی ہے جسے بائیلاز کہا جاتا ہے۔ بنی امیہ کے آخری دور تک اسلامی تحریک کی مرکزیت حجاز میں رہی، بنو امیہ نے دمشق کو اپنی سیاست کا مرکز بنایا، مگر اصل اجتماعیت کا مرکز مدینہ منورہ ہی رہا، عباسیوں نے مرکزیت حجاز سے بغداد میں منتقل کر لی، اس لئے خلفا عباسیہ کے تمام وزراء ایرانی ہوئے، اور جب وہ اپنی ایرانیت میں آگے بڑھتے تو خلفا کے لئے ان کے قتل کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہتا تھا، خلیفہ منصور (متوفی ۱۵۸) نے ابو مسلم خراسانی (عبدالرحمٰن بن مسلم متوفی ۱۳۷) کو قتل کیا، خلیفہ محمد مہدی (متوفی ۱۶۹) نے ابوعبیداللہ اور ابوعبداللہ کو روندا، ہارون رشید (متوفی ۱۹۳) نے برامکہ کو موت کے گھاٹ اتارا اس کے بعد خلفا کی یہ طاقت ختم ہوگئی، مامون (متوفی ۲۱۵) خود وزرا علی الخصوص فضل بن سہل (پروردہ برامکہ) کا تربیت یافتہ تھا، پھر بھی اس نے اپنے اس عربی ذی الریاستین فضل بن سہل (متوفی ۲۰۲) کو قتل کرا دیا۔

مگر عباسی خلافت ہی نے ایرانیوں کو حکمرانی سکھلائی، بعد کے خلفا ایرانی وزیروں یا ایرانی قائدوں کے اشاروں پر چلتے تھے۔

ایران اور خراسان

ہماری سمجھ میں ایران اور خراسان کے درمیان حقیقی تضاد نہیں یہ دونوں قومیں ایک ہی قوم کے شعبے ہیں۔ اس لئے ترکیت کا جو خیال معتصم کے بعد پیدا کیا جاتا ہے ہم اسے قبول نہیں کرتے یہ سب ایرانیت تھی، ترکوں کے بچے ایرانی تہذیب سے مہذب ہو کر حکومت کرتے تھے، سلطان محمود غزنوی کو دیکھ لیجئے وہ نسلاً ترک ہے مگر سوائے ایرانیت کے اس کے دربار میں کوئی چیز نہیں ہے ہندوستان میں بھی جس قدر سلاطین آئے وہ عموماً ترک نسل سے تھے، مگر ہم سب کو ایرانی

مانتے ہیں، ان کی زبان، فکر، فلسفہ تمام تر ایرانی تھا، اس تہذیب سے باہر نکل کر کوئی ترک حکومت کے کسی منصب پر نہیں پہنچا۔

یہ سمجھ بھی ہمارے اس اجتماعی تاثر کا نتیجہ ہے، جیسے ہم نے قریش کی تقسیم بھلادی اسی طرح ایرانیت کے اقسام ہماری نظر سے غائب ہیں

ہم ''**و آخرین منھم**'' کی اس تفسیر کو زیادہ صحیح مانتے ہیں، جس میں ایرانیوں کی طرف اشارہ ہے۔

ایرانی اشخاص ہمارے نزدیک زیادہ قدر و قیمت نہیں رکھتے، بلکہ ہمارے نزدیک ایرانیت سے مراد ایرانی تہذیب ہے۔

حجازی اور عراقی فقہ کی تدوین

جب اسلام کی مرکزی طاقت مامون کے عہد سے ایرانیوں کے ہاتھ آئی، تو قرآن کی اساسی اجتماعی تحریک کیلئے عربی بائیلاز کے علاوہ ایرانی ''بائیلاز'' کی ضرورت فقہا کو محسوس ہونے لگی، ہم اسلامی فقہ کے یہ دو اسکول (حجازی، عراقی) علیحدہ علیحدہ مانتے ہیں موجودہ اصطلاحات کے رو سے فقہ کا ترجمہ بائیلاز ہے، اسلام کی اجتماعی اساسی تحریک قرآن شریف میں منضبط ہے، اور وہ غیر متبدل رہے گی، خلافت راشدہ میں عربی ذہنیت کے مطابق اس کے بائیلاز تیار ہوئے اور وہ حجازی فقہ ہے جس کا مرکز مدینہ منورہ تھا، اور امام مالکؒ نے اس کو موطا میں ضبط کر دیا ہے۔

صحابہ کرامؓ میں ائمہ فقہا خلیفہ راشد کے مشیر رہا کرتے تھے، فاروق اعظمؓ کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ عراق فتح کرنے کے بعد اس میں ایک نیا مرکزی شہر بسایا جائے، نیز یہ بھی محسوس ہوا کہ میرے مشیروں میں سے ایک بڑا استاذ عراق کے بائیلاز بنانے کی بنیاد رکھ دے، اس کے لئے انھوں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو اپنی صحبت سے جدا کر کے بطور معلم عراق بھیجا، عبداللہ بن مسعودؓ کی صحبت سے عراقی فقہا تیار ہوئے، جنھوں نے ایرانی مرکزی حکومت کے لئے بائیلاز (فقہ عربی) تیار کر دیئے۔

جس طرح اہل مدینہ کے فقہا امام مالک کے ذریعہ سے زندہ رہے اسی طرح اہل عراق کے

فقہا کا علم امام ابوحنیفہؒ کے ذریعہ محفوظ رہا، امام ابوحنیفہؒ نے ایک ایسی جماعت تیار کردی کہ ایرانی حکومتوں کے تبدلات میں وہ نئی نئی ضرورت کو پورا کر سکے گی۔

بغداد کے رہنے والے ایک تمدن رکھتے ہیں جو کہ عربی اور ایرانی تمدن کا مجموعہ ہے، بغداد میں جیسے فارسی بولی جاتی تھی، اسی طرح عربی بھی استعمال ہوتی تھی زوال بغداد پر عربی بولنے والی قوموں نے قاہرہ کا رخ کیا، اور فارسی بولنے والی قومیں دہلی میں جمع ہوگئیں، ایرانیت اور عجمیت میں بغداد اور دہلی یکساں مان لئے جائیں پھر بھی ان میں زمین وآسمان کا فرق ہے بغداد سے حکومت دہلی پہنچی اس میں اس نے بخارا اور غزنی کا راستہ طے کیا ہے، بغداد اور بخارا کے تمدن میں بھی اتنا فرق موجود ہے جتنا دو قوموں میں ہوسکتا ہے، اسی طرح بخارا اور غزنی کا فرق بھی قومیت سے کم درجے کا نہیں ہے اس کے بعد لاہور اور دہلی کا نمبر آتا ہے یہاں بھی قومیتیں بدلتی جاتی ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کو ہارون الرشید کے زمانے میں فقہ کی امامت تفویض ہوئی، امام ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے اور امام محمد لا کالج کے پرنسپل ان کی تعلیم اور صحبت میں اس قدر بلند مرتبہ فقہا تیار ہوئے کہ دہلی تک پہنچنے میں جس قدر تبدلات پیش آئے ان کا لحاظ رکھ کر وہ اسلامی بائیلاز تیار کرنے میں کمال رکھتے تھے انہیں کے زور پر سلاطین اپنا عدالتی قانون قوموں کو منواتے رہے۔

دہلی میں قضا کا مستقل مرکز پیدا ہوا جسے دوسرے اسلامی ممالک اس لئے نہیں جانتے کہ اس کی تاریخ فقط فارسی زبان میں مدون ہے۔

تدوین فقہ اور ہندوستان

اس مرکز سے دو دفعہ اجتماعی تحریک میں تجدید پیدا ہوئی اس اسلامی فقہ کو جو بخارا سے یہاں پہنچی تھی، ہندوستان کے مطابق کرنے کی سعی کی گئی پہلی دفعہ تغلقوں کے عہد میں فتاویٰ تاتارخانیہ تیار ہوا، دوسری بار سلطان عالمگیر (متوفی ۱۱۱۸) کے زمانے میں خود سلطان نے فتاویٰ عالمگیری تیار کرایا۔ اور تمام قلمرو میں اس پر عمل واجب قرار دیا سلطان کے بعد بھی نادر شاہ کے حملے تک (یعنی ۱۱۵۱-۵۲ تک) یہ قانون ہندوستان میں متبوع رہا ہے۔

یہاں تک ہم نے فقہ حنفی کو سمجھنے کے لئے چند اصول پیش کئے ہیں۔

شاہ ولی اللہ اور فقہ

اب ہم شاہ ولی اللہؒ پر آتے ہیں، شاہ صاحب نے فقہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے پڑھی، اور شاہ عبدالرحیم فتاوی عالمگیری کے مصنّفین میں سے ایک عالم ہیں، ہمارے زمانے میں ہندوستان کے اندر جس قدر علمی تحریکیں مرکزیت رکھتی ہیں وہ سب کی سب ایسے اساتذہ پر ختم ہوتی ہیں جو عالمگیری دور کے ممتاز فرد تھے، شیخ محبّ اللہ بہاری (متوفی ۱۱۱۹) کی کتابیں اصول اور معقول میں ہمارے یہاں کافی رائج پذیر ہیں، اور ہندوستانی طریقہ تحصیل دوسرے اسلامی ممالک میں انہیں کتابوں کی بدولت ممتاز ہوگیا ہے۔ شیخ محبّ اللہ عالمگیری دور کے نامور فاضل تھے، فاضل خان ان کا لقب اور خطاب تھا، شاہ ولی اللہؒ کی اساسی تربیت فکریہ میں ہم شاہ عبدالرحیم کو مرکز مانتے ہیں۔

(الف) قرآن شریف کا ترجمہ تفسیروں سے علاحدہ انھوں نے (شاہ عبدالرحیم نے) پڑھانا شروع کیا۔

(ب) وحدت وجود کا مسئلہ صحیح طریقے سے انھوں نے تعلیم دیا۔

(ج) حکمت عملی کو اسلامی علوم میں باوقعت بنانا انہیں کے ارشاد کا نتیجہ ہے۔

یہ چیزیں شاہ ولی اللہؒ کی تعلیم میں بہت اہم مانی جاتی ہیں لہٰذا ہم شاہ صاحب کے تمام کمالات کو بھی عالمگیری دور کا ایک نتیجہ بنانا چاہتے ہیں، شاہ صاحب اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۲ سال تک دہلی میں درس دیتے رہے، یعنی جو کچھ انھوں نے اپنے والد سے سیکھا تھا وہ ان کے دماغ میں راسخ ہوگیا اس کے بعد وہ حجاز پہنچے اور شیخ ابراہیم کردی کے شاگردوں میں سے شیخ ابوالطاہر مدنی اور شیخ حسن بن علی عجمی (متوفی ۱۱۱۲) کے شاگردوں میں سے شیخ تاج الدین قلعی صحبتوں میں سے مستفید ہوئے شیخ ابوالطاہر شافعی تھے اور شیخ تاج الدین حنفی۔ شاہ ولی اللہ نے حجاز جا کر حنفیہ اور شافعیہ کو ایک درجے پر مان لیا۔

پہلے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام مالک فقہ کے جامع ہیں ان کی شاگردی کے بعد امام شافعی نے حجازی فقہ کو عراقی فقہ کا مقابل بنا دیا امام شافعی کی فقہ کی خصوصیات پر اس موقعے پر ہم بحث کرنا

نہیں چاہتے۔ مگر اتنا بتلا دینا ضروری ہے کہ شاہ ولی اللہؒ نے جس قدر صوفیہ اور محدثین حجاز میں دیکھے وہ اکثر شافعی تھے۔

ادھر شاہ صاحبؒ یہ بھی جانتے ہیں کہ سلاطین عثمانیہ، سلاطین دہلی کی طرح حنفی ہیں، بنابریں وہ اس چیز کو پسند نہیں کرتے کہ شافعیت اور حنفیت کے اختلافات پر زیادہ توجہ کریں۔ وہ اسلام کی بین الاقوامی سیاست میں جیسے عرب اور عجم کو مستقل مانتے ہیں (ہر دو نے سیاست اسلامیہ کے فرض کو ادا کیا) اسی طرح فقہ شافعیہ کو عرب کی جگہ اور فقہ حنفیہ کو عجم کی جگہ مانتے ہیں کیونکہ فقہ حنفی عجمیوں نے پیدا کی اور یہ ان کے مذاق کے عین مطابق ہے۔

اب شاہ صاحبؒ کی تجدید اور تحقیق یہ ہے کہ وہ فقہ کے ہر دو طریقوں کو امام مالک سے استنباط کرتے ہیں یعنی انھوں نے دو طریقوں میں ایک امر مشترک پیدا کر دیا ہے، حجازیوں میں بھی امام شافعی اہل مدینہ کی روایتوں کو مقدم مانتے ہیں اس لئے کہ انھوں نے ابتدا میں اہل مکہ سے پڑھا۔ بعد ازاں امام مالک کی کتاب پڑھ کر فقہ میں ترمیم کر لی۔

اسی طرح عراقی علما میں سے امام محمد نے پہلے عراقی فقہ کی روایتیں پڑھیں اس کے بعد امام مالک سے موطا پڑھ کر عراقی تفقہ میں ترمیم کر لی۔

اس طرح فقہ حنفی اور فقہ شافعی تو مقابل بن گئیں مگر موطا امام مالک ان میں امر مشترک رہا، شاہ ولی اللہؒ یہ امر مشترک واضح طور پر دنیائے اسلام کو سمجھانا چاہتے ہیں، اس کا نتیجہ ہوگا کہ حنفی شافعی تخاصم ختم ہو جائے گا۔

شاہ ولی اللہؒ نے حجاز پہنچ کر اسناد کے سمجھنے میں تفقہ پیدا کی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حدیث کی پانچ کتابوں میں آپ نے موطا مالک کو اصل قرار دیا، صحیحین اور سنن موطا کی متابعات وشواہد ذکر کرنے والی کتابیں بنیں، اس طریق تفقہ سے شاہ صاحب کے شاگرد احادیث صحیحہ کو اپنے اجتہاد سے صحیح مان سکتے ہیں۔

جس طرح فقہا نے مجتہد منتسب کا درجہ مجتہد مستقل کے ساتھ مان رکھا ہے اگرچہ مجتہد مستقل پیدا ہونے ایک زمانے سے ختم ہو گئے مگر مجتہد منتسب ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور انہیں کے

ذریعے سے فقہ کی تجدید اور تحقیق قائم ہے، اسی طرح شاہ صاحب نے ائمہ محدثین کو مجتہد مستقل کا درجہ دیا اور مجتہد منتسب تیار کرنے کا راستہ موطا مالک کو مقدم مان کر تیار کر دیا۔ اب شاہ صاحب کے اتباع میں سے جو محقق عالم پیدا ہوں گے وہ صحیحین اور سنن ابی داؤد اور ترمذی میں سے صحیح حدیثیں نکالنے پر خود قادر ہوں گے، وہ مذکورہ بالا کتب حدیث کو اسی لئے صحیح نہیں مانتے کہ ان کے مصنف بہت بڑے عالم تھے بلکہ وہ اپنی ذاتی تحقیق اور اجتہاد سے ان ائمہ کی تصحیح کو قبول کرتے ہیں۔

علم کے اس مرتبے کی تعیین اور تعلیم کے بعد علم فقہ میں شاہ صاحب کا یہ مسلک قرار پایا کہ صحاح ستہ میں جو حدیثیں صحیح ہیں ان کے موافق جو فقہی عالم فتوے دیتا ہے اسی کو ترجیح دی جائے خواہ شافعی ہو یا حنفی

حجاز پہنچ کر شاہ صاحب کا فقہی مسلک

یہ پہلا درجہ ہے، ان کی فقہی تحقیق کا جو حجاز میں رہ کر انہیں سمجھ میں آئی، وہ عام علما کی طرح اس بات کو قبول نہیں کر سکتے تھے کہ فقط فقہ حنفی تمام مسلمانوں کو ایک نقطہ پر جمع کرنے کے لئے کافی ہے، اس لئے کہ عربی بولنے والے ممالک عموماً شافعی اور مالکی مذہب رکھتے ہیں، پھر اگر وہ لوگ سلطنت عثمانیہ کے مرکز سے دور ہیں تو وہ فقہ حنفی بہت کم جانتے ہیں مصر اور مغرب اس کی مثالیں ہیں اب شاہ صاحب کا فیصلہ یہ ہوا کہ حنفی، شافعی کو مساوی درجہ پر رکھا جائے اور موطا مالک کو اصل بنا کر کتب حدیث میں جو معروف اور اکثریت کی زیر عمل روایتیں ہیں (یعنی شواذ اور غرائب کو چھوڑ دیا جائے) ان کو انتخاب کر لیا جائے، اس کے مطابق اگر حنفی روایت ہے تو اس کو ترجیح دو، اگر شافعی ہے تو وہ راجح ہے، اگر اس فقہ کو اسلامی مرکز میں قائم کر دیا جائے تو مسلمانوں کا ایک نقطہ پر جمع ہو جانا آسان ہو جائے گا۔

مرکز کی تلاش اور پھر حنفی فقہ کی طرف رجوع

شاہ صاحب پہلے یہی فکر رکھتے تھے کہ شاید ان کا عمل تجدید حجاز میں مستقر ہوگا اور تمام دنیائے اسلام اس کو قبول کر لے گی مگر حجاز میں جا کر حالات کا پورا تتبع کرنے کے بعد، ان کی رائے بدل گئی، اس کی طرف تفہیمات الٰہیہ میں اشارہ موجود ہے۔

ہند میں فقہ حنفی اور شاہ ولی اللہؒ

اس کے بعد وہ دہلی آئے اور اسی کو مرکز بنالیا، دہلی کے مرکز میں فقہ شافعی کی مطلقاً ضرورت نہیں تھی، ہندوستان جب سے فتح ہوا اس میں حنفی فقہ برسر اقتدار رہی، ہم ہندوستان میں اس لئے فقہ حنفی کے خصوصی واجب ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں کہ شروع اسلام سے یہاں سوائے فقہ حنفی کے اور کوئی فقہ معلوم ہی نہیں ہوتی، ایران کے اثر سے شیعہ کی حکومت یہاں قائم ہوئی، مگر وہ اسکول ہی علیحدہ ہے، اس سے ہماری بحث نہیں، مسلمانان ہند کی اکثریت حنفی مذہب کی پابند ہے، ہند میں جب اسلام آیا تو یہاں کے ایک بڑے حصے نے اس کو اجنبی سمجھا، مگر کافی زمانے کے تامل وتعاون اور بڑی بڑی سلطنتوں اور بڑے بڑے حکما اور صوفیہ کی محنتوں سے ہندوستانی قوم نے اسلام کو اپنی چیز بنالیا، یہ اسلام ان کے قلوب واذہان میں حنفی صورت میں آیا، اس لئے حنفیت ہندوستانی قوم کا قومی مذہب ہے، اب یہاں کوئی مصلح ومجدد اس طرح کبھی کام نہیں کرے گا کہ جہاں حنفیت کی رعایت ممکن ہو وہاں بھی اس کی پرواہ نہ کرے، اس مذہب نے ہندوستان میں اتنا توسع پیدا کرلیا ہے کہ ہر محقق کے لئے حنفیت سے باہر جانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی، اس کو شاہ صاحب نے ''فیوض الحرمین'' میں ضبط کردیا ہے اور کئی بار لکھا ہے کہ مجھے حکم دیا گیا کہ لاتخالف عوام بلادک اسی بنا پر ہم نے شاہ صاحب سے تعلق رکھنے والے ایسے لوگوں کو جو حنفی بننا نہیں چاہتے، ہندوستانیت سے خارج کردیا ہے، انہیں کوئی حق نہیں ہے کہ ہندوستانی معاملات میں دخل دیں۔

پھر ان میں بھی دو قسم کے عالم ہیں (۱) جن لوگوں کو شاہ صاحبؒ کے اتباع میں سے حنفی مذہب پر پورا اعتماد نہیں رہا، ان میں سے بعض نے شافعی مذہب اور بعض نے حنبلی مذہب اختیار کرلیا اس کی چند نظیریں شاہ عبدالعزیز اور شاہ اسحٰق (متوفی ۱۲۶۲) کے شاگردوں میں پائی جاتی ہیں، یہ لوگ ہندوستانی بن سکتے ہیں، کیونکہ ان کو حنفیت سے مخاصمت نہیں مرکز اسلام میں یہ چاروں مذہب اسلام کے مساوی شارح سمجھے جاتے ہیں ایک حنفی کسی شافعی یا حنبلی سے عناد نہیں رکھتا۔

(۲) مگر ایسے عالم جن کو حنفیت پر اعتماد نہ ہو اور وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب کے پابند ہوکر نہ رہ سکیں، ان سے شاہ ولی اللہ نے تبری کی ہے ان کو اپنے سلسلہ میں منتسب ہونے کی

اجازت نہیں دیتے، اس لئے ہم ایسے انسانوں کو اپنی تحریک کا قیم کبھی نہیں مان سکتے، یہ اصلی دیوبندیت ہے، شاہ صاحب کے علوم سے تباعد کرنا دیوبندیت نہیں ہے۔

حنفیت میں شاہ صاحب کی الہامی تجدید

ہندوستان کے لئے شاہ صاحب کو ایک نئی چیز الہام ہوئی، فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں:

عرفني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان في المذهب الحنفي طريقة انيفة هي اوفق الطرق بالسنة المعروفة التي جمعت ونقحت في زمان البخاري واصحابه وذلك ان يوخذ من اقوال الثلاثة قول اقربهم بها في المسئلة، ثم بعد ذلك يتبع اختيارات الفقهاء الحنفيين الذين كانوا من علماء الحديث، فرب شي سكت عنه الثلثة في الاصول وما تعرضوا لنفيه ودلت الاحاديث عليه فليس بد من اثباته والكل مذهب حنفي.

دوسری جگہ میں لکھتے ہیں: **ثم كشف لي انموذ جاظهر لي منه كيفية تطبيق السنة بفقه الحنفية من الاخذ بقول احد الثلثة وتخصيص عموماتهم والوقوف على مقاصدهم والاقتصار على ما يفهم من لفظ السنة وليس فيه تاويل بعيد ولا ضرب بعض الاحاديث بعضاً والا رفضا لحديث صحيح بقول احد من الامة، وهذه الطريقة ان اتمها الله واكملها فهي الكبريت الاحمر والاكسير الاعظم فيوض الحرمين.** ص۶۲

اس طریقہ سے شاہ صاحب نے حنفی فقہ میں تجدید کر دی، اب ان کی رائے یہ ہے کہ جس قدر احادیث صحیحہ موجود ہیں، ان کے موافق فقہا حنفیہ میں سے کسی نہ کسی کا فتویٰ ضرور ملتا ہے اس لئے فقہ شافعی کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، ایک حنفی جبکہ وہ حدیث میں تحقیق کے درجے پر پہنچ جائے اور اپنی تصحیح شدہ حدیثوں کے موافق فقہ حنفی میں سے روایات منتخب کرے، تو وہ فقہ واجب الاتباع ہوگی، شاہ عبدالعزیز اس فقہ کے امام ہیں۔

شاہ صاحب بحیثیت مجتہد منتسب

ہم شاہ ولی اللہ کو حنفی اور شافعی ہر دو مذہبوں میں مجتہد منتسب مانتے ہیں جب وہ اپنے آپ کو مرکز اسلام (حجاز) میں تصور کرتے ہیں تو فقہ حنفی اور شافعی میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا جائز سمجھتے ہیں اور جب وہ خود کو ہندوستان میں فرض کرتے ہیں تو اپنے والد کے طریقہ پر فقط حنفی کے مجتہد منتسب امام ہوتے ہیں اس کے متعلق فیوض الحرمین میں ایک تصریح موجود ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، فرماتے ہیں ”نفخ فيّ رسول الله صلى الله عليه وسلم نفخة فبين ان مراد الحق فيك ان يجمع شملا من الامة المرحومة بك فاياك وما قيل ان الصديق لايكون صديقا حتى يقول له الف صديق انه زنديق و اياك ان نخالف القوم في الفروع فانه منافضة لمراد الحق، ثم كشف لي نموذجا الى قوله الاكسير الاعظم“۔

امام عبدالعزیز دہلوی

امام عبدالعزیز شاہ ولی اللہ کی وفات پر نوعمر تھے، شاہ صاحب کے شاگردوں سے انھوں نے اپنی تکمیل کی، شاہ عبدالعزیز کے خسر شیخ مولوی نور اللہ بڈھانوی شاہ ولی اللہ کے خواص اصحاب میں سے تھے وہ فقہ حنفی کی تحقیق کا طریقہ شاہ صاحب سے سیکھ چکے تھے، شاہ عبدالعزیز نے ان سے اپنی تکمیل کرلی اور پھر اس طریقے پر ہندوستان میں شاہ صاحب کے علوم کو کامیاب بنانے والی جماعت تیار کرنے میں مصروف ہوگئے۔

شاہ عبدالعزیزؒ کے زمانے میں سیاسی تنزل انتہا تک پہنچ چکا تھا، سلاطین دہلی کے بالمقابل قوت (انگریز) بہت متیقظ اور چابک تھی، ان کی کڑی نگاہوں کے زیر اثر شاہ عبدالعزیزؒ کو کام کرنا پڑا، اس لئے ان کا تمرکز نمایاں نہیں ہے، اور ان کو تھوڑا سا کام کرنے میں لمبا وقت خرچ کرنا پڑا پھر بھی اوّل درجے کے کامیاب علما میں شمار کئے جائیں گے، انھوں نے شاہ صاحب کے نظریہ انقلاب کو کامیاب بنانے والی مرکزی جماعت پیدا کردی (قلت هم الاركان الاربعة للنهضة الهندية الامير الشهيد السيد احمد البريلوى، الصدر السعيد مولانا

عبدالحی الدھلوی، والصدر الشہید مولانا محمد اسماعیل الدھلوی، والصدر الحمید مولانا محمد اسحاق الدھلوی) اسے ہم شاہ ولی اللہؒ کی فقہ کی تجدید مانتے ہیں۔

مشائخ دیوبند

ہمارے اساتذہ دیوبند شاہ عبدالعزیز کے شاگردوں کے شاگرد ہیں ہم نے ان کا طریق نہایت تحقیق سے حاصل کیا، ہم افغانستان اور ترکی میں رہے ہمیں فقہا حنفیہ میں اپنے مشائخ سے بہتر عالم کہیں نظر نہیں آئے، اس کے بعد ہم حجاز میں رہے، جہاں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی موجود ہیں اور حنابلہ کی حکومت ہے، اتفاقاً وہاں حنیفہ کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا، مگر ہم نے جب اپنا تعارف شاہ ولی اللہؒ کے طریقے پر کرایا تو علما حرمین کو ہمارے مسلک سے کوئی خصومت نہ رہی ہمارے حالات ایسے نہیں تھے کہ ہم اپنے مسلک کی عمومی تعلیم کا انتظام کر سکتے، مگر خواص علما نے شاہ صاحب کا طریقہ (تحقیق حدیث اور تحقیق فقہ) ہم سے خصوصی طور پر اخذ کیا، اسے ہم شاہ صاحب کے طریقے کے بہت بڑی کامیابی سمجھتے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ ہندوستان کے لوگ شاہ صاحب کے طریقے کو عام طور پر اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے مگر اس کا سبب ایک سیاسی مقابلہ ہے جس پر ہم یہاں بحث کرنا نہیں چاہتے۔

باب پنجم (تصوف وفلسفہ)

(الف ۱) عام طور پر متصوفین مبادی اخلاق سے اپنا مسئلہ شروع کرتے ہیں انسان کے بدن میں تین عضو ہیں جنھیں علمائے طب اعضائے رئیسہ کہتے ہیں، دماغ، قلب، کبد، ان اعضا رئیسہ کی مرکزی قوتوں کو لطیفہ عقل قلب ونفس کہتے ہیں، پھر ان کی ترکیب وتحلیل سے مختلف حالات اور مقامات پیدا ہوتے ہیں جن سے متصوفین اپنی کتب میں پورے بسط سے بحث کرتے ہیں۔

(الف ۲) شاہ ولی اللہ ان لطائف ثلثہ سے پہلے ایک لطیفہ جوارح بھی تجویز کرتے ہیں، ان کی عبارت ''الطاف القدس'' میں سے بعینہا نقل کی جاتی ہے۔

> در ظاہر شرع کہ مسمّیٰ باسلام است مبحوث عنہ لطیفہ جوارح است، وتحقیق این لطیفہ آں ست کہ قلب وعقل ونفس بہ اعتبار تقویم جوارح، وآلہ بودن برائے تکمیل افعال جوارح وفنا در جوارح مسمے بہ لطیفۂ جوارح می گردد، وبرائے تفہیم ایں لطیفہ بریں فقیر شترے ظاہر ساختند، کہ مشرف برموت بود، غیر از رمقے از حیات با او باقی نماندہ وجمیع لطائف ثلثہ بازرہ او ضعیف گشتہ، اما او را در قطارے بستہ بودند، واو غیر از رفتن قوتے نداشت، پس تا اخر اترہاق روح راہ مے رفت، بعد ازاں بمرد، از رفتن باز ماندنش ہماں ومردنش ہماں، دریں حال آگاہانیدند کہ ایں شتر فانی است در لطیفہ جوارح ومواخذہ اعمال شرائع برہمیں لطیفہ است۔ ص ۲۹، ۳۰

(ب ۱) متصوفین کو کہنا پڑتا ہے کہ تعلیم شریعت ایک خاص نصاب رکھتی ہے اور تصوف

وطریقت اس کے ماوراء دوسری چیز ہے اور پھر یہ بھی ساتھ ہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ تصوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رائج نہ تھا، اس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ حضور کی صحبت میں اتنا نور اور برکت تھی کہ اس علم کی طرف احتیاج ثابت نہیں ہوسکی۔

(۱) ہمیں اس قسم کی فکر میں ایک بین نقص نظر آتا ہے، گویا تعلیم فقہ علیحدہ چیز ہے، اور تصوف اس سے ایک جداگانہ غیر ضروری امر ہے یعنی جس کا جی چاہے اسے (تصوف کو) اخذ کرے اور اس کی مرضی نہ ہو اس سے سروکار نہ رکھے۔

(۲) پھر آگے چل کر ہم نے دیکھا کہ ایمان بالدار الآخرۃ ان متصوفین کی صحبت ہی میں مکمل ہوتا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ قرآن عظیم ایمان باللہ کو جس کے ساتھ ایمان بالیوم الاخر نہ ہو قابل اعتماد نہیں مانتا، اس سے ہماری طبیعت میں تشویش پیدا ہوئی کہ جو چیز ایمان بالیوم الآخر پر یقین دلاتی ہے، اس کو کمزور کیوں کردیا گیا۔

(ب۲) شاہ صاحب کی اس حکمت کو پڑھ لینے کے بعد ہمارا اطمینان ہوا، ہم انسانی زندگی کو وحدت غیر منقسم مانتے ہیں، دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی دو متباین چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی سیر کے مختلف منازل ہیں۔

شاہ صاحب کے لطیفہ جوارح کا مطلب یہ ہے کہ لطائف ثلاثہ بارزہ دو رخ رکھتے ہیں، ایک جوارح کی طرف اس کی تکمیل کا ہونا شریعت ہے دوسرا رخ اپنے منبع کی طرف اس کی تکمیل تصوف، طریقت، فلسفہ کہلائے گی، ہر انسان ایک ہی جبلت لے کر نہیں آتا، بعض چیزیں ایک شخص کو شروع زندگی میں سمجھ میں آجاتی ہیں مگر دوسرے کو کافی زمانہ گزرنے پر ان کا علم حاصل ہوتا ہے اسی طرح یہ ہوسکتا ہے کہ ایک انسان اپنی انانیت کا مصداق بدن کو سمجھے اور اس کا فہم لطیفہ جوارح سے آگے نہ بڑھ سکے جیسے عامۃ الناس کی حالت ہے اور دوسرا انسان جوذکی ہے وہ اپنے افعال جوارح کو عقل، اخلاق اور طبیعت کے اقتضا میں تقسیم کرلیتا ہے وہ انسانیت کے لئے ایک مرکزیت پیدا کرسکتا ہے۔

اس طرح پر شریعت اور طریقت دو چیزیں نہیں ہوں گی بلکہ ایک چیز کے دو رنگ یا ایک

درخت کے دو ثمر ہیں، ایک پہلا ایک دوسرا، اس طریق پر حیات کی وحدت بھی قائم رہے گی، اور انسانیت میں اختلاف مدارج بھی معقول رہے گا۔

''الطاف القدس'' میں پہلا باب لطیفہ جوارح پر بحث کرنے کے لئے معین ہے، دوسرے باب میں لطائف ثلثہ کے دوسرے پہلو پر بحث ہے، تیسرے باب میں عقل اور قلب کے پہلے بطن پر بحث ہے چوتھے میں عقل اور قلب کے بطن البطن پر بحث ہے آخری درجہ پر پہنچ کر انسان کو اس تجلی سے ربط پیدا ہوتا ہے جو کائنات کی مرکزی قوت کے آئینہ میں ظاہر ہوئی۔

یہ مباحث مستقل توجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں، اس وقت ان پر تفصیل سے بحث کرنا مقصود نہیں۔

تجلی الٰہی کی تشریح سمجھنے کے لئے کتاب سطعات کا پڑھنا لازم ہے اور ادراک انسانی کے تنوع کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے ''الطاف القدس'' کا مطالعہ کرنا ضروری ہے اور اسلام میں تصوف کا فلسفہ تاریخ سمجھنے کے لئے ہمعات کا مطالعہ کرنا چاہئے اور متصوفین کے طریق کی تفصیل ''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں دیکھنی چاہئے، شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد سے جس طرح طریقہ حاصل کیا، اس کی تفصیل قول جمیل میں ملے گی، شاہ صاحب کے والد اور چچا کے سوانح حیات جن کو شاہ صاحب کے فلسفہ اور تصوف کی روح کہنا چاہئے ''انفاس العارفین'' میں مذکور ہیں، اس کتاب کے بعد اگر ''اخبار الاخیار'' از شیخ عبدالحق دہلوی اور ''نفحات الانس'' از مولانا جامی کا مطالعہ کیا جائے تو اسلام میں تصوف کی پوری تاریخ سامنے آجائے گی۔

فصل (۲) عجمی اقوام اور فلسفہ اشراق

جیسے ہم نے امام ابوحنیفہ کی فقہ کو ایرانی تہذیب کے مفتوح ہونے کے بعد اسلام کا ایک ضروری جز قرار دیا ہے، اسی طرح ایرانی مسلم کی طبیعت نے جب اپنا پرانا فلسفہ اسلامی رنگ میں لیا تو اس کا نام تصوف ہوا۔

آرین قوموں میں تہذیب کے دو عنصر ہیں (۱) ایک کسی مجتہد کا قانون فقہ جیسے منوجی کا دھرم شاستر، (۲) دوسرا اشراقی فلسفہ، یہ چیز ہند میں بھی تھی، اس کے علاوہ ایران اور یونان میں موجود

تھی، آرین تہذیب کے یہ تینوں مرکز ایک ہی طرح کا فکر رکھتے ہیں، ایران جب مسلمان ہوا تو ان کے مشائی فلاسفروں نے علم کلام پیدا کیا اور ان کے اشراقی حکما نے تصوف مدون کیا یہ چیزیں (مشائیت اور اشراقیت) ان اقوام کی ذہنیت کے لوازم میں سے ہیں۔

جب ان میں شہنشاہی پیدا ہوئی تب کہیں انہیں قانون ضابطہ کی ضرورت کا احساس ہوا، اس کا نتیجہ یہ قانون (لا، فقہ) ہے جو یونان، ایران، ہند سب میں مکتوب اور غیر مکتوب شکل میں پایا جاتا ہے جب یہ قومیں مسلمان ہوئیں تو اسلام کی تعلیم کا وہ حصہ جو جوارح کی تہذیب سے متعلق تھا، انھوں نے قانونی شکل میں مرتب کر لیا، اسی کا نام امام ائمہ ابوحنیفہ کی فقہ ہے، (۲) اس کے بعد تہذیب کا جو حصہ لطیفہ عقل کے ظاہر سے تعلق رکھتا ہے، اس کا نام فلسفہ مشائیت یا علم کلام ہے (۳) اور جو حصہ عقل کے بطن سے متعلق ہے اس کا نام حکمت یا فلسفہ اشراقیت ہے۔

اسلام نے بغداد کے مرکز میں جب ایرانیت پر پورا قبضہ کیا اور اس کو ابھار کر اسلام کی خدمت کے لئے تیار کیا، تو اسی مرکز سے تصوف پیدا ہوا اور اسی طرح فقہ حنفی بھی عراق ہی سے نکلی۔

ہند میں اسلام ایران کے راستہ سے آیا لہٰذا یہاں فقہ حنفی آئی اور تصوف بھی آیا، بنا بریں ہند میں اسلام کی عظمت قائم کرنے والا کوئی محقق نہ فقہ حنفی سے قطع نظر کر سکتا ہے اور نہ تصوف سے بے نیاز ہو سکتا ہے۔

ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ ترکی تحریک ایرانیت سے علیحدہ چیز نہیں ہے، ترک ایرانی تہذیب کے حامل ہو کر حاکم ہوتے رہے، اس لئے دہلی اور استنبول میں وہی تصوف رائج ہوا، جو بغداد میں پیدا ہوا تھا، ہمیشہ مختلف استعدادات کے اثر سے اس (تصوف) کی ظاہری شکل بدلتی رہے گی، مگر معنوں میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

آرین قوموں کو حنیفی طریقے پر نبوت کا قائل بنانا اس پر موقوف ہے کہ ان کے تصوف کی آخر تک اس طرح اصلاح کر دی جائے کہ وہ نبوت کے سمجھنے کا آلہ بن سکے۔

فصل (۳) آرین اقوام کو مساعی نبوت سمجھانے کا ولی اللہی طریقہ

(ج) فلاسفر، الٰہیات میں واجب الوجود کو بالاتفاق مانتے ہیں، مگر انسانی حواس کا اس سے

تعلق پیدا ہونا ناممکن سمجھتے ہیں، بخیال ان کے وہ جسمانیت سے اتنا مجرد ہے کہ انسانی حواس اس کو کسی طرح ادراک نہیں کر سکتے۔

اب دوسری طرف انبیا علیہم السلام کی تعلیمات کو لیجیے وہ واجب الوجود کا جونسا نام سکھائیں جیسے اللہ، لاھوت، لاہ یا ان کے ہم معنی کوئی اور لفظ اس ذات سے دیکھنے اور سننے کا تعلق ضرور پیدا کرتے ہیں، نبوت کا مطلب ہی یہی ہے کہ اس کے حامل نے خدا کی کوئی بات سنی اور وہ اپنے اتباع کو یقین دلاتے ہیں کہ اگر ان کے طریقے پر کوئی شخص تکمیل کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا جس وقت تک اس مسئلہ کا حل اور اس اختلاف کی تطبیق آرین قوموں کو نہ سمجھائی جائے وہ اپنی طبیعت سے اسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہو سکتے۔

(ج) شاہ صاحب کے تصوف میں یہی کمال ہے وہ تجلی الٰہی کا مسئلہ اس طرح سمجھاتے ہیں جس کی ایک طرف تو واجب الوجود سے من وجہ عینیت کی نسبت رکھتی ہے یعنی اس تجلی سے تعلق رکھنے پر کہا جا سکتا ہے کہ ہم اللہ تک پہنچیں گے۔

اور دوسری طرف تجلی اپنے مظہر کے رنگ میں اس طرح رنگین ہو جاتی ہے کہ انسانی عقل اور حواس باطنہ کا بطن اس تعلق پیدا کر سکتا ہے اور اس کے بعد یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ میں نے خدا تعالیٰ کو دیکھا یا اس کی بات سنی۔

اس طرح کی تطبیق کے بعد آرین فلاسفی (حکمت) اور سامی نبوت میں اختلاف رفع ہو جائے گا۔

ہم نے جب سے عقلمندوں کو اسلام کی تبلیغ کرنا مقصد حیات بنایا، وہ خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم تو ہمیں اس تحقیق کی از حد ضرورت ہوئی، ہم نے نوجوان تعلیم یافتہ کو اس ضرورت پر متنبہ کرنے کے بعد شاہ صاحب کی تصوف کی کتابیں پڑھائیں، تو وہ اس علم کی ویسے ہی ضرورت محسوس کرنے لگے جیسے ایک عامی مسلمان جب نماز کی پابندی کا ارادہ کرے تو کسی فقہ کے سیکھنے کی ضروری سمجھتا ہے۔

فصل (۴) شاہ صاحب کی نظر میں تصوف کی اہمیت اور ضرورت

یہاں ہم شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی ایک عبارت نقل کر کے ان کے مسلک کو واضح کر دیتے ہیں

کہ وہ اس تصوف کی کتنی اہمیت مانتے ہیں، تفہیمات الٰہیہ میں فرماتے ہیں:

”لیس منا من لم تبدبر کتاب اللہ ولم یتفهم حدیث بنسمه صلی اللہ علیه وسلم لیس منا من ترک ملازمة العلما اعنیٰ الصوفیة الذین لهم حظ من الکتاب والسنة او الراسخین فی العلم الذین لهم حظ من الصوفیة، او المحدثین الذین لهم حظ من الفقه، او الفقهاء الذین لهم حظ من الحدیث اما الجهال من الصوفیة والجاهدون للتصوف فاولائک قطاع الطریق ولصوص الدین فایاک وایاهم، جعلنا اللہ سبحانه ممن یطیعه ویتبع رضوانه ولا یشرک به شیئا فانما نحن به وله والسلام“

دوسرے ملکوں کے علما جو پچھلی صدی میں تجدید کا فکر رکھتے تھے، ان میں سے جن کو شاہ صاحب کے علوم قرآنیہ اور حدیثیہ اور فقہیہ پہنچے، وہ ان کی پوری قدر کرتے رہے، مگر شاہ صاحب کے تصوف کو ماننا ان کے لئے بہت گراں تھا، اس سے وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایرانیت اور ہندیت کے قریب چلے جارہے ہیں، حالانکہ وہ سامیوں اور آرین قوموں میں ایک تضاد ثابت کرنا اپنے ترفع کے لئے ضروری مانتے ہیں، حجاز میں رہتے ہوئے اس طرح کے لوگوں سے ہمیں کافی واسطہ پڑا، مگر جب ہم نے انھیں ان مقاصد عالیہ پر متوجہ کیا، جو آرین قوموں کو سامی نبوت سمجھانے سے پیدا ہوتے ہیں، اور ان سے انسانیت جس قدر بلندی پر پہنچتی ہے اس کے لئے شاہ صاحب کے تصوف نے راستہ صاف کردیا ہے تو وہ اس کی قدر کرنے لگے مگر اس پر احاطہ کرنے کے لئے وقت صرف کریں، یہ وسعت قلب ہم نے ان میں نہیں دیکھی، ان لوگوں کی طرف سے جو ہندوستانی مسلمانوں میں پروپیگنڈا ہوا اس میں تصوف قطعی طور پر نظرانداز کردیا گیا، اس طرح وہ ہندوستانی جو پروپیگنڈا کا شکار ہوئے اپنے ائمہ کے کلام سے زیادہ مستفید نہیں ہوسکے۔

فصل (۵) اسلام اور ہندوستانیت

ہم نے محسوس کیا کہ ایک عرب جیسا اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے اسی طرح اپنی عربیت پر فخر کرتا ہے یہی حال ایرانی اور ترک کا ہے، مگر ایک ہندوستانی کو دوسرے ممالک میں جا کر اپنی

ہندوستانیت سے ایک قسم کی نفرت محسوس ہونے لگتی ہے اس لئے کہ وہ اسلام اور اس کی تعلیم کے ائمہ ہندوستان سے باہر ہی مانتا ہے۔

ہماری سمجھ میں یہ فکر مسلمانوں کے لئے نہایت مضر ہے، مسلمانوں کی اتنی آبادی کسی ملک میں نہیں جتنی ہندوستان میں ہے ان کی ترقی کا سامان جس قدر ہندوستان میں میسر ہے کسی مسلمان کو اپنے ملک میں حاصل نہیں، اس طرح اتنی بڑی قوم ترقی کے راستے سے بھٹک رہی ہے۔

اس کا علاج ہماری سمجھ میں یہی آتا ہے کہ وہ اپنی تعلیم میں بھی پہلے ہندوستانی ائمہ پر اعتماد کرنا سیکھیں، اس کے بعد ان ائمہ کے شرف کے ساتھ ہندوستانیت محترم ہو جائے گی اور ہندوستانی کو اپنے ملک میں ترقی کرنے کا خیال پہلے درجہ پر ہوگا اور دوسری قوموں سے مل کر ترقی کرنے کا فکر دوسرے درجہ پر آئے گا ہماری سمجھ میں یہی ان کے لئے راہ نجات ہے۔

اسی لئے ہم شاہ ولی اللہ کے علوم کا ہندوستانیوں میں تعارف کرانا ضروری جانتے ہیں ہماری ہندوستانیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اسلام شاہ ولی اللہ سے سیکھا جو ہندوستانی تھے دہلوی تھے یہیں پیدا ہوئے یہیں دفن ہوئے۔

فصل (٦) نبوت کی رہنمائی کی ضرورت صرف امور آخرت ہی میں نہیں ہے بلکہ دنیوی معیشت کا سنوارنا بھی نبوی ہدایات کا محتاج ہے ابن خلدون کی ایک سنگین غلطی پر انتباہ

شاہ صاحب کے مکمل فلسفے کو سامنے رکھ لینے کے بعد حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ امر واضح ہو جائے گا کہ انبیا علیہم السلام نے جیسے انسان کو رویت الٰہی کے لئے تیار کر دیا، ویسے ہی تہذیب جوارح کا فرض بھی ادا کیا، انسان کی پوری زندگی کی تہذیب اور اصلاح نبوت کا اولین مقصد ہے۔

اس تبیین کے بعد ابن خلدون کا یہ نظریہ خود بخود باطل ہو جائے گا کہ انسان کو ضرورت نبوت فقط امور آخرت معلوم کرنے کے لئے ہے، دنیاوی معیشت کا نظام محتاج نبوت نہیں، وہ اس پر یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ غیر مسلم قوموں میں دنیاوی ترقی موجود ہے، یعنی ان میں نبوت کی روشنی نہیں اس طرح ابن خلدون نے عربی ذہنیت پر بہت برا اثر ڈالا ہے، عرب اس سے بڑھ کر کوئی حکیم

اپنے یہاں نہیں دیکھتے اور وہ انھیں دنیاوی ترقی میں انبیا کی ضرورت سے مستغنی کر دیتا ہے جس سے وہ بآسانی حکما یورپ کے پروپیگنڈا کے شکار ہو جاتے ہیں شاہ صاحب کی حکمت پڑھنے والا اس مصیبت سے ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

فصل (۷) روحانیت اور اخلاق انسانی کا تعلق اقصادیات سے شاہ صاحب کی نظر میں

شاہ صاحب نے لطیفہ جوارح کو اساس قرار دے کر ہمیں ایک دوسری مشکل سے بھی نجات دلائی ہے عام طور پر تصوف اور فلسفہ، اخلاق سے شروع کیا جاتا ہے، اقتصادی ضروریات حیوانی زندگی کے لئے بیشک ضروری مانی جاتی ہیں، لیکن ان کو انسانیت سے سیدھا تعلق نہیں تسلیم کیا جاتا اس نے ہماری سیاست کو کھوکھلا کر دیا ہے ہمارے بڑے عقلمند اور زیادہ بااخلاق سب اجتماعی سیاست سے دور رہنا اپنا کمال سمجھتے ہیں۔

مگر شاہ صاحبؒ اس اصول کو حجۃ اللہ میں متعدد مواقع پر نہایت وضاحت سے سمجھاتے ہیں چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں، انسانیت کے اجتماعی اخلاق اس وقت بالکل برباد ہو جاتے ہیں جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے اس وقت وہ گدھے اور بیل کی طرح صرف روٹی کے لئے کام کریں گے جب انسانیت پر ایسی مصیبت آئے گی تو خدا انسانیت کو اس سے نجات دلانے کا کوئی راستہ ضرور الہام کرے گا، فرعون کی ہلاکت، قیصر اور کسریٰ کی تباہی اسی اصول پر لوازم نبوت میں شمار ہوتی ہے، اس طرح پورا فلسفہ نہایت اعلیٰ طریق پر مرتب ہو جائے گا، انسانی اجتماعی زندگی کے لئے اقتصادی نظام ایسا ہونا ضروری ہے جو ان کی ضروریات کو پورا کر دے اور اس کے بعد ان کے پاس کچھ وقت بچ جائے تا کہ وہ اپنے لطائف کی تکمیل پر غور کر سکیں۔

مذکورہ بالا الہام کبھی تو انبیا کے ذریعے سے صورت پذیر ہوتا ہے اور کبھی صدیق اور حکیم کے واسطہ سے۔ اقتصادی نظام کی درستی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسانی اجتماعیت کے اخلاق مکمل ہوں گے اور ان اخلاق کی تکمیل ہی قبر اور حشر کی مصیبتوں سے نجات دلائے گی، پھر ان اخلاق کی تکمیل دوسرے درجہ پر جنت کی نعمتوں سے مستفید کرے گی، اور تیسرے درجے پر جا کر اس کو رویت رب العالمین کے لئے تیار کر دے گی۔

اس فلسفے میں کہیں ظفرہ نہیں آتا، اگر اسے نبوت کا مقصد قرار دیا جائے، اور جہاں نبوت نہ ہو وہاں انبیا کے اتباع صدیق اور حکیم ان کا کام کریں تو نبوت انسانیت کے لئے ایک فطری چیز بن جائے گی اور یہی شاہ ولی اللہؒ کی فلاسفی کی روح ہے جس کا ہم نے یہاں تعارف کرانا چاہا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے ایک موقع پر ''تحدیث نعمت'' کے طور پر شاہ محمد عاشق کو (جن کا نام علی ہے) خطاب کرتے ہوئے خوب فرمایا ہے۔

علی! من مے شناسم ایں گہر در ذان حکمت را
فلاطون آہ گرمیدید یونانے کہ من دارم

''و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین، لقد جاء ت رسل ربنا بالحق''

الدر الثمین فی
مبشرات النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا سید محمد فاروق قادری

تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مقدمہ	۱۰۳
۲	مثالی صورتیں	۱۰۴
۳	چادر مبارک	۱۰۵
۴	حسنین کریمین	۱۰۵
۵	تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گل	۱۰۵
۶۔	ایک حدیث کی تشریح	۱۰۶
۷۔	شاہ ولی اللہ کا مقام	۱۰۶
۸۔	دست بہ کار دل بہ یار	۱۰۶
۹۔	شیخین کی فضیلت	۱۰۷
۱۰۔	مسلک فقہ	۱۰۷
۱۱۔	مختلف مسالک اور طریقے	۱۰۷
۱۲۔	ظاہر کی اہمیت و فضیلت	۱۰۸
۱۳۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ ہیں	۱۰۸
۱۴۔	وہ دیتے ہیں سب کچھ	۱۰۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵۔	خواب میں بیعت	۱۰۸
۱۶۔	بال مبارک عطا کرنا	۱۰۹
۱۷۔	پسندیدہ درود	۱۰۹
۱۸۔	عالم بیداری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری	۱۰۹
۱۹۔	ہدیے مشترک ہوتے ہیں	۱۱۰
۲۰۔	مشکل میں دستگیری	۱۱۰
۲۱۔	جمال محمدی	۱۱۰
۲۲۔	حیران ہوں آنکھیں بچھاؤں کہاں کہاں	۱۱۱
۲۳۔	میلاد کا اہتمام	۱۱۱
۲۴۔	حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال	۱۱۱
۲۵۔	مقام فنافی الرسول	۱۱۲
۲۶۔	مسجد یاقوت	۱۱۲
۲۷۔	کیا ہے جو ان پہ عیاں نہیں	۱۱۲
۲۸۔	تمباکونوشی بارگاہ نبوت میں ناپسند ہے	۱۱۳
۲۹۔	تمباکونوش کو بارگاہ نبوت میں اجازت نہ ملی	۱۱۳
۳۰۔	علی مرتضیٰؓ اولیاء اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ ہیں	۱۱۳
۳۱۔	شیخ ابوالرضاؒ کا مقام	۱۱۴
۳۲۔	بارگاہ نبوت میں شیخ قشاشی کا استغاثہ	۱۱۴
۳۳۔	اہل نسبت کے مقامات	۱۱۵
۳۴۔	اہل نظر کے آداب	۱۱۶
۳۵۔	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت	۱۱۷
۳۶۔	مصافحہ مبارکہ کی شان	۱۱۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۷۔	اللہ کے قریب کون ہے	۱۱۸
۳۸۔	آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ فاتحہ پڑھنا	۱۱۸
۳۹۔	سورہ اذازلزلت کی تعلیم بارگاہ نبوت سے	۱۱۸
۴۰۔	سورۂ کوثر سماعاً و قراءۃً	۱۱۹
۴۱۔	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بخاری پڑھانا	۱۱۹
۴۲۔	حرف آخر	۱۱۹

بسم اللہ الرحیم الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مقدمہ

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، جس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس قدر بلند فرمائی کہ جو بھی خواب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوا، اس نے بلاشبہ آپ ہی کو دیکھا۔ اس نے شیطان کو سرے سے طاقت ہی نہیں دی کہ وہ خواب میں آپ کی شکل اختیار کر سکے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد لاشریک ہے، اسی طرح میں شہادت دیتا ہوں کہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عبد خاص اور رسول ہیں اور شفاعت کبریٰ کا منصب صرف آپ ہی کے لئے مخصوص ہے، درود و سلام نازل ہوں آپ کی ذات اقدس پر اور آپ کے آل اور اصحاب پر جو ہدایت کے ستارے اور پرہیزگاری کے رہنما ہیں۔

کمترین خلائق احمد جو ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری الدہلویؒ کے نام سے مشہور ہے، عرض کرتا ہے کہ احادیث مبارکہ میں سے یہ چالیس حدیثیں ہیں جو عالم خواب میں یا آپ کی روح مبارک کے مشاہدے کی حالت میں آپ سے روایت کی گئی ہیں، میں نے انہیں اس رسالے میں جمع کر دیا ہے ان میں سے کچھ حدیثیں ایسی ہیں جنہیں کسی واسطے کے بغیر براہ راست ذات اقدس سے میں نے اخذ کیا ہے اور بعض احادیث ایسی ہیں کہ آپ کی روایت میں میرے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان دو یا تین واسطے ہیں۔ میں نے اس کا نام الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم تجویز کیا ہے۔

مثالی صورتیں

میں نے خواب میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی کہ میں آپ کے حضور حاضر ہوں اور سامنے بیٹھا ہوں، آپ ٹھوڑی مبارک سینہ اقدس پر رکھے مراقبہ کی کیفیت میں ہیں، اس وقت آپ کی تین مثالی صورتیں مجھ پر ظاہر ہوئیں، پہلی مثالی صورت جسم مخروطی ہے اس میں جسم کے دونوں حصے (اوپر نیچے والے) کھلے (چوڑے) تھے، مگر نیچے والا حصہ اوپر والے کے مقابلے میں زیادہ چوڑا نظر آیا دوسری مثالی صورت جسم مطبوح کی تھی گویا جیسے کسی سخت چیز میں لکڑی گڑی ہوئی ہو، تیسری مثالی صورت عود (لکڑی) کی تھی جو زمین میں گڑی ہوئی تھی اس لکڑی پر کسی ٹھوس چیز کی مانند جسم مبارک کی شبیہ تھی۔

اس کے بعد مجھ پر آشکار ہوا کہ پہلی صورت آپ کی نسبت مبارکہ کی تمثیل ہے، یہ نسبت سفلی جسمانی مراتب اور بلند روحانی مدارج دونوں کی جامع ہے۔ دوسری صورت ان سالکین راہ کی نسبت کی تصویر ہے جن کی نسبت کے لئے صرف اسفل کے قریب قریب کشادگی ہے اور تیسری صورت میں ان مجذوبوں کی نسبت کا اظہار ہے جن کی نسبت کو اعلیٰ کے قرب میں لگاؤ ہے۔

جونہی میں نے ان تینوں صورتوں کے مفہوم اور مراد کو سمجھ لیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھا کر تبسم فرمایا اور بیعت لینے کے لئے ہاتھ بڑھائے، میں آگے بڑھا، یہاں تک کہ میرے زانو آپ کے زانوئے مبارک سے مل گئے۔ آپ نے مصافحہ فرمایا اور دوبارہ ٹھوڑی مبارک سینہ اقدس پر رکھ کر مراقبہ میں چلے گئے اور آنکھیں بند فرمالیں۔ میں نے بھی آپ کی اتباع میں اپنی ٹھوڑی سینہ

پر رکھی اور آنکھیں بند کر لیں۔ اس دوران میرے دل میں وہ تمام نسبتیں ظاہر ہو گئیں جنھیں میں پہلے سمجھ چکا تھا۔

چادر مبارک

ایک دفعہ کھمبائت کے شہر میں عصر کی نماز کے بعد مراقبہ کی کیفیت میں تھا کہ آپ کی روح مبارک جلوہ گر ہوئی اور مجھے چادر اوڑھائی، اسی دم علوم شریعت کے بعض اسرار و رموز مجھ پر کھل گئے اور پھر یہ سلسلہ ہمیشہ بڑھتا رہا۔

حسنین کریمین

میں نے عالم خواب میں دیکھا کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم میرے غریب خانے پر تشریف لائے ہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایسا قلم ہے کی زبان (نوک) ٹوٹی ہوئی ہے۔ آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تاکہ قلم مجھے عطا فرمائیں اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا، یہ قلم میرے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ پھر اچانک قلم آپ نے ہاتھ ہی میں روک لیا اور فرمایا، حضرت حسین رضی اللہ عنہ اسے درست کر دیں، پھر جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے قلم ٹھیک کر دیا تو آپ نے مجھے دے دیا، اتنے میں ایک چادر لائی گئی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھاتے ہوئے فرمایا یہ چادر میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ چنانچہ یہ چادر آپ نے مجھے اوڑھادی، بس اسی دن سے دینی علوم کی تصنیف و تالیف کے سلسلے میں میرا سینہ کھل گیا اور اس پر اللہ کا شکر ہے۔

تو مخلوق و آدم ہنوز آب و گل

میں نے روحانی طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کا مفہوم پوچھا "کنت نبیا و آدم منجدل بین الماء و الطین' (میں تو اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم ابھی گل گارے میں تھے) تو آپ کی روح مبارک میری روح پر جلوہ گر ہوئی اور مجھے آپ کی وہ مثالی صورت دکھائی گئی، جو عام اجسام میں آنے سے پہلے تھی۔ اس صورت کا فیضان عالم مثال میں جلوہ ریزی کر رہا تھا۔ گویا جس وقت حضرت آدمؑ کا گل گارے سے خمیر اٹھایا جا رہا تھا اس وقت آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا عالم مثال میں مکمل ظہور موجود تھا اور اسی ظہور کو آپ نے اس حدیث میں ’’میں اس وقت نبی تھا‘‘ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ عالم جسمانی میں جلوہ فگن ہوئے تو آپ کے ساتھ تمام مثالی قوتیں بھی عالم جسمانی میں منتقل ہوئیں، چنانچہ بے حد وحساب علوم ظاہر ہوئے۔

ایک حدیث کی تشریح

میں نے روحانی طور پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حدیث کی تشریح کے لئے عرض کیا کہ جب کسی نے آپ سے پوچھا، **این کان ربنا قبل ان یخلق خلقه** (مخلوق کی تخلیق سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا) تو جواباً آپ نے سائل سے فرمایا **کان فی عماء مافوقه هواء وما تحته هواء** وہ ایسے نقابوں (پردوں) میں تھا کہ اس کے سوا کچھ نہ تھا، چنانچہ روح مبارک میری روح پر جلوہ گر ہوئی۔ روح مبارک ایک عظیم نور کی صورت میں تھی اور یہ اس ہیولانی بعد کی عظمت سے بھی بلند تھی جو خطوط شعاعیہ کے ملنے کے تمام مقامات کو محیط ہے۔ پھر کہا گیا کہ یہ نور ہے یعنی یہ وہی تجلی ہے جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور بعد ہیولانی وہ عماء ہے اور خطوط شعاعیہ کے احاطہ سے مراد وہ قہر ہے جس کا اشارہ اس ارشاد الٰہی میں کیا گیا ہے **وهو القاهر فوق عباده**۔

شاہ ولی اللہؒ کا مقام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فقیر کو مخاطب کرتے ہوئے ایک روحانی اشارے میں فرمایا کہ منشاء الٰہی یہ ہے کہ امت مرحومہ کے تمام ایسے عمدہ خصائل جو ترک کر دیئے گئے ہیں، تمہارے اندر جمع کر دیئے جائیں۔

دست بہ کار دل بہ یار

روحانی طور پر میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے لئے دنیوی اسباب اختیار کرنا بہتر ہے یا ان سے کنارہ کشی کرنا، آپ کی روح مبارک سے میری روح پر ایسا فیضان ہوا کہ شروع میں میرا دل اسباب دنیا اور اولاد سے سرد ہو گیا، تھوڑی دیر بعد ایسی کیفیت کا ظہور ہوا کہ اب میری طبیعت اسباب دنیا کی طرف اور میرا دل فیض حقیقی کی طرف مائل ہے۔

شیخین کی فضیلت

روحانی طور پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر فضیلت کیوں حاصل ہے، جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نسب کے اعتبار سے افضل، علمی لحاظ سے برتر اور شجاعت کی حیثیت سے اپنا ثانی نہیں رکھتے اور پھر تمام صوفیائے کرام کو بھی آپ ہی سے نسبت ہے۔ اس کے جواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے میرے دل پر فیضان ہوا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں ہیں، ایک ظاہری اور دوسری باطنی، آپ کی ظاہری حیثیت کی نمائندگی حضرات شیخینؓ نے اس طرح کی کہ لوگوں میں عدل وانصاف قائم کرنے اور شرعی امور واحکام کی تبلیغ وترویج میں مصروف رہے۔ گویا اس طرح یہ دونوں خلفا آپ کے جسم مبارک کے جوارح قرار پائے، رہی آپ کی باطنی حیثیت، سو اس کا تعلق فنا وبقا کے مدارج اور آپ سے اخذ کردہ علوم سے متعلق ہے یہ بھی ایک اعتبار سے ظاہری حیثیت کے ضمن میں آجاتے ہیں۔

مسلک حقہ

میں نے روحانی طریقہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شیعہ مسلک کے متعلق پوچھا مجھے اشارہ کیا گیا کہ یہ مسلک جھوٹا ہے اور اس کا غلط ہونا لفظ ''امام'' سے ظاہر ہے، اس کیفیت سے واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ واقعی ان کے ہاں ''امام'' ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو معصوم ہوتا ہے، اس کی تابعداری فرض ہے اور اس پر باطنی وحی ہوتی ہے، حالانکہ یہی نبی کی تعریف ہے، لہٰذا اس عقیدے سے ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

مختلف مسالک اور طریقے

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مذاہب اور طریقوں کے بارے میں پوچھا کہ آپ کے نزدیک ان میں سے کون سا مسلک یا طریقہ زیادہ پسندیدہ ہے، آپ کی طرف سے میرے دل پر فیضان ہوا کہ یہ مسلک اور طریقے برابر ہیں، ان میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔

ظاہر کی اہمیت اور فضیلت

میں نے دیکھا ہے کہ جو علما اور محدثین اپنے علم پر عمل کرتے ہیں، اور ساتھ ہی اپنے ظاہری لطائف (ظاہری شریعت اور اخلاق و اعمال) کو درست رکھتے ہیں، وہ ان صوفیا کے مقابلے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پسند ہیں، جو اپنے باطنی لطائف کی درستی پر تو بہت زور دیتے ہیں، مگر ظاہری آداب اور لطائف کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ ہیں

ایک دفعہ مجھ پر بھوک کا غلبہ ہوا، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس کے لئے کوئی انتظام کردے، اس دوران میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو دیکھا کہ وہ کھانا ہمراہ لے کر آسمان سے اتر رہی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے آپ سے ارشاد فرمایا تھا کہ آپ میرے لئے کھانے کا بندوبست کردیں، چنانچہ آپ نے کھانا مجھے عنایت فرمایا۔ اسی طرح اسی روز پچھلے پہر یا دوسرے روز علی الصبح میری یہ ضرورت پوری ہوگئی۔

وہ دیتے ہیں سب کچھ

ایک رات مجھ پر پیاس کا غلبہ ہوا، ہمارے دوستوں میں سے ایک کو الہام (۱) ہوا کہ دودھ بھرا پیالہ مجھے تحفہ بھجوائے، دودھ آیا تو میں پی کر سو گیا، اس وقت میں باوضو تھا، میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی زیارت کی، آپ نے اشارتاً فرمایا کہ ''دودھ ہم ہی نے تمہیں بھجوایا تھا۔ تمہارے دوست کے دل میں ہماری طرف سے ہی یہ تقاضا ڈالا گیا تھا''۔

خواب میں بیعت

میرے والد گرامی نے بتایا کہ مجھے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، میں نے آپ سے بیعت کی، اور آپ نے مجھے نفی و اثبات کا طریقہ اسی طرح تلقین فرمایا جیسے صوفیائے کرام کا معمول ہے۔ چنانچہ والد گرامی نے مجھ سے اسی طرح بیعت لی اور نفی و اثبات کے ذکر کی تلقین کی، جیسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بیعت لے چکے تھے اور انہیں

---

(۱) بمعنی القا (قاسمی)

تلقین کر چکے تھے۔

بال مبارک عطا کرنا

میرے والد گرامی نے بتایا کہ ایک دفعہ میں بیماری کی حالت میں تھا۔ مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے پوچھا ”بیٹے! تمہارا کیا حال ہے؟“ یہ کہہ کر آپ نے بیماری سے شفایابی کی خوش خبری دی اور داڑھی مبارک کے دو بال عنایت فرمائے میرے والد گرامی اس وقت تندرست ہو گئے اور نیند سے بیدار ہوئے تو ان کے پاس دو بال موجود تھے، چنانچہ آپ نے ان میں سے ایک بال مبارک مجھے دیا، جو اب تک میرے پاس موجود ہے۔

پسندیدہ درود

میرے والد گرامی نے مجھے یہ درود شریف پڑھنے کا حکم دیا۔ **اللھم صل علی محمد النبی الامی و آلہ وبارک وسلم** اور آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے خواب میں یہ درود پڑھا، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا۔

عالم بیداری میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری

میرے والد گرامی نے بتایا کہ میرے شیخ عبداللہ قاری (۱) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے قرآن مجید ایک ایسے پرہیزگار قاری سے حفظ کیا، جو بیابان میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ ہم قرآن مجید کا ورد کر رہے تھے کہ اچانک اہل عرب کی ایک جماعت آگئی۔ آگے آگے ان کا سردار تھا انھوں نے قاری (ہمارے استاد) کی قرات سنی تو سردار نے کہا بارک اللہ تم نے قرآن مجید کی قرات کا حق ادا کیا ہے“۔ یہ کہہ کر وہ لوگ چل کھڑے ہوئے۔ اتنے میں اسی شکل وشباہت کا ایک اور شخص آگیا، اس نے بتایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گزشتہ رات فرمایا تھا کہ ہم فلاں جنگل میں قاری سے قرآن مجید کی قرات سننے جائیں گے، چنانچہ ہم نے سمجھ لیا کہ جو سب سے آگے آگے تھے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، وہ (استاد) کہنے لگے بلاشبہ میں نے اپنی ان ظاہری آنکھوں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔

---

(۱) مشہور قاری تھے، آپ کا ذکر انفاس العارفین میں موجود ہے۔ (قاسمی)

ہدیے مشترک ہوتے ہیں

میرے والد گرامی نے فرمایا کہ ابتدائے طلب میں میں نے مسلسل روزے رکھنے کا ارادہ کیا۔ پھر علما کے اختلاف کی بنا پر کچھ تردد ہوا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ کی، خواب میں آپ کی زیارت ہوئی آپ نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہدیہ میں سب شریک ہوتے ہیں آپ کی طرف بڑھا، تو آپ نے روٹی سے ایک ٹکڑا لے لیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہی بات دہرائی کہ ہدیہ مشترک ہوتا ہے چنانچہ میں آپ کے روبرو حاضر ہوا تو آپ نے بھی ایک ٹکڑا لے لیا۔ اتنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہدیے سب کے لئے ہوتے ہیں، میں نے عرض کیا اگر ساری روٹی آپس میں بانٹ لی تو میرے پاس کیا بچے گا؟ یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رک گئے۔

مشکل میں دستگیری

میرے والد گرامی نے بتایا کہ ایک دفعہ رمضان المبارک میں مجھے سفر کا اتفاق پڑ گیا۔ راستے کی تکلیف اور روزے نے بے حال کر دیا، اس دوران جونہی آنکھ لگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جمال جہاں آرا سے مشرف فرمایا اور نہایت لذیذ کھانا مجھے عنایت فرمایا، جو چاول، حلوے، گھی اور خوشبودار چیزوں پر مشتمل تھا، میں نے پیٹ بھر کر کھایا، پھر آپ نے ٹھنڈا پانی عطا فرمایا، میں نے سیر ہو کر پیا، آنکھ کھلی تو بھوک تھی نہ پیاس، البتہ ہاتھ زعفران کی خوشبو سے معطر تھے۔

جمال محمدی

میرے والد گرامی نے بتایا کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی انا املح واخی یوسف اصبح، میں ملیح ہوں جبکہ میرے بھائی یوسف علیہ السلام صبیح تھے۔ مجھے اس کے معنی ومفہوم میں پریشانی ہوئی، اس لئے کہ صباحت کے مقابلے میں ملاحت عاشقوں کے لئے زیادہ بے قراری کا باعث بنتی ہے۔ جبکہ صورت یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں مصر کی عورتوں کا ہاتھ کاٹ لینا اور بعض لوگوں کا جمال یوسفی کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو جانا ایک امر

واقعہ ہے، مگر ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی کوئی روایت موجود نہیں ہیں، تردد کے دوران مجھے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، میں نے اس بارے میں پوچھا، تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے غیرت کی بنا پر میرا حقیقی جمال لوگوں سے مخفی رکھا ہے، اگر میری اصلی حسن و جمال ظاہر ہو جائے تو لوگ اس سے کہیں زیادہ کر گزریں، جو انھوں نے حسن یوسفی کو دیکھ کر کیا تھا۔

حیران ہوں آنکھیں بچھاؤں کہاں کہاں

میرے والد گرامی نے بتایا کہ میں نے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، اس دوران مجھ پر اللہ کی طرف سے عطا کردہ آپ کے بعض ایسے کمالات ظاہر ہوئے جنہیں دیکھ کر میں آپ کے سامنے سجدے میں گر گیا۔ آپ نے انگلی مبارک دانتوں میں دبائی اور مجھے سجدے سے منع فرمایا۔

میلاد کا اہتمام

میرے والد گرامی فرماتے تھے کہ میں یوم میلاد کے موقعہ پر کھانا پکوایا کرتا تھا، اتفاق سے ایک سال کوئی چیز میسر نہ آسکی کہ کھانا پکواؤں، صرف بھنے ہوئے چنے موجود تھے، چنانچہ یہی چنے میں نے لوگوں میں تقسیم کیے، خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، یہی چنے آپ کے سامنے رکھے ہیں اور آپ نہایت خوش اور مسرور دکھائی دے رہے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال

میرے والد گرامی نے بتایا کہ ایک دفعہ میں نے خواب میں حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ کی زیارت کی۔ میں نے آپ سے اپنی قلبی نسبت کے بارے میں پوچھا کہ کیا میری نسبت بھی اسی انداز کی ہے، جو آپ حضرت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت عالیہ میں حاصل فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا اپنے دل کی طرف توجہ کرو اور اپنی نسبت کا استحضار کرو، جونہی آپ نے اپنی نسبت کو بیدار کیا آپ نے فرمایا ہاں ہاں، یہی ہے۔

مقام فنا فی الرسول

میرے والد گرامی نے بتایا کہ ایک دفعہ میں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ نے مجھ پر اپنا تصرف فرمایا تو میں تمام مقامات طے کر کے ایسے مقام پر پہنچ گیا، جس سے آگے سوائے نبی کے اور کسی کا گزر ممکن ہی نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میری روح کو اپنی روح مبارک کے جلو میں لے لیا۔ اس پرواز میں میں نے آگ کا ایک دریا دیکھا۔ پھر مجھ پر صبر، توکل اور اس قسم کے دوسرے طے شدہ مقامات ظاہر ہونے لگے، گویا اصلی مقامات یہی تھے اور جو کچھ پہلے گزرا وہ فروعی منزلیں تھیں۔

مسجد یاقوت

میرے والد گرامی نے بتایا کہ ایک دفعہ میں نے خواب دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی مسجد میں تشریف فرما ہیں جو یاقوت کی طرح شفاف ہے، اس کا اندرونی حصہ باہر سے صاف نظر آ رہا ہے۔ صحابہ کرام اور اولیائے عظام حلقہ کئے آپ کے پاس بیٹھے ہیں۔ میں دروازہ پر پہنچا تو حضرت سید عبدالقادر جیلانی اور شیخ بہاء الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ دونوں میری طرف بڑھے، حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ اس پر میرا حق زیادہ ہے، اس لئے کہ اس کے آباؤ اجداد میرے ہی طریقے سے منسلک تھے۔ حضرت شیخ بہاء الدین رحمتہ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ میرا حق اس پر زیادہ فائق ہے، اس لئے کہ اس کی تربیت اپنے نانا کے پاس ہوئی ہے اور ان کا تعلق میرے سلسلے میں تھا۔ پھر دونوں کا اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ پہلے شیخ بہاء الدینؒ میری تربیت کریں اس کے بعد حضرت سید عبدالقادر رحمتہ اللہ جو چاہیں فیض عطا فرمائیں۔ چنانچہ شیخ بہاء الدین رحمتہ اللہ علیہ مجھے مسجد میں لے گئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بٹھا دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (مراقبہ سے) جونہی، چشم مبارک کھولی تو سب سے پہلے مجھ پر نظر ڈالی۔

کیا ہے جو ان پہ عیاں نہیں

میرے والد گرامی نے بتایا کہ ایک شخص جو اپنے آپ کو سید بتلاتا تھا، مجھے اس کے نسب کے

بارے میں شک تھا۔ میں نے دیکھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں اور وہ شخص آپ کی چارپائی کے نیچے سو رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر یہ صحیح النسب نہ ہوتا تو اس مقام پر نہ ہوتا۔

تمباکو نوشی بارگاہ نبوت میں ناپسند ہے

میرے والد گرامی نے فرمایا کہ ہمارے دوستوں میں سے ایک شخص خود تمباکو نوشی (حقہ وغیرہ) نہیں کرتا تھا مگر اس نے مہمانوں کے لئے یہ انتظام کر رکھا تھا، چنانچہ اس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی (خواب میں یا بیداری میں اس کا صحیح علم نہیں ہے) دیکھا کہ آپ اس کی طرف تشریف لا رہے ہیں، پھر اچانک آپ نے رخ پھیرا اور واپس چل دیئے۔ اس کا بیان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم مبارک تیز تیز اٹھانے شروع کیے تو میں پیچھے دوڑا اور عرض کیا حضور! میرا قصور کیا ہے؟ فرمایا تیرے گھر میں حقہ ہے اور یہ ہمیں ناپسند ہے۔

تمباکو نوش کو بارگاہ نبوت میں اجازت نہ ملی

میرے والد گرامی نے بتایا کہ دو شخص صالحین میں سے تھے، ان میں سے ایک عابد بھی تھا اور عالم بھی، جبکہ دوسرا عالم نہ تھا مگر عابد تھا، دونوں نے ایک ہی رات ایک ہی وقت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، عابد کو تو مجلس مبارک میں باریابی کی اجازت ملی مگر (عالم وعابد) کو اذن نہ ملا، عابد نے وہاں پر موجود لوگوں سے عالم کو اجازت نہ ملنے کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے بتایا کہ عالم تمباکو نوشی کرتا تھا اور تمباکو بارگاہ نبوت میں پسند نہیں ہے۔ صبح ہوئی تو یہ عابد عالم کے پاس پہنچا، دیکھا کہ رات کے واقعے کی بنا پر رو رہا ہے، عابد نے اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت نہ ملنے کا سبب بتایا، چنانچہ اس نے اسی وقت حقہ نوشی سے توبہ کی، دوسری رات دونوں نے اسی صورت میں پھر زیارت کی، اب کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم کو بھی باریابی کی اجازت بخشی اور اپنے قرب سے نوازا۔

علی مرتضیٰؓ اولیاء اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان واسطہ ہیں

میرے عم محترم نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک ایسے راستے پر

چل رہا ہوں جہاں کوئی اور موجود نہیں ہے۔ اچانک ایک شخص نے مجھے اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا اور فرمایا اے سست رو! میں علی ہوں، مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ تمہیں ان کی خدمت میں لے چلوں، ہم دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ کے نیچے لیا اور پھر اپنا ہاتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو پیش کرتے ہوئے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہاتھ ابوالرضا محمد کا ہے، چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمانے لگے کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ (یہ) لفظ بول کر آپ نے تیری طرف (شاہ ولی اللہ کی طرف اشارہ فرمایا) کے درمیان واسطہ ہوں اس کے بعد آپ نے مجھے ذکر واذکار تلقین کیے۔

شیخ ابوالرضاؒ کا مقام

میرے عم محترم نے بیان فرمایا کہ میں نے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ برابر مجھے اپنا قرب عطا فرماتے گئے، یہاں تک کہ میں آپ ہی کا وجود ہو گیا (یعنی میرا وجود مٹ گیا یہ فنافی الرسول کا مقام ہے)

بارگاہ نبوت میں شیخ قشاشیؒ کا استغاثہ

مجھے شیخ ابوطاہرؒ نے شیخ قشاشیؒ کے حوالے سے بتایا کہ ایک دفعہ شیخ قشاشیؒ نے اپنی کسی مشکل کے حل کی خاطر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں فریاد لکھی۔ اس استغاثے کا مضمون کچھ اس طرح تھا، یا رسول اللہ! آپ مجھ سے زیادہ قریب ہیں یا یہ (استغاثہ)؟ آپ کے اس قرب کے صدقے جو مجھے حاصل ہے میرے دور ہونے سے پہلے آپ نے میری دستگیری کی اور اسی قرب کے طفیل میری تمام دینی دنیوی مشکلیں آسان ہوئیں۔ اور کون ہے جو مجھے آپ سے زیادہ محبوب ہے؟ چھ ماہ گزرے تو سید محمد بن علویؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ نے فرمایا احمد قشاشیؒ کو ہمارا سلام اور ہماری شفاعت کی خوشخبری پہنچا دو۔ دوسری رات انہیں پھر زیارت نصیب ہوئی تو آپ نے فرمایا احمد قشاشیؒ کو ہمارا سلام پہنچا دو اور کہو کہ وہ بہشت میں ہمارے ساتھ رہے گا۔

اہل نسبت کے مقامات

مجھے شیخ ابو طاہر نے شیخ احمد نخلیؒ کے حوالے سے بتایا، شیخ احمد نخلیؒ کا بیان ہے کہ شیخ عیسیٰ بن کنان خلوتیؒ نے مجھے حکم دیا کہ میں مکہ مکرمہ میں ان کی جانشینی کے فرائض انجام دوں تاکہ طریقہ خلوتیہ کے بزرگ تہجد کی نماز کے بعد میرے پاس جمع ہو کر ان کی تلقین کردہ اوراد و وظائف پڑھا کریں، صورت یہ تھی کہ میرا دلی میلان سلسلہ نقشبندیہ کی طرف تھا، دوسری طرف شیخ عیسیٰ کی حکم عدولی بھی مجھ پر گراں تھی، میں بہت پریشان ہوا۔ چنانچہ میں نے استخارہ کیا اور استخارہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو وسیلہ بنایا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی سال مجھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف فرمایا، میں جونہی مدینہ منورہ پہنچا، جمعہ کے دن نماز جمعہ سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ پر آپ کے سرہانے کی طرف سے اس دروازے کے سامنے موجود ہوں، جو محراب اور قبر انور کے درمیان واقع ہے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلفا کرام قبلہ کی طرف مسجد نبوی کے اس حصے میں تشریف فرما ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بعد میں شامل کیا تھا۔ میں تیزی سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے بڑھا، پہلے میں نے آپ کے ہاتھ چومے پھر باری باری خلفاء اربعہ کی دست بوسی کی، فارغ ہوا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے مجھے پکڑا اور روضہ مقدسہ کی طرف لے چلے، خلفاء اربعہ بھی ساتھ ساتھ تھے، میں نے دیکھا کہ قبر انور کے سرہانے، پہلی صف کے برابر ایک نیا خوبصورت مصلیٰ بچھا ہوا ہے جیسا کہ عموماً محراب مساجد میں بچھایا جاتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شیخ تاج کا مصلیٰ ہے اس پر بیٹھ جاؤ۔

حضرت شیخ تاج رحمۃ اللہ علیہ (اللہ ان کے ذریعے ہمیں دنیا و آخرت میں فائدہ مند کرے) ولی اللہ اور عارف باللہ تھے۔ آپ ۱۰۴۰ھ تک مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر رہے، آپ نے خاصا طویل عرصہ وہاں گزارا اور بالآخر مکہ مکرمہ ہی میں واصل بحق ہوئے۔

شیخ احمد نخلی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے

مرشد ہیں مگر یہ میرے لئے آپ کی طرف سے خصوصی مسند ہے۔ شیخ احمد نخلیؒ نے شیخ ابو طاہر کو خرقہ پہنا کر اجازت عطا فرمائی اور شیخ ابو طاہرؒ نے اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کو خرقہ پہنا کر اجازت بخشی۔

اہل نظر کے آداب

مجھے شیخ ابو طاہرؒ نے بتایا، انھوں نے کہا مجھے خبر دی شیخ احمد نخلیؒ نے انھوں نے فرمایا مجھے خبر دی ہمارے شیخ السید السند احمد بن عبدالقادرؒ نے انہیں بتایا شیخ جمال الدین قیروانی نے، انہیں اطلاع دی ان کے مرشد یحییٰ خطاب مالکیؒ نے، انھوں نے کہا ہمیں خبر دی ہمارے چچا شیخ برکات خطاب مالکیؒ نے، انہیں خبر دی ان کے والد نے انہیں اطلاع دی ان کے والد شیخ محمد عبدالرحمن الخطابؒ نے، جو شارح ہیں "مختصر الخلیل" کے ان کا بیان ہے کہ ہم اپنے شیخ عارف باللہ عبدالمعطی التونسی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ جب ہم روضہ مقدسہ کے قریب پہنچے تو پا پیادہ ہو گئے۔ ہمارے شیخ عبدالمعطی رحمۃ اللہ علیہ چند قدم اٹھاتے، پھر رک جاتے، الغرض وہ اسی کیفیت میں روضہ مقدسہ پر پہنچے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے کچھ ایسی باتیں کہیں جو ہماری سمجھ سے بالا تھیں۔ واپس پلٹے تو ہم نے شیخ سے رک رک کر چلنے کی وجہ پوچھی، انھوں نے فرمایا، میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت طلب کرتا تھا، اجازت ملتی تو قدم اٹھاتا، ورنہ رک جاتا، اسی طرح میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا، میں نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخاری نے آپ سے جو حدیثیں روایت کی ہیں وہ صحیح ہیں، فرمایا صحیح ہیں، میں نے عرض کیا، میں آپ سے وہ حدیثیں روایت کروں، فرمایا شوق سے، چنانچہ شیخ عبدالمعطی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ محمد خطابؒ کو یہ اجازت عطا فرمائی، پھر ان میں ہر ایک دوسرے کو اجازت دیتا رہا۔ چنانچہ شیخ احمد بن عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ نخلیؒ کو اس سند کے ساتھ روایت کرنے کی اجازت دی۔ شیخ نخلی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو طاہرؒ کو اجازت بخشی اور شیخ ابو طاہر نے مجھے اجازت عطا فرمائی۔

میں نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ہاتھ سے اسی سند کے ساتھ، انہی الفاظ میں یہ حدیث لکھی ہوئی دیکھی ہے۔ البتہ اس میں اتنا اضافہ ہے کہ شیخ عبدالمصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے

زیارت سے فارغ ہوکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بخاری اور مسلم دونوں کتابوں کی احادیث کی صحت سے متعلق پوچھا، آپ نے دونوں کی تصدیق کی اور دونوں کی روایت کی اجازت عطا فرمائی

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت

مجھے شیخ ابوطاہرؒ نے بتایا، انہیں شیخ احمد نخلیؒ نے خبر دی، انہیں بابلی نے بتایا، انہیں سالم نے بتایا، انہوں نے نجم غیطی سے روایت کی، انھوں نے شمس محمد بن العثمانی کی زبانی بیان کیا کہ میں نے خواب میں مکہ مکرمہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ نے سورہ نحل کا ابتدائی حصہ پڑھ کر سورہ نحل اور تمام قرآن مجید کی اجازت عطا فرمائی، شیخ ابوطاہرؒ نے مجھے یہ اجازت بخشی۔

مصافحہ مبارکہ کی شان (۱)

مشابکہ کیا مجھ سے سید عمر بن بنت شیخ عبداللہ بن سالمؒ نے، انھوں نے کہا مشابکہ کیا مجھ سے میرے دادا نے، انھوں نے کہا مجھ سے مشابکہ کیا شیخ محمد بن سلیمانؒ نے اور انھوں کہا بلاشبہ جس نے مجھ سے مشابکہ کیا وہ جنت میں داخل ہوا اس لئے کہ یہ کہہ کر میرے ساتھ مشابکہ کیا میرے مرشد جزائری نے اور یہی بات کہہ کر مشابکہ کیا ان سے ابوعثمان مقریؒ نے، اور اسی طرح مشابکہ کیا ان سے ابوسالم تازیؒ نے، انھوں نے سید صالح زوماویؒ سے، انھوں نے عزالدین بن جماعتؒ سے، انھوں نے شیخ محمد شیریںؒ سے، انھوں نے شیخ سعدالدین زعفرانیؒ سے، انھوں نے اپنے والد محمود زعفرانیؒ سے، انھوں نے ابوبکر سواسیؒ اور ناصرالدین علی بن ابوبکر ذوالنون ملیطیؒ سے، ان دونوں نے محمد بن اسحاق القونویؒ سے، انھوں نے شیخ اکبر محی الدینؒ بن عربی سے، انھوں نے شیخ احمد بن مسعود شداد المقری موصلیؒ سے، انھوں نے شیخ علی بن محمد الحائکی الباصریؒ سے، انھوں نے شیخ ابوالحسن باغوزانیؒ سے مشابکہ کیا، شیخ ابوالحسن کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، آپ نے اپنی انگلیاں میری انگلیوں میں ڈالتے ہوئے فرمایا اے علی!

---

(۱) یہ مصافحہ کی ہی قسم ہے اس میں دونوں ملنے والے محبت کی بنا پر ایک دوسرے کی انگلیاں آپس میں پھنسا لیتے ہیں اور اس طرح باتیں کرتے رہتے ہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ کرم کسی کو یہ شرف بخشتے ہوئے کچھ فرمایا تو یہ سنت آگے چلتی رہی اسے مشابکہ کہتے ہیں۔

مجھ سے مشابکہ کر! جس نے مجھ سے مشابکہ کیا وہ جنت میں داخل ہوا، جس نے مجھ سے مشابکہ کرنے والے سے مشابکہ کیا، وہ جنت میں داخل ہوا اور اس طرح آپ نے سات تک گنا، اتنے میں میری آنکھ کھل گئی، میں نے دیکھا کہ میری انگلیاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں میں تھیں۔ شیخ تازی نے فرمایا کہ جو کوئی کسی سے مشابکہ کرے، یہی کہے کہ مجھ سے مشابکہ کر جس نے مجھ سے مشابکہ کیا وہ جنت میں داخل ہوا۔

اللہ کے قریب کون ہے(۱)

مشافہہ کرایا مجھے شیخ ابوطاہرؒ نے اپنے والد شیخ ابراہیم کردیؒ سے انھوں نے شیخ احمد قشاشیؒ سے اور انھوں نے اپنے مرشد بھائی شیخ رحم القلعشدی میقاتیؒ سے، ان کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے شیخ احمد شناویؒ کے ہمراہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارکہ میں داخل ہوا، ہم نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ میرے شیخ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ سے قریب ترین کون شخص ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا جو اپنی ذات وصفات کو اس کی ذات وصفات میں فنا کردے، میں نے کہا بالکل یہی خلاصہ ہے اس حدیث قدسی کا جس میں فرمایا گیا **فاذا احببته به كنت سمعه الذى يسمع به** (الخ) اور جب میں اپنے بندے سے محبت کرنے لگتا ہوں، تو اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ (الحدیث)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ فاتحہ پڑھنا

مشافہہ کرایا مجھے شیخ ابوطاہر نے اپنے والد سے، ان کا بیان ہے کہ میں نے قشاشیؒ سے سورہ فاتحہ، اور سورہ بقرہ کا ابتدائی حصہ، اسی طرح پڑھا جس طرح انھوں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا۔

سورہ اذا زلزلت کی تعلیم بارگاہ نبوت سے

مشافہہ کرایا مجھے شیخ ابوطاہرؒ نے اپنے والد سے، ان کا بیان ہے کہ میں نے سورہ اذا زلزلت

---

(۱) مشافہہ بھی مشابکہ کی طرح روایت حدیث کی ایک قسم ہے اس کا مطلب ہے کہ بیان کرنے والا سننے والے کے سامنے بعینہٖ وہ ہیئت اور کیفیت اختیار کرے جو اس نے روایت کے وقت اپنے شیخ کی حالت دیکھی ہے۔

فقیہ مصری شیخ تقی الدین عبدالباقی الحنبلیؒ سے اسی طرح پڑھی، جس طرح انھوں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی اور سنی۔

سورۂ کوثر سماعاً وقراءۃً

مشافہہ کرایا مجھے شیخ ابوطاہرؒ نے اپنے والد سے، ان کا بیان ہے کہ میں سورۂ کوثر کو سماعاً اور قراءۃً (پڑھنا اور سننا) عارف باللہ شیخ محمد بن محمد الدمشقی سے اس طرح روایت کرتا ہوں جس طرح خواب میں انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھی، سنی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بخاری پڑھانا

مجھے شیخ ابوطاہر نے بتایا، انہیں ان کے والد نے خبر دی، انہیں قشاشیؒ نے بتایا، انہیں شناویؒ نے اطلاع دی انہیں ان کے والد نے خبر دی، انہیں شعراویؒ نے خبر دی، انہیں شیخ الاسلام زکریاؒ نے بتایا، انہیں شرف الدین ابوالفتح المراغیؒ نے خبر دی، انہیں شرف الدین اسماعیل الجبرتی الزبیدی العقیلیؒ نے بتایا، انہیں علی بن عمر الواقیؒ نے بتایا، انہیں شیخ محقق محمد بن علی بن عربیؒ نے بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ مکہ مکرمہ میں ہوں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم باب الجہاد اور باب الحرورہ کے درمیان محمد بن خالد الصلاقی الصدفی التلمستانی کو بخاری پڑھا رہے ہیں، مجلس برخاست ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکن یمانی کی طرف منہ کرتے ہوئے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے اللہ! ہم نے اچھی باتیں سنیں اور ہمیں آگاہی ہوئی، ہمیشہ ہمیں سکون و عافیت عطا کر، ہمارے دلوں کو پرہیزگاری کی دولت عطا فرما اور ہمیں ان باتوں کی توفیق دے جن پر تو راضی ہے۔

یہ مبشرات میں سے چالیس حدیثیں ہیں جنہیں ہم نے اس مختصر سے رسالے میں جمع کر دیا ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے ہوا ہے۔

حرف آخر

میرے والد گرامی نے بیان فرمایا کہ میں نے خواب میں حضرت زکریا علیہ السلام کی زیارت کی۔ آپ نے طریقہ نقشبندیہ کے مطابق مجھے اسم ذات کے ذکر کی تلقین کی، چنانچہ جس طرح حضرت زکریا علیہ السلام نے انہیں تلقین کی تھی میرے والد گرامی نے مجھے تلقین کی۔

میں نے خواب میں دیکھا کہ کچھ لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہیں، نوبت گالی گلوچ تک پہنچی۔ ان کی صورت خنزیر کی شکل کے ایک جانور کی مثال نمودار ہوگئی، میں لاٹھی اٹھا کر اس کے پیچھے دوڑا تا کہ اسے مار ڈالوں اس نے مجھے دیکھ کر کہا اگر تم مجھے مارو گے تو میری برائی اور شر کی قوت مجھ سے بدرجہا بدتر جانور کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ میں مرعوب ہوگیا اور میں نے حضرت لوط علیہ السلام سے فریاد کی۔ آپ نے کرم فرمایا مجھ سے گفتگو کی تو میرا خوف جاتا رہا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ہم لوگ (انبیاء ورسل) مخلوق کو ہمیشہ فتنہ انگیزی اور شر وفساد سے روکتے آئے ہیں۔ یہ وہ چیز ہے کہ جب ایک دفعہ شروع ہو جاتی ہے تو پھر ہمیشہ کسی نہ کسی شکل وصورت میں چلتی رہتی ہے، اس پر یہ رسالہ مکمل ہوا اوّل وآخر ظاہر وباطن ہر حال اللہ تعالیٰ کی تعریف اور شکر ہے۔

یہ رسالہ اللہ تعالیٰ کی امداد سے تکمیل کو پہنچا۔ درود وسلام ہوں اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ثواب کی خوشخبری اور عذاب کی وعید لے کر آئے ہیں اور ان کے صدقے ان کی آل اور اصحاب پر جن کے ساتھ نرمی اور سہولت کا وعدہ کیا گیا ہے اور جو ارباب دانش وبینش ہیں۔

مکتوب مدنی

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا محمد حنیف ندوی

تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

مکتوب مدنی

عبد ضعیف احمد ولی اللہ بن عبدالرحیم عفی اللہ عنہ کی طرف سے آفندی اسمٰعیل بن عبداللہ الرومی ثم المدنی (۱) کی طرف اللہ تعالیٰ انہیں ان کی نیک امیدوں اور خواہشوں میں کامرانی عطا کرے۔

امابعد! میں اس اللہ کی حمد وستائش کا تحفہ تمہاری طرف ارسال کر رہا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے برگزیدہ رسول اور اس کے صحابہ وآل پر درود وسلام بھیجتا ہوں۔ تمہارا وہ مکتوب مجھے ملا ہے جس میں تم نے وحدت الوجود کے اس تصور کے بارے میں دریافت کیا ہے جس کو شیخ اکبرؒ اور اس کے اتباع نے پیش کیا ہے اور وحدت شہود کی اس تشریح کی وضاحت چاہی ہے جس کا ذکر مجدد الف ثانیؒ نے کیا ہے، تم نے یہ بھی پوچھا ہے کہ آیا دونوں بزرگوں کے نظریات میں تطبیق ممکن ہے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہر زمانہ اور ہر ہر قرن میں علم کی کچھ نوعیتیں ہوتی ہیں جن سے اس دور کے بزرگوں کو بہرہ مند کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تقسیم رحمت کا یہ خاص انداز ہے، یہ حقیقت اس وقت تمہاری نظروں سے اوجھل نہیں رہے گی جب تم غور وفکر کو اس نکتہ پر مرکوز کرو گے کہ ہمارے اسلاف کے سینے کیونکر اس وقت الہام حق کے آشیانے بنے جب کہ علوم شرع کی تدوین نہیں ہو پائی تھی اور فنون مترتب نہیں ہوئے تھے، اور ان معارف سے متعلق بحث وتمحیص کے

---

(۱) مکتوب الیہ نے حضرت شاہ صاحب سے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مابین فرق واضح کرنے کے سلسلہ میں استفسار کیا تھا، حضرت شاہ صاحب نے اس کا مفصل جواب دیا تھا۔ (قاسمی)

پیانے بھی حرکت میں نہیں آئے تھے۔ ان حالات میں ان امور سے متعلق لب کشائی کرنا یقیناً اس کی حکمت کی وجہ سے تھا۔

موجودہ دور میں اللہ تعالیٰ کی ارزانی لطف کا یہ تقاضا ہے کہ اسلاف کے جملہ علوم و معارف کا ہمارا دل و دماغ مخزن قرار پائے، قطع نظر اس کے کہ ان کا تعلق منقول و معقول سے ہے یا مکشوفات سے، اور پھر اس کی توفیق و مدد کے بل پر انہیں اس طرح تطبیق و توافق کے مواقع پیدا ہوں کہ اختلاف رائے کے بادل چھٹ جائیں اور ہر قول کا ایک صحیح حل متعین ہو جائے۔

یہ ہے ان مسائل سے نمٹنے کی ایک اساس، اس کی روشنی میں فقہ، کلام اور تصوف وغیرہ کے اختلافات کو دور کیا جا سکتا ہے، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حق، جیسا کہ حضرت خضرؑ نے کہا ہے، ایک بحر ذخار ہے جس کا نہ آغاز ہے نہ انتہا، اور جو لوگ اس میں اترتے ہیں اور اس کے متعلق بات چیت کرتے ہیں ان کی مثال اس سوئی کی سی ہے جو اس میں غوطہ زن ہوئی۔ ظاہر ہے اس بے پایانی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ یا ان کی مثال ان چڑیوں کی سی ہے جنھوں نے سمندر کے پانی سے پیاس بجھائی اور پھر اڑ گئیں۔ گویا حق کے بارے میں ان لوگوں کی گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ انھوں نے صرف جزوی جمال ہی کی نشاندہی کی ہے۔

وعلیٰ تفتن واصفیه بوصفه
یفنی الزمان وفیه مالم یوصف

(اس کی مدح و ثنا کرنے والوں کی گوناں گونی کے باوجود زمانہ ختم ہو جائے گا، مگر اس کی مدح کے تمام پہلو واضح نہ ہو سکیں گے) اس صورت میں سننے والے مختلف گروہوں میں بٹ جاتے ہیں، اب جس نے ہر ایک اشارے کے صحیح صحیح حل کو پالیا اور اس مقام کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیا جس کے متعلق خبر دی گئی ہے وہ تو مفہوم و معنی کی تہہ تک پہنچ گیا اور اس نے ہر قول کی مناسب تشریح پر قدرت حاصل کر لی اور جس کو عبارات کے اختلافات اور اشارات کی بوقلمونیوں نے خوف زدہ کر دیا اور وہ اس لائق نہ ہو سکا کہ اختلاف کی اصل نوعیت سے آگاہی حاصل کر لے وہ گویا الجھاؤ اور انتشار فکر کی حیرت زائیوں میں گم ہو کر رہ گیا، ان لوگوں کا حال ان اندھوں سے مختلف نہیں جنھوں نے کسی درخت کو گھیر لیا اور اسے چھوا، گرفت میں لیا اور چکھا، ان میں بعض کے حصے میں تو

صرف پتے ہی آئے، بعض نے آگے بڑھ کر ٹہنیوں تک رسائی حاصل کرلی، بعض اس کے بور اور پھل کو پالینے میں کامیاب ہوگئے اور بعض خوش قسمتوں کو اس کے اثمار اور میووں سے کام و دھن کی تواضع کا موقع بھی مل گیا، اب جس نے صرف درخت کو اپنی آغوش میں لیا تھا اس کا یہ بیان تھا کہ یہ تو صاف اور ٹھوس قسم کی چیز ہے، جس نے ٹہنیوں تک رسائی حاصل کی تھی اس نے اسے صرف لکڑی کی شاخیں سمجھا، جو ٹہنیوں اور بور تک پہنچ گیا تھا اس نے اسے بدرجہ غایت نرم اور نازک شے قرار دیا، اسی طرح اس کے مزے کے بارے میں بھی ان کی رائیں مختلف تھیں، کسی نے کہا اس کا پھل بہت میٹھا ہے، کسی نے کہا بہت کڑوا اور بکٹا ہے اور کوئی ایسا بھی تھا کہ جس نے سرے سے اسے بے مزہ اور بے کیف سمجھا، اگر ایک نے کہا کہ اس کی اچھی خاصی خوشبو تھی تو دوسرے نے اس کی تردید کی، ان کے اختلاف نے جب یہ صورت اختیار کرلی کہ ہر ایک دوسرے کی تکذیب کے درپے ہے اور سب و شتم اور گالی گلوچ میں مصروف ہے، تو اتنے میں ایک ایسا شخص آنکلا جو دیدۂ بینا رکھتا تھا، اس میں اگرچہ دوسروں کی نسبت کچھ خوبیاں کم ہی تھیں، مثلاً اس کی آواز حسن و ترنم سے محروم تھی، اس کی قوت گرفت کمزور تھی اور اس کے ذوق سمع میں بھی قدرے خلل تھا، تاہم یہ ان میں بینا اور دیکھنے والا تھا، اس نے کہا تم سب درحقیقت صحیح کہتے ہو۔ غلطی فقط یہ ہے کہ تم نے اپنے اپنے مشاہدے میں حقیقت کو محصور سمجھ لیا ہے، اس کے بعد اس نے ان کے مشاہدات کی اس طرح تشریح کی اور ہر ہر قول کے محل و مقام کا اس طرح پتہ دیا کہ سب مطمئن ہوگئے۔

اس سلسلے میں یہ حقیقت بھی مدنظر رہنا چاہئے کہ اگرچہ کبھی کبھی ان عرفا کا کشف جو ظاہر و باطن کے علوم سے بہرہ مند ہیں صحیح ہوتا ہے، تاہم قدما کے کلام کی توجیہ و تعبیر میں ان سے خطا و لغزش کا بہت ارتکاب ہوسکتا ہے اور اس سے ان کے مرتبۂ عرفان میں کچھ کمی پیدا نہیں ہوئی، کیونکہ جہاں تک کسی بات کی صحیح صحیح تشریح اور یقینی مفہوم کا تعلق ہے یہ دائرۂ کشف سے یکسر خارج اور ایک علیحدہ شے ہے، جس میں کہ علما ظاہر اور عوام بھی اس کے شریک ہیں۔

ان تمہیدات کے بعد تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وحدت وجود اور وحدت شہود دو لفظ ہیں جن کا اطلاق دراصل مختلف معانی پر ہوتا ہے، کبھی کبھی ان کا استعمال ”سیر الی اللہ“ کے مباحث میں ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں سالک وحدت الوجود کے مقام پر فائز ہے اور فلاں وحدت شہود

پر جاگزیں ہے۔ اس سیاق میں وحدت الوجود کے معنی ایسے شخص کے ہوں گے جو حقیقت جامعہ کی تلاش وعرفان میں گم اور مستغرق ہے، استغراق کا یہ وہ مقام ہے جہاں یہ عالم رنگ وبو اپنے تمام امتیازات کے ساتھ فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے اور تفرقہ وامتیاز کے وہ سارے احکام ساقط ہوجاتے ہیں کہ جن پر خیر وشر کی معرفت کا دار ومدار ہے اور شرع وعقل جس کی پوری پوری نشاندہی کرتی ہے۔ سیر وسلوک کا یہ مقام محض عارضی ہوتا ہے، سالک چندے یہاں ٹھہرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی دستگیری وتوفیق اس کو جلد ہی اس مقام سے نکال لے جاتی ہے۔

اسی طرح وحدت شہود کے معنی اس سیاق میں یہ ہوں گے کہ سالک ایسے مقام پر متمکن ہے جہاں احکام جمع وتفرقہ کے ڈانڈے باہم ملے ہوتے ہیں یعنی سالک اس حقیقت کو پالینے میں کامیاب ہوگیا ہے کہ اشیا میں جو وحدت سے نظر آتی ہے من وجہ ہے اور کثرت جو اس کے متبائن محسوس ہوتی ہے وہ بھی من وجہ ہے۔

معرفت وسلوک کا یہ مقام پہلے مقام سے نسبتاً زیادہ اونچا ہے، وحدت الوجود اور وحدت شہود کی اس اصطلاح کو ہم نے شیخ آدم بنوری قدس سرہ کے بعض اتباع سے لیا ہے۔

کبھی کبھی ان الفاظ کا اطلاق حقائق اشیا کی نسبت سے ہوتا ہے، حادث وقدیم میں ربط وتعلق کی کون سی نوعیت کارفرما ہے؟ اس کے بارے میں دو نقطہ نظر پائے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عالم جو اغراض مختلفہ کا ہدف ونشانہ ہے اس کی تہہ میں ایک ہی حقیقت جاری وساری ہے جیسے مثلاً شمع یا موم سے انسان، گھوڑے اور گدھے کی صورتیں بنائی جائیں، یہ سب اگرچہ رنگ وروپ میں مختلف ہوں گی مگر مزاج واصل کے لحاظ سے انہیں مختلف نہیں سمجھا جائے گا بلکہ ایک ہی قرار دیا جائے گا، یعنی کہا جائے گا کہ طبیعت شمعیہ ان سب میں مشترک اور بنیاد کے طور پر پائی جاتی ہے۔ ان کی رنگارنگ صورتوں کو اختیار کرلینے کے بعد شمع کا اپنا کوئی نام نہیں رہے گا، بلکہ اس کو انہیں ناموں سے پکارا جائے گا۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہی صورتیں درحقیقت انسان، گھوڑا اور گدھا کہلانے کی مستحق ہیں۔ ہاں یہ البتہ صحیح ہے کہ ان کا اپنا کوئی وجود نہیں، کیونکہ جب تک شمع یا موم سے ضمیمہ وجود مستعار نہ لیا جائے ان کا عالم خارجی میں تحقق بھی نہیں ہوپاتا۔

دوسرا گروہ حادث وقدیم کے مابین ربط وتعلق کو اس طرح استوار کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ

یہ عالم دراصل اسماء وصفات کے ان عکوس وظلال سے تعبیر ہے کہ اعدام متقابلہ آئینوں میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں، مثلاً قدرت کا عدم عجز ہے، لہٰذا جب قدرت کی ضوفشانیاں عجز کے آئینے میں ہوں گے تو اس سے قدرت ممکنہ ظہور میں آجائے گی، جب موجودات کی یہ توجیہ فہم وفکر کی گرفت میں آگئی تو تمام صفات وجود کو اسی پر قیاس کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، پہلا نقطۂ نظر وحدت الوجود کی ترجمانی کرتا ہے اور دوسرا وحدت شہود کی۔

ہمارے خیال میں کشف پر مبنی یہ دونوں نتائج صحیح ہیں، ممکن ہے بعض حضرات یہ کہیں کہ وحدت شہود کی اس توجیہ کی تائید شیخ العربیؒ کے اقوال سے نہیں ہو پاتی۔ ہم کہیں گے کہ یہ سراسر سہو ہے، شیخ، ان کے اتباع، تلامذہ اور حکما سب اس کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ اگر ان اقوال کو مجازات واستعارات سے قطع نظر کر کے کہ جن کی وجہ سے فہم وادراک کی مشکلات ابھرتی ہیں، حقیقت نفس الامری کا براہ راست مطالعہ کیا جائے تو حاصل کلام یہی نکلے گا کہ حقائق امکانیہ چونکہ شدید ضعف و نقص لئے ہوئے ہیں، اور حقیقت وجود یہ ہی ایسی چیز ہے جو اتم واقوی ہے، لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ یہ حقائق امکانیہ اعدام ہیں جن میں کہ موجودات کی مختلف النوع صورتیں ارتسام پذیر ہوتی ہیں، ظاہر ہے کہ وجود کی یہ تعبیر متفق علیہ ہے۔

تم نے جو چیز دریافت کی ہے وہ قدرے تفصیل چاہتی ہے اور غور وفکر کی متقاضی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ پہلی بات جس کو مسلمان سمجھتے ہیں اور جو کتاب وسنت سے ذہن میں متبادر ہوتی ہے اور عقل جسے تسلیم کرتی ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اسی طرح موجود جزئی ہے جس طرح کہ یہ سارا عالم محسوس ہے، سوا اس کے کہ وہ اس کا خالق اور رزاق بھی ہے، علم وادراک کی یہ وہ نوعیت ہے جسے ہر ہر عاقل اپنے قلب وجگر میں جلوہ گر پاتا ہے، بغیر اس کے کہ وہ ریاضت ومجاہدہ کی سختیاں جھیلے یا عقل وخرد کی گہرائیوں میں اترے، اور اسی حد تک شرع نے ایک مسلمان کو مکلف بھی ٹھہرایا ہے اور شریعت الٰہی کے بارے میں یہ طے ہے کہ وہ انسان کو انہی چیزوں کا مکلف گردانتی ہے جو پہلے سے اس کی فطرت میں موجود ہوں اور اس کی صورت نوعیہ کا ضروری تقاضا ہوں، چاہے یہ چیزیں علمی ہوں، چاہے عملی۔ اسی طرح شریعت کی گرفت ومحاسبہ بھی انہی امور سے متعلق ہے کہ جو انسانی فطرت کے ضمیر میں پہلے سے موجود ہیں، ارشاد باری ہے: **فطرة الله التي فطر**

الناس علیها، لاتبدیل لخلق الله (اللہ کی وہ فطرت کہ جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا اور خدا کے بنائے ہوئے قوانین بدلنے والے نہیں) حدیث میں ہے، **کل مولود یولد علی الفطرة** (ہر ہر مولود کو فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے)۔

علم وادراک کی یہ مقدار عرفان صحیح اور اشارۂ صادقہ پر مبنی ہے جس کا سرچشمہ خود تجلیات حق کی ایک تجلی ہے جو نفس رحمانی میں اس وقت ظہور پذیر ہوئی جب کہ زمانے کی گردشوں نے ابھی جنم نہیں لیا تھا اور حدوث وخلق کے قصے کا بھی آغاز نہ ہو پایا تھا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھنے کا جذبہ ومیلان اسی طرح کا پایا جاتا ہے جیسا کہ لوہے میں مقناطیس کی طرف کھنچنے اور سرکنے کی صلاحیت ہے، یا جس طرح آگ کے شعلے اوپر کی طرف اٹھتے ہیں، یا مثلاً زمین جس طرح نیچے کی طرف گرنے اور لڑھکنے پر مجبور ہے۔ اس حقیقت کو کس سچائی سے ایک شاعر نے پیش کیا ہے۔

لقد صرت مقناطیسها فقلوبنا
بجذبک ایاها الیک تمیل

(تو بمنزلہ مقناطیس کے ہو گیا ہے، لہٰذا ہمارے دل، اس کے جذب وکشش کی وجہ سے، تیری طرف بے اختیار مائل ہو رہے ہیں) یہی وہ تجلی ہے جس کو موت کے بعد ''لقاء اللہ'' سے تعبیر کیا ہے اور ان تمام ذرائع کو جو لقاء الٰہی کے لئے معین وسازگار ہوں، انشراح قلب اور روشنی قلب کا سبب ٹھہرایا ہے اور ان تمام چیزوں کو گناہ ومعصیت قرار دیا ہے جو بعد اور دوری پیدا کریں، اسی معنی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے، **سترون ربکم عزوجل کما ترون القمر لیلة البدر. لا تضامون فی روية فان استطعتم ان تغلبوا علیٰ صلوة قبل طلوع الشمس وقبل غروبها فافعلوا** (تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جس طرح چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو۔ اس کے دیکھنے میں تمہیں کسی قسم کی زحمت سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا۔ پس اگر تم طلوع شمس سے پہلے اور غروب شمس سے پہلے نماز پڑھ سکو تو ضرور پڑھو) یہی تجلی خیر وشر کا معیار بھی ہے جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے اور یہی وہ شی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء منطبق ہوتے ہیں اور ایک حدیث میں آنحضرت صلعم نے ایک شخص کے اس سوال پر کہ اللہ تعالیٰ

تخلیق سے پہلے کہاں تھا جو ارشاد فرمایا: **کان فی عماء مافوقه هواء وماتحته هواء** (خدا لامکان میں تھا) اس میں بھی یہی حقیقت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح صوفیا کے اس قول میں بھی اسی مفہوم ومعنی کی نشاندہی کی گئی ہے کہ وجود دو قسم کے مظاہر میں جلوہ گر ہوا ہے۔ ایک ایسے مظہر میں جس کے لئے تاثیر، قہر وتغلب اور فعل وتنزہ واجب ہے، دوسرے ایسے مظہر میں جو امکان کے ساتھ تاثر، قہر، تغلب، انفعال اور تلوث کو قبول کرنے کی صلاحیتیں رکھتا ہے۔ مزید براں شیخ محی الدین بن العربیؒ کے اس قول میں بھی کہ اس عالم کون ومکان میں ایک ارادۂ متجددہ پایا جاتا ہے اسی صداقت کی طرف اشارہ ہے۔ ان دقائق کے پیش نظر جس شخص نے اس تجلی کا اثبات کیا اس نے گویا قدرت وفطرت کو پالیا کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو پیدا کیا ہے اور اسی طرح اس نے اس معاملے میں انبیا اور اولیا کے ذوق معرفت کی تائید کی، لیکن جس نے انکار کیا اس نے نہ صرف فطرت کا انکار کیا، بلکہ انبیا اور اولیا کے متفقہ ذوق عرفان کی تکذیب کی جو اللہ تعالیٰ کے اقرار واثبات پر منتج ہوتا ہے۔ لہٰذا ایسے شخص کے زندیق ودہریہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

ٹھیک اسی طرح جس شخص نے اس علم کی تکذیب کی جس کو اللہ تعالیٰ نے فطرت انسانی میں ودیعت کر رکھا ہے اور جس پر کہ مسئلہ تکلیف ومکافات کا دارومدار ہے وہ بھی زندیق ہے۔

یہ علم ہر ہر شخص کی فطرت میں سمویا ہوا ہے کہ حقائق اشیا ثابت نہیں، اور یہ کہ ہر شے مخصوص قسم کے امتیازات سے بہرہ مند ہے، مثلاً یہ کہ آگ کا خاصہ جلانا ہے، پانی آگ کو ٹھنڈا کرتا اور بجھاتا ہے، زنجبیل حار ہے، کافور بارد ہے، نماز کار خیر ہے اور زنا برائی۔

اس تفصیل کے معنی یہ ہوئے کہ جس شخص نے ان حقائق کو نہ مانا اس کے خلاف خود اس کے قلب وضمیر میں دلائل وبراہین کا لشکر صف آرا ہو گیا اور خود اس میں فطرت نے اس کے نفسانی رجحانات کی تکذیب کی، یعنی وہ اس سلسلہ اقوال وآراء کی پراگندی کا شکار ہوا اور ضلالت وگمراہی کے عمیق ترین گڑھوں میں جا گرا۔

ہم جانتے ہیں کہ شارع علیہ السلام نے علم وادراک کی اس فطری مقدار سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی اور اس سلسلے میں مزید غور وفکر سے روکا ہے، لیکن باوجود اس کے کہ صوفیا نے ان مسائل پر گفتگو کی ہے ان کا عذر یہ ہے کہ جس چیز سے روکا گیا ہے وہ یہ ہے کہ طبیعت نوعی سے زیادہ

توقعات وابستہ کی جائیں اور فکر واستدلال کے لگے بندھے اصولوں کی روشنی میں قدم آگے بڑھائے جائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص عقل واستدلال کی راہوں سے بڑھ کر علوم ومعرفت کا کوئی اور انداز اختیار کرتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بہر حال کہنا یہ ہے کہ لوگوں نے اس فطری اصول کو مان لینے کے باوجود اس پر دوسرے انداز سے غور وخوض کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اشیائے معقولہ اور اشیائے محسوسہ دونوں میں نفس وجود کے اعتبار سے اشتراک پایا جاتا ہے اور وجود کا یہی وہ جانا بوجھا مفہوم ہے جس کے پیش نظر یہ چیزیں معدوم سے جدا ہوتی ہیں، مثلاً مثلث کے دو مفہوم ہیں: ایک وہ جس کا تعلق تعقل وتصور سے ہے اور دوسرا وہ جس کا تعلق محسوسات سے ہے۔ ظاہر ہے کہ مثلث کا تعقل وتصور اس کے وجود سے مختلف ہے اور یہی اختلاف وہ فارق ہے جو اسے حیز معقولات سے نکال کر سطح وجود پر لا کھڑا کرتا ہے اور اسی مقام پر فائز ہو کر کسی شے میں قابلیت وفاعلیت کی خصوصیات ابھرتی ہیں، یعنی ایک تو شے کی ماہیت معقولہ ہے اور ایک یہ خصوصیات زائدہ یا امتیازات ہیں جو اس کے علاوہ ہیں، اور کہنا چاہئے کہ انہی کی بدولت گھوڑے، انسان اور گدھے وغیرہ کی ماہیئت محسوس ومتمیز سانچوں میں ڈھلتی ہے۔ اس مرحلے پر دو سوال ابھر کر نظر وفکر کے سامنے آتے ہیں: خود اس وجود کی حقیقت کیا ہے؟ اور خصوصیات زائدہ کے ساتھ اس کے ربط وانضمام کی نوعیت کیا ہے؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ وجود امر انتزاعی ہے، یعنی صورت حالات یہ نہیں کہ خالق وفاطر کائنات نے پہلے تو ماہیات کو پیدا کیا ہو اور پھر ان پر خصوصیات وجود کا اضافہ فرمایا ہو، بلکہ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ اس نے ماہیات کو وجود بخشا ہے (غرض یہ ہے کہ ماہیات کا تصور سراسر انتزاع وتجرید کا کرشمہ ہے، ورنہ وجود وماہیئت دو الگ الگ چیزیں نہیں) ہم اس پر یہ کہیں گے کہ یہ بات ایک پہلو سے صحیح ہے اور ایک پہلو سے غلط ہے، غلط ان معنوں میں ہے کہ اس میں وجود کے عمومی مفہوم کو صرف ایک ہی شق میں منحصر کر دیا گیا ہے، حالانکہ ہم امور انتزاعیہ کا باقاعدہ ادراک رکھتے ہیں، ان کو صفت وجود سے متصف گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا تعلق ماہیات اشیا سے ہے۔ ظاہر ہے کہ خود ماہیات اور امور انتزاعیہ کا اگر وجود نہ ہو اور ان کے اتصاف کی نوعیت ایسی نہ ہو کہ ان کو خلاق وفاطر کا کرشمہ تخلیق کہا جا سکے، تو انتزاع وتجرید کے لئے کیا بنیاد اور

اساس باقی رہ جاتی ہے؟

بعض حضرات اس مرحلے پر کہیں گے کہ خالق و فاطر نے تو دراصل اپنی ذات سے ماہیات ہی کا اصدار فرمایا تھا، پھر جب لوگوں نے دیکھا کہ ان میں فاعلیت و قابلیت وغیرہ کی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں تو اس سے ان کے ذہن میں وجود کا تصور مرتسم ہوا، اس کے مقابلے میں ہمارا یہ کہنا ہے کہ اس تعبیر میں بھی خطا و صواب کے دوگونہ پہلو پائے جاتے ہیں۔ خطا کا پہلو یہ ہے کہ معرفت وجود کو ماہیات کی حد تک محدود کر دیا گیا ہے، حالانکہ یہ قطعاً ایسے امور کو جانتے بوجھتے نہیں جو خارج میں مخصوص و متعین سانچہ رکھتے ہیں اور ہم اس تعین کی بنا پر انہیں مختلف ناموں سے پکارتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت، یہ تعین اور وجود کا یہ سانچہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماہیات اشیا کے علاوہ ان کی تخلیق بھی فرمائی ہے، ذرا غور سے دیکھیں تو یہ حقیقت صاف طور پر علم وادراک کی گرفت میں آئے گی کہ اس عالم رنگ و بو میں مختلف و متمیز وجود نہیں جنہیں ہم ماہیات سے تعبیر کرتے ہیں اور جن کے بارے میں ہم محسوس کرتے ہیں کہ یہ وجود کے دو خانوں میں تقسیم پذیر ہیں، ایک وہ وجود مطلق ہے جس کی وسعتیں اور پھیلاؤ موجودات کے پورے سلسلے کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے اور یہ درجے و رتبے میں دوسرے وجود سے متقدم ہے، دوسرا وجود وہ ہے جو خصوصیت و تمیزات کا حاصل ہے۔

وجودات خاصہ کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ صورت علمیہ کے تنزلات نہیں اور ان میں اور وجود مطلق میں ربط و تعلق کی جو نوعیت کارفرما ہے وہ اگرچہ معلوم نہیں مگر اس کے تحقق و اثبات میں شبہ نہیں، وجود کی اس وضاحت سے صاف صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں گروہ خطا و صواب کے ملے جلے موقف کے حامی ہیں جس سے کہ پوری پوری تشفی نہیں ہو پاتی۔

وحدت الوجود کے قائلین صوفیا کا کہنا ہے کہ وجود مطلق جو خارج میں مترتب آثار کا موجب ہوتا ہے دو حال سے خالی نہیں، یا تو خارج میں موجود ہونے اور ترتب آثار کا ہدف بننے کے لئے اسے ایک ضمیمہ یا شئے زائد کے الحاق کی ضرورت پڑے گی یا نہیں پڑے گی۔ پہلی صورت میں ہم اسے ممکن کہیں گے اور دوسری صورت میں ''واجب''۔ اس ضمیمہ یا شیئے زائد کی کیا حیثیت ہے؟ یہ ایک وجود منبسط ہے جو تمام پیکر ان محسوس و موجود کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ یہ قائم

بالذات حقیقت ہے، یہی نہیں، دوسری اشیا کے لئے مقوم بھی ہے۔ نیز فی نفسہٖ غیر متعین ہے اور جملہ آثار و خصوصیات سے تہی بھی۔ اس کا احساس ہمیں ذوق و وجدان کے ذریعہ ہو پاتا ہے۔ وجود مطلق کی اس صورت کو آگے چل کر تنزلات علمی و عینی کہیں گے جن سے کہ خصوصیات و آثار کا الحاق ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ تنزلات کی ترتیب کیا ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ پہلے مرتبے پر تو خود اس کی ذات ذات کی سطح پر جلوہ فگن ہوتی ہے۔ تجلی کی یہ صورت جزئی نہیں ہوتی بلکہ اس طرح کی کلیت لئے ہوئے ہوتی ہے کہ کائنات کی کسی چیز کو بھی اس کی وسعتوں سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری تجلی میں اس شان کلی کی تفصیلات ہوتی ہے مگر صرف علم کی حد تک اعیان و افراد اس کی زد میں نہیں آتے، اس کے بعد آخری تجلی اعیان و افراد کی شکل میں ظہور پذیر ہوتی ہے۔

تجلیات کی اس تشریح کے بعد حقائق ممکنات کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ ان سے مراد وجود مطلق یا ذات کا ان صور و اشکال گوناں گوں سے متلبس ہونا ہے جو مختلف شئون و اعتبارات سے ابھرتی ہیں، اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ذات گرامی ان مختلف اور رنگا رنگ حالات و شئون سے متعرض ہوتی ہے تو اس تعرض و تلبس سے ماہیات ممکنات کی تعین ہوتی ہے۔

وجود ممکنات کا مطلب یہ ہے کہ یہی حقائق جو اب تک مرتبہ علم میں تھے پیراہن وجود سے آراستہ ہیں۔ لیکن ان حقائق کو پیراہن وجود سے آراستہ اس وقت کہا جاتا ہے جب وجود ممکن کی تمام شرائط مہیا ہو جائیں اور وہ تمام موانع دور ہو جائیں جو ان حقائق کو حیز وجود میں آنے سے روک رہے تھے۔

اس طرح ماہیات اشیا اور وجود میں ربط و انضمام کی ایسی نوعیت قائم ہو جاتی ہے جس کی کیفیت تو معلوم نہیں کی جا سکتی مگر جس کا تحقق و اثبات بہر حال جانا بوجھا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ربط و تعلق کے اس انداز کی وجہ سے ان پر خصوصیات و آثار کا ترتب ہونے لگتا ہے۔ اس مرحلے پر کہا جاتا ہے کہ وجود مطلق نے تنزل فرمایا ہے یا یہ کسی خاص مظہر میں ظہور پذیر ہوا ہے۔ وجود کے ظہور پذیر ہونے یا تجلی و تنزل کی اس سطح پر آنے کے معنی یہ ہیں کہ ہر ہر نوعیت کے آثار و خصوصیات کی پوری پوری تعین ہو گئی ہے۔

ہماری رائے میں یہ بات عقل اور کشف دونوں کی رو سے صحیح ہے، مثلاً تم میدان جنگ پر نظر

ڈال کر دیکھو، تمہیں معلوم ہوگا کہ اس کی ساری رونق و ہنگامہ آرائی ''جسم'' کی بدولت ہے۔ وہی قاتل ہے، وہی مقتول اور وہی آلۂ قتل بھی ہے۔ اسی طرح اس کو راکب و مرکوب قرار دیں گے اور اسی کو سیف وسناں اور ہازم ومہزم سے تعبیر کریں گے، اور وہی حملہ کرنے والا اور حملے کا ہدف ونشان بھی ہوگا۔

لیکن اس کے باوجود کہ ان تمام ظہورات میں جسم ہی کی کارفرمایاں نظر آتی ہیں، تنہا جسم کو ان میں سے کسی نام کے ساتھ بھی متصف نہیں ٹھہرایا جاسکتا، تا آنکہ اس پر ایک کیفیت خاص اور معنی خاص کا اضافہ نہ کیا جائے اور خصوصیات و امتیازات کو بڑھایا نہ جائے، یوں اگر ان خصوصیات و آثار کا جسم سے صرف نظر کر کے مطالعہ کریں گے تو ان کی حیثیت معدومات سے زیادہ نہیں ٹھہرے گی کہ جن پر آثار و خصوصیات کا ترتب نہیں ہو پاتا، لیکن جونہی ان کو جسم کے مختلف سانچوں میں ڈھالا جائے گا یا ان کے ساتھ جسم کو جوڑا اور منضم کیا جائے گا، یہی کیفیات صدور آثار و کیفیات کا موجب وسبب بن جائیں گی۔

گویا جسم مطلق جہاں تک علم و تقدیر کا تعلق ہے پہلے سے ان معانی کا محل یا حامل ہے اور جب یہ معنی وجود خارجی کا سانچہ اختیار کر لیتے ہیں، تو مختلف اشیا کے روپ میں ظاہر ہوتے ہیں، چنانچہ اب ان میں کوئی راکب بن جاتا ہے کوئی مرکوب اور کوئی سیف وسناں کہلاتا ہے اور کوئی ہدف وقتیل۔

ان بوقلموں صورتوں اور متعدد شکلوں کو جن کا تعلق یکسر معانی اور ماہیات سے ہے جسم کے قالب میں ڈھلنے سے پہلے اعدام ممکنہ ہی کہنا چاہیے، مگر جب اسباب و شرائط مہیا ہوجاتے ہیں تو کوئی لوہار یا بڑھئی اٹھتا ہے اور انہیں تیشے اور ہتھوڑے کی مدد سے معرض وجود میں لے آتا ہے۔ اسی طرح ان معدومات موہومہ اور موجودات میں ربط و تعلق کی ایک نوعیت ابھر آتی ہے جس کی کنہ و کیفیت تو معلوم نہیں کی جاسکتی، البتہ اتنا یقینی ہے کہ ان میں رشتہ و ربط کا یہ انداز ضرور پایا جاتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم سیف وسنان کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ معنی معدوم اور وجود میں ایک طرح کا ربط و تعلق پیدا ہوگیا ہے، جس کی وجہ سے اس کو خاص نام کے ساتھ متصف گردانا جاسکتا ہے، ورنہ اس سے پہلے مطلق جسم کی

نسبت یہ تھی کہ اس کو صور مختلفہ کا ہدف قرار دیا جا سکتا تھا، یعنی وہ راکب بھی ہو سکتا تھا اور مرکوب بھی، سیف کے قالب میں بھی ڈھل سکتا تھا اور سنان کے سانچے میں بھی، لیکن اب جب کہ اس نے سیف کی صورت اختیار کر لی تو ہم کہیں گے کہ جسم مطلق نے ایک خاص تعین کو اپنا لیا ہے اور بوقلموں صورتوں اور شکلوں میں سے ایک صورت کو چن لیا ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جسم ایک متعین ظہور میں آشکار رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ تعبیر و بیان کا یہ انداز بالکل صحیح ہے جس کو تھوڑی دیر کے لئے لفظی مناقشوں میں تو الجھانا ممکن ہے مگر کسی عاقل کے لئے گنجائش انکار ہرگز نہیں۔

پھر یہ بات اگر جسم کے حق میں صحیح ہے تو وجود کے حق میں بطریق اولیٰ صحیح ہونا چاہئے۔ صوفیا جب یہ کہتے ہیں کہ "العالم عین الحق" تو اس سے ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ ان وجودات خاصہ یا تعینات کی نفی کی جائے جو تنزل وظہور کا نتیجہ ہیں، بلکہ وہ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حق نے اس آب وگل میں ظہور فرمایا ہے، یعنی جس طرح ایک معقولی کہتا ہے کہ زید وعمر ایک ہیں اور اس کا اشارہ تماثل نوعی کی طرف ہوتا ہے، ممکن اتحاد کی طرف نہیں، یا جب وہ کہتا ہے کہ انسان اور گھوڑا ایک ہیں، تو وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ ان میں حیوانیت امر مشترک ہے، اسی انداز سے جب وہ شجاع اور شیر کو ایک قرار دیتا ہے تو اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ ان میں جو وصف مشترک ہے اس کی نشاندھی کرے۔ ٹھیک اسی طرح اور انہی معنوں میں صوفیا "العالم عین الحق" کہتے ہیں اور اس سے ان کی غرض فقط یہ ہوتی ہے کہ اس وجود منبسط میں اور ہمارے گردوپیش پھیلی ہوئی اس وسیع تر حقیقت میں، جس نے کہ سارے عالم ہست وبود کا احاطہ کر رکھا ہے، حق کی جلوہ فرمائی ہے اور یہ کہ وجود کی یہ نوعیت براہ راست حق کے ساتھ وابستہ ہے، اس کے بعد کسی تنزل وظہور کے ساتھ نہیں، ورنہ جہاں تک آثار وتعینات میں فرق وامتیاز کا تعلق ہے ان میں کوئی بھی اس کی نفی کی جرأت نہیں کرتا۔

ہر مرتبہ وجود حکمے دارد
گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

اس نہج سے جب یہ حضرات تنزل کی اہمیتوں پر زور دیتے ہیں تو اس سے مقصود ایک ایسا

معنی ہوتا ہے کہ ظہور و تنزل کے دونوں پہلوؤں یا مرحلوں کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے۔

تعبیر کی اس صورت پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ جب تم نے حق اول کو تسلیم کر لیا اور یہ بھی مان لیا کہ اس سے کائنات کا صدور ہوتا ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وجود و تحقق ان دونوں مرحلوں پر باتساوی مشتمل ہو، کیونکہ نہ تو حق اول اور مبداء وجود کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ موجود نہیں ہے اور نہ صادر کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ وہ غیر موجود ہے۔

یہ اعتراض اس بناء پر صحیح نہیں ہے کہ ہم جب وجود مشترک کا ذکر کرتے ہیں، تو اس کی حیثیت اس حقیقت کی نہیں ہوتی، انیاب اغوال کی طرح جو نفس الامر میں ثابت ہے، بلکہ ہم اس کو حقیقت مفروضہ مانتے ہیں جس کو عقل از راہ تعمیم مستنبط کرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جہاں تک عقل سلیم کا تعلق ہے وہ اگرچہ مراتب وجود میں جو ایک طرح کا تمائز پایا جاتا ہے اس کو تسلیم کرتی ہے اور حادث و قدیم کے مابین ایسے ربط و تعلق کو نہیں مانتی جو ان دونوں کو واقعی و حقیقی وحدت میں منسلک کر دے۔ تاہم تنزل صادق کا انکار بھی نہیں کرتی جو ابداع و تخلیق پر منتج ہوتا ہے بلکہ ایک اعتبار سے اسے ماننے پر مجبور ہوتی ہے۔

اس وضاحت سے قطع نظر یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ عقل، نفس اور ہیولیٰ تینوں میں اس طرح بالوجہ اشتراک و تماثل پایا جاتا ہے کہ ان میں کے ہر ایک کو دوسرے کا عین قرار دیا جا سکتا ہے، یعنی یہ کہا جا سکتا ہے کہ عقل عین نفس ہے اور نفس عین ہیولیٰ ہے۔ اس کی مثالیں ہم پہلے بیان کر آئے ہیں، یعنی جس طرح موم کے ایک ٹکڑے کو تعین کے مختلف سانچوں میں ڈھالا جا سکتا ہے اور جس طرح ایک انگوٹھی متنوع و بوقلموں نقوش کے ارتسام کی صلاحیت رکھتی ہے، اسی طرح ایک کلی جزئیات و افراد کے تعین کو اختیار کر سکتی ہے۔ اس کی بین مثال یہ ہے کہ تم ایک کلی کو ذہن میں فرض کرو۔ عقل اس معاملے میں یہی کہے گی کہ یہ کلی جزئیات ہی کی شکل میں پائی جاتی ہے۔ اب تعلق و ربط کی جو نوعیت کلی اور اس کی جزئیات میں رونما ہے وہی نفس ہیولیٰ میں ہے۔ اس لئے کہ ہیولیٰ سے ہماری مراد یہی ہے کہ نفس کلی نے تشخص و تعین کا روپ دھار لیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ تشخص و تعین سے بالکل علیحدہ بھی نہیں ہے، بلکہ صحیح تعبیر تو یہ ہے کہ جب یہ اپنی کلی شکل میں موجود ہوگی تو نفس کلی کہلائے گی اور جب تعین کا لبادہ اوڑھ لے گی تو یہ ہیولیٰ سے موسوم ہوگی۔ عارف کو

چاہئے کہ جب وہ ''عینیت'' کے اس مرتبے کی تصریح کرے تو ایسے الفاظ ضرور استعمال کرے جو فرق اعتباری کو واضح کرسکیں۔ بہرحال یہ ایسی سچی بات ہے جس کو اکثر لوگ غلط معنی پہناتے ہیں، یعنی ''کلمة حق ارید بها الباطل'' شیخ مجددؒ کا کہنا ہے کہ صفات ثمانیہ (ہشت صفات) خارج میں موجود ہیں۔ اس لئے ان کو ذات سے خارج میں متمیّز ہونا چاہئے۔ ان صفات کی اثر آفرینیوں کی کیفیت یہ ہے کہ ہر ہر صفت کے مقابل ایک عدم ہے۔ مثلاً علم کا مقابل جہل ہے اور قدرت کا مقابل عجز ہے، اور یہ تمام ''اعدام'' علم حق میں متمیّز اور واضح ہیں اور تمیز و وضاحت کی اس نوعیت سے ان کو اسماء وصفات کے لئے بمنزلہ آئینوں کے کردیا ہے۔ یا یوں کہئے کہ انوار حق کے نقطہ نظر سے ان کی حیثیت مہبط انوار یا تجلی گاہ کی ہے۔ ان معنوں میں حقائق ممکنات کا مطلب یہ ہوا کہ یہ اسماء وصفات کے ان عکوس وظلال سے تعبیر ہیں جو ان اعدام پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ گویا اعدام کو مادہ ٹھہرانا چاہئے اور یہ عکوس وظلال جو ان پر اثر انداز ہوتے ہیں صورت ہے جو اس مادہ میں حلول پذیر ہے۔

حقائق ممکنات کے بارے میں ابن العربیؒ اور جناب مجددؒ کے نقطہ نظر میں تھوڑا سا فرق ہے۔ ان کی رائے میں یہ اسماء وصفات ہی کا دوسرا نام ہے جب کہ یہ مرتبہ علم میں تعین و وضوح کی کیفیتوں کے حامل ہوں، بخلاف شیخ مجددؒ کے کہ ان کے خیال میں یہ اعدام نہیں جن پر انوار حق اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہاں یہ البتہ درست ہے کہ ان اعدام اور عکوس کا محل اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، لیکن جب اللہ تعالیٰ جو فاعل مختار ہے، یہ چاہتا ہے کہ ماہیات معلومہ میں سے کوئی ماہیت حیز علم سے نکل کر حیز وجود میں آئے اور تعین خاص کو اپنائے تو وہ اسے وجود ظلی بخش دیتا ہے اور اس کی یہ ماہیت مرتبہ علم سے نکل کر وجود ظلی کے لباس میں آشکارا ہوجاتی ہے۔ اس عالم رنگ وبو سے متعلق ان کی رائے دوٹوک اور صاف نہیں بلکہ ان کے اقوال میں اختلاف رونما ہے۔ کبھی تو وہ فرماتے ہیں کہ یہ عالم وجود ظلی سے بہرہ مند ہے اور کبھی یہ موقف اختیار کرتے ہیں کہ یہ کائنات وجود موہوم سے آراستہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اتقان واستواری سے نواز رکھا ہے۔ اس لحاظ سے یہ عالم اگرچہ موہوم ہے مگر اس کے باوجود استوار ومحکم بھی ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ حقائق ممکنہ کا اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے۔

(۱) ان سے مراد موجودات خاصہ ہیں، مثلاً ایک حقیقت انسان ہے، ایک حقیقت گھوڑا ہے

اور ایک حقیقت پانی ہے۔ یہ تمام حقائق وہ امور ہیں جو عالم خارجی میں ثابت و متحقق ہیں۔ اس اطلاق کی رو سے حقائق ممکنہ وہ امور ہیں جن کو ہر ایک شخص جانتا بوجھتا ہے۔ یہی مطلب ہے ان کے اس قول کا کہ حقائق اشیاء ثابت نہیں، یعنی ہر ذی عقل کو معلوم ہے کہ انسان کون ہے، گھوڑا کسے کہتے ہیں اور پانی کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے۔

(۲) ان سے مقصود وہ امور ثابتہ ہیں جو ذاتی لحاظ سے نہ تو موجود ہیں اور نہ معدوم۔ مگر جب ان کے ساتھ ضمیمہ وجود کا الحاق ہو جاتا ہے تو کسوت وجود سے آراستہ ہو جاتے ہیں، ورنہ طاق عدم میں دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

انہی امور کو ایک معقولی ماہیات سے تعبیر کرتا ہے اور ان کے بارے میں یہ رائے رکھتا ہے کہ یہ فی نفسہ نہ تو موجود ہیں اور نہ معدوم۔ ان کی حیثیت اس کے نزدیک صرف ثبوت کی ہے، مگر مرتبہ علم میں اول الاوائل (اللہ) اور فیض اقدس کے ساتھ ان کا تعلق و ربط کیسا ہے، اس کو یہ نہیں جان پاتا۔ یہ شرف اس صوفی کو حاصل ہے جو وحدت الوجود کا قائل ہے کہ اس پر اس ربط و تعلق کی ٹھیک ٹھیک نوعیت و ترتیب کا انکشاف ہوا ہے۔

اس کا عرفان یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ سے جو پہلی تجلی صادر ہوئی وہ خود ذات اقدس کی توجہ و التفات ہے کہ جو خود ذات ہی کی طرف ملتفت ہوئی۔ اس میں اس نے جانا کہ اس کی ذات گرامی کیا ہے، اس کے تحقیقی تقاضے کیا ہیں، اس کا کمال دائم کس نوع کے مظاہر کا مقتضی ہے، اور ان مظاہر کے ارتقاء و بوقلمونی کی کیا کیا صورتیں ہیں۔ علم و تجلی کی یہ نوعیت خاص ہے جسے عین اقتضا کہنا چاہئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو مجرد ارتسام صور یا استحضار اشیا سے تعبیر کیا جائے (کیونکہ علم و تجلی کی اس صورت میں ایک طرح کی فعلیت مضمر ہے جو صرف علم میں نہیں)۔ اس کے بعد مظاہر کلیہ تمیز اختیار کرتے ہیں اور ان کی استعداد معرض علم میں آتی ہے، جو فعال ہیں، ظاہر ہیں اور مقدس ہیں، ان کو اسماء و صفات کہنا چاہئے۔

تیسری تجلی مظاہر جزئیہ سے متعلق ہے، علم ادراک کے اس مرحلے میں اعیان ممکنہ کلیات سے جدا ہوتے ہیں جو اپنی فطرت و مزاج کے اعتبار سے یکسر منفعل، مقہور اور کسی درجہ میں وجود کی آلائشوں سے آلودہ ہوتے ہیں۔ ان معنوں میں ”حقائق ممکنہ“ کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی ”حیثیت

معلومہ'' کی ہے جو حق کے علم وادراک کے ساتھ وابستہ ہیں۔

(۳) حقائق ممکنہ کی یہ تعبیر تھوڑی سی تمہید چاہتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حقائق ممکنہ اور اسماء دونوں میں تمیز دوٹوک اور اس طرح کی نہیں کہ یہ دونوں دو الگ الگ اور منفصل خانوں میں انقسام پذیر ہوں بلکہ دونوں میں ایک طرح کا اشتراک ہے اور ایک دوسرے پر منطبق ہوتے ہیں، یعنی جو کچھ اسماو صفات میں مضمر ہے وہی حقائق ممکنات میں ظاہر ہوتا ہے۔

اس صورت حال میں حقائق ممکنہ اور حقائق اسما میں نسبت تضاد نہیں ہوگی، بلکہ ان دونوں کے مقابلے میں جو اضداد ہوں گے ان میں تقابل پایا جائے گا اور اس نسبت سے انہیں اضداد مقابلہ کہنا چاہئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جہاں تک اسماء وصفات کا تعلق ہے ان میں جو حقائق مضمر ہیں وہ تو بدرجہ غایت قوت وفعلیت لئے ہوئے ہیں اور قوی اور صلاحیتیں جنھوں نے ابھی وجود کا جامہ نہیں پہنا، بوجہ عدم کے بدرجہ غایت کمزور اور ضعیف ہیں۔ گویا کچھ امور ثابتہ ہیں جن کے ڈانڈے ایک طرف تو اسماو صفات سے ملے ہوئے ہیں اور دوسری طرف اعدام متقابلہ سے۔

اب جو لوگ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ظہور کائنات کے سلسلے میں اصل شے اسماء وصفات ہیں وہ دو طرح سے اس مفہوم کو ادا کریں گے، اور ادا و اظہار کے یہ دونوں اسلوب صحیح ہوں گے۔ یہ کہ حقائق ممکنہ اسماء وصفات ہی کا دوسرا نام ہے جو مرتبہ علم میں متمیز و واضح ہیں، اور یہ کہ حقائق ممکنہ اسما وصفات کے عکوس وظلال ہیں جو اعدام متقابلہ میں ارتسام پذیر ہو گئے ہیں۔

(۴) تعبیر کا یہ نہج بھی قدرے تمہید کا مقتضی ہے۔ یہ واضح رہے کہ یہاں حقائق ممکنہ کا لفظ نسبتاً محدود معنوں میں استعمال ہوا ہے اور اس کا دائرہ صرف سالک کے احوال تک سمٹا ہوا ہے، پوری کائنات تک وسعت پذیر نہیں۔ صاحب ''لمعات'' اسماء وصفات کو معشوق قرار دیتے ہیں، حقائق ممکنہ کو عاشق ٹھہراتے ہیں اور اس مرتبہ علیا کو جو ان سب میں ظاہر و باہر ہے لفظ عشق سے موسوم کرتے ہیں۔

اب اگر صورت حالات یہ ہو کہ معشوق خود عاشق کی طرف بڑھے (یا باصلاح صوفیا تدلی اختیار کرے)، یعنی عاشق کو اپنی طرف کھینچے اور محبت وجذب سے نوازے، تو سالک کو اس کیفیت کے پیش نظر ''مجذوب''، ''مراد'' اور ''محبوب'' کہا جائے گا جیسے حضرت ابراہیمؑ کے قصے سے عیاں

ہے کہ عنایت حق نے خود ان کی رہنمائی فرمائی اور ان کو یہ بات سمجھا دی کہ جو شے آفات و ذمائم سے دو چار ہو رب والہ نہیں ہو سکتی، رب والہ کیلئے ضروری ہے کہ نقص وعیب کی ان آلائشوں سے منزہ ہو۔

اکثر یوں بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص اللہ کی طرف ریاضت ومجاہدہ اور نفس وروح کی تجرید کے ذریعہ بڑھتا ہے۔ اس صورت میں اسے مرید، محب اور سالک کہنا چاہیۓ۔

تیسری شکل یہ ہے کہ کچھ ذات تدلی اختیار کرتی ہے اور کچھ سالک ترقی کناں ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک نقطۂ اتصال پر جمع ہو جاتے ہیں، ایسے خوش نصیب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ سالک ہے، مجذوب اور محبّ ہے مگر شان محبوبی لئے ہوئے۔

اس کلام کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ شخص اکبر کے دل میں تجلی افروز ہوتا ہے۔ یہ تجلی اس شان کی ہوتی ہے کہ اس کا انشراح وانبساط حظیرۃ القدس تک کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہوتا ہے اور اسی کے عکوس وظلال ملاء اعلیٰ کے سینوں پر سایہ فگن ہوتے ہیں اور تجلی کی یہی وہ قسم ہے جس پر کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء وصفات کا انطباق ہوتا ہے۔ نیز تجلی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے علم وارادہ میں وقتاً فوقتاً تجدد درونما ہوتا رہتا ہے اور یہی وہ تجلی ہے جو اپنے جملہ مضمرات کے ساتھ سالک یعنی معشوق اور مطلوب ہے، اس لئے کہ نفوس بشریہ اسکی طرف مقناطیس کی طرح جذب وکشش کے داعیوں کو محسوس کرتے ہیں، ہم اس حقیقت کا ذکر مقالے کے شروع میں کر آئے ہیں۔

یہی تجلی سیر وسلوک کی منزل ہے اور یہی اتصال کی وہ کڑی ہے جس کے حصول کے لئے صوفیا کوشاں رہتے ہیں، کبھی کبھی غیب سے ایسے اسباب بھی پیدا ہو جاتے ہیں کہ حق اپنے کسی بندے کو اس وقت اپنی خوشنودیوں کے لئے چن لیتا ہے جب کہ وہ نفس کی بندگی میں مبتلا ہوتا ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی۔ ایسے شخص کو اصطلاح میں ”مراد“ کہا جاتا ہے۔ اکثر یہ درجہ ریاضات ومجاہدات کی سختیاں جھیلنے اور نفس وروح کی تجرید سے حاصل ہوتا ہے۔ عرفان کا یہ مقام ہر شخص کی جبلت میں پہلے سے موجود ہوتا ہے مگر اس کو پانے کی توفیق کسی کسی کو ہی میسر ہوتی ہے۔ اس شخص کو ”مرید“ کے لفظ سے پکارا جاتا ہے۔ ایک مقام ان دونوں کا جامع ہے جس میں دو طرفہ دواعی کو تحریک ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے لطف وعنایت اور اختیار واختبار کو بس جنبش ہوتی ہے اور سعی وطلب کے تقاضے بھی بیدار ہوتے ہیں۔ چنانچہ کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک شخص بیک

وقت دونوں انداز کی سعادتوں سے دوچار ہے، سعی وطلب اور ریاضت ومجاہدہ کے انوار بھی ہیں اور غیب سے سامان لطف کی فراوانیاں بھی جو پکڑ پکڑ کر سالک کو قرب واتصال کی سرحدوں کی طرف دھکیل رہی ہیں، ایسی صورت میں کہا جاتا ہے کہ یہ شخص معرفت کے دونوں مرتبوں کا حامل ہے اور سلوک کے دونوں مشربوں میں امامت کے درجہ پر فائز ہے۔ اس کے معاملے میں کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اس تجلی کے بعض پہلو اس پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اس لحاظ سے اسے ''مجذوب'' کہا جاتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تجلی کے اس خاص پہلو نے اسے اپنی طرف جذب کر لیا ہے مثلاً اسماء وصفات کے نقطہ نظر سے ہوسکتا ہے کہ کوئی ایک اسم یا صفت اس کے احوال پر چھا جائے۔ اس صورت میں اس کے جذب کو اس اسم کی طرف منسوب کیا جائے گا، غرض یہ ہے کہ ایک عارف خوب جانتا ہے کہ ''اعیان ثابتہ'' میں سے اس کی استعداد کس تعین کے لئے زیادہ موزوں ہے اور پھر وہ اسی اسم کی پیروی اور نہج پر زندگی کی بازی لگا دیتا ہے، مثلاً اگر اس پر صفت رحمان کا غلبہ ہے تو اصطلاح میں کہا جائے گا کہ اس نے اسم رحمان کی حقیقت کو اپنا لیا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ یہ کہنا کہ حقائق ممکنات دراصل عکوس وظلال ہیں، جو اعدام متقابلہ میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں، کسی طرح بھی شیخ ابن العربیؒ کی تصریحات کے خلاف نہیں۔ ہم مسئلے کے اس پہلو کی طرف پہلے اشارہ کر آئے ہیں اس لئے دوبارہ انہیں نقل کر کے تکرار کے مرتکب نہیں ہونا چاہیے۔

نیز حقائق ممکنات کو ان معنوں میں اسماء وصفات کے عین مترادف قرار دینا کہ وجود خارجی میں بہر حال انکے عکوس وظلال پائے جاتے ہیں جنہیں اعیان ممکنات کہا جاتا ہے، کسی انداز سے بھی شیخ مجددؒ کی تصریحات کے منافی نہیں۔ اسی طرح اگر شیخ کے قول کو ہم یہ معنی پہنائیں کہ ہر صفت واسم سالک کے لئے بمنزلہ رب اور مقصود ومنزل کے ہے کہ جس کی طرف اس کے سعی وطلب کے قدم بڑھنا چاہئیں، تو اس صورت میں بھی منافات وتعارض کا کوئی اندیشہ پایا نہیں جاتا۔ ہم اگر چاہیں تو دونوں بزرگوں کے اقوال کو بکثرت اس سلسلے میں پیش کر سکتے ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ حضرت مجددؒ نے شیخ العربیؒ اور اس کے بعض اتباع کے اقوال کو اپنے وجدان کے خلاف محسوس کیا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ ایک ایسی لغزش ہے جس کا کشف

کی لغزش سے کوئی تعلق نہیں اور پھر جہاں تک اس طرح کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں کا تعلق ہے ان سے محفوظ بھی کوئی رہ سکتا ہے۔ اس لیئے ان لوگوں کے مقام بلند میں ہرگز کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ابن العربیؒ کے اس قول میں بھی یہاں کوئی اعتراض کا پہلو نظر نہیں آتا کہ صوفیاء صفات ثمانیہ میں تمیز و اختلاف کے قائل نہیں، بلکہ ان کے نزدیک صفات عین واجب الوجود ہیں، کیونکہ ہمیں اس کے خلاف متکلمین کی عقلی و نقلی کوئی دلیل نہیں ملی۔ ہم اس قول کو دو وجہ سے حق بجانب ٹھہراتے ہیں۔

(۱) صفات کے باب میں زیادہ سے زیادہ جو بات صحت و استواری لیئے ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ایسی حقیقت ضرور پائی جاتی ہے، عرفاً اور لغتاً جس کو سمیع و بصیر وغیرہ کہا جا سکتا ہے، لیکن یہ کہ یہاں صفات متمائزہ کا بھی وجود ہے اور یہ صفات ذات سے علیحدہ ایک مستقل حیثیت کی حامل ہیں، اس کی طرف قلب و ذہن ملتفت نہیں ہو پاتا، قلب و ذہن صرف آثار و نتائج کو دیکھتا ہے، فلسفیانہ تدقیقات کو نہیں۔

چنانچہ ہم جب کسی شے کو دیکھتے ہیں کہ متحرک ہے، چل رہی ہے اور اپنے اعمال و افعال کو حسن و جمال کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کر رہی ہے تو ہم بغیر ذات و صفات کے چکر میں پڑے کہہ دیتے ہیں کہ یہ زندہ ہے اور حیات و شعور سے بہرہ مند ہے اور قطعی یہ نہیں سوچتے کہ یہ صفات ذات سے زائد اور علیحدہ ہیں یا عین ذات ہیں۔

(۲) جہاں تک عقل و شعور کا تعلق ہے اس کا فتویٰ یہی ہے کہ اس کی ذات گرامی سے آثار و نتائج کا برابر صدور ہوتا رہتا ہے، رہی یہ بات کہ یہ صفات ذات سے الگ وجود رکھتی ہیں، تو اس کا کوئی تعلق عقل و خرد کے تقاضوں سے نہیں، بلکہ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو کہا جائے گا کہ صفات کو بمنزلہ اغراض کے قرار دینا اور یہ کہنا کہ یہ انہی کی طرح اپنے محل و موصوف کے ساتھ وابستہ ہیں، اچھی خاصی تشبیہ کا مرتکب ہونا ہے۔

ممکن ہے کچھ لوگ اسے اہل سنت کا مذہب قرار دیں مگر ہمارا جواب یہی ہوگا کہ یہ صحیح نہیں، کیونکہ اہل سنت کا اطلاق معنی کے اعتبار سے نسبتاً محدود ہے، اس سے مراد صرف وہ قرون ہیں جن کے خیر ہونے کی گواہی خود آنحضرت صلعم نے دی ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ ان میں کوئی شخص ایسا

نہیں جس نے کہ صفات کو بحث وفکر کا موضوع ٹھہرایا ہو اور یہ کہا ہو کہ یہ ذات خداوندی سے الگ وجود رکھتی ہیں، یا عین ذات ہیں۔ اور پھر اگر بر سبیل تاویل کسی نے ان کو غیر ذات سمجھا ہے تو اس پر مطلق بحث نہیں کی۔ یہ زیادت امور انتزاعی سے تعلق رکھتی ہے یا امور خارجی سے، ہاں متاخرین کے ایک گروہ نے جو اہل سنت ہونے کا مدعی ہے البتہ صفات پر بحث کی ہے۔ ان لوگوں کے اس فعل کو ہم بدعت نہ سمجھیں اور یہ نہ کہیں کہ یہ سلف کے بعد کی اختراع ہے، جب بھی یہ ضرور کہیں گے کہ ہم ان سے اس باب میں اتفاق رائے نہیں رکھتے۔ **ھم رجال ونحن رجال** (وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں)۔

اسی طرح شیخ کے اقوال میں جو اس نوعیت کا اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ عالم موجود خارجی ہے جو ظلیت وانعکاس لئے ہوئے ہے یا اس کی حیثیت اس موہوم کی ہے جس کو استواری واستحکام سے نوازا گیا ہے، زیادہ اہمیت کا حامل نہیں، کیونکہ ان کی تہہ میں یہ عقیدہ مضمر ہے کہ وجودات خاصہ تحقق پذیر ہیں جن سے کہ آثار ونتائج کا صدور ہوتا ہے۔

اور اگر تم مجھ سے صحیح بات دریافت کرو تو میں کہوں گا کہ جہاں تک ذات الٰہی کا تعلق ہے وہ اس سے بالا ومنزہ ہے کہ خارج یا اعیان میں پائی جائے، اس لئے کہ خارج تو خود نفس رحمان سے تعبیر ہے اور ''اعیان'' اس کی ذات پر دلالت کناں ہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم تجلی ہے جس کا تعلق خارج سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں جب کہا جاتا ہے کہ وہ خارج میں یا عما (اس حدیث کے اشارہ سے جو آغاز مضمون میں گزر چکی ہے) میں موجود ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس نے ایسی تجلی عظیم کے تحقق کے بعد خارج یا اعیان کو اپنے وجود سے نوازا ہے۔

اس باب میں جو اقوال مختلفہ ہیں، اگر تم مجھ سے ان کی اسنادیں دریافت کرو تو میں کہوں گا کہ ان میں کوئی بات میرے دل میں کھٹک پیدا کرنے والی نہیں۔ میرے نزدیک یہ اختلافات یا انداز وتعبیر سے متعلق ہیں اور یا پھر ان کی حیثیت یہ ہے کہ کچھ چیزیں برمحل یا اپنے مقام وسیاق میں بیان نہیں ہوئی ہیں، ورنہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی صاحب کشف بالکل ہی بے حقیقت بات کہہ دے۔

صفات ثمانیہ کی معنوی توجیہ میرے نزدیک یہ ہے کہ نفس رحمانی کے ان اوائل کو جن میں ذکر اور تجلی

اعظم تمثل پذیر ہوئی ہے اشاعرہ صفات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیا ان کو بالایجاب صادر اور زمانا قدیم مانتے ہیں۔ اصل میں یہ ایک ہی حقیقت ہے کہ جس نے جہات واعتبارات کے اختلاف و بوقلمونی سے کثرت و تعدد کی صورت اختیار کر لی ہے اور جہت واعتبار کے کتنے ہی اختلاف ایسے ہیں کہ جن کو لوگوں نے حقائق کا اختلاف قرار دے دیا ہے، جیسے کہ بیاض اور ابیض ایک ہی حقیقت کے دو معنی ہیں، یعنی بیاض ابیض میں بشرط لا (یعنی بغیر اس شرط کے کہ بیاض کا کوئی ہدف و موصوف ہو) ماخوذ ہے اور ابیض اسی حقیقت پر بشرط شے دلالت کناں ہے، یعنی جہاں لفظ بیان مطلقاً ایک خاص رنگ پر دلالت کرتا ہے وہاں لفظ ابیض بھی اسی رنگ پر صفت کی شکل میں دلالت کرتا ہے۔

بالکل اسی نہج و انداز سے جب ہم اس کی ذات کو حیات سے تعبیر کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس کے علم کا منطقی نتیجہ ہے۔ جب اس کی ذات کو حقائق ممکنات اور علم کی صفت سے متصف گردانتے ہیں، تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کی ذات حقائق اشیا میں تکوین سے قبل تمثل پذیر ہوتی ہے۔ ''قدرت'' کا لفظ بولتے ہیں تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس کی ذات سے تخلیق کائنات کا فعل صادر ہوا ہے۔ جب اس کے لئے ارادہ کو ثابت کرتے ہیں تو اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کی ذات نے دو متساوی الامکان چیزوں میں سے ایک کو ترجیح دی ہے۔ کلام کا اس کی طرف انتساب کرتے ہیں تو اس حیثیت سے کہ انبیا و ملائکہ کے قلب پر اس کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح جب ہم اس کو سمیع و بصیر سے متصف قرار دیتے ہیں تو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ تمام مبصرات و مسموعات کا مبداء انکشاف ہے۔ اسی طرح مولانا جامی کا قول بھی ہمارے نزدیک مان لینے کے لائق ہے (یہ قول بحث کے آغاز میں گزر چکا ہے) اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے سوا تمام حقائق کی اصالت کا انکار کیا جائے اور ان سب کو اعتبارات و اضافات کے حکم میں رکھا جائے، یہ مطلب نہیں کہ وجود حق یا اس کی جلوہ فرمائیوں کا انکار کیا جائے۔ وہ یہ مانتے ہیں کہ حق نے ان میں ظہور فرمایا ہے۔ اسی طرح وہ فرق اعتباری کی بھی نفی نہیں کرنا چاہتے۔ جب ہم سوال کا مکمل و شافی جواب دے چکے تو اس مکتوب کو ختم کرنا چاہیے۔ والحمد للہ اولاً و آخراً و ظاهراً و باطناً وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد و آله و اصحابه اجمعين.

القول الجمیل
فی بیان سواء السبیل

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا سید محمد فاروق قادری

تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مقدمہ	۱۴۹
۲	بیعت	۱۵۱
۳	بیعت کی حیثیت، آداب اور شرائط مرشد	۱۵۴
۴۔	تعلیم وتربیت سالک	۱۶۰
۵۔	اشغال مشائخ قادریہ	۱۶۳
۶۔	اشغال مشائخ چشتیہ	۱۶۹
۷۔	اشغال مشائخ نقشبندیہ	۱۷۴
۸۔	نسبت کی حقیقت	۱۸۴
۹۔	مجرب خاندانی عملیات	۱۸۹
۱۰۔	علمائے ربانی کے آداب وفرائض	۲۰۳
۱۱۔	آداب ومقاصد وعظ ونصیحت	۲۰۸
۱۲۔	مصنف کے سلاسل طریقت	۲۱۲

مقدمہ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے بنی آدم کے دلوں کو فیضان انوار کے قابل اور معارف واسرار کی امانت کے لائق بنایا اور برگزیدہ انبیائے کرام کو ہدایت اور دعوت کے لئے منتخب فرمایا تا کہ وہ عبادات اور اذکار کے حصول اور ان پر عمل پیرا ہونے کے راستے متعین کردیں، پھر اس نے متقی اور جید علمائے کرام کو انبیا کا جانشین اور وارث بنادیا تا کہ وہ ان کے علم اور فیض کو ہمیشہ جاری وساری رکھیں۔

بلاشبہ ان میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق وصداقت کی علمبردار رہے گی اور لوگوں میں سے گم کردہ راہ افراد ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہ لوگ ایسے چراغ ہدایت ہیں جن کے ذریعے مخلوق نفس کے اندھیروں سے نکل کر قرب خداوندی کے راستے پر گامزن ہوتی ہے چنانچہ جو صاحب دل ہے اور اس نے کلام ہدایت توجہ سے سنا، وہ سرفراز ہوا اور دائمی نعمتوں اور جنت کی بہاروں کا مستحق ٹھہرا، البتہ جس نے روگردانی کی اور منہ پھیرا وہ راستے سے بھٹک گیا اور مقام انسانیت سے نیچے گر گیا، اس کے لئے دوزخ اور گرم پانی ہے اور اس کا کوئی مددگار نہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں اور اس سے مدد چاہتے ہیں اور اس سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور اپنے نفس کی حرکتوں اور عمل کی برائیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ اپنی ہدایت کی توفیق ارزانی نہ کرے اسے کوئی راہ پر نہیں چلا سکتا ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں

اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عبد خاص اور رسول ہیں آپ کو اللہ نے حق کے ساتھ بشیر ونذیر بنا کر بھیجا آپ پر اور آپ کے آل واصحاب پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور درود وسلام ہوں۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد بندہ ضعیف، رحمت خداوندی کا امیدوار ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم (اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو اپنی خصوصی رحمت کا سایہ مرحمت کرے اور آخرت میں دائمی نعمت کے خزانے سے سرفراز کرے) عرض کرتا ہے کہ یہ کتاب اصول طریقت اور اس سے متعلق موضوعات پر مشتمل ہے یہ وہ اصول اور قواعد ہیں جنہیں ہم نے اپنے سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ کے مشائخ سے حاصل کیا ہے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوں، میں نے اس کتاب کا نام ''القول الجمیل فی بیان سواء السبیل'' تجویز کیا ہے، اللہ کی ذات ہی میرے لئے کافی اور بہتر کارساز ہے اور گناہوں سے اجتناب اور نیکیوں کی توفیق اسی کے فضل ہی سے ممکن ہے۔

باب ۔ ۱

بیعت

ارشاد خداوندی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا (الفتح ۱۰)

وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، تو جس نے عہد توڑا اس نے اپنے بڑے عہد کو توڑا اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ لوگوں نے آپ ؐ سے بیعت کی، کبھی ہجرت اور جہاد پر، کبھی ارکان اسلام کے قیام اور ادائیگی پر اور کبھی جہاد میں ثابت قدمی پر، اسی طرح بعض مواقع پر سنت کی پیروی، بدعات سے بچنے اور عبادات الٰہی میں ذوق وشوق پر بھی آپ سے بیعت کی گئی۔ صحیح روایات میں آیا ہے کہ آپ نے انصار کی عورتوں سے میت پر بین نہ کرنے پر بیعت لی۔

ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فقرائے مہاجرین سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہیں کریں گے۔ چنانچہ ان میں سے اگر کسی سے دوران سفر کوڑا گر جاتا تو وہ اپنے گھوڑے سے اتر کر اسے اٹھانے کو سوال پر ترجیح دیتا۔ لہٰذا اس بات میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عمل اہتمام اور عبادت کے طور پر ثابت ہے اس کی حیثیت دینی سنت کے طور پر مسلم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زمین پر اس کے خلیفہ، قرآن اور حکمت کے طور پر جو کچھ نازل ہوا اس کے عالم، کتاب وسنت کے معلم اور امت کے مزکی (پاک کرنے والے) تھے۔ چنانچہ آپ نے خلیفہ کی حیثیت سے جو عمل کیا وہ بعد والے خلفا کے لئے سنت قرار پایا اور آپ نے کتاب وسنت کے معلم اور مزکی کی حیثیت میں جو نمونہ پیش کیا وہ علمائے حقانی کے لئے سنت ٹھہرا۔

اب ہم بیعت پر کچھ گفتگو کر لیتے ہیں کہ وہ کون سی قسم سے متعلق ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ بیعت صرف خلافت کے لئے ہو سکتی ہے صوفیائے کرام نے بیعت کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں۔

یہ نظریہ بالکل غلط ہے چنانچہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض دفعہ ارکان اسلام کی اقامت پر بیعت لی ہے۔ بعض دفعہ آپؐ نے سنت کی پیروی پر بیعت لی ہے۔ صحیح بخاری شاہد ہے کہ آپؐ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کی خیر خواہی کے لئے بیعت لی۔ اسی طرح آپ نے انصار کی ایک جماعت سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ اللہ کے بارے میں کسی کی پرواہ نہیں کریں گے اور کسی کا خوف دل میں نہیں لائیں گے اور ہر حال میں حق کا دامن نہیں چھوڑیں گے، چنانچہ ان میں سے ہر شخص امرا اور بادشاہوں پر کھل کر تنقید کرتا تھا۔ اسی طرح آپؐ نے انصار کی عورتوں سے میت پر بین (۱) نہ کرنے پر بیعت لی۔ ان کے علاوہ کئی اور امور پر بیعت ثابت ہے، ظاہر ہے یہ بیعت تزکیہ نفس، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ بیعت کی کئی قسمیں ہیں مثلاً بیعت خلافت، بیعت تقویٰ، بیعت ہجرت، بیعت جہاد، بیعت ثابت قدمی جہاد وغیرہ، دائرہ اسلام میں داخل ہونے پر بیعت بعد والے خلفا کے دور میں متروک رہی۔ اسی طرح خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی اسلام کی بیعت نہیں ہوتی تاہم اس کی وجہ یہ تھی کہ خلفائے راشدین کے دور میں قبول اسلام شان وشکوہ اور حق کے دبدبے اور وقار کی بنا پر تھا جبکہ بعد والے بادشاہوں کے زمانے میں بیعت اسلام اس بنا پر متروک رہی کہ ان میں سے اکثر ظالم اور بدکردار تھے، انہیں احیائے سنت اور اقامت دین سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

---

(۱) نوحہ

اسی طرح تقویٰ اور پرہیزگاری پر بیعت بھی اس دور میں نہیں ہوتی، اس کی وجہ یہ تھی کہ خلفائے راشدین کے دور میں صحابہ کرام بڑی تعداد میں موجود تھے، یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ کے فیض یافتہ اور آپ کی ذات گرامی کی تربیت سے تزکیہ نفوس کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، چنانچہ تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن کے لئے انہیں کسی خلیفہ سے بیعت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ بعد والے بادشاہوں کے دور میں بیعت کا سلسلہ اس لئے نہ چلا کہ کہیں اس سے تفرقے کا دروازہ نہ کھل جائے یا اسے بیعت خلافت نہ سمجھ لیا جائے، اس سے فتنوں کا اندیشہ تھا۔ البتہ اس زمانے میں مشائخ صوفیا بیعت کی بجائے خرقہ پوشی سے دینی مقاصد حاصل کرتے رہے، بعد والے دور میں یہ رسم ختم ہوئی تو مشائخ صوفیا نے موقع غنیمت جان کر سنت بیعت کو دوبارہ لازم پکڑ لیا(۱)۔

---

(۱) لیکن بیعت بالجہاد اور بیعت بالمشائخ میں واضح فرق ہے، بیعت بالجہاد اب عملاً متروک ہے۔ (قاسمی)

باب۔۲

بیعت کی حیثیت آداب اور شرائط مرشد

یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ بیعت واجب ہے یا سنت، یا بیعت کے سنت ہونے میں حکمت کیا ہے، اسی طرح بیعت لینے والے کی اہلیت اور شرائط کیا ہیں، ایفائے بیعت کیا ہے اور بیعت توڑنے سے مراد کیا ہے؟ نیز ایک ہی بزرگ یا دوسرے بزرگوں سے دوبارہ بیعت جائز ہے کہ نہیں، اسی طرح بیعت کے لئے کون سے الفاظ منقول اور متداول ہیں۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ بیعت سنت ہے واجب نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کے ذریعے یقیناً قرب خداوندی حاصل کیا، مگر کسی شرعی دلیل سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ تارک بیعت کو گناہ گار قرار دیا گیا ہو، اس پر ائمہ دین میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے، گویا بیعت کے واجب نہ ہونے پر اجماع ہے۔

اس میں حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اور طریقہ یہ ہے کہ اس نے نفس میں مخفی امور کو ظاہری افعال واقوال سے وابستہ کردیا ہے اور ایک اعتبار سے زبان کو دل اور ضمیر کا ترجمان قرار دیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور قیامت کی تصدیق قلبی مخفی امر ہے چنانچہ یہاں اقرار کو تصدیق قلبی کا قائم مقام بنادیا گیا ہے، اسی طرح خریدار اور دکاندار کا خریدی جانے والی چیز پر رضامندی یا سودا در اصل دلی معاملہ ہے مگر یہاں زبان کو باطن کا قائم مقام بنا کر طے شدہ ظاہری سودے کو تسلیم کرلیا گیا۔ ٹھیک اسی طرح توبہ، گناہوں سے اجتناب کا پختہ ارادہ اور تقویٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنا ایک مخفی اور قلبی معاملہ ہے چنانچہ یہاں بیعت کو اقراراً اس کی پختگی کا قائم مقام بنادیا گیا ہے۔

مرشد کی اہلیت اور شرائط میں سب سے پہلی اور ضروری بات یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کا علم رکھتا ہو، اس سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ وہ ان علوم میں چوٹی کی مہارت رکھتا ہو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے ضروری علوم سے باخبر ہو مثلاً تفسیر مدارک یا جلالین یا اس قسم کی کوئی اور کتاب کسی جید عالم دین سے سمجھ چکا ہو، قرآن مجید کے مطالب ومعانی، اس کی لغات مشکلہ، شان نزول، اعراب اور قصص وغیرہ سے باخبر ہو، اسی طرح احادیث میں کم از کم وہ مشکوٰۃ المصابیح کو اچھی طرح سمجھ کر پڑھ چکا ہو، نیز اسے اس کے معانی، محاورات، مشکل اور نادر تراکیب سے واقفیت ہو، نیز وہ اعراب مشکل اور تاویل معضل کے سلسلے میں فقہا کی آرا سے مطابقت سے باخبر ہو (مشکل سے مراد وہ دشوار لفظ ہے جو باعتبار لفظ اور ترکیب نحوی پیچیدہ ہو اور معضل وہ ہے جس کے معنی مشتبہ ہوں کسی ایک معنی کی تعیین نہ ہو سکتی ہو)

اس کے لئے قرآن مجید کا حافظ ہونا یا راویوں کے حالات سے باخبر ہونا ضروری نہیں، آپ جانتے ہیں کہ تابعین اور تبع تابعین حدیث مرسل اور حدیث منقطع بھی قبول کر لیتے تھے، مقصد یہ ہے کہ حدیث کے بارے میں اس بات کا پختہ یقین ہو جائے کہ اس کی اسناد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہے۔

اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ شیخ (مرشد) اصول فقہ، علم کلام اور فقہ وفتویٰ کی معمولی جزئیات تک سے واقف ہو، ہم نے ابتدا میں شیخ کے لئے علم ضروری قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بیعت سے اصلی غرض اور مقصود یہ ہے کہ مرید کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور قلبی سکون اور باطنی فیضان کے لئے اس کی رہنمائی کرے، اسی طرح اسے بری عادات وخصائل سے نجات دلائے اور اس میں اچھے اخلاق وعادات پیدا کرے تاکہ وہ یہ تمام چیزیں اپنے اندر جذب کر کے ان پر عمل پیرا ہو، اب جو شخص خود عالم نہیں ہے وہ یہ سارا کام کس طرح انجام دے گا۔

اس بات پر سارے مشائخ صوفیا متفق اللسان ہیں کہ وعظ وتقریر صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو قرآن وحدیث جانتا ہو، سوائے اس کے کوئی چارہ کار نہیں، البتہ اگر کوئی ایسا شخص جس نے ظاہری علوم زیادہ حاصل نہ کئے ہوں مگر اس نے ایک لمبا عرصہ صاحب تقویٰ علما کی صحبت اٹھائی ہو، ان سے تربیت حاصل کی ہو اور وہ حلال وحرام کی تحقیق وتفتیش کے بارے میں انتہائی مستعد ہو،

کتاب وسنت کے مقابلے میں کسی چیز کو اہمیت نہ دیتا ہو، شاید سلوک وارشاد کا فریضہ انجام دینے میں یہ چیزیں اس کے لئے کافی ثابت ہو جائیں۔

مرشد کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ عدل وانصاف اور تقویٰ کے بلند مرتبے پر فائز ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کبیرہ گناہ سے آزاد اور صغیرہ گناہوں پر اڑنے والا نہ ہو۔

مرشد کے لئے تیسری شرط یہ ہے کہ وہ دنیا کے مقابلے میں آخرت کو ترجیح دیتا ہو، اور اس کی طرف راغب ہو، موکد عبادات پابندی سے ادا کرتا ہو، اور صحیح احادیث میں وارد ذکر واذکار پر عامل ہو، ہمیشہ اپنے دل میں اللہ سے لو لگائے رکھے اور اسے یادداشت کی مشق کامل حاصل ہو۔

مرشد کے لئے چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ ہمیشہ نیکی کا حکم دیتا رہے اور برائی سے روکتا رہے۔ صائب الرائے اور صاحب الرائے ہو مستقل مزاج ہو، نہ کہ ہرجائی، صاحب مروت اور عقل کامل کا مالک ہوتا کہ امر ونہی کے سلسلے میں اس پر اعتماد کیا جا سکے۔

ارشاد خداوندی ہے۔

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ

”ایسے گواہ جن کو پسند کرو“۔ (البقرہ:۲۸۲)

اس سے صاحب تلقین وارشاد (مرشد) کے بارے میں عدالت وتقویٰ کی اہمیت وضرورت کا اندازہ آپ خود کرلیں۔

مرشد کے لئے پانچویں شرط یہ ہے کہ وہ طویل عرصہ تک مسلمہ مشائخ کی صحبت اور تربیت سے فیض حاصل کر چکا ہو، اس نے دوران تربیت مشائخ سے باطنی نور اور قلبی سکون کی دولت حاصل کی ہو، یہ اس لئے کہ سنت الٰہی کے مطابق انسان اس وقت تک فلاح حاصل نہیں کرتا جب تک اس کا تعلق اور واسطہ فلاح یافتہ افراد سے نہ پڑے، جس طرح علما کی تعلیم وتدریس کے بغیر کوئی بھی علم حاصل نہیں کرسکتا۔ یہی صورت باقی پیشوں اور ہنروں میں ہے۔

اس معاملے (سلوک وارشاد میں) کرامات اور خوارق عادات کا ظہور ضروری ہے اور نہ شرط، اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ مرشد گزر بسر کے لئے کوئی دنیوی کام نہ کرے، کرامات اور خرق عادات، مجاہدات کا نتیجہ ہے کمال کی شرط نہیں ہے، مغلوب الحال لوگوں کو دلیل نہ بنایا جائے، سنت

یہ ہے کہ تھوڑے پر قناعت اور شبہات کے مواقع سے پرہیز کی جائے۔

بیعت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بالغ، عاقل ہو اور اس معاملے میں شوق اور دلچسپی رکھتا ہو، حدیث میں آیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لئے ایک بچہ پیش کیا گیا، آپؐ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، دعا فرمائی مگر اس سے بیعت نہ لی۔ بعض مشائخ صوفیا، تبرک اور نیک فال کے طور پر چھوٹے بچوں کی بیعت بھی درست سمجھتے ہیں۔

مشائخ کے ہاں بیعت کا جو سلسلہ جاری ہے اس کی تین صورتیں ہیں مثلاً گناہوں سے توبہ پر بیعت، اسناد حدیث کے سلسلے کی طرح مشائخ کے سلسلے میں شامل ہونے اور برکت حاصل کرنے کی نیت سے بیعت اور احکام الٰہی پر صدق دل اور مصمم ارادے کے ساتھ عمل پیرا ہونے اور دل کو اللہ جل شانہ سے وابستہ کرنے کے عزم پر بیعت اور یہی تیسرا طریقہ اصل اور مقصود ہے۔

پہلی دونوں صورتوں میں بیعت کی تکمیل اور اسے پورا کرنے یا اس کے ساتھ وفاداری نبھانے سے مراد یہ ہے کہ مرید کبیرہ گناہوں سے بچے صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرے، فرائض، سنن اور مستحبات کی پابندی کرے، بیعت توڑنے یا اس عہد سے باہر نکل جانے سے مراد یہ ہے کہ مریدان ساری باتوں سے روگردانی کرے۔

تیسری صورت میں بیعت کے عہد کو نبھانے اور اسے پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ مرید ریاضت ومجاہدہ میں اتنی محنت کرے کہ بالآخر وہ اطمینان اور یقین کے نور سے منور ہو جائے، یہاں تک کہ یہ ساری چیزیں بطور عادت اور فطرت اس سے صادر ہونے لگیں اس حالت میں بعض دفعہ سالک کو ایسی چیزوں کی اجازت دی جاتی ہے، جن کی شریعت نے اجازت دی ہے اس میں بعض جسمانی فائدہ بخش چیزیں یا ایسی چیزیں جن کی ضرورت پڑتی ہے شامل ہیں مثلاً علوم دینی کی تدریس وتعلیم یا عہدۂ قضا، اس بیعت یا عہد کو توڑنا یہ ہے کہ مرید مذکورہ امور سے عمداً غافل ہو جائے۔

دوبارہ بیعت کرنا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسری بار بیعت لینا ثابت ہے۔ اسی طرح مشائخ صوفیا سے بھی دوسری دفعہ بیعت لینا منقول ہے اگر دوسرے مرشد سے بیعت پہلے پیر میں کسی خلل یا غیر مشروع بات ظاہر ہونے کی وجہ سے ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی طرح

مرشد کی وفات یا اس کے اس طرح غائب ہو جانے کی صورت میں بھی کوئی حرج نہیں جس میں اس کی واپسی کی امید باقی نہ رہی ہو، البتہ بلا وجہ دوسرے شیخ سے بیعت کرنا اسے ایک کھیل سمجھنا ہے، اس طرح نہ تو برکت حاصل ہوتی ہے اور نہ ہی مشائخ دلی توجہ کرتے ہیں۔

بیعت کے الفاظ: مشائخ سلف سے بیعت کا جو طریقہ بیان ہوا ہے اس کے مطابق پہلے شیخ خطبہ مسنونہ پڑھے جو یہ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّـئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ.

اس کے بعد مرید کو ایمان کی اجمالاً تلقین کرے اور کہے کہ کہو، میں ایمان لایا اللہ پر اور ایمان لایا اس پر جو کچھ اللہ کی طرف سے آیا، مراد خداوندی کے مطابق اور میں ایمان لایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ کے پاس آیا آپ کی تشریح اور مراد کے مطابق اور دین اسلام کے سوا میں تمام دینوں سے برأت کا اظہار کرتا ہوں اسی طرح میں ہر قسم کے گناہوں اور نافرمانی سے توبہ کرتا ہوں، میں اسلام کی تجدید کرتا ہوں اور کہتا ہوں۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اس کے بعد مرید سے کہے، کہو

میں نے بیعت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے خلفا کے واسطے سے، پانچ باتوں پر اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اس گواہی پر کہ کوئی معبود برحق نہیں سوائے اللہ کے اور حضرت محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور نماز کے قائم کرنے پر اور زکوٰۃ کے دینے پر اور رمضان کے روزوں پر اور استطاعت کی صورت میں حج بیت اللہ پر، پھر مرید سے کہے، کہو۔

میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے خلفا کے واسطے سے اس بات پر بیعت کی کہ میں اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کروں گا، چوری نہ کروں گا، بدکاری نہیں کروں گا، قتل نہیں

کروں گا اور اپنی طرف سے کسی پر بہتان نہیں لگاؤں گا اور کسی امر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں کروں گا، اس کے بعد قرآن مجید کی یہ دو آیتیں پڑھے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدہ: ۳۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اور اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (الفتح ۱۰)

وہ جو تو آپؐ سے بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے، تو جس نے عہد توڑا اس نے اتنے بڑے عہد کو توڑا اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ سے کیا تھا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔

اس کے بعد مرشد اپنے لئے، اپنے مرید کے لئے اور حاضرین کے لئے دعا کرے اور کہے **بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ وَنَفَعَنَا وَاِيَّاكُمْ** " اس کے بعد اس تلقین میں کوئی حرج نہیں ہے مرید سے کہے، کہو"

میں نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اختیار کیا جو منسوب ہے شیخ اعظم قطب اکمل خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ سے یا میں نے سلسلہ عالیہ قادریہ اختیار کیا جو منسوب ہے حضرت سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یا میں نے سلسلہ عالیہ چشتیہ اختیار کیا جس کی نسبت ہے حضرت شیخ معین الدین سجزی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ، بار الہ ہمیں اس سلسلے کی برکات نصیب کر اور ہمیں اس سلسلے کے اولیاء اللہ کے ساتھ اٹھا، اے ارحم الراحمین اپنی رحمت سے یہ توفیق ارزانی فرما۔

میں نے اپنے والد گرامی سے سنا، آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، آپ نے میرے دونوں ہاتھ اپنے دونوں مبارک ہاتھوں میں کر لئے۔ چنانچہ میں بیعت کے وقت خواب کے مطابق مصافحہ کرتا ہوں، البتہ عورتیں بیعت کے وقت کپڑے کا ایک کونہ پکڑ لیں جبکہ دوسرا کونا مرشد اپنے ہاتھوں میں لے لے۔ واللہ اعلم۔

باب ۔ ۳

تعلیم و تربیت سالک

سالکین کی تربیت کے کئی درجے ہیں، سب سے پہلی اور اہم بات یہ ہے کہ شیخ سالک کے فکر و عقیدے میں تبدیلی لائے، جب بھی کوئی شخص اللہ کے راستے پر چلنے کے سلسلے میں شوق اور آمادگی ظاہر کرے اسے سلف صالحین کے عقیدے کے مطابق اپنے نظریات صحیح کرنے پر تیار کرے، واجب الوجود کے اثبات، اس کی وحدانیت اور معبود برحق ہونے کا عقیدہ اس کے ذہن میں بٹھائے اور یہ کہ وہ تمام صفات کمال مثلاً حیات، علم، قدرت، ارادہ اور دوسری تمام ایسی صفات جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو متصف فرمایا ہے ان کا مالک ہے، اسی طرح وہ تمام صفات کمال جو مخبر صادق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات کے ذریعے ثابت ہیں صحیح اور حق ہیں۔ اسی طرح وہ اس بات کا عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نقص اور کمی کی تمام صورتوں مثلاً جسم، احتیاج مکانی، غرض ہونے، طرف اور جہت میں ہونے اور الوان و اشکال سے منزہ اور پاک ہے۔

البتہ اس کے عرش پر متمکن ہونے، ہنسنے اور اس کے ہاتھوں کے سلسلے میں جو اشارات وارد ہوئے ہیں ہم اجمالی طور پر ان پر ایمان رکھتے ہیں، مگر ان کی تفصیلات علم الٰہی پر چھوڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان چیزوں کی طرف نسبت ہمارے تصور نسبت سے بالکل مختلف ہے سچ یہ ہے کہ

لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ وَّهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ

ہمارے لئے اس قدر بس ہے کہ یہ چیزیں اس کے لئے ثابت ہیں جیسا کہ قرآن مجید شاہد ہے۔

اسی طرح شیخ مرید کے ذہن میں یہ عقیدہ جاگزیں کر دے کہ تمام انبیائے کرام برحق ہیں۔

خصوصاً ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول ہیں، آپ کی تابعداری اور اطاعت فرض ہے، آپ نے جن چیزوں کا حکم فرمایا، جن باتوں سے منع فرمایا، جو کچھ آپ نے بیان فرمایا، چاہے اس کا تعلق ذات و صفات خداوندی سے ہے یا مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے سے، اسی طرح جنت، دوزخ، حشر، حساب، قیامت، عذاب قبر، حوض کوثر، صراط، میزان اور رویت الٰہی سے متعلق جو کچھ آپ سے صحیح روایات کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے سب حق اور درست ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

عقائد کی تصحیح کے بعد مرشد مرید پر اپنی توجہ مبذول کر کے اسے کبیرہ گناہوں سے اجتناب اور صغیرہ گناہوں پر ندامت کے لئے تیار کرے، سچ یہ ہے کہ کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جس کے بارے میں قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں دوزخ، عذاب شدید کی وعید آئی ہے اور جو محدثین کے نزدیک واضح اور مشہور ہو یا اس کے مرتکب کو کافر قرار دیا گیا مثلاً آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جس نے جان بوجھ کر نماز قضا کی اس نے کفر کیا، دوسری جگہ فرمایا گیا کہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان فرق نماز ہے، جس نے اسے چھوڑا اس نے کفر کیا یا کبیرہ وہ گناہ ہے جس کے مرتکب پر شریعت میں حد مقرر کی گئی ہے مثلاً چوری، زنا، رہزنی، شراب نوشی، اسی طرح ہر وہ گناہ جو عقل کے نزدیک برائی میں کبیرہ کے برابر یا اس سے بڑا ہے کبیرہ میں شامل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا عبادت میں یا روزی میں شفا وغیرہ کے سلسلے میں غیر اللہ سے مدد چاہنا، چنانچہ ان باتوں سے بچنے کیلئے اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح کاہن کی تصدیق، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی، قرآن مجید اور فرشتوں کے بارے میں سطحی گفتگو یا تمسخر بھی کبیرہ گناہوں کے ذیل میں آتے ہیں۔ ان کے علاوہ نماز، روزہ اور فرضیت کے باوجود حج ایسی ضروری عبادات کا ترک، قتل ناحق، اپنی اولاد کا قتل اور خودکشی بھی کبیرہ گناہ ہیں۔

اسی طرح زنا، لواطت، منشیات کا استعمال، چوری، ڈاکہ، سرکاری مال کی چوری، جھوٹی گواہی، جھوٹی قسم، پاک دامن عورت پر بدکاری کی تہمت، یتیم کا مال کھانا، والدین کی نافرمانی، قطع رحمی، ناپ تول میں کمی، سود خوری، میدان جہاد سے فرار، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹی بات منسوب کرنا، عدالتی امور میں رشوت لینا، محرکات سے نکاح کرنا، بدرویہ مردوں عورتوں کے

درمیان معاملات کرانا، حاکم کو بھڑکانا تاکہ وہ قتل کرے یا کسی کی جائیداد ضبط کر لے، دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کرنا، کافروں سے دوستی رکھنا اور مسلمانوں کے مقابلے میں ان کا خیر خواہ بننا، جوا کھیلنا اور جادو کرنا سب گناہ کبیرہ ہیں۔

گناہ صغیرہ وہ ہیں جن سے شریعت نے منع کیا ہے یا وہ کسی جائز حکم کے خلاف ہیں، ان سے دین کے کسی مسلم حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو۔

اس کے بعد مرشد مرید کی زندگی میں ارکان اسلام مثلاً طہارت، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کی محبت اور ان پر عمل کا جذبہ پیدا کرے، یہ ارکان مرید سے ان آداب خصوصیات اور طریقوں کے مطابق ادا کرائے جائیں جس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے۔

اس کے بعد شیخ سالک کی زندگی کے عمومی مسائل مثلاً کھانا پینا، لباس، کلام، مخلوق کے ساتھ میل جول وغیرہ پر نگاہ کرے اور ساتھ ہی اس کے خانگی معاملات مثلاً نکاح، نوکروں چاکروں کے حقوق اور اولاد کے حقوق کی اہمیت اس پر واضح کرے، اس کے بعد معاملات مثلاً خرید و فروخت، عہد و پیمان اور ہر قسم کے لین دین پر اس کی اس طرح تربیت کرے کہ وہ سنت نبوی کے مطابق بغیر سستی اور بوجھ کے صحیح صحیح ادا کرنے لگے۔

اب مرشد سالک کو صبح، شام اور رات کے وقت کے اذکار و اوراد کی تعلیم دے، اسی طرح اسے اخلاقی فضائل اور آداب سے آراستہ کرے، ریا، خود پسندی، حسد، کینہ وغیرہ سے اسے نجات دلائے اور اس میں قرآن مجید کی تلاوت، آخرت کی یاد، ذکر و فکر کی مجالس سے محبت اور مسجد سے تعلق خاطر پیدا کرے جس وقت مرید یہ آداب حاصل کر لے اور اس منزل پر آ جائے تو اب اسے اشغال باطنی میں لگانا چاہیے، اب سالک ہر وقت اپنا دل اللہ سے لگائے رکھے اور نگاہ دل سے اس کے جمال میں مستغرق رہے۔

طوالت کے خوف سے ہم نے ان امور کا تفصیلی ذکر اس توقع اور امید پر چھوڑ دیا ہے کہ سالک قرآن مجید، حدیث مبارکہ، فقہ اور اوسط درجے کی کتابوں مثلاً "ریاض الصالحین" عقیدہ عضدیہ وغیرہ سے خود واقف ہے اور ان کا علم رکھتا ہے اگر کسی کو ان کتابوں سے براہ راست واقفیت میں دشواری ہو تو اسے چاہیے وہ کسی معتبر عالم دین سے دریافت کر لے۔

باب ۔۴

اشغال مشائخ قادریہ

مشائخ قادریہ، پیشوائے سلسلہ شیخ ابومحمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے مریدین ہیں، یہ حضرات سب سے پہلے جس چیز کی تلقین کرتے ہیں وہ ذکر بالجہر ہے، ذکر جہری سے مراد بہت بلند آواز سے ذکر کرنا نہیں ہے، چنانچہ اس طرح آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی خلاف ورزی نہیں ہوتی جس میں آپ نے فرمایا ہے۔ اپنے آپ پر نرمی کرو تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو۔

ذکر جہری میں ایک صورت اسم ذات (اللہ) کا ذکر ہے وہ یا تو ایک ضرب سے ہو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسم ذات یعنی اللہ کو سختی، درازی اور بلند آواز سے دل اور حلق دونوں کی قوت کے ساتھ ادا کرے، پھر ٹھہر جائے، یہاں تک کہ ذاکر کی سانس اپنے ٹھکانے پر واپس آجائے پھر اسی طرح بار بار ذکر کرتا رہے۔

یا ذکر دوضربی ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کی نشست پر بیٹھے اور اسم ذات کو ایک بار داہنے زانو میں اور دوسری بار دل پر ضرب کرے اور اسے بغیر وقفہ کے بار بار کرے مناسب یہ ہے کہ ضرب قلبی قوت اور سختی کے ساتھ ہو تاکہ دل پر اثر ہو اور اس میں یکسوئی پیدا ہو، پریشان خاطری اور وسواس رفع ہوجائیں۔

یا ذکر سہ ضربی ہو، اس کی صورت یہ ہے کہ چارزانو بیٹھے ایک بار، داہنے زانو میں دوسری بار بائیں زانو میں اور تیسری دفعہ دل میں ضرب کرے اور ضرب سخت تر اور بلند تر ہو۔

اور ذکر چارضربی کی شکل یہ ہے کہ چارزانو بیٹھے، ایک بار داہنے زانو میں، دوسری بار بائیں

زانو میں، تیسری بار دل میں اور چوتھی بار اپنے سامنے ضرب کرے چوتھی ضرب سخت تر اور بلند تر ہو۔

ذکر جہری میں ایک صورت نفی و اثبات کی ہے اور وہ ہے لا الٰہ الا اللہ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ نماز کی صورت میں قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور اپنی آنکھیں بند کر لے، لا کہے گویا اسے اپنی ناف سے نکالتا ہے، پھر اسے کھینچے یہاں تک کہ داہنے کندھے تک پہنچے، پھر الہ کہے گویا اسے دماغ کی جھلی سے نکالتا ہے، پھر الا اللہ کو دل پر شدت اور قوت کے ساتھ ضرب کرے اور ذات حق کا اثبات کرے۔ ہوسکتا ہے یہاں سوال پیدا ہو کہ آخر ضربات، انہیں سختی اور درازی کے ساتھ ادا کرنے اور انہیں مختلف مقامات سے دیگر جگہوں تک لے جانے میں کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں، میں عرض کرتا ہوں کہ انسانی فطرت ہے کہ اس کی توجہ مختلف چیزوں اور مقامات کی طرف بٹتی ہے وہ مختلف آوازوں کی طرف دھیان دیتی ہے، اس کے دل میں خیالات کے ہجوم گردش کرتے ہیں، چنانچہ اہل طریقت نے کچھ ایسے اصول اور طریقے وضع کئے ہیں جن پر عمل کر کے انسان آہستہ آہستہ غیر سے توجہ ہٹانے، بیرونی خطرات اور اشارات سے یکسو ہونے اور بالآخر اپنی ذات کے دھیان سے بھی فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ سے سچی لو لگانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

افضل یہ ہے کہ اہل سلوک فجر اور عصر کی نمازوں کے بعد حلقہ بنا کر اجتماعی انداز میں ذکر کریں، اکٹھے بیٹھ کر ذکر کرنے میں جو فوائد ہیں وہ اکیلے بیٹھ کر کرنے میں نہیں ہیں۔

جب طالب راہ پر ذکر جہری کے اثرات نمایاں ہو جائیں اور اس میں ذکر کا نور جھلکنے لگے تو اسے ذکر خفی کی رہنمائی کی جائے، ذکر جہری کے اثرات سے مراد یہ ہے کہ اس میں ذوق و شوق پیدا ہو جائے، اللہ کے نام سے اس کے دل کو سکون و چین ملے، پریشان خاطری اور وساوس چھٹ جائیں اور ذات الٰہی کو ہر چیز سے مقدم سمجھنے اور اسے اولیت دینے لگے۔

جو شخص ہر روز (دن رات میں) دو ماہ یا اس کے لگ بھگ کم و بیش چار ہزار دفعہ اسم ذات (اللہ) کا ذکر ان شرائط اور آداب کے ساتھ باقاعدگی سے کرے جو ہم نے بیان کئے ہیں تو اس کے اثرات کا وہ خود مشاہدہ کرے گا گو ذاکر غبی ہو یا تیز فہم۔

ذکر خفی: اب ہم ذکر خفی کا ذکر کرتے ہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی دونوں آنکھیں اور لب

بند کرے اور زبان قلب سے کہے اَللّٰهُ سَمِيْعٌ، اَللّٰهُ بَصِيْرٌ اَللّٰهُ عَلِيْمٌ گویا یہ الفاظ اپنی ناف سے نکالتا ہے سینے تک اور سینے سے نکالتا ہے، دماغ تک اور دماغ سے نکالتا ہے عرش تک! پھر یوں کہا اَللّٰهُ عَلِيْمٌ اَللّٰهُ سَمِيْعٌ، اَللّٰهُ بَصِيْرٌ اپنی منزلوں سے اترتا آئے اور جن پر چڑھا، درجہ بدرجہ آئے، یہ چڑھنے اترنے کا عمل بار بار کرے اور راہ کے بعض شناور اَللّٰهُ قَدِيْرٌ کا اضافہ کرتے ہیں۔

پاس انفاس: ذکر خفی میں نفی و اثبات کی ایک صورت وہی ہے جو ہم ذکر جہری کے ضمن میں بیان کر آئے ہیں، دوسری یہ ہے کہ ذاکر اپنے سانسوں پر ہوشیار اور بیدار ہو۔ یعنی جب سانس باہر نکلے تو بلا ارادہ قصد اس کے دل سے آواز نکلے لا الٰہ اور جب سانس اندر جائے، اسی طرح بغیر ارادہ وقصد دل آواز دے۔ الا اللہ یہ پاس انفاس ہے دل کی صفائی کے لئے اور خطرات و وساوس اور پریشان خاطری سے نجات حاصل کرنے کے لئے پاس انفاس انتہائی موثر ہے۔

جس وقت سالک راہ کے اندر ذکر خفی کے اثرات ظاہر ہو جائیں اور اس میں ذکر کا نور معلوم ہو، تو اسے مراقبہ کی طرف لگایا جائے، ذکر کے اثرات اور نور سے مراد یہ ہے کہ طالب راہ پر محبت الٰہی کا غلبہ ہو جائے، وہ ہر دم غور و فکر کی کیفیت میں رہے۔ اللہ تعالیٰ کو ماسویٰ پر مقدم سمجھے اور اس کی طلب میں ہمہ تن وقف ہو جائے، چپ رہنے میں خوشی محسوس کرے زیادہ گفتگو اور بات چیت سے کنارہ کشی اختیار کرے اور دنیوی امور سے دامن چھڑانے میں راحت محسوس کرے۔

مراقبہ: مشائخ صوفیا کے ہاں مراقبہ کی کئی قسمیں ہیں ان سب کے ضمن میں جامع اور مکمل صورت یہ ہے کہ کوئی آیت قرآنی یا کلمہ زبان سے بولے یا دل میں اس کا خیال کرے اور اس کے معنی کو دل میں اچھی طرح جاگزیں کرے، پھر تصور کرے کہ یہ معنی کیونکر ہیں؟ اور اس کے تحقق اور ثبوت کی کیا صورت ہے۔ پھر دل کو اس صورت میں قائم کرے، یہاں تک کہ اس کے سوا دل میں کسی دوسرے معنی کا گزر نہ ہو اور اس میں استغراق کی کیفیت پیدا ہو جائے یعنی اس کے ماسویٰ سے ایک طرح کی غفلت اور ربودگی کی صورت ہو۔

مراقبہ کا ثبوت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے تو وہ یقیناً تمہیں دیکھ رہا ہے''۔

سالک دوران مراقبہ اپنی زبان سے کہے، اللہ میرے سامنے موجود ہے، اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اللہ میرے ساتھ ہے یا زبان سے نہ کہے مگر دل میں اس معنی کا تصور کرے، اللہ تعالیٰ کی حضوری، اس کی نظر اور اس کی معیت کو انتہائی مضبوطی اور پختگی کے ساتھ تصور کرے اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اس کا ذات مکان اور طرف سے منزہ اور پاک ہے، اس تصور کو یہاں تک لے جائے کہ اس میں استغراق ہو جائے۔ یا اس آیت کا تصور کرے۔ **وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ** اور وہ تمہارے ساتھ تم کہیں ہو“۔ (الحدید:۴)

اس کی معیت یعنی ساتھ ہونے کا تصور اس قدر پختہ کرے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، تنہائی اور لوگوں سے ملاقات، مصروفیت اور فراغت، الغرض ہر صورت میں اس تصور سے غافل نہ رہے یا ان آیات میں سے کوئی آیت پڑھے۔

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

”تو تم جدھر منہ کرو ادھر اللہ تمہاری طرف متوجہ ہے“ (البقرہ:۱۱۰)

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى

”تو کیا حال ہوگا کیا نہ مانا کہ اللہ دیکھ رہا ہے“ (العلق:۱۴)

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ

”اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں“ (ق:۱۶)

اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ

”بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے“ (الشعراء:۶۲)

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ

”وہی اوّل وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن“ (الحدید:۳)

یہ مراقبے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل کو متعلق کرنے کے سلسلے میں مفید ہیں۔

دنیوی بکھیڑوں سے نجات حاصل کرنے اور ان سے پوری طرح گلوخلاصی کرانے اور سکر و صحو کے لئے جو مراقبہ زیادہ فائدہ مند ہے وہ اس آیت کا مراقبہ ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ

''زمین پر جتنے ہیں سب کو فنا ہے اور باقی ہے تمہارے رب کی ذات عظمت اور بزرگی والا'' (الرحمٰن:۲۷)

اس مراقبے کی صورت یہ ہے کہ سالک تصور کرے کہ وہ مر کر ایسی راکھ بن گیا ہے جسے ہوائیں اڑا رہی ہیں، آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے، ہر چیز کی شکل و صورت مٹ کر بدل گئی ہے، البتہ اللہ موجود اور باقی ہے دیر تک یہ تصور جمائے، ہوش مندی کے لئے فائدہ مند ثابت ہو گا، اسی طرح اس آیت کا مراقبہ کرے۔

اِنَّ الْـمَـوْتَ الَّـذِی تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلَاقِیْکُمْ اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِی بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ (النساء:۸۷)

''تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آ لے گی اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہو''۔

جس وقت طالب راہ پر اس مراقبہ کے اثرات واضح ہو جائیں اور اس کا نور جھلکنے لگے، تو اسے توحید افعالی کی طرف رہنمائی کی جائے۔ واضح رہے کہ شارع علیہ السلام نے خاص طور پر دو چیزوں کی طرف رغبت اور آمادگی دلائی ہے پہلی چیز ذکر ہے اور ذکر وہ ہے جو زبان سے بولا جائے اور دوسری چیز فکر ہے اور فکر سے مراد مراقبہ ہے۔

آئندہ رونما ہونے والے واقعات کا کشف: بعض مشائخ صوفیا کا کہنا ہے کہ آئندہ رونما ہونے والے واقعات کے کشف کے بارے میں ہمیں جو تجربہ حاصل ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ طالب راہ اکیلی جگہ اپنی نشست قائم کرے، غسل کرے، عمدہ لباس پہنے، خوشبو لگائے اور مصلّٰی پر بیٹھ جائے، قرآن مجید کا ایک کھلا ہوا نسخہ اپنے سامنے رکھے ایک ایک کھلا ہوا نسخہ اپنے دائیں بائیں رکھے اور ایک نسخہ اپنے پیچھے رکھے اور اپنی توجہ اس طرف مبذول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے انتہائی عاجزی سے دعا کرے کہ بار الٰہ فلاں مسئلہ یا واقعہ مجھ پر ظاہر فرما، اس کے بعد اسم ذات کا ذکر شروع کرے مگر آنکھیں کھلی رکھے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ذکر کی ایک ضرب داہنے مصحف میں لگائے اور ایک بائیں میں، ایک ضرب پیچھے اور ایک سامنے والے مصحف میں۔ بالآخر وہ دل میں ایک خاص قسم کا نور اور کشادگی محسوس کرے گا، سات روز برابر خلوت میں یہ عمل دہرائے، انشاء اللہ اس پر سارا واقعہ کھل جائے گا۔ ہر چند مشائخ سے یہ اسی طرح منقول ہے تاہم میرے دل میں اس

کے بارے میں کچھ تردد ہے کہ اس میں ایک لحاظ سے قرآن مجید کی بے ادبی کا پہلو نکلتا ہے(۱)۔

آئندہ رونما ہونے والے واقعات کی اطلاع سے متعلق مخدومی میرے والد گرامی علیہ الرحمتہ کا پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان اسمائے گرامی کا ذکر اس طرح کرے یَا عَلِیْمُ یَا مُبِیْنُ یَا خَبِیْرُ یہ ذکر اوپر بیان کردہ شرائط کے مطابق ہو جس طرح ہم نے ذکر ایک ضربی یا ذکر دو ضربی کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

کشف ارواح: مشائخ قادریہ نے فرمایا کہ کشف ارواح کے سلسلے میں ہمارے مجرب طریقہ یہ ہے کہ مذکورہ شرائط کے ساتھ دائیں طرف سبوح اور بائیں طرف قدوس کی ضرب لگائے اسی طرح آسمان میں رب الملئکة اور دل میں والروح کی ضرب لگائے۔

مشکل امور کے حل اور مصیبت کو دفع کرنے کے لئے شرائط مذکورہ کے ساتھ جتنی پڑھ سکے تہجد کی نماز پڑھے پھر داہنی طرف یا حی اور بائیں طرف یا وھاب کی ضرب لگائے، یہ عمل ایک ہزار بار کرے۔

دل کی کشادگی اور بسط: دل کی کشادگی اور مشکل میں آسانی کی خاطر دل میں اللہ کی ضرب لگائے اور لا الہ الا ھو کی ضرب اس طرح لگائے جس طرح ہم ذکر نفی و اثبات کے ضمن میں بیان کر آئے ہیں، پھر داہنی طرف الحی اور بائیں طرف القیوم کی ضرب لگائے۔

مقصد برآری کے لئے: بیمار کے لئے شفاء، تنگدستی سے نجات، رزق کی فراوانی اور دشمن سے امن کے لئے مناسب ہے کہ اسمائے حسنیٰ میں سے اپنی ضرورت کے مطابق کسی اسم کا انتخاب کرے اور اس نام کا دو ضرب یا تین ضرب یا چار ضرب کے ساتھ ذکر کرے مثلاً اپنی طلب کے مطابق یا صمد (فاقہ کی صورت میں) یا رازق (کشائش رزق کے لئے) یا مذل (دشمن کو مغلوب کرنے کے لئے) کا ذکر کرے، اسی طرح دوسرے اسمائے حسنیٰ کا اپنی حالت کے مطابق انتخاب کرے۔

---

(۱) حضرت شاہ صاحب کی رائے صائب ہے۔ (قاسمی)

باب۔ ۵

اشغال مشائخ چشتیہ

یہ حضرات پیشوائے سلسلہ خواجہ معین الدین حسن چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے مریدین ہیں، چشت آپ کے مشائخ کے گاؤں کا نام ہے رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین۔

مشائخ چشتیہ کا کہنا ہے کہ امام الاولیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مجھے اللہ کی طرف جانے والا سب سے بہتر اور قریب ترین راستہ بتایئے۔ مگر یہ راستہ ایسا ہو، جس پر چلنا اور عمل کرنا بندوں کے لئے سب سے آسان ہو، آپ نے ارشاد فرمایا خلوت میں ذکر الٰہی کو وظیفہ بنالو انھوں نے پوچھا، حضور ذکر کس طرح کروں، آپ نے فرمایا آنکھیں بند کرلو اور تین دفعہ مجھ سے سنو پھر آپ نے تین دفعہ یہ ذکر کیا لا الہ الا اللہ۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سنتے رہے، پھر اس کے بعد تین دفعہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا لا الہ الا اللہ، آنحضور ﷺ سنتے رہے، بعد میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسنؒ کو اس ذکر کی تعلیم دی۔

اسی طرح درجہ بدرجہ مشائخ کے ذریعہ ہم تک یہ سلسلہ پہنچا، یہ حدیث ہمیں اپنے مشائخ سے معلوم ہوئی ہے محدثین کے نزدیک اس میں لمبی بحث ہے۔

شیخ جس وقت مرید کو ارشاد و تلقین کا ارادہ کرے تو اسے حکم دے کہ وہ روزہ رکھے، اگر یہ پنج شنبہ (خمیس) کا دن ہو تو زیادہ بہتر ہے، پھر اسے تلقین کرے کہ وہ دس بار استغفار کرے اور دس مرتبہ درود پڑھے، پھر مرشد کے اللہ تعالیٰ اپنی محفوظ کتاب میں فرماتا ہے۔

فَاذْكُرُوْ اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوْداً وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ

’’اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے‘‘ (النساء:۱۰۳)

چنانچہ اے سالک راہ کوشش کرو کہ تمہارا کوئی لمحہ ذکر الٰہی سے خالی نہ گزرے، تمہیں علم ہونا چاہئے کہ تمہارا دل بائیں چھاتی کے نیچے دو انگل پر ودیعت کیا گیا ہے اور اس کی شکل چلغوزہ کی ہے، اس کے دو دروازے ہیں ایک اوپر کی طرف اور دوسرا نیچے کی طرف، اوپر والا دروازہ ذکر جلی سے اور نیچے والا ذکر خفی سے کھلتا ہے۔

ذکر جلی: جس وقت ذکر جلی کا ارادہ کرو، چار زانو بیٹھو اور اس رگ کو پکڑ لو جسے کیاس کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اپنے داہنے پاؤں کے انگوٹھے اور اس سے ملحقہ انگلی کو دبا کر رکھو، میرے والد گرامی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ کیاس وہ رگ ہے جو زانوں کے نیچے ران کی طرف سے اترتی ہے، اسے اس مشکل میں پکڑنا خیالات و خدشات سے چھٹکارے اور روحانی قوت کو ایک جگہ مرتکز کرنے کے لئے بے حد فائدہ مند ہے اور یہ عمل دل کو ایک عجیب گرمی اور کیفیت عطا کرتا ہے۔

پھر نماز کی ہیئت میں قبلہ رو ہو کر بیٹھ جائے اور اپنی باطنی ہمت کو یکجا کر کے سختی اور کشیدگی کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے ذکر کرے لا الہ الا اللہ لفظ لا ناف سے نکالے اور اسے داہنے مونڈھے تک کھینچے، پھر الہ دماغ کی جھلی (ام الدماغ) سے نکالے گویا اس نے غیر اللہ کی محبت اپنے اندر سے نکال کر پیٹھ کے پیچھے پھینک دی ہے، اب دوسرا سانس لے اور الا اللہ کو دل میں سختی اور قوت کے ساتھ ضرب کرے۔

نفی و اثبات کی اس کیفیت میں راہ معرفت کا ابتدائی سالک غیر اللہ سے معبودیت کی نفی کرے متوسط غیر اللہ سے مقصودیت کی نفی کرے اور منتہی اللہ کے ماسوی وجود کی نفی کرے۔

اس ذکر کی اہم اور بڑی شرط یہ ہے کہ سالک اپنے ارادے اور باطنی قوت کو مجتمع کرے اور اس کے مفہوم و معنی کو سمجھے ذکر جلی کرنے والا سالک خوراک میں بہت زیادہ کمی نہ کرے صرف چوتھائی معدہ خالی رکھے اور مناسب ہے کہ کچھ چکنائی استعمال کرے تاکہ دماغ خشکی سے پریشان نہ ہو۔

اگر سالک پاس انفاس کا ارادہ کرے تو اپنے سانسوں کی نگرانی اور حفاظت کرے سانس خارج ہو تو کہے لا الہ گویا وہ خدا کے سوا ہر چیز کی محبت اپنے دل سے خارج کر رہا ہے سانس اندر کھینچے

تو کہے الا اللہ گویا وہ اپنے دل میں اللہ کی محبت داخل کر کے اسے قائم کر رہا ہے۔

مشائخ چشتیہ نے فرمایا ہے کہ راہ معرفت کا سب سے بڑا رکن دل کو اپنے مرشد سے جوڑنا ہے، یہ مرشد کی تعظیم اور اس کی صورت کے تصور کی شکل میں ہونا چاہیے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے مظاہر بے شمار ہیں، چنانچہ ہر عابد چاہے وہ غبی ہے یا بہترین عقل کا مالک اللہ تعالیٰ اس کے سامنے اسی کے مرتبے اور حیثیت کے مطابق ظاہر ہو کر اس کا معبود بنا ہے، یہی وہ راز ہے جس کے سبب قبلہ کی طرف منہ کرنا اور استواء علی العرش (عرش پر متمکن ہونا) ایسی چیزیں شریعت میں نازل ہوئیں۔

آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم میں کوئی نماز پڑھے تو اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے اس لئے کہ نمازی اور قبلے کے درمیان اللہ تعالیٰ ہے۔

اسی طرح ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک سیاہ رنگ والی باندی سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ میں کون ہوں تو اس نے انگلی سے اس بات کا اشارہ کیا کہ آپ ﷺ کو اللہ نے بھیجا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مومنہ ہے۔

پس اے سالک! تمہیں ہر حال میں اللہ ہی کی طرف اپنی توجہ رکھنی ہے اور اسی کے ساتھ ہی اپنے دل کی لو لگانی چاہیے، یہ تصور اور توجہ عرش کے حوالے سے ہی کیوں نہ ہو، یعنی ایسے نور کا تصور جو اللہ نے عرش پر رکھا ہے اور جو اپنی چمک دمک میں چاند سے بھی کہیں بڑھ کر ہے، یا یہ توجہ اور دل کی لو قبلے کی طرف متوجہ ہو کر لگائی جائے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، تو یہ ایک طرح سے ایک حدیث کا مراقبہ ہوا۔

جس وقت طالب راہ ذکر کے نور سے منور ہو جائے تو اسے مراقبہ کی طرف لگایا جائے، مراقبہ رقیب سے مشتق ہے، رقیب کے معنی محافظ اور نگراں کے ہوتے ہیں، اسے مراقبہ کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ سالک اس کے ذریعہ اپنے دل کی حفاظت اور نگرانی کرتا ہے۔ نیز وہ اللہ کے سامنے حاضر ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کا نگراں اور محافظ ہوتا ہے۔ مراقبے کے وقت زبان سے کہے یا دل میں خیال کرے اَللّٰہُ حَاضِرِیْ، اَللّٰہُ نَاظِرِیْ، اَللّٰہُ شَاھِدِیْ، اَللّٰہُ مَعِیَ

یا اس آیت کا مراقبہ کرے اَلَا اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ یا اس تصور کا مراقبہ کرے کہ اللہ سالک اور قبلے کے درمیان موجود ہے اور وہ مشاہدہ کر رہا ہے۔

مشائخ چشتیہ کا کہنا ہے کہ جو شخص چلہ نشینی کا ارادہ کرے، وہ چند امور کا بطور خاص التزام کرے۔ ہمیشہ روزے سے رہے، رات کو ہمیشہ قیام کرے۔ کھانا، پینا، بولنا اور لوگوں سے میل ملاقات کم کر دے اور سوتے جاگتے باوضو رہے۔ دل ہمیشہ مرشد کے ساتھ لگائے، غفلت کو اپنے اوپر حرام قرار دے دے، حجرے میں داخل ہوتے وقت داہنا پاؤں بڑھائے تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ کے بعد تین دفعہ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھے اور جب بایاں پاؤں داخل کرے تو یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ وَلِّیْ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ کُنْ لِیْ بِمَا کُنْتَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَارْزُقْنِیْ مُحَبَّتَکَ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَاشْغِلْنِیْ بِجَمَالِکَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُخْلِصِیْنَ اَللّٰھُمَّ اُمْحُ نَفْسِیْ بِجَذْبَاتِ ذَالِکَ یَا اَنِیْسُ مَنْ لَا اَنِیْسَ لَہٗ.

”الٰہی! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے، اسی طرح میری دستگیری کر جس طرح تو نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کرم فرمایا، مجھے اپنی محبت عطا فرما، اپنے جمال کی مشغولیت نصیب فرما اور اپنے مخلص بندوں میں شامل کر بار الٰہ میرے نفس کو اپنی ذات کی کشش سے آزاد کر، اے ہر اس شخص کے مونس و رفیق جس کا کوئی مونس و رفیق نہیں، اے اللہ مجھے تنہا اور اکیلا نہ کرنا بلاشبہ تو سب سے بہتر وارث ہے۔

پھر مصلی پر کھڑا ہو کر اکیس دفعہ یہ آیت پڑھے۔

اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ

”میں نے اپنے منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے ایک اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں“ (الانعام: ۷۹)

اس کے بعد دو رکعت پڑھے، پہلی رکعت میں آیۃ الکرسی اور دوسری میں اٰمن الرسول پڑھے، نماز کے بعد طویل سجدہ کرے اور عاجزی و زاری کے ساتھ دعا مانگے، اس کے بعد یا فتاح

پانچ سو بار پڑھے، اس سے فراغت کے بعد ان اذکار میں مشغول ہو جائے جن کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔

مشائخ چشتیہ نے فرمایا ہے کہ سالک جس وقت کسی مزار پر جائے تو پہلے دو رکعت میں سورہ انا فتحنا پڑھے پھر میت کے سامنے والے رخ میں اسی کی طرف منہ اور قبلہ کی طرف پشت دے کر بیٹھ جائے اور پہلے سورہ ملک پڑھے پھر اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ پڑھے، اس کے بعد گیارہ دفعہ سورہ فاتحہ پڑھے اور قبر سے قریب ہو جائے اور اکیس بار یارب یارب پڑھے اس کے بعد یاروح کہے اور اسے آسمان میں ضرب کرے پھر یاروح الروح کی دل میں ضرب کرتا ہے یہاں تک کہ دل میں بسط (کشادگی) اور نور کی کیفیت محسوس کرے، اس کے بعد صاحب مزار کی طرف سے اپنے دل میں فیض کا انتظار کرے۔

صلوٰۃ معکوس: مشائخ چشتیہ کے ہاں ایک خاص نماز ہے جسے صلوٰۃ معکوس کا نام دیتے ہیں ہمیں احادیث اور فقہا کے اقوال میں اس کی کوئی ایسی بنیاد نظر نہیں آئی جس کی وجہ سے ہم اس پر زور دیں، اس لئے ہم اس کا ذکر ترک کرتے ہیں اور حقیقی علم اللہ ہی کے پاس ہے۔

صلوٰۃ کن فیکون: اسی طرح ان کے ہاں ایک اور نماز ہے جسے وہ صلوٰۃ کن فیکون کہتے ہیں، ان کے مطابق جسے کوئی انتہائی مشکل مسئلہ پیش آ جائے اسے چاہئے کہ وہ بدھ، خمیس اور جمعہ کی راتوں میں دو رکعت نماز ادا کرے پہلے رکعت میں سورہ فاتحہ ایک بار اور قل ھو اللہ سو بار اور دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ سو بار اور قل ہو اللہ ایک بار پڑھے، پھر کہے اے ہر دشواری کو آسان کرنے والے اور ہر تاریکی کو دور کرنے والے، پھر سو دفعہ درود پڑھ کر حضور قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، تیسری رات یہ عمل پورا کر کے اپنی پگڑی یا ٹوپی سر سے اتار دے، آستین گلے میں ڈال کر گڑگڑائے اور رو رو کر پچاس بار اپنی مشکل اور مصیبت کے لئے دعا کرے اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔

باب ۔ ۶

اشغال مشائخ نقشبندیہ

یہ حضرات پیشوائے سلسلہ نقشبندیہ خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کے مریدین ومنتسبین ہیں رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین۔

مشائخ نقشبندیہ کا کہنا ہے کہ اللہ تک پہنچنے کے تین راستے ہیں ان میں پہلا راستہ ذکر الٰہی کا ہے، ذکر کی ایک صورت ذکر نفی واثبات ہے اور ذکر کی یہی صورت متقدمین مشائخ نقشبندیہ سے منقول ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ توجہ کو منتشر کرنے والی بیرونی چیزوں مثلاً لوگوں کی قیل وقال اور اندرونی باتوں مثلاً شدید بھوک، غصہ، درد اور ضرورت سے زیادہ پیٹ بھرنے ایسی تمام چیزوں سے خالی ہونے کو غنیمت جان کر سالک پہلے موت کو اپنے سامنے موجود سمجھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے کردہ گناہوں کی معافی طلب کرے، پھر اپنے دونوں لب اور آنکھیں بند کرلے اور سانس کو اندر روک کر دل سے کہے لا اسے اپنی ناف کے داہنی طرف سے نکالے اور کھینچتا ہوا مونڈھے تک لے آئے پھر کندھے کو سر کی طرف جھکا دے اور ہلائے اور کہے الہ پھر زور سے الا اللہ کو دل میں ضرب کرے۔

حبس دم: ان مشائخ کا کہنا ہے حبس دم (سانس کو روک کر نکالنا) عشق کو ابھارنے، باطنی نسبت کو مرتکز کرنے، باطنی قوتوں کو بیدار کرنے اور پریشان خیالی اور وساوس سے نجات حاصل کرنے کے سلسلے اکسیر ہے، حبس دم کی مشق بتدریج کرنی چاہیے تا کہ طبیعت پر ناقابل برداشت بوجھ نہ پڑے، حبس میں افراط نہ کیا جائے۔ خیال رہے کہ مشائخ نقشبندیہ کے حبس اور جوگیوں کے حبس میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

اسی طرح طاق عدد کی بھی عجیب خصوصیات اور اثرات ہیں، جس دم میں پہلے ایک دم میں ذکر ایک دفعہ مشق کرے اور پھر ایک دم میں تین دفعہ اس کے بعد طاق اعداد میں ایک ہی سانس میں تعداد بڑھاتا جائے، یہاں تک کہ اکیس تک پہنچ جائے۔

اگر کوئی سالک اکیس بار تک ایک سانس ہی میں جس دم تک پہنچ جائے اور پھر بھی اس پر کشش ربانی کا دروازہ نہ کھلے اور باطن کے اللہ کی طرف مبذول ہونے اور دوسرے امور سے وحشت کی صورت پیدا نہ ہو تو وہ جان لے کہ اس کا عمل نہیں ہوا۔ اس میں کہیں نہ کہیں کمی رہ گئی ہے، چنانچہ وہ دوبارہ تین سے شروع کر کے اکیس بار تک پہنچے۔

ذکر کے طریقوں میں سے ایک مجرد اثبات ہے، یعنی صرف الا اللہ کا ذکر کرے۔ اسے خواجہ محمد باقیؒ یا ان کے کسی قریب العصر بزرگ نے نکالا ہے، متقدمین کے یہاں اس کا سراغ نہیں ملا۔

میں نے اپنے والد گرامی سے سنا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ ذکر نفی و اثبات سلوک کے لئے مفید تر ہے اور ذکر اثبات خالی جذب اور کشش کے لئے بے حد مفید ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ لفظ اللہ کو جس دم کے ساتھ اپنی ناف سے پوری قوت کے ساتھ نکالے اور اسے ام الدماغ تک کھینچے، اسے آہستہ آہستہ بڑھاتا جائے بعض نقشبندی مشائخ ایک ہی سانس میں ہزار دفعہ تک یہ ذکر کر لیتے ہیں۔ میں نے اپنے والد گرامی کے مریدین میں سے کسی ایک عورت کو دیکھا، وہ ایک ہی سانس میں اسم ذات اللہ کا ہزار سے بھی زیادہ ذکر کر لیتی تھی۔

میرے والد گرامی اپنے ابتدائے سلوک کا واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ میں ذکر نفی و اثبات ایک ہی سانس میں دو سو مرتبہ کر لیتا تھا۔

مشائخ نقشبندیہ کے نزدیک اللہ تک پہنچنے کا دوسرا راستہ مراقبہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ سانس کو تھوڑی دیر کے لئے ناف کے نیچے روکے اور اپنے تمام حواس مدرکہ کو اس مجرد اور بسیط معنی کی طرف مرکوز کر دے، جسے ہر سالک اللہ کا نام بولتے وقت تصور کرتا ہے، مگر ایسے افراد بہت کم ہیں جو اس معنی بسیط کا لفظ کے بغیر تصور کر لیں، لہٰذا سالک کو چاہیئے کہ وہ اس معنی بسیط کو الفاظ سے جدا کرے اور اس کی طرف خیالات و خطرات کی مزاحمت اور ماسویٰ اللہ کی طرف التفات کے بغیر متوجہ ہو، بعض لوگوں سے اس قسم کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بعض مشائخ ایسے شخص کے لئے ایک

دعا تجویز کرتے ہیں، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ دعا ہمیشہ دل سے کرے (زبان سے نہیں) اور کہے، اے میرے رب تو ہی میرا مقصود ہے، میں تیرے سوا ہر چیز کو چھوڑ کر تیری طرف آیا ہوں یا اس سے ملتی جلتی دعا مانگے۔ بعض مشائخ ایسے شخص کو خلائے مجرد یا نور بسیط کے تصور کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ چنانچہ سالک راہ بتدریج اس تصور سے مذکورہ توجہ کی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔

مشائخ نقشبندیہ کے نزدیک وصول الی اللہ کا تیسرا طریقہ اپنے مرشد کے ساتھ کمال درجے کا رابطہ اور تعلق خاطر ہے، اس کی شرط یہ ہے کہ مرشد قوی التوجہ اور "یادداشت" کو دائمی مشق سے بہرہ ور ہو، ایسے مرشد کی صحبت اختیار کرے تو سوائے اس کی محبت کے اپنی ذات کے ہر شے کے تصور اور خیال سے خالی کرے اور مرشد کے فیض کا منتظر رہے۔ آنکھیں بند کر لے اور اگر کھلی رکھے تو مرشد کی دونوں آنکھوں کے درمیان نظر جمائے جس وقت فیضان کی آمد شروع ہو تو دل کی گہرائیوں سے اس کی حفاظت اور نگرانی کرے اور جب مرشد سامنے موجود نہ ہو تو انتہائی محبت اور تعظیم کے ساتھ اس کی صورت کو اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان خیال کرے۔ اس کی شکل وصورت کا تصور سالک کو وہی فائدہ دے گا جو اس کی صحبت دیتی ہے۔

میرے والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ جس ہیئت اور شکل پر اسے کچھ حاصل ہو، وہ ہیئت اور شکل تبدیل نہ کرے اگر وہ کھڑا ہے تو نہ بیٹھے اور اگر بیٹھا ہے تو کھڑا نہ ہو۔

مشائخ نقشبندیہ میں سے بعض حضرات سالک کو تلقین کرتے ہیں کہ اپنے دل پر اسم ذات اللہ سونے سے لکھا ہوا ہونے کا تصور باندھے۔

میرے والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ میں دس برس کا تھا کہ خواجہ محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ بخاری نے مجھے اسم ذات لکھنے کا حکم فرمایا، چنانچہ میں نے کثرت سے اس کی مشق کی اور اپنے دل میں یہ کیفیت اس قدر جمالی کہ ایک دفعہ ایک کتاب لکھتے ہوئے چار ورق لفظ اللہ لکھ گیا اور مجھے اس کا کوئی احساس نہ ہوا۔

اسی طرح آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے خواجہ خورد رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ آپ اپنے ہاتھ کے انگوٹھے سے چاروں انگلیوں پر برابر کچھ لکھتے رہتے تھے۔ مجلس میں بیٹھے ہوں، بات کر رہے

ہوں، غرض کوئی کام کر رہے ہوں، یہ عمل جاری رہتا تھا، میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا، ابتدائے عمر میں میں نے اس کی اتنی مشق کی ہے کہ اب اسے چھوڑنا میرے بس میں نہیں رہا۔

مشائخ نقشبندیہ کے ہاں چند اصطلاحات ہیں جو ان کے طریقے اور سلسلے کی اساس ہیں، بعض اصطلاحات سے ان اشغال کی طرف اشارات ملتے ہیں اور بعض کو تاثیر کے لئے کچھ شرائط ہیں، ہم ذیل میں ان کا ذکر کرتے ہیں۔

۱۔ ہوش دردم، ۲۔ نظر برقدم، ۳۔ سفر در وطن، ۴۔ خلوت در انجمن، ۵۔ یاد کرد، ۶۔ بازگشت، ۷۔ نگہداشت، ۸۔ یادداشت

یہ آٹھ کلمات خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں، اور یہ تین اصطلاحات خواجہ نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہیں۔

۱۔ وقوف زمانی، ۲۔ وقوف قلبی، ۳۔ وقوف عددی۔

ہوش دردم سے مراد یہ ہے کہ ہر سانس پر ہوشیاری اور بیداری یعنی سالک ہر سانس پر ہمیشہ بیدار اور ہوشیار رہے اور فکر مند رہے کہ اس کا ہر سانس ذکر سے وابستہ ہے یا غفلت پر مبنی ہے۔ اس طرح وہ بتدریج دائمی حضوری کی منزل حاصل کر لے گا، اس طرح کی پابندی مبتدی کے لئے ضروری ہے۔ البتہ جب سالک درمیانی منزل تک آ جائے تو وقفے وقفے سے گزرے ہوئے وقت کے سانسوں کا جائزہ لیتا رہے، یعنی کچھ دیر بعد وہ دیکھے کہ اس کا یہ وقت غفلت میں تو نہیں گزرا۔ اگر درمیان میں غفلت آئی ہے تو استغفار کرے اور آئندہ یہ غفلت نہ کرنے کا پختہ عزم کرے، اس نگرانی اور حفاظت سے بالآخر وہ دائمی حضوری کی منزل کو پہنچ جائے گا۔ یہ دوسرے طریق کی نگرانی اور ہوشیاری وقوف زمانی کہلاتی ہے اور اسے خواجہ نقشبند نے وضع کیا ہے۔ ان کے نزدیک اس بیداری اور نگرانی کو بار بار نگاہ رکھنا خود متوسط سالک کے لئے پریشان خاطری کا موجب ہے، سالک کے لئے اصل بات توجہ الی اللہ میں استغراق ہے۔ اسے استغراق میں توجہ یا عدم توجہ کا علم رکھنے کی پابندی بجائے خود اصل سے توجہ ہٹانے کا باعث ہے۔

نظر برقدم سے مراد یہ ہے کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ چلتے وقت اپنے قدموں کے

علاوہ کسی چیز کو نہ دیکھے، اسی طرح بیٹھتے وقت وہ صرف اپنے سامنے دیکھے۔ مختلف شکلوں اور تعجب آمیز رنگوں کو دیکھنا سالک کی باطنی کیفیت میں بگاڑ پیدا کرتا ہے اور اسے اس چیز سے پھیر دیتا ہے جس کی طلب میں وہ ہے، اسی طرح لوگوں کی باتیں سننے یا ان کے ساتھ زیادہ گفتگو کرنے کا نتیجہ بھی یہی ہے۔

میرے والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ نظر نیچی رکھنا مبتدی کے لئے ہے، رہا راہ طریقت کا منتہی طالب، اس کے لئے واجب ہے کہ وہ اپنے حال میں غور و فکر کرے اور دیکھے کہ وہ کس نبی کے قدم پر ہے، اس لئے کہ بعض اولیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم پر ہوتے ہیں اور انہیں کمالات کی جامعیت حاصل ہوتی ہے اور بعض موسیٰ علیہ السلام کے قدم پر ہوتے ہیں علی ہذا القیاس، پھر جب سالک منتہی اپنے پیشوا اور متبوع کو پہچان لے تو اسے چاہئے کہ اپنے احوال، واقعات اور افعال اپنے پیشوا کے احوال و واقعات کے مطابق ڈھالے۔

سفر در وطن سے مراد یہ ہے کہ بشری صفات خسیسہ سے صفات ملکیہ فاضلہ کی طرف پرواز کی جائے، سالک پر فرض ہے کہ وہ برابر اپنے نفس پر نگاہ رکھے اگر اسے ابھی تک نفس میں مخلوق کی محبت کا شائبہ نظر آئے تو از سر نو توبہ کرے اور سمجھے کہ یہ میرا بت ہے پھر لا الہ الا اللہ کہہ کر اس چیز کی محبت کا خیال مٹا دے اور اس کی جگہ دل میں محبت الٰہی جاگزیں کر دے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دل کے اندرونی حصے میں محبت کی بہت سی رگیں ہیں، انہیں انتہائی باریک بینی اور تجسس کے بغیر تلاش کرنا اور نکالنا ممکن نہیں ہے۔ سالک کے لئے ضروری ہے کہ بغور دل کا جائزہ لے کہ کہیں اس میں کسی کے لئے حسد، کینہ یا کوئی اور نفرت تو موجود نہیں ہے؟ اگر ایسا ہے تو اسے ذکر کے اس کلمے پر مداومت کی مدد سے نکال پھینکے۔

خلوت در انجمن سے مراد یہ ہے کہ اپنے تمام احوال میں دل کو حق تعالیٰ سے شاغل رکھے۔ درس و تدریس ہو یا گفتگو، کھانے پینے کی صورت ہو یا چلنے کی، سالک اپنے باطن میں ایسا ملکہ پیدا کرے کہ وہ ان امور کے دوران متوجہ الی الحق رہے۔ خواجہ نقشبند قدس سرہ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ ہے۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

سچ تو یہ ہے کہ فقیر کی وضع قطع بنانا اور ہر وقت ذکر کی کیفیت میں رہنا بعض اوقات ریا اور دکھاوے کی طرف لے جاتا ہے، بہتر یہ ہے کہ وضع قطع اور لباس عام لوگوں کا سا ہو مگر تقویٰ، دیانت اور عبادات وطاعات میں ہمت وکوشش فقرا کی ہو اور دل ہمیشہ حق تعالیٰ سے لو لگائے رکھے۔ خواجہ علی رامیتنی رحمۃ اللہ علیہ نے فارسی شعر میں یہی مفہوم کیا خواب ادا کیا ہے۔

از دروں شو آشنا واز بروں بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا روش کم ی بود اندر جہاں

(اندر سے آشنائی اور باہر سے بیگانگی، دنیا میں اس سے خوبصورت طریقہ اور کوئی نہیں)

''یادکرد سے مراد یہ ہے کہ سالک مسلسل ذکر میں مشغول رہے چاہے ذکر نفی واثبات کی صورت ہو یا اثبات مجرد کی صورت میں'' اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔

''بازگشت'' سے مراد یہ ہے کہ دوران ذکر ہر دفعہ تھوڑے وقفے کے بعد تین دفعہ یا چار دفعہ مناجات کرے، یعنی دل کی گہرائی اور حضور سے دعا کرے، اے میرے رب! تو ہی میرا مقصود ہے میں نے دنیا وآخرت تیرے لئے چھوڑی ہے تو مجھے اپنی کامل نعمتیں نصیب فرما اور اپنے وصال سے شادکام کر، میرے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''سالک کے لئے یہ دعا بمنزلہ شرط عظیم کے ہے لہٰذا اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس سے غفلت کرے ہمیں جو کچھ ملا ہے یا ہم نے جو کچھ پایا ہے اسی کی برکت سے پایا ہے''۔

''نگہداشت'' سے مراد یہ ہے کہ سالک نفس کے خطرات اور وسوسوں سے نجات حاصل کرے، یعنی وہ ہر وقت بیدار رہے اور دل میں کسی خیال وخطر کو راہ نہ دے، خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خیال وخدشات کے آتے ہی سالک انہیں فوراً ذہن سے نکال پھینکے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ چیزیں کچھ دیر کے لئے رہ گئیں تو نفس ان کی طرف مائل ہو جائے گا اور یہ چیزیں اپنے اثرات پیدا کر لیں گی اور پھر ان کا زائل کرنا مشکل ہوگا۔ چنانچہ نگہداشت کے ذریعہ سالک اپنے دل ودماغ کو خطرات وخدشات کے گزر اور وہم ووساوس سے بچا سکتا ہے۔

''یادداشت'' سے مراد یہ ہے کہ الفاظ وتخیلات سے خالی ہو کر حقیقت واجب الوجود کی طرف توجہ مبذول کرے۔ سچ بات یہ ہے کہ اس منزل پر فنائے تام اور بقائے کامل کے بغیر

استقامت حاصل نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ یہ مقام نصیب فرمائے۔

''وقوف زمانی'' کی تشریح ہم ''ہوش دردم'' کے ضمن میں بیان کر آئے ہیں۔

''وقوف عددی'' سے مراد یہ ہے کہ سالک ذکر میں طاق عدد کی پابندی کرے۔ اس کا بیان بھی پہلے گزر چکا ہے۔

وقوف قلبی سے مراد یہ ہے کہ سالک اس (حسی) قلب کی طرف توجہ رکھے، جو بائیں جانب چھاتی کے نیچے ودیعت کیا گیا ہے۔ اس توجہ کی حکمت تقریباً وہی ہے جو مشائخ قادریہ کے ہاں ذکر میں مختلف صورتوں کی ضربوں میں ہے۔

مشائخ نقشبندیہ کے کچھ اور عجیب تصرفات ہیں مثلاً کسی خاص مقصد کے لئے باطنی قوت اور ہمت کو مبذول کرنا، اب اس مقصد کا حصول باطنی قوت اور ہمت کے اندازے سے ہوتا ہے۔ طالب راہ میں تاثیر پیدا کرنا، مریض سے بیماری دفع کرنا، گنہگار کو توبہ پر آمادہ کر لینا، لوگوں کے دلوں کو اس طرح پھیر لینا کہ وہ تعظیم و تکریم کرنے لگیں، اسی طرح ان کے خیالات میں تصرف کرنا، یہاں تک کہ بڑے بڑے واقعات متمثل ہو کر سامنے آجائیں۔ زندہ اور وصال کر جانے والے اولیاء اللہ کی نسبتوں پر مطلع ہو جانا، لوگوں کے دلوں میں جو خیالات، خطرات رونما ہو رہے ہیں اور ان کے سینوں میں جو تلاطم موجود ہے اس سے باخبر ہو جانا، آنے والے واقعات کا ان پر کھل جانا، نازل ہونے والی مصیبتوں کو دفع کرنا وغیرہ، ہم ذیل میں چند چیزیں بیان کرتے ہیں۔

مشائخ نقشبندیہ کے اکابر، جو فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مقام پر فائز تھے، تصرفات کے سلسلے میں عجیب شان کے مالک تھے۔ البتہ طالب کے اندر تاثیر پیدا کرنے کے سلسلے میں بعد والے تمام مشائخ نقشبندیہ کا طریقہ یہ ہے کہ مرشد سالک کے نفس ناطقہ کی طرف متوجہ ہو کر اپنی مضبوط باطنی قوت کے ساتھ اس سے ٹکرائے اور پھر جمعیت خاطر کے ساتھ اپنی نسبت میں ڈوب جائے، یہ تصرف اس کے بعد ہوگا کہ مرشد کا نفس مشائخ کی نسبتوں میں سے کون سی نسبت کا حامل ہے اور اسے اس نسبت کا ملکہ راسخہ حاصل ہو، یعنی یہ نسبت ہر وقت اس کے قابو میں ہو۔ پھر مرشد کی نسبت طالب کی طرف اس کی لیاقت اور استعداد کے مطابق منتقل ہوگی۔ بعض نقشبندی بزرگ اس توجہ کے ساتھ ذکر اور طالب کے دل پر ضرب لگانے کو بھی شامل کر دیتے ہیں اگر طالب سامنے موجود نہ

ہو تو اس کی صورت کا تصور کر کے توجہ دیتے ہیں۔

ہمت خاطر: ہمت خاطر سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنی مراد حاصل کرنے اور آرزو کو پانے کے لئے اپنی باطنی قوت اور پختہ ارادہ اس طرح قائم کر لے کہ اس مقصود اور مراد کے حصول کی جدوجہد کے سوا اس کے دل میں کوئی خیال بھی نہیں آئے، یہ خیال اور ارادے کی پختگی اور یکسوئی اس طرح ہو جیسے پیاسے پر صرف پانی ہی کی دھن سوار ہوتی ہے۔

مجھے بعض انتہائی ثقہ اور قابل اعتماد مشائخ نے بتایا ہے کہ بعض بزرگ ذکر نفی و اثبات کے دوران یہ مراد لیتے ہیں کہ درپیش مصیبت کو ٹالنے والا اور رزق دینے والا اور کوئی نہیں سوائے اللہ کے وہی اس فعل کا فاعل حقیقی ہے۔

دفع مرض: دفع مرض یعنی بیماری کے دفع کرنے کی صورت یہ ہے کہ صاحب نسبت اپنے آپ کو مریض خیال کرے اور سمجھے کہ یہ مرض مجھے ہے، اس پر اپنی باطنی ہمت اور توجہ مرکوز کرے۔ اس کے سوا دل میں اور کوئی خیال نہ آنے دے۔ پس یہ بیماری اسی کی طرف منتقل ہو جائے گی، یہ قدرت الٰہی کا عجیب و غریب کرشمہ ہے۔

افاضہ توبہ: افاضہ توبہ (توبہ کی توفیق پیدا کر دینے کا عمل) کا طریقہ یہ ہے کہ صاحب نسبت اپنے آپ کو وہ گنہگار خیال کرے (جسے توبہ کرانا چاہتا ہے) اور پھر اس میں ایسی تاثیر کرے، گویا اس کی ذات اور اس گنہگار کی ذات سے مل جائے اور دونوں ذاتوں میں اتصال ہو جائے اس کے بعد دوبارہ یہ عمل شروع کرے، گنہ اور معصیت سے نادم ہو اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے، چنانچہ وہ گنہگار جلدی توبہ کر لے گا۔

تصرف قلب: لوگوں کے دلوں میں اس طرح تصرف کرنا کہ وہ محبت کرنے لگیں یا ان کے دماغوں میں ایسا تصرف کرنا کہ ان میں واقعات متمثل ہو جائیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی باطنی قوت اور توجہ کے مطابق شیخ، طالب کے نفس سے ٹکرا جائے اور اسے اپنے نفس سے متصل کر لے، پھر محبت یا واقعہ کی صورت کا تصور کرے اور دل کی گہرائی سے اس کی طرف توجہ کرے، چنانچہ جس کی طرف توجہ کرے گا اس پر اثر ہوگا، اس کے دل میں محبت پیدا ہو جائے گی اور واقعہ اس کے ذہن میں صورت اختیار کر لے گا۔

نسبتوں پر مطلع ہونا: اولیاء اللہ کی نسبتوں پر مطلع ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ زندہ ہے تو اس کے سامنے اور اگر وہ صاحب مزار ہے تو اس کی قبر کے سامنے بیٹھ جائے۔ اپنی ذات کو ہر قسم کی نسبتوں سے خالی کرلے اور کچھ دیر کے لئے اپنی روح کو اس کی روح تک پہنچادے، یہاں تک کہ اس کی روح اس کی روح سے متصل ہو اور مل جائے، پھر اپنی ذات کی طرف رجوع کرے، اب جو کیفیت اپنے اندر محسوس کرے، یہی اس بزرگ کی نسبت ہے۔

اشراف خواطر: اشراف خواطر یعنی دوسرے کے دل کی بات معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی ذات کو ہر بات اور پیدا ہونے والے خیال سے خالی کرلے اور اپنی ذات (نفس) کو اس کی ذات تک پہنچادے، اب عکس یا پرتو کی صورت میں جو بھی بات اس کے دل پر کھٹکے، وہی دوسرے کے دل کی بات ہے۔

آئندہ پیش آنے والے واقعات کے کشف یعنی ان پر مطلع ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل کو آئندہ پیش آنے والے واقعے کے علم کے انتظار کے سوا ہر چیز سے خالی کرلے۔ جس وقت اس کا دل ہر خیال سے خالی ہو جائے۔ اور اس واقعے کے بارے میں انتظار اس مرتبہ پر آجائے جیسے پیاسے کو صرف پانی ہی کا انتظار اور خیال ہوتا ہے، اپنی روح کو تھوڑے وقفے سے استعداد کے مطابق ملاء اعلیٰ یا ملاء اسفل کی طرف بلند کرنا شروع کردے اور صرف اسی بات پر یکسو ہوجائے چنانچہ جلد اس پر سارا واقعہ کھل جائے گا، خواہ غیبی آواز سے ہو، خواہ بیداری کی حالت میں پورا واقعہ نظر آجائے یا خواب میں سامنے آجائے۔

مصیبت کو ٹالنا: نازل ہونے والی مصیبت کو دفع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس مصیبت کو ایک خیالی شکل دے پھر اسے دفع کرنے اور اس سے مقابلہ کرنے کے لئے پوری قوت اور ہمت کا تصور کرے اور اپنے عزم وارادے کو اس پر مرکوز کردے اس کے بعد اپنی روح کو وقفے وقفے سے ملاء اعلیٰ یا ملاء سافل کی طرف بلند کرے اور اس معاملے میں یکسو ہوجائے عنقریب وہ مصیبت ٹل جائے گی۔

یہ اور ان سے ملتے جلتے تصرفات کی اصل شرط یہ ہے کہ تاثیر دینے والے اور جسے تاثیر دی جارہی ہے، اسی طرح فیض پہنچانے والے اور جسے فیض پہنچایا جارہا ہے کا نفس اور روح ایک

دوسرے سے مل جائیں، جو لوگ بدنی حجابات سے پاک ہو گئے ہیں وہ نفس کے اس اتصال اور ملاپ کو بخوبی جانتے ہیں اور اس اتصال اور ملاپ پر قدرت رکھتے ہیں۔

یہ تصرفات اور اشغال جو ہم نے ذکر کیے ہیں، وہ ہیں جنہیں میرے والد گرامی پسند کرتے تھے۔

لطائف ستہ: حضرت شیخ احمد سرہندی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں کچھ اور اشغال بھی ہیں، ہم اجمالاً ان کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں چھ لطائف پیدا کیے ہیں، اپنی اپنی جگہ ان کے حقائق اور خواص جدا جدا ہیں۔ حضرت شیخ اور ان کے خلفا کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یا نفس ناطقہ کے اعتبارات اور اطراف ہیں، جنہیں ایک اعتبار سے قلب اور دوسرے اعتبار سے روح کہا جاتا ہے یہی نظریہ میرے والد گرامی نے بھی اپنایا اور پسند کیا اور مجھے ان لطائف کی صورت بنا کر سمجھائی۔ آپ نے ایک دائرہ کھینچا اور فرمایا کہ یہ دل ہے پھر اس دائرے کے اندر دوسرا دائرہ بنایا اور کہا کہ یہ روح ہے۔ یہاں تک کہ چھٹا دائرہ کھینچا اور فرمایا کہ یہ میں ہوں، یعنی یہ حقیقت انسانی ہے، پھر فرمایا کہ بعض لطائف بعض کے اندر ہیں وہ اس معاملے میں اس حدیث سے استدلال فرماتے تھے جو صوفیا کی زبانوں پر عام طور پر سنی جاتی ہے کہ بلاشبہ انسان کے جسم میں دل ہے اور دل میں روح ہے اسی طرف لطائف ستہ کے آخر تک بیان ہوا، مجھے اس حدیث کے الفاظ پوری طرح یاد نہیں۔

لطائف کے مقام: الغرض حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمتہ کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ ان لطائف میں سے ہر لطیفے کو بدن کے کسی نہ کسی عضو سے تعلق اور ارتباط ہے، دل بائیں چھاتی کے نیچے دو انگل پر ہے، روح دائیں چھاتی کے نیچے دل کے برابر ہے۔ سر داہنی چھاتی کے اوپر سینے کے درمیان کی طرف جھکاؤ میں ہے، خفی بائیں چھاتی کے اوپر وسط کی طرف مائل ہے۔ اخفی خفی کے اوپر ہے۔ سر وسط میں ہے اور نفس کا مقام دماغ کے بطن اوّل میں ہے، ان اعضا میں سے ہر ایک میں نبض کی مانند حرکت ہے، چنانچہ حضرت شیخ اس حرکت کی حفاظت اور اسے اسم ذات کا ذکر خیال کرنے کا حکم دیتے ہیں اور نفی و اثبات کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سالک لفظ لا تمام لطائف پر پھیلا دے اور ''الا'' دل پر ضرب کرے۔

باب ۔ ۷

نسبت کی حقیقت

مشائخ کے تمام طریقوں کا ماحصل انسانی نفس کی تہذیب و آراستگی ہے، مشائخ اسے نسبت کا نام دیتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سکون قلبی اور نور کی شکل میں اللہ جل شانہ سے انتساب اور ربط کی صورت ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ نسبت نفس ناطقہ میں ایک ایسی کیفیت اور حالت کا نام ہے جسے فرشتوں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے یا عالم جبروت پر مطلع ہونے کا نام دے سکتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ سالک جب طاعات، طہارات اور اذکار پر مستقل مزاجی سے عمل پیرا ہو جاتا ہے تو اس کے نفس ناطقہ میں ایک صفت قائم ہو جاتی ہے اور توجہ کا ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے یہ دونوں نسبت کی صورتیں ہیں اور ہر صورت کی کئی اقسام ہیں۔

اقسام نسبت: نسبت کی ان اقسام میں ایک عشق و محبت کی نسبت ہے اس سے دل کے اندر محبت کی صفت محکم اور راسخ ہو جاتی ہے اسی طرح ایک قسم نفس شکنی اور اس کے مرغوبات سے نجات حاصل کر لینا ہے، میرے والد گرامی علیہ الرحمہ اس نسبت کو نسبت اہل بیت کا نام دیتے تھے۔

نسبت کی ایک قسم نسبت مشاہدہ ہے اس سے مراد ذات مقدس کے مجرد بسیط ہونے کی توجہ کا ملکہ ہے، الغرض حضور مع اللہ کے معنی محبت کے حصول یا نفس شکنی، یا ان کے علاوہ ''یادداشت'' کے مطابق رنگ برنگ ہے، ان رنگوں میں سے کسی رنگ میں نفس کو ملکہ راسخہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس ملکہ کو نسبت کہا جاتا ہے۔ نسبتیں بے شمار ہیں، البتہ صاحب راز ہر نسبت کا علیحدہ علیحدہ ادراک حاصل کر لیتا ہے، اشغال و اوراد سے اصل مقصود نسبت کا حصول، اس پر قائم رہنا اور اس میں ڈوب جانا ہے، تا کہ اس طرح نفس ملکہ راسخہ حاصل کر لے۔

یہاں یہ وہم نہ ہو کہ نسبت ان اشغال کے بغیر حاصل نہیں ہوتی، حقیقت یہ ہے کہ یہ اشغال واوراد نسبت حاصل کرنے کے بہت سارے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہیں۔ نسبت حاصل کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ نہیں میری غالب رائے یہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین کے ہاں سکینت یعنی نسبت حاصل کرنے کے دوسرے ذرائع تھے، مثلاً نماز کی پابندی، خلوت میں خشوع اور حضور کی پابندی کے ساتھ اللہ کی پاکی اور حمد کا ذکر، ہمہ وقت طہارت سے رہنا، موت کی یاد اور نفس کی پسندیدہ چیزوں کی مذمت، فرمانبرداروں کے لئے ثواب اور انعام اور گنہگاروں کے لئے عذاب کا ذکر، اس طرح انہیں جسمانی لذات اور خواہشات سے چھٹکارا حاصل ہو جاتا تھا۔

صحابہ کرام اور تابعین کے ہاں نسبت حاصل کرنے کے دوسرے ذرائع یہ تھے۔

قرآن مجید کی تلاوت پر ہمیشگی اور اس میں غور و فکر، نصیحت کرنے والے کی بات غور سے سننا، احادیث میں سے وہ حدیثیں بطور خاص سننا جن سے دل نرم ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ اور تابعین کو ان باتوں پر مسلسل عمل کرنے اور انہیں وظیفۂ حیات بنا لینے کی وجہ سے ملکہ راسخہ اور ہیئات نفسانیہ حاصل ہو گئی تھی، چنانچہ وہ زندگی بھر ان امور کو پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہے۔ پھر یہی مقصود اور حقیقت آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطریق وراثت ہمارے مشائخ کے طریقوں میں چلی آئی، ہر چند ان کے رنگ اپنے اپنے اور حصول نسبت کے طریقے جدا جدا ہیں۔

میرے والد گرامی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے ایک طویل خواب میں ذکر فرمایا کرتے تھے جس میں انھوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے والد گرامی سید الاولیا حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور میری نسبت ویسی ہے یا وہی ہے جیسی آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں حاصل تھی۔ اس پر حضرت علی مرتضیٰؓ نے انہیں نسبت میں استغراق کا حکم فرمایا اور تھوڑی دیر کے بعد فرمایا ہاں ہاں دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

نسبت پر مداومت کرنے والے سالک کے حالات بلند اور درجہ بدرجہ ہوتے ہیں، لہٰذا سالک انہیں غنیمت جانے اور سمجھے کہ یہ عبادات وطاعات کے قبول ہونے اور نفس کے باطن اور دل کی گہرائیوں میں اثر انداز ہونے کی نشانیاں ہیں۔

ان احوال میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو تمام چیزوں پر مقدم رکھنا اور اس پر غیرت کرنا ہے، امام مالکؒ نے موطا میں حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، آپ نے دیکھا کہ ایک خوش رنگ چڑیا ادھر ادھر اڑ رہی ہے اور درختوں کے جھکے ہوئے جھنڈ سے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کر رہی ہے۔ اس دل ربا منظر نے تھوڑی دیر کے لئے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی توجہ کھینچ لی اور آپ کو یہ احساس نہ رہا کہ کتنی رکعات ادا ہو چکی ہیں اور کس قدر باقی ہیں۔ آگاہی ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ میرا باغ میرے لئے فتنہ ثابت ہوا ہے، میری طرف سے یہ صدقہ ہے، جہاں مرضی آئے اسے خرچ کریں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا مشہور قصہ جس میں قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْاَعْنَاقِ

’’تو ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھرنے لگا‘‘ (ص: ۳۳)

اسی قبیل سے ہے۔

ذکر کردہ بلند تر احوال میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف بدن اور جوارح پر ظاہر ہو چنانچہ حفاظ حدیث نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات شخصوں (سات قسم کے لوگوں) کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنے سایہ رحمت میں رکھے گا، ان میں سے ایک وہ ہوگا جس نے خلوت میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں، اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک قبر پر کھڑے تھے اور روتے روتے آپ کی داڑھی تر ہو گئی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت یہ تھی کہ قیام شب (یعنی تہجد کے نوافل) میں آپ کے سینہ مبارک سے اس طرح جوش کی آواز سنائی دیتی تھی جس طرح ہانڈی سے آتی ہے۔

منجملہ بلند مدارج اور احوال سے سچے خواب ہیں۔ حفاظ حدیث نے روایت بیان کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، صالح آدمی کا اچھا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں

سے ایک حصہ ہے اور آپ نے فرمایا کہ میرے بعد نبوت کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی، سوائے مبشرات کے صحابہ نے پوچھا مبشرات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ اچھا خواب جو نیک شخص دیکھے یا اس کے لئے کوئی دوسرا شخص ایسا خواب دیکھے جو نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے، چنانچہ درج ذیل آیت کی ایک تفسیر یہ بھی منقول ہوئی ہے کہ بشارت دنیوی سے مراد سچا خواب ہے۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

"انہیں خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں" (یونس: ۶۴)

رویائے صالحہ سے مراد خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہے یا جنت ودوزخ دیکھنا، انبیا علیہم السلام اور اولیا اللہ کی زیارت، اس طرح متبرک زیارت گاہوں کو دیکھنا مثلاً بیت اللہ، مسجد نبوی، مسجد بیت المقدس، یا آئندہ رونما ہونے والے واقعات کہ پھر وہ اسی طرح وقوع پذیر ہوں جیسے انہیں دیکھا یا گزر رہے ہوئے واقعات کا دیکھنا یا انوار اور پاکیزہ چیزوں کا دیکھنا مثلاً دودھ پینا، شہد اور گھی کا استعمال کرنا بھی رویائے صالحہ کے ضمن میں آتے ہیں، تفصیلات رویا کی کتابوں میں مذکور ہیں اسی طرح خواب میں فرشتوں کو دیکھنا حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص رات کے وقت قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ اس پر اچانک ایک سائبان تن گیا جس میں چراغ نصب تھے۔

بلند احوال میں سے ایک فراست صادقہ ہے یعنی دل میں واقعے کا بعینہٖ متمثل ہو جانا۔

حدیث میں آیا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو، وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

احوال ومقام کی رفعت کی ایک اور صورت دعا کی قبولیت اور اس چیز کا ظہور ہے، جسے وہ اپنی باطنی ہمت کی مدد سے بارگاہ الٰہی سے طلب کر رہا ہے، غالباً اس حدیث میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"بعض ایسے غبار آلود، پریشان مو اور پھٹے پرانے کپڑوں والے لوگ ہیں، جنہیں کوئی خاطر میں نہیں لاتا لیکن اگر وہ اللہ کے سہارے پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو سچا کر دیتا ہے"۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ اور اس قسم کے دوسرے احوال، سالک کے ایمان کی پختگی، اس کی طاعات قبول ہونے کی نشانی اور اس کے باطن میں نور الٰہی سرایت کر جانے کی علامات ہیں، لہٰذا سالک ایسے احوال و منازل کو غنیمت جانے۔

فنا فی اللہ، بقا باللہ: حصول نسبت کے بعد دوسری بلند منزل فنا فی اللہ اور بقا باللہ کی ہے، مگر اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ مشائخ کی متصل سند کے ذریعے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات منقول نہیں ہوئی، یہ خدا داو نعمت ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے بغیر کسی ذریعے اور سلسلے کے جسے چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے، اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ سے کسی نے ان کے مشائخ کے سلسلے سے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص بھی اللہ تک اپنے سلسلے کے ذریعے نہیں پہنچا، پھر فرمایا، مجھے توفیق ایزدی سے کشش ربانی نے اپنی طرف کھینچا اور یوں میں بھی اللہ تک پہنچ گیا، اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا کہ اللہ کی طرف سے ایک کشش کی عنایت، جنات اور انسانوں کے عمل کے برابر ہے، اس کے باوصف حضرت خواجہ نقشبندؒ کا سلسلہ مشہور و معروف ہے جو شخص فنا اور بقا کی بلند منزل کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہے، اسے ہماری دوسری کتابیں پڑھنی چاہئیں، اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رہنما ہے۔

باب۔ ٨

مجرب خاندانی عملیات

برائے غنائے قلبی وظاہری: میرے والد گرامی نے مجھے وصیت فرمائی کہ ہر روز گیارہ سو دفعہ یا مغنی اور چالیس مرتبہ سورہ مزمل پابندی کے ساتھ پڑھنا غنائے قلبی اور ظاہری دونوں کے لئے مجرب ہے۔

اسی طرح آپ نے پابندی کے ساتھ ہر روز درود پڑھنے کی وصیت فرمائی اور فرمایا ہم نے جو پایا درود ہی کی بدولت پایا۔

برائے درد دنداں، درد سر وغیرہ: والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی کوئی درد سر یا درد دانت کی شکایت لے کر آئے یا کسی کو ریاح ستا رہے ہوں تو ایک تختی پر پاک ریت ڈال کر اس پر کسی کیل وغیرہ سے ابجد، ہوز، حطی لکھے، پھر نوک دار کیل لے کر الف پر زور سے داب دے اور سورہ فاتحہ پڑھے، دوسری طرف درد والا آدمی اپنی انگلی درد کے مقام پر زور سے دبا کر رکھے اور اس سے پوچھے کہ آرام ہوگیا یا نہیں، اگر آرام ہوگیا تو بہتر، ورنہ کیل حرف ب پر رکھے دوبارہ فاتحہ اور اس سے پوچھے، اگر آرام نہیں ہوا تو اسے ج پر رکھے اور تین دفعہ فاتحہ پڑھے۔ الغرض جب تک مریض کو آرام نہ آئے کیل اگلے حرف پر رکھتا رہے اور فاتحہ پڑھتا جائے۔ آخری حرف تک جانے کی نوبت نہیں آئے گی کہ اللہ کے فضل سے مریض صحت یاب ہو جائے گا۔

برائے دفع حاجت، واپسی غائب اور شفائے مریض: والد گرامی فرماتے تھے کہ اگر کسی شخص کو کوئی مسئلہ پیش آ جائے یا کوئی غائب ہو جائے اور ہم چاہتے ہوں کہ وہ صحیح وسالم کامیابی، کامرانی کے ساتھ واپس آ جائے یا کوئی بیمار ہو اور اس کی شفایابی چاہتے ہوں تو فجر کی سنتوں اور فرضوں کے

درمیان اکتالیس بار سورۂ فاتحہ پڑھی جائے۔

برائے خوف جنون وگزیدن سگ دیوانہ: والد گرامی سے میں نے سنا انھوں نے فرمایا کہ اگر کسی کو باؤلا کتا کاٹ لے یا کسی شخص کے دیوانہ ہو جانے کا خوف ہو تو اسے چالیس دنوں تک ہر روز روٹی کے ایک ٹکڑے پر یہ آیت لکھ کر کھلاتا رہے۔

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا

فاقہ سے نجات کے لئے: والد گرامی فرماتے تھے کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ کی تلاوت معمول بنا لے وہ فاقہ سے محفوظ رہے گا۔ اسی طرح آپ نے فرمایا جو شخص سوتے وقت سورۂ کہف کی یہ آیت پڑھے اور اللہ سے دعا کرے کہ مجھے رات کے فلاں حصے میں بیداری ہو جائے، ٹھیک اسی وقت اللہ تعالیٰ اسے بیدار کر دے گا، آیات یہ ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلاً. خَالِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلاً. قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا. قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا. (کہف: ۱۰۷۔۱۱۰)

برائے حفاظت اطفال: والد گرامی فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ تعویذ لکھ کر بچے کے گلے میں ڈالے گا، اللہ تعالیٰ اس بچے کی حفاظت کرے گا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّعَيْنٍ لَّامَّةٍ تَحَصَّنْتُ بِحِصْنِ اَلْفِ اَلْفِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ.

برائے امان از ہر آفت: والد گرامی کا ارشاد ہے کہ یہ دعا ہر آفت اور مصیبت سے امان اور پناہ ہے اسے صبح و شام پڑھا جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَالَمْ يَشَآءْ لَمْ

يَكُنْ اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ اِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ.

برائے خوف حاکم: والدگرامی نے فرمایا جس شخص کو کسی حاکم یا آفیسر کا خوف ہے، اسے چاہئے کہ کہے، كٓهٰيٰعٓصٓ كُفِيْتُ حٰمٓعٓسٓقٓ حُمِيْتُ ہر لفظ کا پہلا حرف بولے، اور ہر حرف کے ساتھ دائیں ہاتھ کی ایک ایک انگلی بند کرتا جائے۔ اسی طرح دوسرے لفظ کے ہر ہر حرف کے ساتھ بائیں ہاتھ کی ایک ایک انگلی بند کرتا جائے، پھر اس افسر یا حاکم کے سامنے انہیں کھول دے۔

آیات شفا برائے مریض: والدگرامی فرماتے تھے کہ قرآن مجید کی چھ آیات ہیں جنہیں آیات شفا کہا جاتا ہے، انہیں کسی برتن میں لکھے اور پانی سے دھو کر مریض کو پلائے، وہ آیات یہ ہیں۔

وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَّشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ.

برائے دفع سحر و حفاظت از وزدان وغیرہ: میں نے والدگرامی سے سنا انھوں نے فرمایا کہ قرآن مجید کی ۳۳ آیتیں ہیں جو جادو وغیرہ کے اثر کو زائل کرتی ہیں، چوروں، درندوں، اور شیطان سے محفوظ رکھتی ہیں، وہ آیات یہ ہیں۔

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ
وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَلَا یَـُٔوْدُہٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ
الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ
الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی
الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی
الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ
وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ
وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا
وُسْعَهَا لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا
رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا
مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ
الْکٰفِرِیْنَ. اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی
عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ
مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ
تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا
وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَةَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ. قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا
الرَّحْمٰنَ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتْ
بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَکُنْ لَّهٗ
شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَکَبِّرْهُ تَکْبِیْرًا. وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا
فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا اِنَّ اِلٰهَکُمْ لَوَاحِدٌ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ نِ الْكَوَاكِبِ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَاتَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ. قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا.

برائے امان از چیچک: والد گرامی فرماتے تھے کہ چیچک کی بیماری پھوٹ پڑے تو ایک نیلا تاگا لے کر اس پر سورہ الرحمٰن پڑھے۔ اور ہر دفعہ "فبای آلاء ربکما تکذبان" پر پہنچ تو تاگے کو گرہ دیتا جائے، سورہ مکمل ہو تو تاگے کو پھونک مارے اور بچے کے گلے میں ڈال دے، اللہ تعالیٰ اسے اس مرض سے محفوظ رکھے گا۔

برائے امان از غرق، آتش، از غارت گری، چوری وغیرہ: میں نے اپنے والد گرامی علیہ الرحمتہ سے سنا آپ نے فرمایا کہ اصحاب کہف کے نام پانی میں ڈوبنے، آگ میں جلنے، چوری اور ڈکیتی سے محفوظ رہنے کے لئے امان ہیں، یہ نام یہ ہیں۔ **یملیخا، مکسلمینا، کشفوطط اذر فطیونس، کشا فطیونس، تبیونس، بوانس، بوس اور ان کا کتا قطمیر۔**

برائے حل مشکل: اسی طرح آپ نے فرمایا کہ جس شخص کو کوئی اہم مسئلہ درپیش آجائے، وہ

بارہ روز تک ہر دن بارہ سو دفعہ یا بدیع العجائب بالخیر یا بدیع پڑھے، اس کا مسئلہ حل ہو جائے گا اس فصل میں جن عملیات کا بیان ہوا ہے یہ وہ ہیں جن کی حضرت والد علیہ الرحمتہ نے دوسرے اعمال کے ساتھ مجھے اجازت عطا فرمائی۔

برائے نماز قضائے حاجت: مشکل حاجات کے پورا ہونے کے لئے چار رکعت نماز ادا کی جائے، پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سو دفعہ یہ آیات پڑھے۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ

دوسری رکعت میں یہ آیت سو دفعہ پڑھے۔

رَبَّهٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

تیسری رکعت میں سو دفعہ یہ آیت پڑھے۔

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ

چوتھی رکعت میں سو دفعہ یہ آیت پڑھے۔

قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ اس کے بعد سلام پھیرے اور سو دفعہ یہ آیت پڑھے

رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ

برائے رفع آسیب: اگر کسی کو آسیب کا خلل ہو تو اس کے بائیں کان میں سات بار یہ آیت پڑھے۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَاَلْقَیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ

اسی طرح اس کے کان میں سات دفعہ اذان کہے، سورہ فاتحہ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس، آیتہ الکرسی، سورہ والسماء والطارق، سورہ حشر کی آخری آیات اور سورہ والصفت پڑھے، آسیب جل جائے گا اس کے علاوہ آسیب کے لئے آسیب زدہ کے کان میں سورہ مومنون کی یہ آیتیں پڑھے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ فَتَعٰلَی اللّٰهُ الْمَلِکُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ

لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَ
اَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ

اسی طرح آسیب زدہ کے لئے یہ عمل ہے کہ پاک پانی پر سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور سورۂ جن کی درج ذیل پانچ آیتیں پڑھ کر دم کرے اور مریض کے چہرے پر اس کے چھینٹے مارے مریض ہوش میں آ جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی مکان میں جن ہو تو اس کے اطراف میں اس پانی کے چھینٹے مارے جن دوبارہ وہاں نہیں آئے گا۔ وہ آیات یہ ہیں۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا.

جنات سے حفاظت کے لئے: اگر جنات گھر کے قریب ہوں یا گھر میں پتھر پھینکتے ہوں تو لوہے کی چار میخوں پر پچیس پچیس بار یہ آیت پڑھے اور انہیں گھر کے چاروں کونوں میں ٹھونک دے آیت یہ ہے۔

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا فَمَهِّلِ الْكَافِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا

اسی طرح گھر کی دیواروں پر اصحاب کہف کے نام لکھنا بھی جنات و آسیب کو بھگانے کے لئے مفید ہیں۔

بانجھ پن کے لئے: بانجھ عورت کے لئے ہرن کی کھال کی جھلی پر زعفران اور گلاب کے پانی سے یہ آیت لکھ کر اس کے گلے میں ڈالے، آیت یہ ہے۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا

اسی طرح بانجھ پن کے لئے یہ عمل ہے کہ چالیس عدد لونگوں پر سات سات بار یہ آیت پڑھے اور ہر روز ایک لونگ عقیمہ عورت کو کھلائے عورت ایام مخصوصہ سے پاک ہونے کے فوراً بعد لونگ شروع کرے اور اس دوران مرد وظیفہ زوجیت بھی ادا کرے۔

آیت یہ ہے:

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ.

برائے اسقاط جنین: جس عورت کا حمل سالم نہ رہتا ہو اور بچہ ساقط ہو جاتا ہو، اس کے لئے ایک کسم رنگ کا تاگا عورت کے قد کے برابر لے لے اور اس پر نو گرہیں لگائیں، ہر گرہ پر

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ

اور سورہ قل یا ایہا الکافرون پڑھ کر پھونک مارتا جائے تاگا وہ عورت کمر میں باندھے۔

برائے دردزہ: جو عورت کو دردزہ ہو اس کے چھٹکارے کے لئے یہ آیت اور دعا کاغذ پر لکھے اور اس کا تعویذ بنا کر دردزہ والی عورت کی بائیں ران میں باندھے، خدا کے فضل سے جلد بچہ جنے گی، آیت اور دعا یہ ہے۔

وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ اِهْیًا اَشْرَاهِیًّا

میں نے درمنثور میں حضرت اعمش کی یہ روایت پڑھی تھی جس میں انھوں نے فرمایا کہ اِهْیًا اَشْرَاهِیًّا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے، اس کا معنی یہ کہ اے زندہ قبل ہر چیز کے اور زندہ بعد ہر چیز کے۔

برائے فرزند نرینہ: جس عورت کے ہاں صرف بچیاں پیدا ہوتی ہوں، اس کے لئے حمل پر تین مہینے گزرنے سے پہلے ہرن کی جھلی پر زعفران اور گلاب کے پانی سے یہ آیات لکھے اور تعویذ بنا کر اس کے گلے میں ڈالے آیات یہ ہیں۔

اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰی وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ یٰزَكَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اِسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا پھر یہ لکھے بِحَقِّ وَمَرْیَمَ اِبْنًا صَالِحًا طَوِیْلَ الْعُمْرِ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ.

جس کا لڑکا زندہ نہ رہتا ہو: مجھے ایک انتہائی بااعتماد اور معتبر شخص نے بتایا کہ جس عورت کا لڑکا زندہ نہ رہتا ہو، اس کے لئے اجوائن اور کالی مرچ پر سوموار کے روز دوپہر کے وقت چالیس بار سورۃ والشمس پڑھے، ہر دفعہ درود پاک سے شروع کرے اور اسی پر ختم کرے۔ آغاز حمل سے لے کر بچے کے دودھ چھڑانے تک ہر روز یہ عورت دونوں چیزیں کھاتی رہے۔

برائے فرزند نرینہ: جس عورت کے ہاں صرف بچیاں ہوتی ہوں، اس کے لئے ایک اور عمل یہ ہے کہ اس کے پیٹ پر انگلی کے اشارے سے ستر دفعہ گول لکیر کھینچے اور ہر دفعہ دائرہ بناتے وقت یا متین کہا جائے۔

ہم دوبارہ اپنے ابتدائی کلام کی طرف رجوع کرتے ہیں والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے جن اعمال کی اجازت عطا فرمائی ان میں نظر لگنے کا عمل ہے۔

نظر کا علاج: اگر بچے کو کسی عورت کی نظر لگ جائے تو چھری سے ایک گول لکیر کھینچے اور یہ آیات پڑھتا جائے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ وَيَمْحُوْا اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ.

پھر پڑھے

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّعَيْنِ الْاَمَةِ يَا حَفِيْظُ يَا رَقِيْبُ يَا وَكِيْلُ يَا كَفِيْلُ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.

اس کے بعد چھری دائرے کے اندر درمیان میں گاڑھے اور کہے کہ میں نے یہ چھری نظر لگانے والی کے دل میں ٹھونک دی ہے پھر اس دائرے کو کسی رکابی وغیرہ سے ڈھانک دے۔

سحر یا نظر سے بچاؤ: سحر یا نظر لگنے سے حفاظت کے لئے ایک عمل یہ ہے کہ بدنظری کرنے والے یا سحر کرنے والے شخص کو سامنے یا جس وقت اپنے طور پر اس کا ذکر کرے نام لے کر کہے اوفلانے! اس سے اس شخص کو عمل بے اثر ہو جائے گا۔

اسی طرح نظر سے بچنے کا ایک عمل یہ ہے کہ جس وقت اس بات کی تحقیق اور تصدیق ہو جائے کہ مریض کو نظر لگی ہے اور یہ بھی تصدیق ہو جائے کہ فلاں شخص کو نظر لگی ہے تو نظر لگانے والے کا چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں اور ناف سے گھٹنوں تک کا درمیانی حصہ پانی سے دھلوالیا جائے اور جسے نظر لگی ہے اس پر یہ پانی چھڑک کے مریض فوراً تندرست ہو جائے گا۔

میں عرض کرتا ہوں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں جو روایت کی ہے اس کے مطابق نظر لگانے والے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریب قریب یہی حکم ہے۔

نظر کے اثر سے نجات حاصل کرنے کا ایک طریقہ اور عمل یہ ہے کہ پاک تاگا تین ہاتھ لمبا ناپ کر نظر زدہ مریض کے پاس رکھ لے اور مریض پر درج ذیل عزیمت پڑھے، پھر تاگا ناپے، اگر وہ تین ہاتھ سے بڑھ جائے یا کم پڑ جائے تو سمجھ لے کہ مریض کو نظر کا اثر ہے، یہ عمل تین بار دہرانے سے نظر کا اثر ختم ہو جائے گا، عزیمت سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ تین مرتبہ اور سورہ فاتحہ تین دفعہ پڑھے عزیمت یہ ہے۔

عَزَمْتُ اِلَیْکَ اَیَّتُهَا الْعَیْنُ الَّتِیْ فِی یہاں مریض اور اس کی ماں کا نام لے بِعِزِّ عِزِّ اللّٰهِ وَبِنُوْرِ عَظْمَةِ وَجْهِ اللّٰهِ بِمَا جَرٰی بِهِ الْقَلَمُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِلٰی خَیْرِ خَلْقِ اللّٰهِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَزَمْتُ عَلَیْکَ اَیَّتُهَا الْعَیْنُ الَّتِیْ فِیْ فُلَانَ ابْنِ فُلَانَةِ بِحَقِّ اَشْرَاهِیًّا بَرَاهِیًّا اَذُوْنِیًّا اَصَبَّاتُ اِلَّ شَذَایَ عَزَمْتُ عَلَیْکَ اَیَّتُهَا الْعَیْنُ الَّتِیْ فِیْ فُلَانَ بْنِ فُلَانَةِ بِحَقِّ شَهَتْ بَهَتْ اِنْتَهَتْ یَا قَنْطَاعُ النَّجَا بِالَّذِیْ لَایَقْوٰی عَلَیْهِ اَرْضٌ وَلَا سَمَآءُ اخْرُجِیْ یَا نَفْسَ السَّوْءِ مِنْ فُلَانَ بْنِ فُلَانَةِ کَمَا اُخْرِجَ یُوْسُفُ مِنَ الْمَضِیْقِ وَجُعِلَ لِمُوْسٰی فِیْ الْبَحْرِ طَرِیْقٌ وَاِلَّا فَاَنْتِ بَرِیْئَةٌ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَاللّٰهُ تَعَالٰی بَرِیٌّ مِنْکِ اُخْرِجِیْ یَا نَفْسَ السُّوْءِ مِنْ فُلَانَ بْنِ فُلَانَةِ بِاَلْفِ اَلْفِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّهٗ کُفُوًا اَحَدٌ اُخْرِجِیْ یَا نَفْسَ السُّوْءِ بِاَلْفِ اَلْفِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ فَاللّٰهُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ حَسْبُنَا اللّٰهُ

وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ۔

سحر زدہ اور مایوس العلاج کے لئے: جس پر جادو کا اثر یا جس شخص کی بیماری سے اطبا عاجز آ چکے ہوں، اس کے لئے چالیس دن ہر روز چینی کی سفید طشتری پر یہ نقش لکھے اور اسے پاک پانی سے دھو کر مریض کو پلاتا رہے۔ میرے والد گرامی اس نقش پر سورہ فاتحہ کا اضافہ فرمایا کرتے تھے، نقش کے الفاظ یہ ہیں۔ یَا حَیُّ حِیْنَ لَا حَیُّ فِیْ دَیْمُوْمَةِ مُلْكِهٖ وَبَقَائِهٖ يَا حَيُّ۔

گم شدہ چیز کی واپسی کے لئے: جس کی کوئی چیز کھو جائے وہ بغیر کسی کمی اور زیادتی کے پورے ایک سو انیس بار یا حفیظ اور ایک سو انیس بار یہ آیت پڑھے۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ.

اللہ تعالیٰ اس کی گم شدہ چیز واپس کرا دے گا۔

چور کی شناخت: چور کی پہچان کے لئے دو آدمیوں کو آمنے سامنے بٹھا کر انہیں ایک بدھنا تھما دیا جائے جسے وہ اپنی کلمے کی دونوں انگلیوں سے پکڑ لیں، مشکوک شخص کا نام کاغذ پر لکھ کر اسے بدھنے میں ڈال دے مِنَ الْمُكْرَمِيْن تک سورہ یٰسین پڑھے۔ اگر وہی شخص چور ہوگا تو بدھنا گھوم جائے گا، اگر نہ گھومے تو دوسرے آدمی کا نام اس میں ڈال کر پھر یہی عمل دہرایا جائے۔ اسی طرح تمام مشکوک آدمیوں کا نام ڈالتا جائے اور مِنَ الْمُكْرَمِيْن تک سورۂ یٰسین پڑھتا جائے چور کا نام سامنے آ جائے گا۔

بھاگے ہوئے شخص کو واپس لانے کا عمل: اگر کوئی غلام (کوئی شخص) گھر سے بھاگ جائے تو درج ذیل آیات اور دعا کاغذ پر لکھ اس کا تعویذ بنائے اور ایک اندھیری کوٹھری میں اسے دو پتھروں (دو سخت اور وزنی چیزوں) کے درمیان رکھ دے۔ آیات میں فاتحہ اور آیۃ الکرسی لکھے اور یہ دعا لکھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَنْ فِيْهِنَّ فَاجْعَلِ اللّٰهُمَّ السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا فِيْهَا عَلٰى عَبْدِكَ فُلَانَ بْنِ فُلَانَةِ (یہاں بھاگے ہوئے شخص کا نام

لکھیں)

اَضِیْقَ مِنْ خَلْقِهٖ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلٰی مَوْلَاہُ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

اس کے بعد یہ آیت لکھے۔

اَوْ کَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَآ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَکَدْ یَرٰىهَا وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِیْطٌ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ.

اس کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِحَقِّ هٰذِهِ الْاٰیَاتِ اَنْ تُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ وَاَنْ تَرُدَّ الْعَبْدَ اِلٰی مَوْلَاہُ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ.

حاجت برآری کا عمل: اگر چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری کر دے تو اتوار کے دن سے فاتحہ کا ورد اس طرح شروع کرے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے میم کو الحمد للہ کے لام سے ملا کر پڑھے، یہ ورد فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان پہلے روز ستر بار دوسرے روز اسی وقت اسی طرح ساٹھ بار تیسرے دن پچاس بار پڑھے ہر روز دس کم کرتا جائے یہاں تک کہ ہفتے کے دن دس بار پڑھ کر عمل مکمل کر لے۔

استخارہ: اگر چاہے کہ خواب میں اسے اپنے مشکل مسئلے سے نجات یا اس کے حل کی کوئی صورت نظر آئے تو وضو کرے اور پاک کپڑے پہن کر قبلہ رو ہو کر داہنی کروٹ پر لیٹ جائے اور سورہ والشمس سات دفعہ، سورۂ واللیل سات دفعہ اور قل ھو اللہ سات دفعہ پڑھے۔ ایک روایت میں قل ھو اللہ کی بجائے سورہ والتین کا سات دفعہ پڑھنا آیا ہے پھر دعا کرے کہ بار الہ مجھے خواب میں اپنی حاجت کے حل یا اپنے مشکل مسئلے سے چھٹکارے کی سبیل کی طرف رہنمائی کرا اور مجھے خواب میں اپنی دعا کے قبول ہو جانے کی کوئی علامت دکھا۔ اگر مقصد پورا ہو تو یہی بہتر ورنہ دوسری رات یہ عمل دہرائے، الغرض ساتویں رات سے پہلے پہلے سارا مسئلہ کھل جائے گا ہمارے کئی احباب اس کا تجربہ کر چکے ہیں۔

برائے تپ: جسے تپ چڑھتا ہوا اس کے لئے یہ تعویذ کاغذ پر لکھ کر اس کے بازو میں باندھے انشاء اللہ جلد شفایاب ہوگا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بَرَآءَةٌ مِنَّ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ اِلٰى اُمِّ مِلْدَمٍ (تپ کی کنیت) الَّتِىْ تَاْكُلُ اللَّحْمَ وَتَشْرَبُ الدَّمَ وَتَهْشِمُ الْعَظْمَ اَمَّا بَعْدُ يَا اُمَّ مِلْدَمٍ اِنْ كُنْتِ مُؤْمِنَةً فَبِحَقِّ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ كُنْتِ يَهُوْدِيَّةً فَبِحَقِّ مُوْسٰى الْكَلِيْمِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاِنْ كُنْتِ نَصْرَانِيَّةً فَبِحَقِّ الْمَسِيْحِ عِيْسٰى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنْ لَّا اَكَلْتِ (مریض اوران کی ماں کا نام) لَحْماً وَّلاَ شَرِبْتِ لَهٗ دَمًا وَّلاَ هَشَمْتِ لَهٗ عَظْمًا وَّتَحَوَّلِىْ عَنْهُ اِلٰى مَنِ اتَّخَذَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ وَاِلَّا فَاَنْتِ بَرِيْئَةٌ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاللّٰهُ تَعَالٰى بَرِىٌّ مِّنْكِ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ.

برائے خنازیر: جس کے گلے میں خنازیر ہوں اس کے لئے چمڑے کا تسمہ مریض کے قد کے برابر لے اور اس پر اکتالیس گرہ لگائے، ہر گرہ لگاتے وقت یہ دعا پڑھ کر پھونک مارتا جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَةِ اللّٰهِ وَقُوَّةِ اللّٰهِ وَعَظْمَةِ اللّٰهِ وَبُرْهَانِ اللّٰهِ وَسُلْطَانِ اللّٰهِ وَكَنَفِ اللّٰهِ وَجِوَارِ اللّٰهِ وَاَمَانِ اللّٰهِ وَحِرْزِ اللّٰهِ وَصُنْعِ اللّٰهِ وَكِبْرِيَآءِ اللّٰهِ وَنَظَرِ اللّٰهِ وَبَهَآءِ اللّٰهِ وَجَلاَلِ اللّٰهِ وَكَمَالِ اللّٰهِ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ مِنْ شَرِّمَا اَجِدُ.

برائے سرخ بادہ: جس کے بدن پر سرخ بادہ ظاہر ہو وہ درج ذیل دعا سات بار پڑھے اور ہر بار چھری سے اس کی طرف اشارہ کرتا جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ بِسْمِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ الْكَرِيْمِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ وَسُلْطَانِهٖ اَيَّتُهَا الْحُمْرَةُ جَآءَتْكِ جُنُوْدٌ مِّنَ السَّمَآءِ وَقَالَ سُلَيْمَانُ اَيَّتُهَا الرِّيْحُ اَجِيْبِىْ دَاعِيَ اللّٰهِ وَمَنْ لَّمْ يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَمَا لَهٗ مِنْ مَّلْجَاءٍ وَمَالَهٗ مِنْ

ظَهِيْرٍ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِالثَّنَآءِ الطَّيِّبِ عَلَى اللّٰهِ اَللّٰهُ يَكْفِيْكَ وَاللّٰهُ يَشْفِيْكَ مِنْ كُلِّ دَآءٍ يُّؤْذِيْكَ وَمِنْ كُلِّ اٰفَةٍ تَعْتَرِيْكَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

برائے ضعف بصر: جس شخص کی بینائی کمزور ہو وہ ہر نماز کے بعد یہ آیت پڑھے، فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ۔

برائے مرگی: جو شخص مرگی کے مرض میں مبتلا ہو وہ اتوار کے دن صبح کے وقت تانبے کی تختی پر ایک طرف یہ کھدائے یا قهار انت الذی لا یطاق انتقامه اور دوسری طرف یہ کھدائے یا مذل کل جبار عنید بقهر عزیز سلطانه یا مذل اور اسے گلے میں ڈالے۔

باب۔ ۹

علمائے ربانی کے آداب وفرائض

ارشاد خداوندی ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ

تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں (التوبہ: ۱۲۲)

عالم ربانی جو انبیاء و مرسلین کا جانشین (وارث) ہے وہ ان چند امور کا بطور خاص خیال رکھے۔ وہ تفسیر، حدیث، فقہ، سلوک، عقائد اور صرف ونحو کی تعلیم دے، علم کلام، اصول اور منطق کا ہو کر نہ رہ جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ.

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ ان پر اس کی آیتیں پڑھتے اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں۔ (الجمعہ: ۲)

دوران تدریس استاد کے لئے چند چیزیں بہت ضروری ہیں۔ لغت کے اعتبار سے نادر الفاظ کی تشریح کرے، نحوی حیثیت سے مشکل اور مغلق جملوں کی وضاحت کرے، مسائل کی توجیہ وتوضیح جزوی مثالوں سے اس طرح کرے کہ ان کی صورت باندھ دے، دلائل اس طرح اٹھائے

کہ بعض مقدمات دوسرے مقدمات اور لوازمات سے مل کر خود بخود نتیجہ پیدا کرتے جائیں، کلی قاعدوں اور تعریفات کے درمیان قیود اور استثناؤں کے فوائد کی وضاحت کرے، مسائل کے ضمن میں مختلف تقسیموں میں حصر کی وجوہات بیان کرے، اسی طرح ظاہر شبہات حل کرے، مثلاً دو مختلف مسالک جو آپس میں خلط ملط نظر آتے ہیں، انہیں توجیہات، عبارات اور مسالک کے لحاظ سے واضح کرے اور جو چیزیں تعریفات میں ممتنع ہیں مثلاً استدراک اور خفی تر کا ذکر، انہیں کھول کر بیان کرے، جو چیزیں براہین میں ممتنع ہیں مثلاً جزوی ہونا کبریٰ کا سالبہ ہونا صغریٰ کا انہیں وضاحت سے پیش کرے۔

کوئی عالم دین اس وقت تک اپنے تلامذہ کو صحیح فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک وہ مذکورہ امور کی وضاحت نہ کرے اور دوران تدریس جگہ جگہ انہیں آگاہ نہ کرتا رہے۔

اسی طرح ایک عالم ربانی کے فرائض میں شامل ہے کہ اپنے تلامذہ کی روحانی تربیت کے لئے انہیں اشغال کی تعلیم دے، اشغال کا تفصیلی ذکر ہم بیان کر آئے ہیں، اس مقصد کے لئے وہ ایک وقت مقرر کرے، جس میں لوگوں کے ساتھ مجلس میں بیٹھے، انہیں نسبت کی توجہ دے، اللہ تعالیٰ کی حجت، ممکنہ استطاعت ہی کے ذریعے پوری ہوتی ہے اس کے بعد استطاعت میسرہ کا نمبر آتا ہے استطاعت میسرہ میں صحبت، قول وفعل سے اشغال واعمال پر ابھارنا اور دل پر تصرف کرنا شامل ہیں اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے اور اللہ کے فرمان **ویز کیھم** سے اسی طرف اشارہ ہے۔

عالم ربانی کا فرض ہے کہ وہ وعظ ونصیحت سے ذریعے لوگوں کی زندگی میں تبدیلی لائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرماتا ہے۔ **فذکر ان فعت الذکری** تم نصیحت فرماؤ اگر نصیحت کام دے (الاعلیٰ:۹)

قصے کہانیوں سے اجتناب کرے، حدیث کی کتابوں میں روایت کی گئی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ وعظ ونصیحت کے کام لیتے تھے۔

سنن ابن ماجہ میں ہمیں ایک روایت ملتی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں قصہ گوئی نہیں تھی۔ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ صحابہ کرام قصہ خوانوں کو مسجدوں سے نکلوا دیا کرتے تھے۔ ثابت ہوا کہ قصہ گوئی کا وعظ

ونصیحت سے کوئی تعلق نہیں، یہ ناپسندیدہ چیز ہے جبکہ وعظ ونصیحت محمود اور پسندیدہ عمل ہے۔

قصہ گوئی سے مراد یہ ہے کہ عجیب وغریب حکایتیں بیان کرے اور فضائل اعمال وغیرہ کے سلسلے میں غیر مصدقہ روایات کے ذریعے بے جا مبالغہ سے کام لے اور اس سے اس کا مقصد لوگوں کو بتدریج سنت پر عمل کرانا اور انہیں اس کا عادی بنانا نہیں، بلکہ نادر حکایات اور فصاحت وبلاغت سے محض زبان آوری، خود پسندی اور دوسرے لوگوں سے اپنے آپ کو ممتاز ثابت کرنا ہو۔

خلاصہ یہ کہ قصہ گوئی اور وعظ میں فرق کرنا ضروری ہے، ہم وعظ ونصیحت کے آداب اور فضائل میں آئندہ صفحات میں ایک مستقل باب سپرد قلم کر رہے ہیں۔

اسی طرح عالم حقانی کا فرض ہے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے مثلاً وضو اور نماز کے سلسلے میں لوگوں کو آگاہ کرے اگر کسی نے وضو میں پوری رعایت ملحوظ نہیں رکھی تو آواز دے ویل للاعقاب من النار، ایڑیوں کے لئے عذاب دوزخ ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص نماز میں تعدیل ارکان نہیں کرتا تو اسے کہے نماز دوبارہ پڑھو، تم نے نماز نہیں پڑھی، لباس، گفتگو اور دوسرے امور کے بارے میں بھی لوگوں کو سمجھائے۔

ارشاد خداوندی ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

”اور تم میں ایک ایسا گروہ ہونا چاہئے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری بات سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے“۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ نرمی اور شفقت سے انجام دے، سختی اور ڈانٹ ڈپٹ امراء اور بادشاہوں کا طریقہ ہے۔

ارشاد خداوند ہے: وجادلهم بالتي هي احسن ”اور ان سے اس طریقہ پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو“۔ (النحل ۲۵)

علمائے ربانی کے آداب میں سے ہے کہ وہ امکانی حد تک طالب علموں اور درویشوں کی خبر گیری کریں۔ اگر وہ خود کسی وجہ سے یہ خدمت پوری طرح انجام نہ دے سکیں تو اپنے ہم مزاج

برادران طریقت کو ایسے لوگوں کی خبر گیری اور ان کی ضروریات کا خیال رکھنے کی ترغیب دیں اور ان میں اس کا جذبہ پیدا کریں۔

ہم نے اوپر جو صفات بیان کی ہیں یہ جس شخص میں موجود ہوں اس کے وارث الانبیاء والمرسلین ہونے میں کوئی شک نہیں کرنا چاہئے۔ بلاشبہ ایسا شخص ملکوت آسمانی میں صاحب عظمت ہے، مخلوق خدا اسے دعا دیتی ہے، یہاں تک کہ مچھلیاں پانی کے اندر اس کے لئے دعا کرتی ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، خیال کرنا ایسے شخص کی صحبت غنیمت سمجھنا، اسے ہاتھ سے نہ جانے دینا بلاشبہ ایسے مرد خدا کی صحبت اکسیر اعظم ہے، واللہ اعلم۔

خیال رہے کہ جو شخص ہدایت اور دعوت الی اللہ کے منصب پر فائز ہو، اگر اس سے ذکر کردہ امور میں سے کسی امر میں کوتاہی ہو تو جب تک وہ اس کا ازالہ نہ کرلے، اس کی کوتاہی ہی سمجھی جائے گی۔

میں طالب حق کو چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں ان میں سے پہلی یہ ہے کہ دولتمندوں اور امراء سے صحبت نہ رکھے، البتہ اگر کوئی طالب حق مخلوق خدا کو ان کے ظلم سے بچانے یا انہیں کار خیر پر آمادہ کرنے کے لئے ان سے تعلق رکھتا ہے تو اس کے لئے مضائقہ نہیں، اس سے بخوبی ذہن سے وہ خلجان دور ہو جاتا ہے، جس کے مطابق ایک طرف احادیث میں بادشاہوں کی مصاحبت کی مذمت کی گئی ہے دوسری طرف بعض انتہائی صاحب تقویٰ علما نے بادشاہوں کی صحبت اختیار کی ہے۔

میری دوسری وصیت یہ ہے کہ سالک راہ حقیقت نہ تو جاہل پیروں کی صحبت اختیار کرے اور نہ جاہل عبادت گزاروں کی۔ اسی طرح وہ نہ زاہد خشک فقہا کے قریب پھٹکے اور نہ صرف ظاہر پر عمل کرنے والے محدثین (ظاہریہ) کی پیروی کرے، علوم عقلی اور علم کلام میں غلو کرنے والے صاحبان کے پیچھے بھی نہ لگے۔ سالک راہ حقیقت کو چاہئے کہ وہ عالم صوفی ہو، دنیا سے بے رغبتی کرتے ہوئے ہر وقت متوجہ الی اللہ رہے، اس کی نگاہ بلند ہو، سنت نبوی پر عمل اس کا مطمح نظر ہو، احادیث نبوی اور سیرت صحابہ کا پیروکار ہو، احادیث اور آثار صحابہ کی تشریح وتعبیر کے سلسلے میں ایسے محقق فقہا پر اعتماد کرے جو عقلیات کی بجائے حدیث سے زیادہ شغف رکھتے ہوں، عقائد کے

سلسلے میں ان علما سے تعلق قائم کرے جو عقائد کی بنیاد حدیث پر رکھتے ہوں، البتہ اپنی بات کو موکد کرنے کے لئے عقلی دلائل پر بھی ان کی نگاہ ہو۔

اصحاب طریقت میں سے ان لوگوں کی اتباع کرے جو علم اور تصوف کے جامع ہوں، ایسے نہ ہوں جو اپنے نفس پر بے جا بوجھ ڈالتے ہیں یا سنت پر اضافہ کرتے ہیں، جو شخص ان صفات کا مل نہ ہو، سالک کو اس کی صحبت اختیار نہیں کرنی چاہئے۔

عالم ربانی کے آداب میں سے یہ ہے کہ فقہا کے مختلف مکاتب اور مسالک میں بعض کو بعض پر ترجیح دینے پر زور صرف نہ کرے، بلکہ مجموعی طور پر ان تمام فقہی مسالک کو مقبولیت کے درجے پر رکھے، البتہ خود اس پر عمل کرے جو صریح اور مشہور حدیث کے مطابق ہو، اگر فقہا کے دونوں مسلک احادیث سے استنباط و استدلال کے لحاظ سے برابر ہوں تو اسے اختیار ہے وہ جس مسلک پر چاہے عمل کرے، البتہ وہ تمام مسالک کو کسی تعصب کے بغیر ایک ہی مسلک سمجھے۔

عالم ربانی کی ایک صفت یہ ہونی چاہئے کہ وہ مشائخ صوفیا کے سلاسل میں سے کسی ایک سلسلے کو ترجیح نہ دے، اسی طرح مجذوب (مغلوب الحال) حضرات پر نکیر کرے اور نہ ان لوگوں سے الجھے جو مسئلہ سماع میں تاویل کرتے ہیں۔ البتہ خود اس راہ پر عمل کرے جو سنت سے ثابت ہے اور جس پر بلند مرتبہ اور محققین علما عمل پیرا رہے ہیں، حق تعالیٰ توفیق عطا کرنے والا اور مددگار ہے۔

باب ۔۱۰

آداب ومقاصد وعظ ونصیحت

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد فرماتا ہے۔

فَذَكِّرْ إِنَّمَآ أَنتَ مُذَكِّرٌ

’’تو تم نصیحت سناؤ تم تو یہی نصیحت سنانے والے ہو‘‘ (الغاشیہ:۲۱)

حضرت موسیٰ کلیم اللہ سے ارشاد ہوتا ہے۔

وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللَّهِ

’’اور انہیں اللہ کے دن یاد دلا‘‘ (ابراہیم:۵)

وعظ ونصیحت دین کا بڑا رکن ہے، ہم وعظ کے آداب، وعظ کی کیفیت اور خصوصیات اور وعظ ونصیحت سے اصلی غرض وغایت کے بارے میں کچھ بیان کرتے ہیں، نیز اس کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ وعظ ونصیحت کے دوران کس کس چیز سے مدد لی جائے، یعنی وعظ کا ماخذ کیا ہو، وعظ کن باتوں پر مشتمل ہو اور وعظ سننے والوں کے آداب کیا ہیں اور اس دور کے واعظین کو کون کون سی آزمائش پیش آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست ہے۔

واعظ کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاقل، بالغ اور متقی ہو اور ان شرائط کا حامل ہو جو راویان حدیث کے لئے ضروری ہے، وہ محدث ہو، مفسر ہو اور مجموعی طور پر سلف صالحین کے حالات اور ان کی زندگیوں سے اچھی طرح باخبر ہو۔

اس کے محدث ہونے سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ حدیث کی کتابوں پر عبور رکھتا ہو، یعنی اس نے حدیث کے الفاظ پڑھے ہوں، اس کا معنی ومفہوم سمجھا ہو اور ان کی صحت وسقم کو اچھی طرح جانتا

ہوں چاہے اسے یہ علم کسی حافظ حدیث (محدث) کے ذریعہ حاصل ہوا ہو، چاہے کسی فقیہ کے استنباط سے۔ اس کے مفسر ہونے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ واعظ قرآن مجید کی آیات مشکلہ کی توجیہ، تاویل اور اس کی تشریح کے سارے پہلوؤں سے آگاہی رکھتا ہو، نیز اسے سلف کے تفسیری کام سے پوری واقفیت ہو۔

اس کے ساتھ مناسب ہے کہ وہ فصیح اللسان ہو لوگوں کی ذہنی استعداد کے مطابق بات کرنے کا اسے ملکہ حاصل ہو وہ مہربان صاحب خلق اور صاحب وجاہت ہو۔ جہاں تک وعظ کا تعلق ہے بہتر ہے کہ اس میں مناسب وقفہ رکھے (یعنی خاص خیال رہے کہ لوگوں میں اکتاہٹ اور بددلی پیدا نہ ہو، لوگوں کی دلچسپی اور رغبت دیکھ کر وعظ کہے اور ابھی یہ رغبت اور دلچسپی موجود ہو کہ ختم کردے۔

وعظ و نصیحت کی محفل پاکیزہ اور صاف ستھری جگہ مثلاً مسجد (۱) میں منعقد کی جائے، گفتگو کا آغاز اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام سے کرے اور ختم بھی اسی پر کرے، تمام مسلمانوں بالخصوص حاضرین کے لئے خصوصی دعا کرے۔

وعظ صرف ترغیب وترہیب (شوق دلانا اور ڈرانا) تک محدود نہ رکھے بلکہ ملا جلا انداز اپنائے، جیسے اللہ تعالیٰ کی سنت اور طریقہ ہے کہ وہ وعدے کے ساتھ وعید اور خوشخبری و بشارت کے ساتھ انداز یعنی خوف دلاتا ہے، واعظ کے لئے مناسب ہے کہ وہ آسانی اور نرمی دکھائے نہ کہ سختی اور تنگی، خطاب میں عمومی انداز اپنائے، کسی خاص گروہ، فرقے یا شخص کو نشانہ نہ بنائے، بات کا انداز یہ ہو کہ کچھ لوگ اس طرح کہتے یا کرتے ہیں۔

وعظ میں لغو اور اخلاق سے گری ہوئی بات سے اجتناب کرے، اچھی بات اور عمل کی تحسین کرے اور بری بات کی تحقیر کرے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔

وعظ و نصیحت کے اصل مقاصد حاصل کرنے کے لئے واعظ پہلے اپنے دل میں اعمال، اخلاق، کردار اور زبان پر قابو کے اعتبار سے ایک حقیقی مسلمان کا تصور قائم کرے، یہ تصور قائم کرتے وقت اس کے باطنی احوال اور ذکر و فکر کے ساتھ اس کی دلچسپی اور عمل کو بھی ساتھ ملائے۔

---

(۱) موجودہ زمانہ میں ہال اور کانفرنس روم وغیرہ میں

پھر اسی جامع اور مکمل انسان کو نشان راہ بنا کر آہستہ آہستہ سامعین کے فہم کے مطابق ان کے دلوں میں اسے ثابت اور راسخ کر دے۔ پہلے لباس، نماز اور شکل وصورت وغیرہ کے سلسلے، نیکی اور اچھائی کی خوبیاں اور غلطیاں اور گناہوں کی برائیاں بتائے، ان پر عمل پیرا ہو جائیں تو انہیں ذکر اذکار کی تلقین کرے، پھر جب ان کے اندر ذکر کا اثر معلوم ہونے لگے تو انہیں دل اور زبان پر قابو رکھنے کی مشق کرائے، ان کے صحیح نتائج حاصل کرنے اور دلوں میں اثرات پیدا کرنے کے لئے گزشتہ واقعات اور ایام اللہ کے تذکرے سے اعانت حاصل کرے اور لوگوں کو بتائے کہ سنت الٰہیہ کیا ہے؟ انفرادی اور اجتماعی طور پر کامیابی و ناکامی کے پیچھے قدرت کے کون سے عوامل کارفرما ہیں اور اس دنیا میں مختلف قوموں کی تباہی و بربادی کے اسباب کیا تھے۔

اس کے بعد لوگوں کو برائیوں سے بچانے اور بہتر زندگی اپنانے کے لئے موت، عذاب قبر، یوم حساب کی سختی اور عذاب دوزخ سے ڈرائے اور مختلف ترغیبات سے بھی کام لے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

وہ اپنے وعظ کی بنیاد مندرجہ ذیل چیزوں پر رکھے۔

قرآن مجید، جو کچھ اس کی ظاہری عبارت اور تفسیر سے واضح ہو رہا ہے وہ حدیث نبوی، جو محدثین کے ہاں معروف اور رائج ہے، صحابہ کرام، تابعین اور سلف صالحین کے اقوال اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ۔

وعظ میں بے سروپا قصے بیان نہ کرے، صحابہ کرام نے ایسے قصے کہانیوں کو سخت ناپسند کیا ہے، بلکہ بعض دفعہ ایسے قصہ گویوں کو مار پیٹ کر مسجدوں سے بھی نکال دیا ہے، اس قسم کے قصے کہانیوں کا تعلق اکثر و بیشتر اسرائیلی روایات سے ہے، ان کے صحیح ہونے کے بارے میں کچھ علم نہیں، سیرت اور شان نزول کے ضمن میں اکثر ان کا بیان ہوا ہے۔

وعظ ترغیب (نیکیوں پر ابھارنا) ترہیب (برائی سے ڈرانا) واضح مثالوں، صحیح اور دل میں رقت پیدا کرنے والی حکایات اور نفع بخش نکات پر مشتمل ہونا چاہیے، یہی وعظ ونصیحت کا صحیح طریقہ ہے۔

وعظ میں جو مسائل بیان ہونے چاہیں ان کا تعلق یا تو حلال وحرام سے ہو، یا مشائخ، صوفیا

کے آداب سے، اسی طرح یا ان کا موضوع دعائیں ہو اور یا عقائد اسلام، اصل بات یہ ہے کہ واعظ جو مسئلہ بیان کرے، وہ اسے اچھی طرح جانتا ہو اور اسے اس کے سکھلانے اور تعلیم دینے کا فن بخوبی آتا ہو۔

وعظ کے سامعین کے آداب یہ ہیں کہ وہ واعظ کے سامنے بیٹھیں، کھیل تماشا نہ سمجھیں، شور نہ کریں، آپس میں گفتگو نہ کریں، ہر معاملے میں واعظ سے سوال نہ کریں، اگر کسی کے دل میں کوئی سوال اٹھتا ہے اور اس کا بیان ہونے والے مسئلے سے کوئی گہرا تعلق نہیں ہے یا مسئلہ اس قدر باریک ہے کہ عام لوگوں کی سمجھ سے بالا ہے تو سائل دوران وعظ خاموش رہے، البتہ علیحدگی میں چاہے تو پوچھ لے، اگر اس مسئلے کا بیان ہونے والے موضوع سے گہرا تعلق ہے مثلاً کسی اجمال کی تفصیل یا مشکل اور نادر بات کی تشریح مقصود ہے تو جس وقت واعظ اپنی گفتگو ختم کرے، آخر میں اس سے دریافت کرلے۔

واعظ کو چاہئے کہ وہ اپنی بات تین دفعہ دہرائے۔

اگر مجلس وعظ میں مختلف زبانیں بولنے والے لوگ موجود ہوں اور واعظ ان زبانوں پر قدرت رکھتا ہو تو انہیں ان کی زبانوں میں سمجھائے، واعظ کو چاہئے کہ وہ مشکل اور بہت مختصر یعنی اجمالی گفتگو سے پرہیز کرے۔

ہمارے زمانے کے واعظین کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ موضوع اور صحیح احادیث کے درمیان فرق سے بے خبر ہیں، بلکہ ان کے وعظ کا زیادہ تر حصہ موضوعات اور محرفات پر مشتمل ہوتا ہے، نمازوں اور دعاؤں کے سلسلے میں وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں، محدثین کے نزدیک وہ بیشتر موضوعات (گھڑی ہوئی) پر مشتمل ہوتا ہے۔

اسی طرح وہ ترغیب وترہیب کے بیان میں مبالغہ کرتے ہیں، واقعات میں تو خاص طور پر مبالغہ آرائی ہوتی ہے، بالخصوص واقعہ کربلا اور واقعہ وفات وغیرہ۔

باب ۔ ۱۱

مصنف کے سلاسل طریقت

ہماری صحبت اور طریقت وسلوک حاصل کرنے کا سلسلہ صحیح اور متصل و مسلسل سند کے ذریعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ثابت ہے۔ درمیان میں کوئی واسطہ منقطع نہیں ہے، ہر چند طریقت کے مخصوص آداب واشغال کی شکلیں بعینہٖ آپ سے ثابت نہیں ہیں، اس بندہ ضعیف ولی اللہ (اللہ اس سے درگزر کرے اور اسے سلف صالحین کے ساتھ شامل کرے) نے ایک لمبا عرصہ اپنے والد گرامی شیخ اجل عبدالرحیم رضی اللہ عنہ کی صحبت حاصل کی، آپ سے علوم ظاہری اور آداب طریقت سیکھے، اور آپ کی کرامات دیکھیں، آپ سے مشکلات کے بارے میں پوچھا اور طریقت وحقیقت کے بے شمار فوائد حاصل کئے ہیں، نیز واردات، احوال اور کرامات، جو آپ کے مشائخ اور آپ سے صادر ہوئیں، دیکھیں اور سنیں، اللہ تعالیٰ میری طرف سے اور آپ کے مریدین ومعتقدین کی طرف سے والد گرامی کو جزائے خیر عطا کرے۔

والد گرامی بہت سارے مشائخ کی صحبت میں رہے، ان میں سے تین انتہائی جلیل القدر ہیں، پہلے خواجہ خوردؒ ہیں، انھوں نے حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الہ داد اور خواجہ حسام الدینؒ کی صحبت اٹھائی، جبکہ یہ تینوں حضرات خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے، دوسرے بزرگ سید عبداللہؒ آپ شیخ آدم بنوریؒ کے صحبت یافتہ تھے۔ وہ شیخ احمد سرہندیؒ کے خلیفہ اور آپ خواجہ محمد باقیؒ کے خلیفہ تھے۔ تیسرے بزرگ خلیفہ ابوالقاسمؒ ہیں، آپ ملا ولی محمدؒ کے فیض یافتہ اور امیر ابوالعلاءؒ کے صحبت یافتہ تھے۔

خواجہ محمد باقیؒ، خواجہ محمد امکنگیؒ کے صحبت یافتہ وہ اپنے والد مولانا درویشؒ کے، وہ مولانا محمد

زاہدؒ کے، وہ خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے اور امیر ابوالعلاءؒ کے صحبت یافتہ تھے، امیر ابوالعلاؒ، امیر عبداللہؒ کے صحبت یافتہ، وہ امیر یحییٰ کے، وہ خواجہ عبدالحقؒ کے اور وہ خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے صحبت یافتہ تھے۔

خواجہ عبیداللہ احرارؒ نے بہت سارے مشائخ کی صحبت اٹھائی، ان میں سے مولانا یعقوب چرخیؒ (چرخ غزنی کا نواحی گاؤں) اور خواجہ علاؤالدین غجدوانیؒ نمایاں ہیں، یہ دونوں بزرگ بلا واسطہ خواجہ نقشبندؒ سے فیض یافتہ تھے۔ شیخ یعقوب چرخیؒ خواجہ علاؤالدین عطارؒ کی صحبت میں بھی رہے، اسی طرح خواجہ علاؤالدینؒ نے خواجہ محمد پارساؒ کی بھی صحبت اٹھائی، جبکہ یہ دونوں بزرگ خواجہ نقشبندؒ کے بڑے خلفا میں سے تھے۔

خواجہ نقشبندؒ (کمخاب باف آپ اور آپ کے والد یہی پیشہ کرتے تھے) نے بہت سے مشائخ کی صحبت پائی، ان میں بزرگ ترین خواجہ محمد باباسماسیؒ اور ان کے خلیفہ امیر سید کلالؒ ہیں، خواجہ محمد باباسماسیؒ، خواجہ علی الرامیتنیؒ کے صحبت یافتہ تھے، وہ خواجہ محمود ابوالخیر تعنویؒ (بخارا کا ایک گاؤں) کے وہ خواجہ عارف ریوکریؒ (بخارا کا ایک قصبہ) کے وہ خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ (بخارا کا ایک موضع) وہ خواجہ یوسف ہمدانیؒ کے اور وہ حضرت علی فارمدیؒ (طوس کا قصبہ) کے صحبت یافتہ تھے۔

حضرت علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ نے کئی مشائخ کی صحبت اٹھائی، ان میں دو نمایاں ترین ہیں، ایک امام ابوالقاسم قشیریؒ (قشیر قبیلہ کا نام ہے) وہ ابوعلی الدقاقؒ کی صحبت میں رہے، وہ ابوالقاسم نصیرآبادیؒ، وہ ابوالحسن الخضری رحمۃ اللہ علیہ، وہ حضرت شبلیؒ اور وہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کی صحبت میں رہے، حضرت علی فارمدیؒ کے دوسرے شیخ خواجہ ابوالقاسم گرگانیؒ ہیں، ان کے مرشد ابوعثمان مغربیؒ، ان کے مرشد ابوعلی الکاتبؒ، ان کے مرشد ابوعلی رودباریؒ اور ان کے مرشد حضرت جنید بغدادیؒ ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ اپنے ماموں سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ تھے اور وہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے، حضرت معروف کرخی نے کئی مشائخ سے فیض حاصل کیا، ان میں دو انتہائی معتبر نام ہیں، پہلے امام علی بن موسی رضا رحمۃ اللہ علیہ ہیں، آپ اپنے والد موسیٰ کاظم کے، وہ اپنے والد امام جعفر صادق رحمۃ اللہ کے وہ اپنے والد امام محمد باقرؒ کے، وہ اپنے والد امام زین العابدین کے، وہ اپنے والد امام حسینؓ کے، وہ اپنے والد امیر المومنین علی بن ابی طالب کے اور وہ سید المرسلین

صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ تھے۔ معروف کرخیؒ کے دوسرے مرشد حضرت داؤد طائیؒ ہیں، داؤد طائیؒ، فضیل عیاضؒ، حبیب عجمی رحمتہ اللہ اور ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت میں رہے، یہ تینوں حضرات بہت سے تابعین اور تبع تابعین کی صحبت میں رہے، بالخصوص انھوں نے حضرت حسن بصریؒ کی صحبت اٹھائی۔ ان میں سے تابعین نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی اصحاب سے فیض حاصل کیا ان اصحاب میں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور آپ کی احادیث کے حافظ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا نام نامی نمایاں ہے، یہ ہماری صحبت اور فیض کا سلسلہ ہے جس کے متصل اور صحیح ہونے میں ذرا شک نہیں۔

امام جعفر صادقؒ کو ایک دوسری نسبت اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ سے بھی ہے، یعنی امام جعفر صادقؒ کو نسبت ہے اپنے نانا حضرت قاسم بن محمدؒ سے، انہیں سلمان فارسیؓ سے، انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہے۔

ان کے علاوہ ہمارے اور سلاسل بھی ہیں، جن میں بعض صحبت کے سلسلے ہیں اور بعض بیعت اور خرقہ پوشی کے یہ سارے سلسلے ثابت اور متصل ہیں۔

بندۂ ضعیف ولی اللہ نے سلسلہ حاصل کیا، (طریقہ لیا) اپنے والد شیخ عبدالرحیمؒ سے، انھوں نے سید عبداللہؒ سے، انھوں نے شیخ آدمؒ سے، انھوں نے شیخ احمد سرہندیؒ سے، انھوں نے اپنے والد شیخ عبدالاحدؒ سے، انھوں نے شاہ کمالؒ سے، شیخ احمد سرہندیؒ کو شیخ سکندرؒ سے اور انہیں اپنے دادا شیخ کمال مذکورؒ سے بھی سلسلہ ملا۔ شیخ کمالؒ نے سید فضیلؒ سے، انھوں نے سید گدارحمٰنؒ سے، انھوں نے سید شمس الدین عارفؒ سے انھوں نے سید گدارحمٰن بن ابوالحسنؒ سے، انھوں نے شمس الدین صحرائیؒ سے، انھوں نے سید عقیلؒ سے، انھوں نے سید بہاء الدینؒ سے، انھوں نے سید عبدالوہابؒ سے انھوں نے سید شرف الدین قتالؒ سے، انھوں نے سید عبدالرزاقؒ سے، انھوں نے اپنے والد بانی سلسلہ الشیخ ابو محمد سید عبدالقادر جیلانیؒ سے، انھوں نے ابوسعید مخزومیؒ سے، انھوں نے ابوالحسن القرشیؒ سے، انھوں نے ابوالفرح طرطوسیؒ سے، انھوں نے ابوالفضل عبدالواحد التمیمیؒ سے، انھوں نے اپنے والد شیخ عبدالعزیز التمیمیؒ سے اور انھوں نے ابوبکر شبلی (رحمہم اللہ اجمعین) سے، طریقہ لیا اور نسبت حاصل کی، حضرت شبلی سے آگے سلسلے کی سند بیان ہو چکی ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے مرشد شیخ عبدالرحیمؒ نے اپنا نانا شیخ رفیع الدین محمدؒ کی روح سے بھی آداب طریقت کی تکمیل کی۔ شیخ رفیع الدین محمدؒ نے والد گرامی کی پیدائش سے کئی سال پہلے بطور کرامت انہیں طریقت کی اجازت عطا کی۔ جبکہ انہیں اپنے والد قطب عالمؒ سے اور انہیں نجم الحق چایلدہؒ سے اور انہیں شیخ عبدالعزیزؒ سے یہ اجازت ملی۔

والد گرامی شیخ عبدالرحیمؒ کے اور بھی کئی طرق اور واسطے ہیں۔ انہیں اجازت عطا کی سید عظمت اللہ اکبرآبادیؒ نے، انہیں اجازت عطا کی اپنے آباء و اجداد نے، انہیں شیخ عبدالعزیزؒ نے، انہیں قاضی خاں یوسف الناصحیؒ نے، انہیں حسن بن طاہرؒ نے، انہیں سید راجی حامد شاہؒ نے، انہیں شیخ حسام الدین مالک پوریؒ نے، انہیں خواجہ نور قطب عالمؒ نے، انہیں اپنے والد علاء الحق بن اسعد لاہوری ثم بنگالیؒ نے، انہیں اخی سراج عثمان اودھیؒ نے، انہیں شیخ نظام الدین اولیاؒ نے، انہیں شیخ فریدالدین گنج شکرؒ نے، انہیں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے، انہیں خواجہ معین الدین سجزیؒ نے، انہیں خواجہ عثمان ہارونیؒ نے، انہیں حاجی شریف الزندنیؒ نے، انہیں خواجہ مودود چشتیؒ نے، انہیں اپنے والد خواجہ یوسف بن محمد بن سمعان چشتیؒ نے، انہیں اپنے ماموں خواجہ محمد چشتیؒ نے، انہیں اپنے والد خواجہ ابو احمد چشتیؒ نے، انہیں خواجہ ابو اسحاق شامیؒ نے، انہیں ممشاد علو الدینوریؒ نے، انہیں ابوھبیرۃ البصریؒ نے، انہیں حذیفہ المرعشیؒ نے، انہیں ابراہیم بن ادہمؒ نے، انہیں فضیل بن عیاضؒ نے، عبدالواحد بن زیدؒ نے، انہیں خواجہ حسن بصری (رحمھم اللہ اجمعین) نے، انہیں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور انہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت عطا فرمائی۔

اسی طرح میرے والد گرامی نے باطنی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آداب طریقت سیکھے اور وہ اس طرح کہ انھوں نے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ سے بیعت ہوئے، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ذکر نفی و اثبات کی تلقین فرمائی۔ میرے والد گرامی نے حضرت زکریا علیہ السلام سے بھی طریقت کی تعلیم حاصل کی، انھوں نے والد گرامی کو اسم ذات کی تعلیم دی۔

میرے والد گرامی نے ائمہ طریقت کی ارواح سے بھی فیض حاصل کیا، حضرت شیخ ابو محمد عبدالقادر الجیلانیؒ، خواجہ بہاء الدین محمد نقشبندؒ اور خواجہ معین الدین بن حسن چشتی (رحمتہ اللہ علیہ) کو

انھوں نے خواب میں دیکھا، ان سے اجازتیں حاصل کیں اور ان کے دل پر ان بزرگوں کی اپنی اپنی نسبتوں کا جو فیضان ہوا انھوں نے اسے اچھی طرح معلوم کیا اور جانا، والد گرامی یہ واقعہ ہمیں سنایا کرتے تھے۔

علوم ظاہرہ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، نحو، صرف، کلام، اصول اور منطق وغیرہ میں نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھے، انھوں نے ابتدائی کتابیں اپنے بھائی ابوالرضا محمدؒ سے اور بڑی کتابیں امیر زاہد ہرویؒ سے پڑھیں۔ امیر زاہد ہرویؒ کے درسی کتابوں پر حواشی مشہور ہیں۔ انھوں نے مرزا فاضلؒ سے انھوں نے ملا یوسف کوسجؒ سے، انھوں نے مرزا جانؒ وغیرہ سے، انھوں نے علامہ تفتازانیؒ اور علامہ شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ سے یہ علوم پڑھے۔

مشکوٰۃ المصابیح، صحیح بخاری اور باقی صحاح ستہ کی اجازت مجھے، معتمد اور ثقہ عالم حاجی محمد افضلؒ سے ملی، انہیں یہ اجازت شیخ عبدالاحدؒ سے انہیں اپنے والد شیخ محمد سعیدؒ سے اور انہیں اپنے جد امجد شیخ سلسلہ شیخ احمد سرہند رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہوئی۔ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی طویل سند اپنی جگہ مذکور ہے۔ جو کچھ ہم اس رسالے میں بیان کرنا چاہتے تھے یہ اس کا حرف آخر ہے اور اوّل و آخر، ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ ہی تعریف و ثنا کا حق دار ہے۔

انتباہ
فی سلاسل اولیاء اللہ

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

سید عبدالغنی جعفری کلیمی

تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مقدمہ	۲۲۱
۲	پہلی فصل	۲۲۴
۳	اشغال نقشبندیہ	۲۴۰
۴۔	دوسری فصل	۲۴۲
۵۔	تیسری فصل	۲۴۶
۶۔	چوتھی فصل	۲۴۹
۷۔	پانچویں فصل	۲۵۴
۸۔	چھٹی فصل	۲۵۶
۹۔	ساتویں فصل	۲۵۸
۱۰۔	آٹھویں فصل	۲۷۴
۱۱۔	نویں فصل	۲۹۵
۱۲۔	دسویں فصل	۳۰۰
۱۳۔	گیارھویں فصل	۳۰۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴۔	بارہویں فصل	۳۰۷
۱۵۔	تسبیح کی سند	۳۰۹
۱۶۔	دلائل الخیرات کی سند	۳۱۰
۱۷۔	حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اساتذہ ومشائخ حرمین کے مختصر حالات	۳۱۲
۱۸۔	شیخ احمد شناویؒ	۳۱۲
۱۹۔	شیخ احمد قشاشیؒ	۳۱۴
۲۰۔	سید عبدالرحمٰن ادریسی المحجوبؒ	۳۱۷
۲۱۔	شمس الدین محمد بن العلا بابلیؒ	۳۱۹
۲۲۔	شیخ عیسیٰؒ جعفری مغربی	۳۲۰
۲۳۔	محمد بن محمد بن سلیمان مغربیؒ	۳۲۱
۲۴۔	شیخ ابراہیم کردیؒ	۳۲۲
۲۵۔	شیخ حسن عجمیؒ	۳۲۵
۲۶۔	شیخ احمد نخلیؒ	۳۲۸
۲۷۔	شیخ عبداللہؒ بن سالم البصری	۳۲۹
۲۸۔	شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی المدنیؒ	۳۳۱
۲۹۔	شیخ تاج الدین قلعی حنفیؒ	۳۳۵
۳۰۔	حضرت شاہ ولی اللہ کے خودنوشت حالات زندگی	۳۳۷

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب حمد و ثنا خدائے جل شانہ کو ہے جس نے اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشیر ونذیر کر کے بھیجا یعنی اس کے حکم سے مسلمانوں کو بشارت دینے والے اور کافروں کو ڈرانے اور ان کو سراج منیر یعنی چراغ روشن کیا پھر ان کے اصحاب کو فضیلت بخشی کہ وہ آنحضرت صلعمؐ کے دیدار مبارک سے مشرف ہوئے، اور ان کی حدیث شریف سنی اور صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ صحابہ کے بعد تابعین کو فضیلت عطا کی کہ آنحضرت صلعمؐ کے علم ظاہر و باطن کی ان سے سند لی جاتی ہے اور ان کے ظاہر و باطن کا اتصال آنحضرت صلعمؐ سے ظاہر و مستحکم ہوا سو وہ اللہ تعالیٰ کی حجت ہیں، اس کے بندوں پر اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں، اس کی مخلوق ہیں، اور ہدایت کے امام اور تقویٰ کے پیشوا ہیں اور علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اگر روایت اور منقول نہ ہوتا اسناد سے اور اس فہم سے جو اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بخشتا ہے تو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کرتا اور کوئی ہدایت نہ پاتا۔ اور نہ کوئی بشر مقرب ہوتا۔ اللہ جل شانہ کا **وصلی اللہ علی افضل خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین** ۔ اس کے بعد کہتا ہے۔ احمدؒ بن عبدالرحیم عمری دہلوی عرف ''ولی اللہ'' خدا اس کو اور اس کے مشائخ اور والدین کو اپنی رحمت عظمیٰ میں ڈھانک لیوے۔ یہ رسالہ(۱) ہے کہ اس کا نام انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ واسانید وارثی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ تالیف کیا گیا واسطے تعریف ان سلسلوں مشہورہ کے جن سے یہ فقیر علم ظاہر و باطن میں سند رکھتا ہے، خدا اس تالیف کو خالص لوجہ اللہ کرے اور مجھے اور اور لوگوں کو اس سے نصیب کامل عطا فرماوے۔

---

(۱) تصوف کے سلاسل میں شاہ صاحب کا یہ ایک اہم رسالہ ہے۔ (قاسمی)

مقدمہ: جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں اس امت محمدیؐ پر ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم، ان میں سے ایک یہ ہے کہ سلسلوں کا ربط آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک صحیح وثابت ہے۔ اگرچہ بعض امور میں اوائل امت اور اواخر امت کا اختلاف ہوا ہو تو حضرات صوفیہ صافیہ جو اول زمانہ میں ہوئے ہیں۔ تو ان کا ارتباط صحبت اور تعلیم اور نفس کی تہذیب کے آداب سے مؤدب ہونے سے تھا۔ اس وقت خرقہ اور بیعت نہ تھی اور سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کے زمانہ میں خرقہ کی رسم ظاہر ہوئی۔ اور بعد اس کے بیعت کا دستور جاری ہوا۔ اور ارتباط ان امور کے سلسلۂ روشن کا متحقق یعنی صحیح وثابت ہے۔ اور ارتباط یعنی رابطے کی صورتیں جو مختلف ہیں ان سے کچھ ضرر نہیں۔ اور خرقہ اور بیعت کی اصل ہے سنت سینہ تو خرقہ کی اصل تو الباس عمامہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو عطا فرمایا تھا۔ جب ان کو امیر لشکر کیا تھا اور بیعت کی اصل خود آنحضرت صلعم سے مستفیض اور متواتر یقینی ہے۔ کچھ پوشیدہ نہیں۔ پس زمانۂ اول میں علما کرام کا ارتباط، حدیثیں سننے اور ان کو اپنے دل میں محفوظ کرنا تھا۔ بعد اس کے کتابیں تصنیف ہوئیں اور قرأۃ اور مناولہ اور اجازت اور وجادت جاری ہوئی اور سلسلوں کا ارتباط ان سب امور میں صحیح ہے۔ اور صورتوں کے اختلاف کا اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ اور ان سب باتوں کی سنت سینہ میں اصل ہے۔

چنانچہ قرأۃ کی اصل تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اور اعرابی کا سوال اور مناولت کی اصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان لکھنے اطراف بلدان میں اور مناولہ صحیفہ عبداللہ بن جحشؓ اور اسی طور اجازت اور وجادت کے اصلین ہیں جن کا کتب حدیث میں بیان ہے۔ غرض صوفیہ کی رسم قدیم ہے کہ اپنے یاروں کو خرقہ پہناتے ہیں خواہ کلاہ، خواہ عمامہ، خواہ قمیص، خواہ قبا، خواہ چار، خواہ ازار جو کچھ میسر ہو۔ اور اس کے تین طریقے ہیں۔ ایک تو خرقہ اجازت کہ جب چاہتے ہیں کہ اپنے کسی دوست کو طریقت کی اجازت دیں اور اس کو اپنا نائب کریں۔ تلقین میں اور صحبت میں کہ طالبوں سے بیعت لے اور خرقہ عطا کرے تو اس کو خرقہ دیتے ہیں۔ سو اس کی شرط ان امور کا قبول کرنا ہے۔ دوسری صورت خرقہ ارادت ہے کہ جب کوئی عزیز صوفیوں کے زمرہ میں داخل ہوتا ہے اور ان کے سے عمل جدوجہد کے کرنے لگتا ہے اس کو خرقہ عطا کرتے ہیں کہ اس کی صوفیوں میں

داخل ہونے کی علامت ہو۔ اور اس کی شرط ان امور میں دیکھ لینا ہے کہ وہ جہد و کوشش کرتا ہے۔ ان امور میں اور استقامت رکھتا ہے۔

تیسرا خرقہ تبرک ہے کہ جب کسی پر مہربان ہوتے ہیں کہ صوفیوں کی برکات اس کے شامل حال ہوں اس کو خرقہ دیتے ہیں، اس میں کچھ شرط نہیں بادشاہ ہو یا امیر یا سوداگر کوئی ہو اور اسی طرح بیعت بھی کئی قسم کی ہے، ایک بیعت تو یہ ہے کہ گناہوں سے توبہ کرے سو وہ عام ہے ہر مسلمان کے واسطے یعنی جس سے چاہے بیعت کرے اور جو چاہے بیعت لے لیوے اور ایک بیعت تبرک ہے کہ صالحین کے سلسلہ میں داخل ہو سو وہ بھی عام ہے اور ایک بیعت تحکیم ہے کہ شیخ کو سلوک طریقہ مجاہدہ میں اپنے پر حاکم کرے اور خوب کوشش سے اس راستے چلے سو یہ خاص ہے۔ ارباب ارادت کے ساتھ بیعت کے طور میں اختلاف ہے، ملک عرب کے کل صوفیوں کی بیعت کی تو یہ صورت ہے کہ شیخ اپنا داہنا ہاتھ مرید کے داہنے ہاتھ پر رکھتا ہے اور انگوٹھے اور انگلیوں سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتا ہے اور بعد سورۂ فاتحہ پڑھنے اور قرآن شریف کی آیتیں پڑھنے کے مرید کہتا ہے۔ **اللھم** (۱) **انی اشھدک و اشھد ملائکتک و انبیاءک و اولیاءک انی قبلته شیخا فی الله و مرشدا و داعیا** اور شیخ کہتا ہے۔ **اللھم** (۲) **انی اشھدک و اشھد ملائکتک و انبیائک انی قبلته ولدا فی الله**۔ اس کے بعد دعا کرے اور ضروری باتوں کی وصیت کرے اور اسی آیت کا اشارہ ہے کہ آیہ کریمہ **ید الله فوق ایدیھم** میں اور جو طریقہ بیعت اس فقیر کے والد کو خواب میں آنحضرت ﷺ سے بیعت کا معلوم ہوا ہے۔ اور اس فقیر کو بھی آنحضرت ﷺ سے خواب میں معلوم ہوا ہے۔ اس کی صورت مصافحہ کی یہ ہے کہ دو ہاتھ مرید کے شیخ کے دونوں ہاتھوں میں ہوتے ہیں اور کلمات مبارک جو صحیح حدیث شریف میں وارد ہیں کہتے ہیں۔ اور بعد اس کے کہتے ہیں، **اخترت** (۳) **الطریقة الفلانیة** اور اس کا سب ذکر ہم نے کتاب قول الجمیل فی سواء السبیل (۴) میں ذکر کر دیا ہے۔ اور اب مقصد کے شروع کا وقت ہے۔

---

(۱) اے اللہ میں تجھ کو گواہ کرتا ہوں اور تیرے ملائکہ اور انبیا اور اولیا کو کہ میں نے اس بزرگ کو اپنا شیخ قبول کیا اللہ کی راہ میں اور اپنا مرشد اور اللہ کی طرف بلانے والا قبول کیا۔ (۲) اے اللہ میں بیشک تجھے گواہ کرتا ہوں اور تیرے ملائکہ اور انبیاء اور اولیاء کو کہ میں نے قبول کیا اس کو فرزند اللہ کی راہ میں۔ (۳) میں نے فلاں طریقہ اختیار کیا۔
(۴) یہ رسالہ بھی اسی مجموعہ امام شاہ ولی اللہ جلد ششم میں شامل ہے۔ (قاسمی)

پہلی فصل (۱)

اس فقیر کو ارتباط بیعت صحبت وخرقہ وفیض توجہ وتلقین عالم باطن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس فقیر نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضور میں حاضر ہوا ہے اور روبرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھا ہے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت مثالیہ دیکھی، اوّل تو ایک ایسا جسم کہ اس کا اعلیٰ اور اسفل پیرہن رکھتا ہے۔ اور اعلیٰ اسفل سے زیادہ چوڑا ہے اور درمیان اعلیٰ اور اسفل کے تدریج ہے۔ جیسے جسم مخروطی میں ہوتی ہے اور وہ تمثال (صورت) ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص نسبت کی، پھر ایسا معلوم ہوا ایک جسم مدوّر جیسے ایک طباق زمین پر رکھا ہوا ہے۔ اور اس میں ایک لکڑی گڑی ہوئی ہو۔ وہ تمثال سالکوں کی نسبت کی ہے، جنھوں نے جذب کا چنداں حصہ نہ پایا ہو، تیسرے ایسی شکل جیسی دوسرے سے مشابہ لیکن وہ اس طرح کہ جیسے لکڑی زمین میں گڑی ہوئی اور طباق اس کے اوپر ہو۔ وہ تمثال مجذوبوں کی نسبت کی ہے۔ جنھوں نے سلوک کا چنداں حصہ نہیں پایا اور ان تینوں تمثالوں کے دکھانے کے درمیان یہ بات دل میں ڈالی کہ خاص نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ ہے کہ طبقات مجردہ روحانیہ اور مراتب سفلانیہ جسمانیہ سب اپنے اپنے کمالات مناسبہ کے ساتھ متصف ہوں اور مراتب روحانیہ زیادہ قوی ہوں، اور مراتب روحانیہ سے کوئی ایسی چیز نہیں جس کا عالم نسمیہ میں خلیفہ اور نمونہ نہیں ہے۔ مثلاً محبت ذاتیہ کا نمونہ کیا ہے۔ محبت افعال اور روح کی اطاعت کا خلیفہ کیا ہے۔ سجدہ ظاہر اور جن لوگوں کو یہ جامعیت نہیں ملی ہے وہ دو

---

(۱) سلسلۂ ولی اللّٰہی

قسم ہیں۔ ایک قسم تو مجذوب ہیں کہ انھوں نے مراتب روحانیہ کی تکمیل کی ہے۔ سوائے مراتب نسمیہ کے ان کی وسعت درجات فقط فوق ہے اور دوسری قسم سالک ہیں کہ مراتب سافلہ کی تکمیل کی ہے، سوائے مراتب روحانیہ کے ان کی وسعت کمالات فقط درجات تحت ہے اور بس جب یہ معرفت جلیلہ میری خاطر میں جمے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے سر مبارک گریباں مراقبہ سے اٹھایا۔ اور اپنے دونوں مبارک ہاتھ اٹھائے اور اشارہ فرمایا بیعت اور مصافحہ کا۔ یہ فقیر اٹھا اور زانو بزانو متصل بیٹھ کر اپنے دونوں ہاتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ددونوں مبارک ہاتھوں میں رکھے اور بیعت کی بعد فراغ بیعت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مبارک آنکھیں بند کیں، اور اس فقیر نے بھی اپنی آنکھیں ان کے حضور مبارک میں بند کیں۔ اس وقت آپ نے وہی نسبت خاصہ جس کا علم القا فرمایا تھا۔ عطا فرمائی تو میں محیط ہو گیا۔ ازروئے علم کے اور حاشا للہ کہ اس واقعہ میں کچھ کلمہ وکلام درمیان نہ تھا فقط روحانی فیض تھا۔ یا اشارہ اور فعل تھا اور جب یہ فقیر مدینہ منورہ پہنچا اور ایک مدت تک روضہ انور میں متوجہ رہا۔

سب مراتب جذب وسلوک کے ابتداء سے انتہا تک طے کیے۔ اس وقت اس فقیر کو القاب زکی وحکیم سے ملقب فرمایا اور ایک طریقہ عنایت فرمایا اور جو جو علم میں مشکلات تھی میں نے پوچھی اور ان کا جواب باصواب پایا۔ ان میں سے اکثر میں نے رسالہ فیوض الحرمین (۱) میں لکھے ہیں اور طریقہ کا بیان رسالہ ہمعات (۲) میں میسر ہوا اور ایک ان جوابوں میں سے جو رسالہ فیوض الحرمین میں نہیں لکھا اس میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ اس فقیر نے ایک وجہ روحانی کلام سے حضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا۔ کہ فرقہ شیعہ کے واسطے کیا ارشاد ہے؟ کہ یہ اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور اصحاب رضی اللہ عنہم سے عداوت رکھتے ہیں۔ تو افاضہ فرمایا کہ اس جماعت کا مذہب باطل اور ان کے مذہب کا بطلان ظاہر ہو جائے گا جب غور کرو گے لفظ امام کی تعریف میں جو انھوں نے مقرر کی ہے۔ انتہیٰ۔ بعد اس حالت کے افاقہ سے میں نے جو غور کی تو معلوم ہوا کہ یہ کہتے ہیں امام معصوم (۳) منقرض (۴) الطاعت ہوتا ہے اور وحی باطنی کی عبارت ہے حکم الٰہی کے

---

(۱) فیوض الحرمین جس میں حضرت شاہ صاحب نے اختلافی مسائل اور علمی مشکلات کے جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بیان فرمائے ہیں۔ (۲) یہ رسالہ مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد اول میں شامل ہے جو تصوف پر ایک معرکۃ الآرار رسالہ ہے۔ (قاسمی) (۳) معصوم جو شخص گناہ سے پاک ہو اور کبھی کوئی خطا اس سے سرزد نہ ہو یہ اہل تشیع کا عقیدہ ہے۔ (۴) مفترض الطاعت یعنی جس کی تابعداری فرض کی گئی۔

القا ہونے سے باطن میں یا الہام یا امن خطا سے اس مسئلہ میں ثابت کرتے ہیں۔ بطریق اجتہاد کے اور کہتے ہیں کہ اس کو خدا مقرر کرتا ہے لوگوں کے واسطے کہ ان کو احکام الٰہی پہنچاوے اور فی الحقیقت نبوت کے معنی یہی خصلتیں ہیں، اس واسطے کہ نبی کی تعریف یہی ہے کہ **بعثة اللہ لتبلیغ الاحکام** یعنی اللہ نے اس کو بھیجا ہے واسطے احکام پہنچانے کے، اس کا حاصل یہی مقرر کرنا۔ اور افتراض طاعت ہے تو یہ لوگ درحقیقت ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں (۱) اور اماموں رضی اللہ عنہم کے واسطے نبوت ثابت کرتے ہیں۔ اگرچہ نبوت کا نام نہ لیں اس عقیدہ سے بھی کوئی اور بدتر عقیدہ ہے۔ اور عالم ظاہر میں اس فقیر کو وجہ سے بیعت اور صحبت وخرقہ اور اجازت اور تلقین اشغال کے یہ سب امور یا ان میں سے بعضے امور اور سب خانوادوں کے طریقہ سے جو آج کے دن روئے زمین پر مشہور ہیں یا ان میں سے اکثر سے ربط حاصل ہے ان میں سے اس رسالہ میں مشہور خانوادوں کی سند لکھتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ سب طریقوں سے قادریہ طریقہ عرب اور ہندوستان میں بہت مشہور ہے۔ اور نقشبندیہ ہندوستان اور ماوراء النہر میں بہت مشہور ہے اور حرمین میں بھی شائع ہوا ہے اور چشتیہ طریقہ ہندوستان میں بہت مشہور ہے اور سہروردیہ خراسان وکشمیر، سندھ کے نواح میں۔ اور کبریہ طریقہ توران وکشمیر میں اور شطاریہ ہندوستان میں اور شاذلیہ مغرب ومصر اور اس کے نواح اور مدینہ میں فی الجملہ مغرب میں اور عیدروسیہ طریقہ حضرموت میں (۲)۔ اس فقیر کا سلسلہ صحبت تہذیب باطن کے طریق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک مستفیض متصل یقینی الوقوع ہے کہ ہر ایک رجال سلسلہ نے اپنے شیخ کے ساتھ صحبت رکھی ہے اور آداب طریقہ حاصل کئے ہیں۔ بے شبہ ہر چند تعین ہونا ان آداب واشغال کا یقینی نہیں ہے۔ پس فقیر ایک مدت حضرت والد بزرگوار کی صحبت میں رہا ہے اور بیعت کی ہے اور آداب طریقہ سے بہت کچھ سیکھا ہے اور طریقوں کے اشغال اخذ کئے ہیں۔ اور خرقہ صوفیہ ان کے ہاتھ سے پہنا ہے اور خلوت میں اس ضعیف پر بہت توجہ فرمائی ہے اور اصل نسبت حضور کی ان کی توجہ سے حاصل کی ہے اور بہت کرامتیں اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں

---

(۱) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین وخاتم المرسلین ہیں، آپ کے بعد سلسلۂ نبوت ہمیشہ ہمیش کے لئے ختم ہوگیا ہے، یہی صحیح اسلامی عقیدہ ہے اور اسی پر ہمارا ایمان ویقین ہے۔

(۲) یہ مختلف سلاسل صوفیا ومشائخ ہیں، جن میں بعض ہندوستان میں معروف ہیں اور بعض دوسرے ممالک میں

اور واقعات عجیبہ اور اتفاقات غریبہ جو ان پر اور ان کے مشائخ پر واقع ہوئیں ہیں یاد کیے ہیں چنانچہ قسم اوّل کتاب انفاس العارفین (۱) میں بیان کیے ہیں اور آخر عمر میں اجازت تلقین اور بیعت وصحبت وتوجہ کی عنایت فرمائی ہیں اور کلمہ یدہ کیدی مکرر فرمایا ہے۔ یعنی اس کا ہاتھ جیسے میرا ہاتھ ہے سوالحمد للہ علی ذالک حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ اور انھوں نے صحبت رکھی ہے بہت سے شیوخ سے ان میں سے سید عبداللہؒ ہیں۔ کہ انھوں نے صحبت رکھی ہے شیخ آدم بنوریؒ سے انھوں نے شیخ احمد سرہندیؒ سے انھوں نے خواجہ محمد باقیؒ سے انھوں نے خواجہ امکنگیؒ سے انھوں نے مولانا درویش محمدؒ سے انھوں نے مولانا زاہدؒ سے انھوں نے خواجہ عبیداللہ احرارؒ سے اور وہ بہت سے شیوخ کی صحبت میں رہے ہیں کہ ان میں سے مولانا یعقوب چرخیؒ ہیں اور خواجہ علاء الدین غجدوانیؒ ہیں۔ یہ دونوں صحبت میں رہے ہیں۔ خواجہ نقشبندؒ کے بلاواسطہ اور مولانا یعقوب چرخی خواجہ علاء الدین عطارؒ کی صحبت میں بھی رہے ہیں اور خواجہ علاء الدین غجدوانیؒ خواجہ محمد پارساؒ کی صحبت میں رہے ہیں۔ اور یہ دونوں صاحب بڑے بڑے اصحاب خواجہ نقشبندؒ کی صحبت میں رہے ہیں کہ ان میں بہت بزرگ خواجہ محمد بابا سماسیؒ ہیں اور خلیفہ امیر سید کلالؒ ہیں اور خواجہ محمدؒ کے صحبت میں رہے ہیں۔ خواجہ علی برامیتھنیؒ کے وہ صحبت میں رہے ہیں خواجہ محمود خیر فغنویؒ کے اور خواجہ محمودؒ صحبت میں رہے ہیں خواجہ عارف ریوکریؒ کے، خواجہ عارفؒ رہے ہیں صحبت میں خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے اور خواجہ عارفؒ رہے ہیں صحبت میں خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے اور خواجہ عبدالخالقؒ صحبت میں رہے ہیں خواجہ یوسف ہمدانیؒ کے خواجہ یوسفؒ صحبت میں رہے ہیں ابوعلی فارمدیؒ کے اور ابوعلیؒ بہت سے شیوخ کی خدمت میں رہے ہیں۔ کہ ان میں دو بہت بزرگ ہیں ایک تو امام ابوالقاسم قشیریؒ کہ وہ صحبت میں رہے ہیں ابوعلی دقاقؒ کے اور ابوعلی دقاقؒ ابوالقاسم نصیر آبادیؒ کے اور ابوالقاسمؒ ابوعلی رود باریؒ کے اور ابوبکر شبلیؒ اور ابوبکر واسطیؒ کے جنھوں نے صحبت پائی ہے سید الطائفہ جنید بغدادیؒ کی اور دوسرے خواجہ ابوالقاسم کرگانیؒ ہیں جو صحبت میں رہے ہیں ابوعثمان مغربیؒ کے اور ابوعثمان ابوعلی کاتبؒ کے اور ابوعلی کاتبؒ ابوعلی رود باریؒ کے اور ابوعلی رود باریؒ جنید بغدادیؒ کے اور جنید بغدادیؒ صحبت میں رہے ہیں اپنے ماموں سری سقطیؒ کے اور سری سقطی معروف کرخیؒ کے اور معروف کرخیؒ صحبت میں

---

(۱) یہ رسالہ مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ جلد سوئم میں شامل ہے۔ (قاسمی)

رہے ہیں بہت سے شیوخ کہ ان میں دو بہت بزرگ ہیں۔

ایک تو امام علی بن موسیٰ رضاؒ وہ اپنے والد امام موسیٰؒ کی اور وہ اپنے والد امام جعفر صادقؒ کے اور وہ اپنے والد امام محمد باقرؒ اور وہ اپنے والد امام زین العابدینؒ کے اور وہ اپنے والد امام حسینؓ کے اور وہ اپنے والد امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اور وہ صحبت میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور دوسرے ان میں کے داؤد طائیؒ کہ وہ صحبت میں رہے حبیب عجمیؒ کی اور وہ حسن بصریؒ کے اور وہ اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان میں سے انسؓ خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور سنت رسول اللہ کے حافظ ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جو طریقہ آج کے دن محفوظ ہے۔ اس کا منشاء جنید بغدادیؒ ہیں اور خرقہ بھی محفوظ وہی ہے جو جنید بغدادیؒ کے واسطے سے ہے اور اس سلسلہ سے سید عبد اللہؒ حامل تھے اور ان سے اوپر خواجہ محمد باقیؒ تک ہند میں مقتدا صوفیہ کے تھے۔ اور ان کے ارشاد سے ایک عالم منزل مقصود کو پہنچا اور خواجہ امکنہؒ سے خواجہ عبد الخالقؒ تک ماوراء النہر کے ملک میں تھے۔ ہر ایک اپنے زمانہ میں صوفیوں کے مرجع اور طالبوں کے مقتدا اور فضل وارشاد میں مشہور تھے۔ وہ جو حضرت خواجہ محمد باقیؒ کے مکتوبات میں لکھا ہے اور ان کے پیرو اس پر ہیں۔ وہ یہی سلسلہ ہے جو لکھا گیا اور بعض کے شجرہ میں اہل بیت خواجہ محمد امکنہؒ کے لکھا ہے کہ خواجہ محمد امکنہ مریدی اور صحبت خفیہ میں خواجہ محمد درویشؒ سے رکھتے تھے اور مولانا زاہدؒ سے بھی ملے ہیں۔ اور یہ دونوں صحبت میں خواجہ عبید اللہ احرار کے رہے ہیں۔ واللہ اعلم

اور خواجہ نقشبندیہؒ سے اوپر طریقہ خواجگان کا کہلاتا تھا اور یہ مل کر ذکر جہر کیا کرتے تھے اور اس طرف خواجہ نقشبند سے طریقہ نقشبندیہ کہلاتا ہے اور انھوں نے خفیہ ذکر پر اکتفا کیا۔ اور خواجہ یوسف ہمدانیؒ سے جنیدؒ تک ابوالقاسم قشیریؒ کے طریق سے سب جامع تھے علم ظاہر وعلم باطن کے اور محدث تھے اور وعظ کہتے تھے۔ اور ابوالقاسم گرگانیؒ کے طریق سے سب کو مریدوں کے حال کے کشف سے اور ان کے سلوک راہ سے اور ہر ایک کو خصوصیت اپنے شیخ سے اس سلسلہ میں از راہ صحبت وخرقہ وتلقین کے یقینی ہے کہ اس میں کچھ شک وشبہ کو دخل نہیں۔

جاننا چاہیئے کہ اس سلسلہ میں جو بلا انقطاع پایا جاتا ہے۔ وہ تہذیب قلب وعقل ونفس ہے

لیکن تہذیب لطائف خفیہ کے اور جو حال اس کی تہذیب سے متفرع ہوتے ہیں وہ ثمرات ومواہب (۱) کی قسم سے ہیں اور جاننا چاہئے کہ بنور بفتح موحدہ وتشدید نون ایک شہر ہے توابع سہرند سے اور سہرند بکسر سین مہملہ وسکون ہا وفتح رائے مہملہ ایک شہر عظیم ہے۔ درمیان لاہور اور دہلی کے اصل میں اس کا نام سہرند ہے۔ یعنی جنگل شیر کا اور فارسی گووں کی زبان پر سرہند مستعمل ہوتا ہے (۲) اور امکنہ ایک موضع کا نام ہے شہر شیراز کے قریب اور اس کو انکنہ بھی کہتے ہیں۔ اور چرخ بجیم فارسی ورای مہملہ اور آخر خائے معجمہ ایک گاؤں کا نام ہے توابع غزنین سے، نقشبند نسبت ہے کم خات بافی کے خرفہ کی طرف کہ یہ اور ان کے والد یہ کام کرتے تھے کذافی سفینۃ الاولیاء اور غجدوان بغین معجمہ مکسورہ وسکون جیم ایک موضع کا نام ہے۔ توابع بخارا سے یہ یونہی مشہور ہے اور کفوی نے طبقات حنفیہ میں کہا ہے کہ بضم غین معجمہ وسکون جیم وضم وال مہملہ ایک گاؤں ہے بخارا سے چھ فرسنگ اور لب میں لکھا ہے بفتح دال مہملہ واللہ اعلم الخبیر۔

فغنی بفتح فاء سکون غین معجمہ ونون ایک گاؤں ہے بخارا کے توابع سے اور ریوکر بکسر راء مہملہ بھی ایک گاؤں ہے۔ توابع بخارا سے رامتین بفتح رائے مہملہ وکسر میم وسکون یائے تحتیہ وکسر مثناۃ آخر نون ایک قصبہ ہے توابع بخارا سے سماسی بفتح سین مہملہ کسر سین مہملہ ثانیہ ایک گاؤں ہے توابع شہر طوس سے کہ آج کل اس کو مشہد کہتے ہیں۔ اس گاؤں سے نسبت کر کے سماسی کہتے ہیں۔ سین مہملہ ثانیہ کی فتح اور دو یائی سے قشیری نسبت ہے بنی قشیر سے بضم قاف وفتح شین معجمہ عرب کا قبیلہ ہے۔ اور دقاق بتشدید قاف اول اور واسط ایک شہر ہے درمیان بصرے اور کوفی کے اور رود باری نسبت ہے ایک اطراف کی کہ ان کے اصول کا منشا ہے یعنی آبا واجداد کی پیدائش وہاں ہے کرگان بضم کاف عربی وتشدید مہملہ وکاف عجمیہ ایک گاؤں ہے مشہد کے گاؤں میں سے سری بفتح سین مہملہ وراء مہملہ وتشدید یائی تحتیہ لغت میں بمعنی جوانمرد ہے۔

سقطی نسبت بہ سقط فروشی ہے اور سقط متاع حقیر کو کہتے ہیں۔ اور بعض شجرہ میں سری سقطی مغلس دیکھا ہے مغلس بضم میم وفتح غین معجمہ وتشدید لام وسین مہملہ ساکن لغت میں اسے کہتے ہیں جو صبح کی نماز رات کی تاریکی میں پڑھے، سلسلہ صوفیہ علما کا سلسلہ بشارت کا لکھنا چاہئے اور طریقہ

---

(۱) مواہب جمع موہب بمعنی بخشش۔ (۲) حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مولد ومدفن۔ (قاسمی)

قادریہ کے شعبہ بہت ہیں اور بہت مضبوط اہل حدیث کے نزدیک شعبہ اکبریہ ہے۔ شیخ محی الدینؒ بن عربیؒ کی جہت سے اور بہت مشہور شعبہ جیلانیہ ہے۔ عوام میں سادات جیلانیہ کی جہت سے اور یمن میں بہت مشہور شعبہ مسرعیہ ہے۔

الغرض اس فقیر کو اکثر ان شعبوں سے ارتباط صحیح واقع ہے، پس اس فقیر کو ارتباط بیعت اور صحبت اور خرقہ اور تلقین اور اجازت کی رو سے اپنے والد بزرگوار (۱) سے ہے اور ان کو خرقہ اور تلقین اور صحبت و اجازت کی رو سے سید عبداللہؒ سے ہے۔ ان کو شیخ آدم بنوریؒ سے ان کو شیخ احمد سرہندیؒ سے ان کو اپنے والد شیخ عبدالاحدؒ سے ان کو شیخ کمالؒ سے ان کو سید فضیلؒ سے ان کو سید گدارحمٰنؒ سے ان کو سید شمس الدین عارفؒ سے ان کو سید گدارحمٰن بن سید ابوالحسنؒ سے ان کو شمس الدین صحرائیؒ سے ان کو سید عقیلؒ سے، ان کو سید بہاء الدینؒ سے، ان کو سید عبدالوہابؒ سے، ان کو سید شرف الدین قتالؒ سے، ان کو سید عبدالرزاقؒ سے، ان کو اپنے والد امام الطریقہ ابومحمد شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے اور ان کو خرقہ کی جہت سے شیخ عظمت اللہ اکبرآبادیؒ سے بھی ہے ان کو اپنے والد سے اور ان کو اپنے دادا شیخ عبدالعزیزؒ سے ان کو سید ابراہیم ایرجیؒ سے، ان کو شیخ بہاء الدین قادریؒ سے، ان کو حسبی نسبی سید السادات ابوالعباس احمد بن حسن بن موسیٰؒ بن علی بن محمد بن حسن بن ابونصر بن ابوصالح بن عبدالرزاق بن قطب ابومحمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ان کو اپنے والد سے ان کو ان کے دادا سے اسی طور اوپر تک اور اس فقیر کو ارتباط خرقہ کی جہت سے شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردیؒ سے ہے۔

اور انھوں نے خرقہ پہنا اپنے والد سے اور ان کے والد نے پہنا ہاتھ سے اپنے شیخ احمد قشاشیؒ کے اور ان کو خرقہ قادریہ میں کئی طریقہ ہیں، ایک ان میں سے یہ ہے کہ انھوں نے پہنا ہاتھ سے شیخ احمد شناویؒ کے ساتھ اس لباس کے جو انھوں نے اپنے والد علی بن القدوسؒ سے پہنا تھا۔ اور علی بن القدوسؒ نے پہنا شیخ عبدالوہاب شعراویؒ سے انھوں نے جلال الدین سیوطیؒ سے انھوں نے روضہ مصر میں شیخ کمال الدین محمد عرف امام الکاملیہؒ سے روبرو کعبہ شریف کے انھوں نے شمس الدین محمد بن محمد جزریؒ سے انھوں نے عمر بن حسن بن امیلہ المراغیؒ سے، انھوں نے عز احمد بن

---

(۱) حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ

ابراہیم فاروقیؒ سے، انھوں نے امام محی الدین محمد بن علی بن عربیؒ سے قدس سرہ اسراہم اجمعین ورحمنا بہم اور محی الدین عربیؒ نے پہنا جمال الدین یونس بن یحییٰ بن ابوالبرکات ہاشمی عباسیؒ سے، مکہ معظمہ میں سامنے رکن یمانی کے مسجد الحرام میں اور انھوں نے پہنا شیخ الوقت عبدالقادر جیلانیؒ سے اور ایک اُن طریقوں میں سے یہ ہے کہ شیخ احمد قشاشیؒ نے پہنا ہاتھ سے اپنے والد اور اپنے شیخ مدنیؒ کے، انھوں نے شیخ امین بن صدیقؒ سے، انھوں نے شیخ سراج الدین عمر جزئیل سے، انھوں نے شیخ عبدالقادر جنید مشرعؒ سے، انھوں نے اپنے والد جنید بن احمدؒ سے، انھوں نے اپنے والد احمد بن موسی مسرع یمنیؒ سے، انھوں نے شیخ اسمٰعیل بن صدیق جبرتیؒ سے انھوں نے شیخ محمد مزجاجیؒ سے، انھوں نے شیخ اسمٰعیل بن ابراہیم جبرتی یمنیؒ سے، انھوں نے شیخ سراج الدین ابوبکر بن محمد سلامیؒ سے، انھوں نے شیخ محی الدین احمد بن محمد بن احمد بن عبداللہ یوسف اسدیؒ سے، انھوں نے شیخ فخر الدین ابوبکر محمد بن علی بن نعیمؒ سے، انھوں نے شیخ ابواحمد محمد بن احمد بن عبداللہ بن یوسف اسدیؒ سے، انھوں نے اپنے والد ابومحمد احمد بن عبداللہ الاسدیؒ سے، انھوں نے اپنے والد شیخ عبید اللہ بن یوسف اسدیؒ سے، انھوں نے اپنے شیخ عبداللہ بن قاسم بن زریہؒ سے، انھوں نے شیخ ابومحمد عبداللہ علی اسدی یمنیؒ سے، انھوں نے قطب غوث الفرد الجامع محی الدین ابومحمد عبدالقادر بن ابوصالح جیلانی قدس اللہ روحہ سے پھر شیخ ابومحمد عبدالقادر جیلیؒ نے خرقہ پہنا ہاتھ سے شیخ ابوسعید مبارک بن علی بن حسین بن بندار بغدادی مخرمیؒ کے، مخرم بکسر رائے مہملہ مشددہ اور یا نسبت کی ہے اور ایک محلّہ کا نام ہے بغداد کے کہ اس کو بزرگی ہوئی وہاں اتری تھی۔

بعض اولاد یزید بن مخرم کی ان سے مشہور ہوا وہ محلّہ اس نام سے اس کو ذکر کیا ہے۔ منذری نے ایسا ہی لکھا ہے، طبقات حافظ بن رجب حنبلی میں، اور شیخ ابوسعیدؒ نے ہاتھ سے ابوالفرح محمد بن عبداللہ طرطوسیؒ کے ان کو پہنایا ابوالفضل عبدالواحد بن عبدالعزیز بن حارث تمیمیؒ نے ان کو پہنایا ان کے والد عبدالعزیز بن حارث تمیمیؒ اور ان کے استاد ابوبکر بن محمد دلف بن حلف بن محمد بن حجذر شبلیؒ نے ان کو پہنایا سید الطائفہ استاد ابوالقاسم جنید بن محمد بغدادیؒ نے قدس سرہ و اسرارھم ورحمنا بھم پھر آگے وہی سند مذکور ہے۔ سلسلہ صحبت کی مگر صوفیوں کا اتفاق ہے اس امر پر کہ حسن بصریؒ نے اخذ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور ایک گروہ شجرہ لکھنے والوں کے اس مقام پر

سلسلہ نسب کا ثابت کرتے ہیں اور اس میں جائے گفتگو ہے، اس واسطے کہ کوئی ایسا قرینہ نہیں پایا جاتا کہ باطن کی تربیت اس سلسلہ میں ہوئی ہو واللہ اعلم۔

اور وہ سلسلہ یہ ہے کہ سیدی شیخ ابو محمد عبدالقادر جیلانی نے اخذ کیا اپنے والد ابو صالح موسیٰؒ چنگی دوست سے، انھوں نے اپنے والد سید عبداللہؒ سے، انھوں نے اپنے والد سید یحییٰ زاہدؒ سے، انھوں نے اپنے والد سید محمد رومی سے، انھوں نے اپنے والد سید داؤد سے، انھوں نے امیر محمد اکبر سے، انھوں نے اپنے والد موسیٰ ثانی سے، انھوں نے اپنے والد سید عبداللہؒ سے، انھوں نے اپنے والد سید موسیٰ جون سے، انھوں نے اپنے والد سید عبداللہ سے، انھوں نے اپنے والد سید حسن مثنیٰ سے، انھوں نے اپنے والد امام حسن مجتبیٰ سے، انھوں نے اپنے والد اور والدہ سیدنا علی مرتضیٰ و سیدتنا فاطمۃ الزہراؓ سے اور ان دونوں نے نبی صلعم سے اور کتاب غنیۃ الطالبین وفتوح الغیب ومجالس ستین کے جو ملفوظ ہیں حضرت غوث کے اور اصل طریقہ ان کا ان میں مفصل ہے۔ اس فقیر نے اجازت حاصل کی شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی سے، انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے قشاشی سے، انھوں نے شناوی سے، انھوں نے عبدالرحمٰن بن عبدالقادر بن عبدالعزیز بن فہد ہاشمی علوی مکی سے، انھوں نے اپنے چچا جاراللہ بن عبدالعزیز بن فہد مکی سے، انھوں نے ابوالفضل جلال الدین سیوطی سے، انھوں نے کہا مجھے خبر دی شیخ جلال الدین بن ملقن نے کہا مجھے خبر دی ابو اسحاق تنوخی نے، ان کو ابوالعباس حجاز نے، ان کو احمد بن یعقوب مارستانی نے، اُن کو قطب الطریقہ شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی نے اور خبر دی ہم کو ہمارے شیخ ابو طاہر نے ان کو شیخ محمد سعید بن حسن قرشی کوکنی ثم المدنی نے اپنے رسالہ میں جس کا نام ہے۔ **ایقاظ الھمم بالاوراد والاذکار لتعرض نفحات العزیز الغفار** شیخ عارف باللہ شیخ ابراہیم کردی سے اور خبر دی ہم کو ہمارے شیخ ابو طاہر نے اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے۔ کہا خبر دی ہم کو ہمارے شیخ احمد بن محمد قشاشی مدنی نے یہ کہ ذکر طریقہ علیہ قادریہ کا اس طور پر ہے کہ مربع بیٹھے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے کھلا ہوا اور آنکھوں کو بند کر لے اور شروع کرے ذکر کو بائیں طرف سے اور ارادہ کرے کہ اپنے دل سے نکالتا ہے اللہ کے ماسوا کو اور دل کا مقام بائیں پستان کے نیچے ہے "لا" سے شروع کرے اور کھینچے اس کو یہاں تک کہ ڈالے الہ کو حالت نفی میں اوپر داہنے مونڈھے کے اور اثبات کرے ساتھ لفظ

''الا'' کے داہنے مونڈھے کے اوپر سے اللہ کو بیچ دل کے جس کے ماسوائے الہ کو نکال ڈالا تھا۔ بہت شدت اور ضرب کے ساتھ کہ دل میں اثر ہو جائے، اور اس میں ذکر کا نور قرار پکڑے۔ انتہی۔

اور اسی سند سے ہے شیخ ابراہیم کردیؒ سے کہ انھوں نے کہا ہے بیچ ایقاظ القوابل (۱) کے حق سبحانہ تعالیٰ کے طالب کو چاہیے بعد ادائے فرائض کے سوال کرے طریقہ اللہ کے تقرب کا اپنے پر لازم کر لینے سے اس وظیفہ کے جس کی طاقت رکھتا ہو افعال واقوال مستحب سے خالص عبودیت کے ساتھ کہ اس کا نتیجہ محبت الٰہی ہے نتیجہ دینے والے اس شئے کا جو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں یعنی نہیں نزدیکی کی طرف میرے بندہ نے میرے ساتھ کسی چیز کے جو محبوب تر ہو طرف میرے فرائض میرے سے اور ہمیشہ میرا بندہ میرا قرب چاہتا ہے ساتھ نوافل کے یہاں تک کہ میرا محبوب ہو جاتا ہے، تو میں ہوتا ہوں اس کے کان جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پاؤں جن سے وہ چلتا ہے، اور بخاری کی اس روایت کے سوا اوروں نے یہ بھی زیادہ روایت کیا ہے کہ اس کا دل جس سے وہ سمجھتا ہے اور اس کی زبان جس سے وہ کلام کرتا ہے۔ انتہی۔

تو جو شخص اس پر عمل کرنا چاہے وہ صبح وشام ذکر کیا کرے اور غافلوں میں سے نہ بنے اپنے کاروبار کے شغل میں اور افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ ہے پس اگر مجرد ہے کسی طرح کا بکھیڑا نہیں رکھتا تو بس وہ ذکر ہی کیا کرے اور جو دنیا کے کاروبار میں گھرا ہوا ہے تو وہ اپنی فرصت کے موافق ورد ووظیفہ مقرر کر لے اور اوسط کا درجہ ہے کہ لا الہ الا اللہ ایک ہزار بار بعد ہر صبح اور عشا اور تہجد کی نماز کے بعد ورد کر لے اور عذر کے وقت جس قدر آسان ہو اور ایک سو مرتبہ استغفار انہیں تینوں نمازوں کے بعد اور اس حدیث شریف پر عمل کرے کہ فرمایا آنحضرتؐ نے جو شخص استغفار چاہے مومنوں اور مومنات ہر روز ستائیس دفعہ وہ ہوگا ان میں سے جن کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اور جن کے سبب اہل زمین روزی پاتے ہیں۔ اور یہ بعد نماز صبح کے ہے۔

اور اس حدیث شریف کے مضمون پر عمل کرے یعنی جو شخص مغفرت مانگے اللہ سے بعد ہر نماز کے تین مرتبہ اور کہے **استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ** تو اس

---

(۱) لطائف کی بیداری

کے سب گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اگر چہ وہ جہاد میں سے بھاگا ہو پس کہے بعد صبح کے بعد دس مرتبہ ہر روز لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت بیدہ الخیر وھو علی کل شئ قدیو دس مرتبہ اور جو ہر نماز کے بعد کہے تو اولیٰ ہے اور ہر صبح اور عصر کے بعد دس دفعہ یہ پڑھے، اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آلہ واصحابہ عدد خلقک بدوامک اور دسویں دفعہ یہ اور پڑھ لیوے وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین وعلیٰ الھم وصحبھم والتابعین وعلی اھل طاعتک اجمعین من اھل السمٰوات واھل الارضین وعلینا معھم برحمتک یا ارحم الراحمین عدد خلقک رضاء نفسک وزینۃ عرشک ومداد کلماتک کلما ذکرک الذاکرون وغفل عن ذکرک الغافلون اور جو ہر فرضوں کے بعد دس مرتبہ ورد کر لے تو اور بہت خوب ہے، اور ہر نماز فرض کے بعد دس دفعہ سورۂ اخلاص پڑھا کرے اور بعد دو رکعتوں چاشت کے سورتیں والشمس وضحھا اور والضحیٰ پڑھے اس کے بعد یوں کہے۔ سبحان اللہ والحمد اللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم. عدد خلق اللہ بدوام اللہ دس مرتبہ اور یٰسٓ اور تبارک ہر صبح وشام پڑھے، اور مغرب کو بعد نماز کے سورہ الم سجدہ پڑھے اور جو یٰسٓ پڑھنے کا وقت نہ پائے رات کو تو الم سجدہ اور تبارک پڑھے اور بعد نماز مغرب کے چھ رکعتیں نفل اوابین اور بعد مغرب کے دو رکعتوں کے یہ کہے مرحبا بملائکۃ اللیل مرحبا بالملکین الکریمین الکاتبین اکتبا فی صحیفتی اشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ واشھد ان الجنۃ حق والنار حق والموت حق والقبر حق والسوال حق والحشر حق والحساب حق والشفاعۃ حق والصراط حق والمیزان حق واشھد ان الساعۃ اتیۃ لاریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور. اللھم انی اودعک ھذہ الشھادۃ لیوم حاجتی الیھا اللھم احطط بھا وزری واغفربھا ذنبی وثقل بھا میزانی واوجب لی بھا امانی وتجاوزبھا عنی برحمتک یا ارحم الراحمین. اور بعد دو رکعت مغرب کے نیت کرے اور دو رکعتوں حفظ الایمان کی اوابین کے ساتھ اور بعد سلام کے یہ کہے اللھم سددنی

بالایمان واحفظه علی فی حیاتی وعند وفاتی وبعد مماتی۔

اس کی وصیت کی ہے شیخ محی الدین قدس اللہ سرہ نے فتوحات مکیہ کے باب الوصایا میں یوں فرمایا ہے کہ پڑھے اس کو ہر رکعت میں سورۂ اخلاص چھ چھ مرتبہ اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ایک ایک دفعہ اس کے بعد دو رکعتیں اوابین کی نیت سے ساتھ استخارہ کے یعنی مطلق جو اولیاء اللہ پڑھا کرتے ہیں، ہر روز اعمال شب و روز کے واسطے شیخ محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں۔ ہم نے تجربہ کیا ہے تو اس میں سراسر بہتری پائی ہے اور دعا استخارہ کی وہی ہے جو پہلے گذری اور ہر فرضوں کے بعد کہے۔ استغفر اللہ العظیم الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ اللھم انت السلام ومنک السلام والیک یرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام تبارکت ربنا وتعالیت یا ذالجلال والاکرام پھر الحمد کی صورت پھر الھکم الہ واحد لا الہ الا ھو الرحمن الرحیم. پھر کہے اللھم انی اقدم الیک بین یدی اللہ ذلک کلہ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم وھو العلی العظیم تک پھر امن الرسول آخر سورہ تک پھر شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو ان الدین عند اللہ الاسلام تک پھر کہے وانا اشھد بما شھد اللہ بہ استودع اللہ ھذہ الشھادۃ وھی لی عند اللہ ودیعۃ پھر کہے قل اللھم مالک الملک سے بغیر حساب تک پھر کہے اللھم یا رحمن الدنیا والأخرۃ ورحیمھما رحمانی انت ترحمنی فارحمنی برحمۃ من عندک تغنینی بھا عن رحمۃ من سواک پھر سورۂ اخلاص اور قل اعوذ برالفلق اور قل اعوذ برب الناس پھر کہے سبحان اللہ تینتیس دفعہ اور الحمدللہ تینتیس دفعہ اور اللہ اکبر چونتیس دفعہ، لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک والحمد یحیی ویمیت بیدہ الخیر وھو علی کل شی قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولاراد لما قضیت ولا ینفع ذالجد منک الجد ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی الخ آخر آیۃ تک پھر درود پڑھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھر دعا مانگے جو چاہے پھر کہے سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون آخر آیۃ تک پھر لا اللہ دس مرتبہ یہ بعد ہر فرض نماز کے اور ہر روز بعد صبح کی نماز

کے کہے۔

یا اللہ یا واحد یا احد یا جواد انفحنی منک بنفحة خیر انک علی کل ماتشاء قدیر گیارہ دفعہ اور اس کو شروع کرے پنجشنبہ سے اس طور سے کہ پہلے حضرت غوث الثقلین قدس سرہ اور سب مشائخ سلسلۂ پہلے پچھلے سب کی فاتحہ دے جیسے اس کو شرط کیا ہے مشائخ نے اور کہے **یا عزیز** ہر روز بعد صبح کے اکتالیس مرتبہ اور **یا اله الالٰهة الرفیع** پندرہ دفعہ اور **یا قیوم فلا یفوت شئ من علمه و لا یؤده** ستائیس مرتبہ اور وقت میں گنجائش ہو تو کہے **سبحان الله وبحمده سبحان الله العظیم** سو مرتبہ اور ہر مہینے میں تین روزہ رکھے اور جو زیادہ رکھے اللہ زیادہ کرے اس کو اور جو اپنے نفس میں قوت پائے تو رکھے چھ روزہ عید کے اور بقرعید کے نو روزے اوّل تاریخ سے نویں تک اور ہمارے شیخ امامؒ اپنے اصحاب کو امر کرتے تھے کہ ان دس راتوں کو بیدار رہے، اور قرآن شریف پڑھے ہر رات کو دس سیپارے تو تین رات میں ختم کرے اور دسویں رات کو ایک ختم پورا کرے اس تقسیم سے اور ایام فاضلہ سے عاشورہ ہے اور پندرہویں رات شعبان کی اور رجب کے فضائل وارد ہیں حدیث ضعیف اسناد سے کہ ان پر عمل کرنا مضائقہ نہیں اگر آدمی اپنے میں قوت دیکھے، ان پر عمل کرے اور اللہ کے فضل کی امید پر ان میں سے ایک روزہ پہلی رجب کا ہے جس کا ثواب تین برس کا کفارہ ہے اور دوسرے کا روزہ دو برس کا کفارہ ہے اور تیسرا روزہ ایک برس کا کفارہ ہے، بعد اس کے پھر ہر روزہ ایک ایک مہینے کا کفارہ ہے اور ایک ان میں سے ہے کہ ماہ رجب میں ایک روزہ اور ایک شب ایسی ہے کہ جو اس دن روزہ رکھے اور اس رات کو عبادت کرے تو ایسا ہے جیسے برابر سو برس روزہ رکھے پس وہ واسطے تیسری رجب کے ہے اور بعض ان میں سے یہ ہے کہ جو سات روزے رکھے اس پر سات دروازے دوزخ کے بند ہوتے ہیں۔ اور جو آٹھ روزہ رکھے آٹھوں دروازے جنت کے اس کے واسطے کھل جائیں گے اور جو اپنے نفس میں قوت پائے تو حدیث شریف میں آیا ہے افضل روزہ میرے بھائی داوٗد پیغمبر کا ہے کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک روز افطار کرتے تھے اس کو روایت کیا ترمذی وغیرہ نے ابن عمرؓ سے واسطے شیخ سعید کوکنیؒ کے اور کہا شیخ حسن عجمی مکیؒ نے اور مقدور ہو تو زیادہ کرے اس پر سورۂ اخلاص ایک ہزار مرتبہ پڑھے اور ہزار بار درود پڑھے اور ہر روز ہزار بار پڑھے **لا الٰہ الا**

الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شی قدیر اور ہر روز صبح کو پڑھے ایک ہزار بار **سبحان الله وبحمده**۔ انتہیٰ۔

لیکن طریقہ نقشبندیہ کے بہت شعبہ ہیں۔ ملک ہندوستان میں دو جہت سے شائع ہیں تو خواجہ محمد باقیؒ کی جہت سے اور دوسرا میر ابوالعلیٰؒ کی جہت سے اور ملک ماوراء النہر میں مخدوم اعظم مولانا خواجگی کی جہت سے مشہور ہے اور ان سب میں بہت مشہور بموجب تصوف کے رسالوں کے اور اشغال قوم کے بیان کے شعبہ جامیہ ہے اور پھر خواجہ محمد باقی کی جہت سے بہت شعبے ہیں ان میں دو شعبہ بہت مشہور ہیں۔ ایک شعبہ شیخ محمد معصوم کا اور ایک شعبہ شیخ آدم بنوری کا اور ان دونوں میں سے شغل ہیں سوائے اشغال متقدمان طریقہ کے اور اس فقیر کو ان سب شعبوں سے ارتباط صحیح واقع ہے پس ارتباط اس فقیر کو جہت صحبت و بیعت و تلقین اشغال و اجازت خرقہ سے اپنے والد شیخ عبدالرحیم قدس سرہ سے ہے اور ان کو چار مشائخ سے اس طریقہ سے ارتباط واقع ہے۔ پہلے سید عبداللہؒ سے دوسرے امیر ابوالقاسم اکبر آبادیؒ سے تیسرے خواجہ خورد ولد خواجہ محمد باقیؒ سے چوتھے میر نور العلیٰ خلف میر ابوالعلیٰؒ سے تو سید عبداللہ کو شیخ آدم بنوریؒ سے ان کو شیخ احمد سہرندیؒ سے ان کو خواجہ محمد باقیؒ سے اور خواجہ خورد کو شیخ احمد سہرندیؒ سے اور خواجہ حسام الدینؒ سے اور شیخ الہدادؒ اور ان سب کو خواجہ محمد باقیؒ سے اسی سند سے جو مذکور ہو چکی ہے سلسلہ صحبت میں اور میر ابوالقاسم اکبر آبادی الملقب بخلیفہ کو ملا ولی محمد اکبر آبادیؒ سے ان کو میر ابوالعلیٰؒ سے ان کو اپنے چچا امیر عبداللہؒ سے ان کو اپنے ماموں خواجہ عبدالحقؒ سے ان کو خواجہ یحییٰ سے اور ان کو اپنے والد خواجہ عبیداللہ احرارؒ سے اور میر نور العلیٰؒ سے ان کو خرقہ پہنچا ان کو اپنے والد امیر ابوالعلیٰ اکبر آبادیؒ سے اور اس فقیر نے اشغال طریقہ احمدیہ کو ملا محمد دلیل گلیانیؒ سے حاصل کیا انھوں نے اپنے شیخ میر موسیٰ بہٹی کوٹیؒ سے انھوں نے شیخ محمد معصومؒ سے، انھوں نے اپنے والد شیخ احمد سہرندیؒ سے اور اس فقیر کو خرقہ نقشبندیہ حاصل ہوا شیخ ابوطاہر مدنیؒ سے اور ان کو تین مشائخوں سے اپنے والد بزرگوار شیخ ابراہیم کردیؒ سے اور شیخ احمد نخلیؒ سے اور شیخ عبداللہ بصری مکیؒ سے اور شیخ ابراہیم کو ارتباط ہے شیخ احمد قشاشیؒ سے جہت سے تلقین و خرقہ کے ابوالمواہب شیخ احمد شناویؒ سے ان کو شیخ محمد بن محمد بن عبدالرحمٰن تہنیسیؒ سے ان کو مولانا محمد امین ملا جامیؒ کے بھانجے سے ان کو مولانا شیخ غیاث الدین احمدؒ سے ان کو مولانا علاء

الدین محمدؒ سے ان کو مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ سے ان کو مولانا سعید الدین کاشغریؒ سے ان کو مولانا نظام الدین خاموشؒ سے ان کو خواجہ علاء الدین عطارؒ سے ان کو خواجہ بہاء الدین نقشبندیہؒ سے اور شیخ احمد نخلیؒ نے اشغال اس طریق کے حاصل کئے سید میر کلال بلخیؒ سے انھوں نے ملا اکتہ شیر غالیؒ سے انھوں نے ملا خورد عزیزانؒ سے انھوں نے مخدوم الاعظم ملا خواجگیؒ سے انھوں نے مولانا محمد قاضیؒ سے انھوں نے خواجہ عبیداللہ احرارؒ سے اور شیخ عبداللہ بصریؒ نے خرقہ پہنا ہاتھ سے شیخ عبداللہ باقشیر مکیؒ کے ان کو پہنایا تاج الدین سنبھلی نزیل مکہؒ نے ان کو خواجہ محمد باقیؒ نے اسی سند مذکور سے پھر خواجہ نقشبندیہؒ نے حاصل کی، خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کی روح سے اور خواجہ محمد بابا سماسیؒ اور خلیفہ امیر سید کلالؒ سے اور خواجہ محمد بابا سماسیؒ نے خواجہ عزیزانؒ سے جیسا ہم نے سلسلہ صحبت میں ذکر کیا ہے۔

مگر یہاں ایک اور نکتہ ہے اس سے آگاہ ہو پس شیخ ابو علی فارمدی نے بھی حاصل کیا ہے خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ سے انھوں نے شیخ ابو یزید بسطامیؒ سے باطن کے طور پر ظاہر کے طور پر نہیں کیونکہ ولادت شیخ ابو یزید کی خواجہ ابوالحسنؒ کی ولادت سے بہت مدت پہلے ہوئی ہے اور شیخ ابو یزیدؒ نے سیدنا امام جعفر صادقؓ سے باطن کے طریق سے ظاہر کے طریق سے نہیں اس واسطے کہ ولادت شیخ ابو یزیدؒ کی بہت مدت کے بعد ہوئی ہے۔ وفات امام جعفر صادقؓ سے اور امام جعفر صادقؓ نے حاصل کیا دو طریق سے ایک تو اپنے آبا رضی اللہ عنہم کے طریق سے اور وہ ہم ذکر کر چکے ہیں اور دوسرے اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؓ سے اور قاسم نے حاصل کیا سلمان فارسیؓ سے اور انھوں نے سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ میں کہتا قاسم کا سلمان سے حاصل کرنا ممکن نہیں، مگر باطن کی جہت سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے اسماء الرجال کے تتبع سے۔ واللہ اعلم۔

اور حسن بصریؒ نسبت کئے گئے ہیں سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اہل سلوک کے نزدیک یقیناً اگرچہ اہل حدیث اسے ثابت نہیں کرتے اور تحقیق بہت تائید کی ہے شیخ احمد قشاشیؒ نے اہل سلوک کے کلام وافی وشافی سے اپنی کتاب ''عقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید'' میں واللہ اعلم۔

جاننا چاہئے کہ گلیانی بفتح کاف فارسیہ اول وتشدید دوم یاء نسبت کی ہے قبیلہ افغانوں میں سے جو پشاور کے دوآبہ میں رہتے ہیں۔ اور قوم یوسف زئی کے چچازادوں میں ہیں، ہی کوٹ

دونوں تاہندیہ ایک گاؤں ہے توابع جلال آباد سے اور جلال آباد ایک شہر ہے درمیان کابل اور پشاور کے بھنسی بفتح موحدہ والنون اور سین مہملہ بالقصر اور یاء نسبت کی ایک شہر ہے صعید مصر ادنی میں، ملا اکہہ بفتح الف وتشدید کاف عربی وہائی فارسی ابن یمین تخلص کرتے ہیں اور ان کا دیوان مشہور ہے چیرغان بجیم فارسی مضمومہ اور ہاء موحدہ اور راء مہملہ ساکن اور غین معجمہ ایک شہر ہے بلخ سے دو منزل شیرغان اس کی تعریف ہے۔ اور چیرغان لفظ ترکی میں اسے کہتے ہیں جو چیز ایک بعد ایک کے ہو، طول میں مانند قطار کی عزیزان لفظ تعظیم ہے جیسے میران وسیدی وغیرہ کے یاقشیر باللفظ یمن میں حرف نسبت کا ہے کہ کلمہ کے اول آتا ہے جیسے یاء نسبت کی آخر میں آتی ہے۔ سنبھل باء ہندیہ کہ ہاکے شمال ایک شہر ہے گنگا جمنا کے اس طرف قریب جبال شرقی دارالخلافہ دہلی کے کاتب حروف کہتا ہے کہ جب حضرت خلیفہ ابوالقاسمؒ نے مجھے اجازت دی۔ فرمایا کہ ہمارے طریقہ میں فرمان نہیں ہوتا اور وصیتیں نہیں لکھتے ہمارے طریق میں عمدہ کتاب فقرات ہے وہ ہم نے بھی مشائخ سے بطریق عنعن کے حاصل کی ہے اور ہمارے مشائخ اس کے حفظ اور عمل کرنے پر وصیت کرتے آئے ہیں۔ تم وہ میری کتاب سے نقل کرلو پس حضرت والد نے وہ نقل کرلی اور ان کی اجازت اس فقیر کو ہوئی اور اس میں بعض مقام مشکل اس فقیر نے ان سے دریافت کئے اور اس کے اشغال بہت اچھی طرح سیکھ لئے۔ والحمد للہ کاتب حروف کہتا ہے کہ شیخ تاج الدین سنبھلی خلیفہ حضرت خواجہ محمد باقیؒ کا ایک رسالہ ہے مختصر اشغال نقشبندیہ میں والد بزرگوار اس کو بہت پسند فرماتے تھے اور اسے شیخ تاج الدین کے بعض اصحاب سے لیکر اپنے ہاتھ سے نقل کیا تھا اور اسی طور طالبوں کو ارشاد فرماتے تھے۔ اس فقیر نے وہ رسالہ ان سے بحثاً ودرایۃً پڑھا ہے۔ میں نے چاہا اس کو بعینہٖ نقل کردوں اور توفیق اللہ کی طرف سے ہے۔

اشغال نقشبندیہ

الحمد للہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔ جان تو تجھ کو توفیق عطا کرے اللہ تعالیٰ کہ عقیدہ حضرات نقشبندیہ قدس اللہ اسرارہم کا وہ ہی ہے جو عقیدہ اہل سنت وجماعت کا ہے اور طریقہ ہے دوام عبودیت کا جو بغیر ادائے عبادت کے متصور نہیں، اور وہ عبارت ہے اس سے کہ ہمیشہ مع الحق ہو سبحانہ تعالیٰ کہ شعور بالغیر اس کے مزاحم نہ ہو ساتھ فراموشی کے صفت حضور بوجود الحق کے سبحانہ تعالیٰ اور یہ سعادت عظمیٰ بغیر جذبۂ الٰہی کے نہیں حاصل ہو سکتی اور طریق جذبہ میں کوئی بہت قوی سبب نہیں سوائے صحبت ایسے شخص کی جس کا سلوک بطریق جذبہ کے ہو شیخ ابوعلی دقاق قدس سرہ نے کہا ہے کہ جو درخت خود بخود اگتا ہے اس کا ثمر نہیں ہوتا اور جو اس میں ثمر لگا بھی تو اس میں لذت نہیں ہوتی اور سنت الٰہی جاری ہے اس پر کہ کوئی سبب ہو تو جیسے ظاہری توالد وتناسل بے ماں اور باپ کے نہیں حاصل ہوتا اسی طرح توالد معنوی کا حاصل ہونا بغیر مرشد کے مشکل ہے رسالہ مکیہ (۱) میں لکھا ہے **من لا شیخ له فالشیطان شیخه**، یعنی جس کا کوئی مرشد نہیں اس کا شیطان پیر ہے اور یہ طریقہ علیہ نقشبندیہ حاصل کیا ہے اس فقیر نے جو نقصان میں کامل ہے اور معرفت رحمٰن میں عاجز ہے تاج الدین سنبھلی کہ حاصل کیا ہے مہدی زمان خواجہ محمد باقیؒ سے اور انھوں نے ملا خواجگی امکنگیؒ سے، انھوں نے ملا درویش محمدؒ سے، انھوں نے ملا محمد زاہدؒ سے، انھوں نے غوث الاعظم خواجہ عبید اللہ احرارؒ سے، انھوں نے شیخ الشیوخ یعقوب چرخیؒ سے، انھوں

---

(۱) رسالہ مکیہ غالبًا ابوعلی دقاق مرحوم کی تصنیف ہے۔ فتوحات مکیہ تو شیخ بن عربی کی تصنیف ہے جیسا کہ اہل علم واقف ہیں (قاسمی)

نے حضرت خواجہ کبیر خواجہ بہاء الحق والدین معروف بہ نقشبند سے، انھوں نے سید کلالؒ سے، انھوں نے خواجہ محمد بابا سماسیؒ سے، انھوں نے حضرت عزیزانؒ سے، انھوں نے خواجہ علی رامتینیؒ سے، انھوں نے خواجہ محمود خیر فغنویؒ سے، انھوں نے خواجہ عارف ریوگریؒ سے، انھوں نے خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ سے، انھوں نے شیخ یوسف بن یعقوب بن ایوب ہمدانیؒ سے، انھوں نے ابوعلی فارمدیؒ سے، انھوں نے ابوالحسن خرقانیؒ سے اور شیخ ابوعلیؒ کو نسبت جذبہ وصحبت اور استفاضہ کی ہے شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ سے بھی اور اس سبب سے محققین کے نزدیک شیخ تین ہوئے ہیں۔

ایک شیخ خرقہ اور ایک شیخ ذکر اور ایک شیخ صحبت اور شیخ صحبت ارتباط میں اکمل اور اتم ہے اور وہی شیخ حقیقی ہے ہم نے ذکر کیا اسی وجہ ضروری سے شیخ ابوالقاسم کو کہ وہاں جا کر سلوک تمام ہوا شیخ ابوعلیؒ کا اور شیخ ابوالقاسمؒ سے امام علی بن موسیٰ رضاؒ تک درمیان میں واسطے ہیں۔ شیخ ابوعثمان مغربیؒ اور ابوعلی کاتبؒ اور ابوعلی رودباریؒ اور سید الطائفہ جنید بغدادیؒ اور سری سقطیؒ ومعروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور معروف کرخی قدس اللہ سرہ کو ایک اور نسبت ہے جو ابوداؤد طائی کو جا ملتی ہے حبیب عجمی سے ان کو حسن بصری سے قدس اللہ اسرارہم اور معروف کرخی کی نسبت حضرت باب مدینہ علم یعنی علی تک معروف اور مشہور ہے اور اب میں رجوع ہوتا ہوں آغاز کلام سے۔

پس جاننا چاہیے کہ شیخ ابوالحسن خرقانی نے حاصل کیا ابویزید بسطامی کی روح سے جیسے حضرت اویس قدس اللہ سرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور اسی طرح سلطان العارفین کی نسبت ہے، روحانیت امام جعفر صادقؒ سے اور وہ جو مشہور خدمت وصحبت ہے، وہ صحیح نہیں ہے اور امام جعفر صادقؒ نے باوجود اپنے آبا کی وراثت کے انوار اپنے نانا قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم سے حاصل کیا اور ساتویں فقہا سے ہیں۔ تابعین میں علم ظاہر اور علم باطن دونوں میں کامل اور ان کو نسبت ہے، سلمان فارسی سے رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلمان رضی اللہ عنہ کو باوجود شرف صحبت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسبت طریقہ سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے اور ان کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور دوسرا طریقہ امام جعفر کو باپ دادا سے وہ مشہور ہے در دروازہ شہر علم یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک۔

دوسری فصل (۱)

طریق وصول الی اللہ بطور حضرات نقشبندیہ کے یا فقط صحبت سے ہے یا ذکر سے یا مراقبہ سے اور طریق ذکر اس سلسلہ کا یوں ہے کہ ذکر کرے کلمہ طیبہ کا یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ حبس نفس سے اور گنتی میں طاق عدد کی رعایت رکھے اور جب ذکر اکیس مرتبہ سے گزر جائے اور اس کا کچھ اثر ظاہر نہ ہو تو یہ دلیل ہے اس کے قبول نہ ہونے کی۔ پھر نئے سرے سے ذکر شروع کرے اور ذکر کا اثر یہ ہے کہ جب کہ لا الہ تو وجود بشریہ کی نفی ہو جائے اور جب کہے الا اللہ تو ظاہر ہوں آثار تصرفات جذبہ الہیہ کے اور اثر اپنی اپنی استعداد کے موافق ظاہر ہوتا ہے بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو پہلے غیبت ماسوائے حق سے حاصل ہوتی ہے اور بعضے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو پہلے مکر اور غیبت اور اس کے بعد عدم کا وجود ثابت ہوتا ہے اور اس کے بعد فنا جیسے شیخ عبداللہ انصاریؒ نے اس آیۃ کی تفسیر میں کہا ہے کہ واذکر ربک اذا نسیت کہ جب بھول جائے تو ماسوائے حق کے پھر بھول جائے تو اپنے ذکر کو پھر بھول جائے تو حق کے ذکر میں اپنے تئیں تو تیرا ذکر کامل ہو گیا اور اعلیٰ اور اتم درجہ ذکر کا فنا ہے یعنی تیری زبان کو خبر نہ رہے ماسوا اللہ کے اور کیفیت ذکر کی یہ ہے کہ زبان کو تالو سے لگائے اور لب کو لب سے اور دانتوں کو دانتوں سے اور حبس دم کرے اور شروع کرے کلمہ لفظ لا کو ناف سے دماغ کی طرف لے جائے اور جب دماغ کو پہنچے تو کہے الہ کو داہنے مونڈھے کی طرف الا اللہ کو بائیں مونڈھے کی طرف پھر اسے قلب صنوبری پر مارے ایسے زور سے کہ اس کا اثر اور حرارت سارے جسم میں معلوم ہو۔

---

(۱) سلسلہ نقشبندیہ

اور لفظ محمد رسول اللہ کو بائیں طرف سے وہنی طرف کو یعنی ان کے درمیان اور اس کے بعد دل سے یوں کہے الٰہی **انت مقصودی ورضاک مطلوبی** یعنی اس ذکر سے تو ہی میرا مقصود ہے اور تیری ہی رضا مجھے مطلوب ہے قلب کی توجہ سے ایسی طرح کہ دل میں اثر معلوم ہو اور دل اس سے متاثر ہو اور یہ سب اس طرح سے ہو کہ ظاہر میں حرکت نہ معلوم ہو جو کوئی پاس بیٹھا ہو وہ بھی نہ جانے اور حبس نفس کرے ایک بار ذکر کرے یا تین بار طاق عدد کی رعایت کرے اور حضرت خواجہ قدس سرہ نے کلمہ طیبہ کے معنی یوں فرمائے ہیں لا الٰہ نفی ہے آلہوں کی طبیعت سے اور الا اللہ اثبات ہے معبود کی محمد رسول اللہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تو نے اپنے تئیں داخل کیا مقام **فاتبعونی بالحق** میں اور اس سلسلہ کے بعضے بزرگوں نے کہا ہے کہ معنی کلمہ طیبہ کے یہ ہیں کہ مبتدی تصور کرے لا الٰہ یعنی لا معبود اور جو متوسط ہوں خیال کرے لا مقصود اور منتہی سمجھے کہ لا موجود الا اللہ کا ملاحظہ ہووے اور بزرگوں نے کہا ہے کہ جب منتہی ہو جائے سیر الی اللہ اور قدم رکھے بیچ سیر فی اللہ کے اور ملاحظہ کرے لا موجود الا اللہ کا تو یہ کفر ہے اور بعضوں نے اس کے معنی کہے ہیں **لا متصرف فی الملک والملکوت الا اللہ** اور ضرور مناسب ہے کوشش کرنی ذکر کی مداومت کی کسی حال اور کسی وقت نہ ترک کرے۔

کھڑے نہ بیٹھے نہ باتیں کرتے، نہ سوتے۔ اور جو ذکر میں یا شیخ کی مجلس میں کچھ کیفیت حاصل ہو تو اس کو فرض کرے جیسے ایک خط مستقیم۔ اور جب یہ معنی خیال میں بس جاوے اور خیال اسی ایک امر میں مشغول ہو جاوے تو یہ جمعیت کے واسطے بہت مدد کرتا ہے اور بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ جب ایک بال بھی بدن سے متغیر ہو جائے خیال کے واسطے اور اثر معلوم ہو تو چاہئے کہ اس کو چھوڑے نہیں یہاں تک کہ حاصل ہو جائے تعطیل جیسے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ **الشغل هو عدم الشغل وعدم الشغل هو الشغل** اور ملا سعد الدین کاشغری رحمۃ اللہ علیہ(۱) نے کہا ہے کہ شیخ عبد الکبیر یمنیؒ نے مجھ سے پوچھا کہ ذکر کیا ہے میں نے کہا کہ لا الٰہ الا اللہ کہا یہ تو عبارت ہے ذکر نہیں ہے۔ پھر میں نے کہا کہ آپ فرمائیے تو کہا ذکر یہ ہے کہ تم جانو یہ کہ تم اس کے وجدان پر قادر نہیں ہو اور سید الطائفہ جنید نے فرمایا ہے کہ تصوف یہ ہے کہ ایک ساعت معطل بیٹھے کل شی

---

(۱) کاشغر ایک ثقافتی شہر تھا جو اب چین میں واقع ہے۔ (قاسمی)

کے ملاحظہ سے اور شیخ الاسلام نے کہا کہ اس کے ملاحظہ میں حاصل ہوتا ہے۔ وصال بغیر جستجو کے اور دیدار بے نظیر کے اور مقصود صوفیہ کے طریقہ علیہ کا حصول ہے مشاہدہ حق کا کانک تراہ اور اس حضور کا نام انھوں نے مشاہدہ بالقلب رکھا ہے اور دیکھنا جو ہوتا ہے وہ سر کی آنکھوں سے ہوتا ہے اور فرق روایت اور مشاہدہ میں یہ ہے کہ رویت میں قادر نہیں ہوتا کہ اسے اپنے سے دور کرے اور مشاہدہ میں اختیار ہے۔

دوسرا طریق حضرات نقشبندیہ کا وصول کے سبب اور معرفت کے حصول میں اور وہ بہت آسان اور بہت قریب ہے سو وہ کیا ہے توجہ اور مراقبہ ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ معنی مقدس جو بغیر کیف اور ان کی مثال نہیں مفہوم ہے، اللہ کے نام مبارک کا بے واسطہ عبارت عربیہ یا عبریہ یا فارسیہ وغیرہ اس کا لحاظ اور اس کی حفاظت کرے اپنے خیال میں اور متوجہ ہو تمام قوتوں اور مدرکوں سے قلب صنوبری کی طرف اور اس پر مداومت کرے اور تکلف کرے اس کے لازم کر لینے کو یہاں تک کہ کلفت درمیان سے جاتی رہے اور اس امر کا ملکہ ہو جائے اور بعض بزرگوں نے نقشبندیہ کے کہا ہے کہ معنی مقصود کے یہ ہیں کہ بیخودی ہو جائے پھر خیال کرے اس کو ایک نور بسیط کی صورت میں جو احاطہ کئے ہوئے ہے سب موجودات علمیہ و غیبیہ کو اور اس کو بصیرت کے مقابلہ کرے اور باوجود اس کی حفاظت کے قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو اپنے تمام قویٰ سے اور تدارک کرے اس امر کا کہ بصیرت قویٰ ہو جائے اور صورت جاتی رہے اور مترتب اس امر پر ظہور معنی مقصود کا حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ نے فرمایا ہے کہ مراقبہ باب مفاعلہ ہے تو ضرور ہے تراقب دونوں طرف سے تو بس مراقبلہ کرنے والے کو ضرور چاہئے یہ کہ ہو مراقب اپنی اطلاع کا حق سبحانہ کے مطلع ہونے سے اس کے حال پر اور اس کی مداومت کرے اور یا مراقب ہو اپنی اطلاع کا اپنے موجد پر بلا فتور اور پریشان خاطری کے اور ایک اور یہ طریق ہے کہ اپنے قلب صنوبری کا مراقب ہو اور اس میں کوئی خطرہ نہ آنے دے یہاں تک کہ اس کو اپنے قلب حقیقی سے ربط آسان ہو جائے بدون ملاحظہ معنی مفاعلہ کے اور مراقبہ کا طریق بہت اعلیٰ ہے۔ نفی اثبات کے طریق سے اور بہت قریب ہے جذبہ الٰہیہ سے اور مراقبہ کے طریق سے ممکن ہے وصول وزارت کا اور ملک و ملکوت میں تصرف کا اور ممکن ہے معلوم کر لینا لوگوں کی دل کی باتوں کا اور دوسرے کی طرف بخشش کی نظر کرنے کا اور اس کے

باطن کو منور کرنے کا اور مراقبہ کے ملکہ سے جمعیت دائمی حاصل ہوتی ہے اور لوگوں کے دل کا ہمیشہ مقبول ہوتا ہے اور اسی بات کو کہتے جمع وقبول۔

اور تیسرا طریق رابطہ ہے اس شیخ سے جو مشاہدہ کے مقام کو پہنچا ہوا ہے اور تجلیات ذاتیہ سے متحقق ہوا ہے اس واسطے کہ اس کی رویت بموجب اس کے کہ اذا راوا ذکر اللہ ذکر کا فائدہ دیتی ہے اور اس کی صحبت بموجب اس کے کہ ہم جلساء اللہ اس صحبت مذکور کا فائدہ دیتی ہے اور جب ایسے عزیز کی صحبت میسر ہو جائے اور اپنے نفس میں اس کا اثر معلوم ہو تو چاہئے کہ اس کی حفاظت کرے جو اثر مشاہدہ کیا ہے جہاں تک کہ تجھ سے ممکن ہو اور جو اس میں فتور آ جائے تو اس شیخ کی مصاحبت کی طرف رجوع ہو کہ پھر تجھ کو حاصل ہو اس کی برکت سے وہ اثر اور اسی طور کیا کرتا کہ وہ کیفیت ملکہ ہو جائے اور جو اس عزیز کی صحبت سے یہ اثر ظاہر نہ ہو لیکن اس سے محبت اور انجذاب حاصل ہو۔

تو چاہئے کہ اس کی صورت خیال میں رکھے اور قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو تا کہ حاصل ہو غیبت اور فنا نفس سے اور اگر وقفہ ہو جائے ترقی میں تو چاہئے کہ صورت شیخ کی اپنے واہنے مونڈھے کی طرف خیال کرے اور اپنے قلب کو ایک امر ممتد اعتبار کرے داہنے مونڈھے تک اور شیخ کو اس امر ممتد کے ساتھ اپنے قلب میں لائے اور امید ہے کہ اس سے حضور غیبت اور فنا کی (۱)۔

---

(۱) یہ صوفیا کا طریقہ ہے صوفیا کا بعض طریقہ عام انسانوں اور تصوف سے تعلق نہ رکھنے والوں کے لئے ناقابل فہم ہوتا ہے اور بظاہر غیر اسلامی محسوس ہوتا ہے۔ مگر حضرت شاہ صاحب اس کو قرآن وحدیث سے مستنبط کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ (قاسمی)

تیسری فصل (۱)

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کے کلمات قدسیہ ماثورہ کے بیان میں، اور وہ گیارہ کلمے ہیں جن پر نقشبندیہ کے طریقہ کی بنا ہے، سو وہ یہ ہیں۔ یاد کرد، بازگشت، نگاہ داشت، یادداشت، ہوش دردم، سفر در وطن، نظر بر قدم، خلوت در انجمن، وقوف زمانی، وقوف عددی، وقوف قلبی، اور چونکہ خواجہ عبدالخالق اس طریقہ کے سرحلقہ ہیں تو ان کے الفاظ مصطلح کا بیان ضرور ہے ہم ان کی شرح کرتے ہیں۔ اجمال و تفصیل کے درمیان وہ یہ ہے۔

یاد کرد: کہتے ہیں، ذکر زبان یا ذکر قلب کو یعنی ہمیشہ وہ ذکر کیا کرے، جو شیخ نے بتایا ہے تا کہ حضور حق حاصل ہو، اور طریقہ تعلیم ذکر کا یہ ہے کہ پہلے شیخ آپ کلمہ طیبہ کا ذکر کرے اور مرید اپنے قلب کو شیخ کے قلب کے مقابل کرے اور کھلی رکھے دونوں آنکھیں اپنی اور منہ بند کر لے جیسے ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ حضرت خواجہ بہاء الدین قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ مقصد ذکر سے یہ ہے کہ ہمیشہ قلب حاضر مع الحق ہو محبت اور تعظیم کے ساتھ، اس لئے کہ غفلت کو دفع کرتا ہے۔

بازگشت: یعنی ذاکر جب قلب سے ذکر کرے کلمہ طیبہ کا اس کے بعد زبان سے کہا، الٰہی انت مقصودی و رضاک مطلوبی یعنی اس ذکر سے الٰہی تو ہی میرا مقصود ہے اور تیری ہی رضا مطلوب ہے اس واسطے کہ یہ کلمہ فائدہ دیتا ہے ہر خطرہ اچھے اور برے کی نفی کا تا کہ ذکر خالص ہو جائے اور سر فارغ ہو جائے ماسوائے حق سے اور جو ذاکر اخلاص نہ پائے اس کلام میں تو مرشد کی تقلید کی رو سے کہے تو اس کی برکت سے اخلاص ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

---

(۱) کلمات قدسیہ کی شرح و بیان میں

نگاہداشت: اور یہ عبارت ہے، خطروں کے مراقبہ کا یعنی جب دل میں کلمہ کی تکرار کرے تو اس کی رعایت کرے کہ کوئی خطرہ دل میں نہ آئے، اور اس میں کوشش کرے کہ اس کے دل میں کوئی خطرہ نہ آئے غیر کا ایک ساعت یا دو ساعت کیونکہ یہ امر بہت ضرور ہے بزرگوں کے نزدیک اور بعض کامل اولیا کبھی کبھی یہ بات حاصل ہوتی ہے۔

یادداشت: دوام حضور مع الحق کو بطریق ذوق کے اور بعض بزرگوں نے ان چار کلموں کی یوں شرح کی ہے، یاد کرد یعنی ذکر میں تکلف۔ بازگشت یعنی اللہ سے رجوع از راہ عجز کے نگاہداشت یعنی اس رجوع کی حفاظت، یادداشت یعنی سر کو راسخ کرے۔

ہوش دردم: یعنی اس طریقہ کی بنا اس امر پر ہے، اس کی حفاظت کرے درمیان دونوں نفسوں کے نہ غفلت سے داخل ہو کوئی نفس نہ نکلے غفلت سے کوئی سانس۔

سفر در وطن: یعنی سالک کا سفر طبیعت بشریہ میں ہے یعنی بری صفتوں کو چھوڑ کر اچھی طرح اختیار کرے جیسا کہ کہا ہے۔ بعضے بزرگوں نے یعنی آدمی کسی مکان کو جائے اس کی صفتیں بری اس کے ساتھ ہوتی ہیں جب تک ان سے نہ نقل کرے اور بعضوں نے کہا ہے کہ عیب کو دیکھے شہادت میں۔

نظر بر قدم: یعنی سالک کو چاہئے کہ اس کی نظر قدم پر ہو شہر میں چلے پھرے یا جنگل میں اس لئے کہ اس کی نظر متفرق نہ ہو جائے اور جس نے دیکھنا چاہئے اسے نہ دیکھے اور اس کا قلب متفرق ہو جائے اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ سالک کی نظر اول ہی مرتبہ سلوک کے نہایت پر ہو یعنی فقط حضرت ذات کی طرف جیسا فارس بن عیسیٰ بغدادی کا قول ہے کہ میں نے حلاج سے سوال کیا میں نے کہا مرید کون ہے انھوں نے کہا هو الرامی باول قصده الی الله فلا يعرج على الشيء حتى يصل. اور احتمال ہے کہ ہو مراد اس سے وہ معنی جو شیخ رویم نے فرمایا ہے۔ ادب المسافران لا یجاوز ہمتہ قدمہ یعنی مسافر کا ادب یہ ہے کہ اس کی ہمت کا قدم پیچھے نہ پڑے۔

خلوت در انجمن: یعنی سالک کو چاہئے کہ بظاہر خلقت کے ساتھ ہو اور باطن میں خالق کے ساتھ ساتھ کام میں اور دل حق سے رجوع اور کیا خوب کہا اس معنی میں یہ شعر

فمن داخل كن صاحبا غير غافل
ومن خارج خالط كبعض الاجانب

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ اس طریقہ میں کہ جمعیت ہے اور تفرقہ ہے خلوت میں۔

وقوف زمانی: کہ اپنے اوقات کا حساب رکھے اگر اعمال خیر میں گزرے اس کا شکر کرے اور جو اعمال بد میں گزرے استغفار کرے اپنے اپنے مرتبہ کے موافق کیونکہ ان حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی نیکیاں ابرار کے مقربین کے برائیاں ہیں۔

وقوف عددی: یعنی رعایت عدد کے ذکر قلبی میں جمعیت کے ساتھ متفرق خطرے نہ آئیں

وقوف قلبی: یعنی ہوشیاری اور حضور قلب کا اللہ جل شانہ کے ساتھ ایسی وجہ سے کہ قلب کو غیر حق سے کچھ غرض نہ ہو اور یوں بھی کہا ہے کہ ذاکر اپنے قلب سے واقف ہو یعنی ذکر کے درمیان قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو جس کو مجازاً قلب کہتے ہیں، وہ بائیں طرف ہے پستان کے مقابل اس کو ذکر میں مشغول کرے، ذکر سے غافل نہ ہونے دے اور اس کے معنی سے اور حضرت خواجہ نقشبند نے حبس دم نہیں لازم کیا اور نہ رعایت عدد کے ذکر میں لیکن وقوف قلبی ان کے نزدیک لازم ہے ذکر ہے یا رابطہ وغیرہما میں اور مقصود ذکر سے وقوف قلبی ہے اور کیا اچھا کہا کسی نے یہ شعر اس معنی میں۔

علی بیض قلبک کن کانک طائر
ممن ذلک الاحوال فیک تولد

(اپنے دل کے بیضہ پر رہ ایسا جیسا پرند اس امر سے تجھ میں حال پیدا ہوں گے)۔

چوتھی فصل (۱)

جب ذکر اور اشغال کے درمیان تفرقہ یا وسواس یا قبض معلوم ہو تو چاہئے کہ سرد پانی سے غسل کر ڈالے اور جو ٹھنڈے پانی پر قدرت نہ رکھے اپنے مزاج کے سبب تو گرم پانی سے نہا ڈالے اس کے بعد خلوت میں داخل ہو اور دو رکعتیں پڑھے اور بہت گریہ وزاری و عاجزی سے استغفار کرے اور اپنے حال اور وقت کی طرف متوجہ ہو، اور جو اپنا وقت نہ پائے اور وہی تفرقہ رہے تو تصور باندھ اپنے شیخ کا اپنے خیال میں جو تیرا مربی ہے کیونکہ امید ہے کہ اس کی برکت سے تفرقہ جاتا رہے اور جمعیت حاصل ہو، اور جو اس پر بھی تفرقہ نہ جائے تو کہے یا فعال تشدید کے ساتھ اور جو اس سے بھی تفرقہ نہ جائے تو کہے کہ یہ تفرقہ خدا کی طرف سے ہے اس سے موافقت کرے تو آپ عین جمعیت میں ہو جائے اور ایسا بہت کم ہے کہ تفرقہ اس لحاظ سے بھی رہے اور جو ایسا خطرہ آئے کہ متعلق اعمال سے ہے جیسے رغبت گھوڑے خریدنے کی یا اور کچھ جو شرع میں مباح ہے تو وہ کام کرے یا اسے اپنے قلب سے نکال ڈالے یہاں تک کہ اس خطرہ کو دشمن جان لے، اور کوشش کرے اس کے دفع کی اور تین خطروں کی نفی کرنی مرید کو لازم ہے خطرۂ نفسیہ و خطرۂ شیطانیہ و خطرۂ ملکیہ اور خطرۂ حقائق کو قائم رکھے اور خطروں کو پہچاننا اور تمیز کرنا بہت مشکل ہے اور بعض بیان کرتے ہیں کہ خطرۂ نفسی ارض قلب سے پیدا ہوتا ہے یعنی قلب کے نیچے سے اور خطرۂ شیطانی قلب کے بائیں طرف سے اور خطرۂ شیطانی قلب کے بائیں طرف سے اور خطرۂ ملکیہ قلب کے دائیں طرف سے اور جو خطرۂ حقانی ہوتا ہے وہ فوق قلب سے یعنی اوپر کی جانب سے ہوتا ہے اور

---

(۱) در بیان دفع وسوسہ

اسے وہ جان لیتا ہے جو صاحب تقویٰ اور زاہد اور پرہیزگار اور حلال طیب کھاتا ہو اور ہمیشہ خطروں کی نگہبانی کرتا ہو اپنے دل میں خطرہ کو آنے نہ دیتا ہو اور مقصود یہ ہے کہ وقت کی رعایت رکھے کیونکہ کوئی شئے وقت سے زیادہ عزیز نہیں ہے کیونکہ وقت سیف قاطع ہے جب وقت گیا تو پھر ہاتھ نہیں آتا اور ممکن ہے حفظ اوقات ذکر اور مراقبہ اور نماز اور تلاوت قرآن شریف سے اور نقشبندیہ بزرگوں نے سب وظیفوں میں تلاوت قرآن شریف سے اختیار کیا ہے رات کو **الحمد** اور **قل یا ایھا الکافرون** اور **قل ھو اللہ** اور **قل اعوذ برب الفلق** اور **قل اعوذ برب الناس** اور سورۂ حشر کا خاتمہ اور سورۂ بقر کا خاتمہ اور دن کا وظیفہ تلاوت قرآن شریف کا سورہ یٰسین اور حضرت خواجہ علی رامیتنی نے فرمایا ہے کہ جب تین قلب کسی مراد کے واسطے متفق ہو جائیں تو وہ مومن بندہ کے مراد حاصل کرنے کو کافی ہیں، قلب بندہ اور قلب رات کا اور قلب قرآن مجید کا یعنی تہجد کی نماز میں سورۂ یٰسین کو اخلاص دلی سے پڑھا مراد حاصل ہوئے اور نماز نوافل میں سے ایک تہجد اور نماز اشراق اور نماز استخارہ اور نماز چاشت اور تہجد کی بارہ رکعتیں ہیں۔

اگر ممکن ہو تو ہر رکعت میں سورۂ یٰسین پڑھے اور نہیں تو سورۂ یٰسین کو آٹھ رکعتوں میں اس ترتیب سے پورا کرے کہ پہلی رکعت میں **واجر کریم** تک اور دوسری میں **وھم مھتدون** تک اور تیسری میں **جمیع الدنیا محضرون** تک اور چوتھی میں **فلک یسبحون** تک اور پانچویں میں **ولا الی اھلھم یرجعون** تک اور چھٹی میں **ھذا صراط مستقیم** تک اور ساتویں میں **فھم لھا مالکون** تک اور آٹھویں میں سورۂ کے آخر تک اور باقی رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص تین تین مرتبہ اور جو سورۂ یٰسین حفظ نہ ہو تو سورۂ فاتحہ کے بعد ساری نماز میں تین تین بار سورہ اخلاص پڑھے اور نماز تہجد چار رکعت سے کم نہ پڑھے اور نماز تہجد کا وقت اخیر تہائی رات ہے جیسا خدا تعالیٰ فرماتا ہے **قم** (۱) **اللیل الا قلیلا نصفحہ او نقص منہ قلیلا اوزد علیہ** اور صاحب قوۃ القلوب (۲) نے کہا ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے **فتھجد بہ نافلۃ لک** اور فرمایا **کانوا قلیلا من اللیل مایھجعون** اور ہجوع نیند کو کہتے ہیں اور تہجد قیام کو تو تہجد

---

(۱) کھڑا رہ رات کو مگر کسی رات آدھی رات یا اس سے کم کر تھوڑا سا یا زیادہ اس پر۔

(۲) ''قوت القلوب'' کس بزرگ کی کتاب ہے، اس کا علم نہ ہو سکا ہے اس کی تحقیق کی ضرورت ہے۔ (قاسمی)

جب تک سوئے نہیں جائز نہیں اور کتاب شعبی میں ہے کہ تہجد نہیں ہوتی مگر بعد سونے کے اور تہجد صلوۃ النوم ہے۔ اور روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے **قم من اللیل قدر حلبة شاة** (۱) اور جب نماز مذکور پڑھ لے تو بیٹھے جلسہ التحیات کا قبلہ رو ہو کر صبح تک اور مشغول رہے توجہ میں مراقبہ میں یا ذکر میں اور جو نیند غلبہ کرے، تو سو رہے مگر صبح سے پہلے اٹھ کھڑا ہو اور وضو کرے اور سنتیں صبح کی نماز کی، اپنے گھر میں پڑھے اور مشغول ہو استغفار میں بطریق خفیہ کے جیسا اس سلسلہ کا طریقہ ہے اور مسجد کو استغفار پڑھتا ہوا جائے رستے میں اور جب نماز صبح جماعت سے پڑھ چکے تو اپنی جگہ میں بیٹھا رہے مشغول وظیفہ باطن میں جو جمعیت پائے اور نہیں تو اپنے گھر آ جائے اور مشغول ہو اپنے وظیفہ میں یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو اور اس کے بعد دو رکعت نماز اشراق پڑھے اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص تین بار پھر اس کے بعد دو رکعت نماز استخارہ پھر اس کے بعد دعائے استخارہ اور وہ یہ ہے **اللھم خیرلی واخترلی ولا تکلنی الی اختیاری اللھم اجعل الخیرة فی کل قول وعمل اریده فی ھذ الیوم واللیلة اللھم وفقنی لما تحب وترضی من القول والعمل فی عافیة ویسر** اس کے بعد جو اس کو کوئی کام ضروری دینے کا ہو جیسے معاش کے لئے اس کے لئے جائے ساتھ حضور اور ہوشیاری کے اور یہ دعا پڑھے **اللھم کن وجھتی فی کل جھة ومقصدی فی کل قصد وغایتی فی کل سعی وملجائی وملاذی فی کل قصدة وھم ووکیلی فی کل امر وتولنی تولی محبة وعنایة فی کل حال** اور ہمیشہ قلب صنوبری سے متوجہ رہے جیسا خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ **رجال لا تلھیھم تجارة ولا بیع عن ذکر اللہ** اور جب دنیاوی کاموں سے فارغ ہو وضو کرے تازہ اور خلوت میں داخل ہو اور پہلے جب بیٹھے اپنے شیخ کی رویت حاضر کرے، پھر مشغول ہو اپنے وظیفہ سے مراقبہ سے یا ذکر سے اور نماز چاشت کی بارہ رکعتیں ہیں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین تین بار سورۂ اخلاص اور دو رکعت سے کم نہ پڑھے اور اوّل وقت چاشت میں نہ چاہیے پڑھنی بلکہ تاخیر کرے اتنی کہ پہر بھر دن چڑھ جائے اس واسطے کہ مشکوٰۃ شریف میں زید بن ارقمؓ سے ہے تحقیق دیکھا انھوں نے ایک قوم کو کہ وہ نماز چاشت پڑھتے تھے، پس کہا اور لوگوں

---

(۱) اٹھ تو رات کو بقدر بکری کے دودھ دوہنے کے۔

نے جانا ہے کہ تحقیق نماز اس وقت میں اس سے بہتر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نماز اوابین جس وقت کہ گرم ہو فصال پڑھنی چاہیے۔

روایت کی مسلم نے اور رمض کے معنی ہیں شدت گرمی کی تاب آفتاب سے ریت وغیرہ پر یعنی جس وقت پائے فصیل گرمی آفتاب کی اور فصیل اونٹ کے بچہ کو کہتے ہیں اور بعد نماز کے جو موجود ہو کھانا کھاوے جو یاروں کے ساتھ مل کے کھائے تو بہت اچھا ہے اور نہیں اپنے گھر والوں کے ساتھ کھائے، بیوی بچوں کے ساتھ اور حتی المقدور اکیلا نہ کھائے پھر اس کے بعد قیلولہ کرے یعنی سورہے پھر مسجد میں حاضر ہو۔

اوّل وقت اور عصر کو بھی اول وقت حاضر ہو مسجد میں اور نماز عصر کے بعد اپنے مکان میں بیٹھے اور شغل کرے وظیفہ باطنی کا اور حتی الامکان اس وقت کو ضائع نہ کرے اور اس میں اپنے نفس سے محاسبہ کرے اور مغرب اور عشا کے درمیان کے وقت کی حفاظت اولیا کے نزدیک سب سے زیادہ ضروری ہے اور عشا کے بعد اپنے بستر میں پڑھے، **قل یا ایھا الکفرون** اور سورۂ اخلاص اور معوذتین اور آخر سورۂ حشر اور آخر سورہ بقر کا ساتھ حضور کے اور سورہے شغل کرتا ہوا ذکر کا اور سونے پہلے یہ استغفار تین بار پڑھے، استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ اور یہ حال ہے ایسے صوفی کا جو کاروبار میں رہتا ہو اس صوفی کا نہیں جو فارغ البال ہو کہ اس کو چاہیے کہ وہ رات دن مستغرق و مستہلک حق میں رہے جیسا کہا ہے شیخ ابو العباس قصابؒ نے کہ میرے نزدیک نہ شام ہے نہ صبح کا اس کا باطن غرق ہوتا ہے دریائے فنا میں اور اس کا ظاہر حاضر ہے واسطے صادر ہونے احوال وافعال کے اور اہل فنا وبقا بعد طلب ومجاہدہ کے مشرف ہیں وصول سے طمانیت دل اور سرور اور مشاہدہ کے اور وہ اپنی عین مراد ہیں اور مراد سے پھر گئے ہیں بغیر مراد کے اور انھوں نے مقامات وکرامات کو حجاب سمجھا ہے اور اپنے مشرب کو بہت دور کر دیا ہے تمام حظ جسمانی اور روحانی سے اور فنا کا وصول علامت ہے حقیقت محبت ذات کے وصول کی اور مقام فنا محض بخشش اور اختصاص الٰہی میں اور سنت الٰہی اس طرح جاری ہے اور عطا محض کہ بخشش کی حقیقت وہی ہے عاریت نہیں ہوتی تو ایسے سبب سے اس میں رجوع نہیں ہے اور اسی واسطے کہا ہے اولیا نے کہ **الفانی لا یزد انی اوصافہ** اور کہا کہ ہے **ذو النون مصری قدس سرہ، ما رجع من رجع الا من الطریق**

وما وصل الیه احد فرجع عنه ۔ ذونون مصری نے کہا: نہیں لوٹا جو لوٹا مگر راستہ سے اور نہیں پہنچا اس کی طرف کوئی پس وہ اس سے واپس آیا ہو۔

پانچویں فصل (۱)

حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہ سے سوال کیا گیا کہ فنا کتنی وجہ پر ہے تو فرمایا دو وجہ پر ہے اگر چہ بزرگوں نے کہا ہے کہ اس سے زیادہ وجہوں پر ہے لیکن جس کا مرجع ان دو وجہوں پر ہے اوّل تو فنا وجود ظلماتی طبیعی سے اور دوسری فنا وجود نورانی وحی سے اور حدیث شریف نبویؐ ان دو وجہوں پر ناطق ہے کہ **ان اللہ سبعین الف حجاب من نور و ظلمة** پس فنا پہلے تو بواسطے ظہور حق سبحانہ کے ہے اور دوسری یہ کہ فنا بھی جاتی رہی یعنی باقی نہ رہی وجود نورانی کے لئے کچھ شعور اس لئے کہ شعور تو وجود روحانی کی صفتوں میں سے ہے اور اس کو لازم ہے کہ جس وقت شعور کا شعور جاتا رہا تو لازم آیا وجود روحانی کا جانا اس مقام میں روح ذاکر ہے اور قلب ساجد ہے اور اس مقام میں سالک کی صحبت صحیح ہے لیکن اس کی ترتیب اور مرید کو اس کی طلب صحیح نہیں ہے اور ذکر قلب یہ ہے کہ جو حضور حق سبحانہ کا اور حضور خلق کا اس کی نسبت برابر یعنی اس میں اس کے ساتھ وہ ہو اور ذکر زبان کے بیان کرنے کی کچھ حاجت نہیں اور ذکر روح یہ ہے کہ جو حضور حق سبحانہ کا غالب اوپر اس حضور کے جو خلق کے ساتھ ہے اور ذکر سر یہ ہے کہ اس کو حضور غیر حق سبحانہ کے ہووے ہی نہیں اور کچھ زمانہ سے خبر نہ ہو اور ذکر خفی یہ ہے کہ چھپ جاوے روح کا وجود جیسے سر میں موجودات تو باقی نہ رہے سوائے مذکور کے اور حاصل یہ ہے کہ غیر بالکل جاتا رہے ہر وجہ سے خفا میں تو اس مقام میں متحقق ہوتی ہے سیر فی اللہ تو تحقیق بندہ کو بعد فنا مطلق کے جو ایسی ہے کہ فنا ذات و فنا صفات سے خلعت ہوتا ہے وجود حقانی یہاں تک کہ مشرف ہوتا ہے۔

---

(۱) فنا اور بقا میں

اس وجود سے اوصاف الٰہیہ کے ساتھ اور متخلق ہوتا ہے اخلاق ربانیہ کے ساتھ اور اس مقام میں متحقق ہوتا ہے **بی یسمع** (۱) **وبی یبصر وبی یبطش وبی یمشی وبی یعقل** کا کیونکہ ذات وصفات فانیہ اس مقام میں بدل جاتی ہے لباس وجود باقی سے خارج ہوتی ہیں قبر پوشیدگی سے ظہور کے محشر میں اور جذبات حق کے تصرف اس وقت برابر ہوتے ہیں بندہ کے باطن پر اور اس کے باطن سے جاتی رہتی ہیں سب وسوسے اور برے خطرے اور اس وقت اس میں حق تصرف کرتا ہے اپنی صفاتوں سے اور معزول کر دیتا ہے اس کو بالکل اس کے تصرف سے کہ وہ اپنے میں آپ تصرف نہیں کرتا اور اس وقت ہو جاتا ہے بندہ محفوظ وظائف شرعیہ امر ونہی کے مجاوزت سے اور یہ دلیل ہے صحت حال فنا وبقا کی۔ شیخ ابوسعید خرازؒ نے کہا ہے اسی معنی میں **کل باطن** (۲) **یخالفه الظهور فهو باطل** اور بعد تحقیق فنا وبقا کے یعنی سیر الی اللہ وسیر فی اللہ کے جو فنا کے بعد ہے متحقق ہوتی ہے سیر عن اللہ کے جو فنا کے بعد ہے متحقق ہوتی ہے سیر عن اللہ اور سیر باللہ کہ وہ مقام تنزل ہے خلق کی عقلوں کی رسائی کا کہ وہ دعوت کرتے ہیں حق کی طرف اور یہ مقام ہے خواص انبیاء اور مرسلین کا اور مقام تنزل میں یہ رجوع ہوئے ہیں ہر امر میں حق کی طرف زاری اور استغفار کرتے ہوئے اور اولیا کو اس مقام میں انبیا کی متابعت میں حصہ ملا ہے جیسا خدا فرماتا ہے **قل** (۳) **هذه سبیلی ادعوا الی الله علیٰ بصیرة انا ومن اتبعنی** اس واسطے کہ شیخ ایسا ہوتا ہے جیسے نبی اپنی قوم میں اور اس مقام میں مرید کی طلب اور تربیت صحیح ہے بشرط اجازت شیخ کے اور اس مقام میں ہر تصرف اس کے فعل کا اگرچہ اس کی طرف منسوب ہے، لیکن وہ اس کا نہیں اس واسطے کہ وہ تو تصرفات بشریہ سے بالکل معزول ہے۔ **وما رمیت** (۴) **اذ رمیت ولکن الله رمیٰ** ممکن ہے کہ اسی معنی میں ہو۔

---

(۱) مجھ سے ہی سنتا ہے مجھ سے ہی دیکھتا ہے مجھ سے ہی حملہ کرتا ہے مجھ سے ہی چلتا ہے مجھ سے ہی سمجھتا ہے۔

(۲) جو باطن ظاہر کے خلاف ہے وہ باطل ہے۔

(۳) کہہ دو کہ میں اور میرے پیرو اللہ کی طرف بلاتے ہیں بصیرت کے واسطے اور یہ میرا طریقہ ہے۔

(۴) اور نہیں پھینکا تو نے جبکہ پھینکا تو نے لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا۔

چھٹی فصل (۱)

مرید کے باطن میں تصرفات کرنے کے طریق میں اور دفع مرض میں ایسا مرض کہ واقع ہوا ہے لوگوں پر اس کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ ہے کہ جس وقت کسی کو بیماری ہو یا کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو وضو کرے اور دو رکعتیں پڑھے اور اللہ سے بہت عجز و انکسار کے ساتھ رجوع ہو اور اس میں طلب کرے اللہ سے کہ اس شخص کو پاک کر دے اس سے جو اسے عارض ہوئی ہے اور دور کر دے اس سے اور دوسرا طریق یہ ہے کہ اپنے تئیں صاحب مرض و معصیت بنائے اور اس کی جگہ آپ ہو اور مشغول ہو اس قدر اور متوجہ ہو اس سے اس کے دفع کا پہلے نزول حضرت عزرائیلؑ کے کیونکہ جب وہ نازل ہوئے تو ان کا خالی جانا محال ہے اور ضرور ہے بدل اور اس وقت مریض ثابت کرے اپنے اعضا کی جگہ اور متوجہ اپنی ہمت کے ساتھ اور بیماری میں مدد بہت طرح ہے اول تو یہ کہ متوجہ ہو ہمت کے ساتھ واسطے اس بیماری کے زائل ہونے کی دوسری طرح یہ ہے کہ اٹھائے ہو اس سے بیماری اپنے اوپر تیسری یہ کہ متوجہ ہو متفرق خطروں کے دفع کرنے کو اور مرض کے دفع سے کچھ معترض نہ ہو اس لئے کہ بیماری میں درجے بلند ہوتے ہیں اس واسطے کہ بیماری سبب ہے تنقیہ و تصفیہ کا قوائے دماغی کے اور جس وقت پاک اور صاف ہو گیا دماغ تو اس قوت دماغیہ سے متعلق ہو گا نور مطلق بسیط محیط جمیع موجودات ایسا کہ وہی مقصود ہے تمام کائنات کا اور خطرے مانع ہیں اس امر کے حصول کی اور تصرف کے طالب حقیقی میں اس طرح اسے اپنے سامنے بٹھائے اور اس سے کہے کہ کل خطروں سے اپنے نفس کو خالی کر لے پھر متوجہ ہو ہمت کے ساتھ واسطے اٹھائے

---

(۱) چھٹی فصل مرید کے باطن میں تصرف کرنے اور دفع مرض میں

حجاب ظلماتی کے پھر حجاب نورانی کے۔

اور جب اسے غیبت حاصل ہو جائے تو اس کے واسطے توجہ نہ کرے مگر جو کوئی گرہ پڑ جائے تو اسے کھول دے اور وہ نسبت کی جاتی ہے کسی شخص کی طرف احوال آنے والے سے وہ یہ ہے کہ جس وقت حاضر ہو کوئی اجنبی اور خاطر میں حاصل ہو ایک چمک ایمان یا نماز یا روزہ یا تحصیل علم دین کی تو کہتے ہیں۔ اس سے نسبت اسلام اور دیانت و علم کی حاصل ہوئی اور حاصل یہ ہے کہ ظاہر ہوا بسبب اس وصل کے یہ معنی اور ہے وجود اس کا خاطر میں اس کے انفاس کی مقتضیات سے اور جو اس کے ملنے سے محبت و عشق ظاہر ہو سکتے ہیں نسبت جذبہ اس سے ظاہر ہوئے اور میت کے حال کی معرفت کے واسطے یوں ہے کہ مقابل قبر کے بیٹھے اور آیۃ الکرسی ایک بار اور سورۂ اخلاص بارہ دفعہ پڑھے اور اپنے نفس کو سب خطروں سے خالی کرے تو پھر جو کچھ دل میں چمکے گا تو وہ اسی سے ہے اور جب مرید سے کوئی بے ادبی ہو جائے تو شیخ کو نہیں مناسب کہ اس کے سلب حال کے واسطے کوشش کرے لیکن متوجہ ہو اپنی ہمت سے طریق معلوم کے موافق دفع کرنے میں اس کی ظلمت اور کدورت کے یا اس کو امر کرے کہ نفی اور اثبات کا ذکر کرے تو اس سے اس کی ظلمت جاتی رہے گی اس طرح سے کہ ملاحظہ کرے جانب نفی میں تمام محدثات کا فنا کی نظر سے اور جانب اثبات میں تصور کرے ذات معبود بحق کو ساتھ بقا کے۔

ساتویں فصل (۱)

آداب ظاہرہ حق سبحانہ کے ساتھ یہ ہیں کہ قائم ہوئی امر و نہی شریعت پر اور ہمیشہ طہارت سے رہے اور استغفار پڑھتا رہے اور سب امروں میں احتیاط کرتا رہے اور آثار سلف صالح کا پیرو اور تابع رہے اور اس پر عمل کرے اور باطن کا ادب یہ ہے کہ اپنے قلب کی حفاظت کرے کہ اس میں غیر کا خطرہ نہ آئے خواہ نیک ہو وہ یا بد ہو اس لئے کہ حجاب ہونے میں دونوں برابر ہیں اور آداب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی قیاس پر ہیں اور اولیا کا ادب یہ ہے کہ ان کی مجلس میں اپنے خطروں کی حفاظت کرے اور ان کے حضور میں بلند آواز سے نہ بولے اور ان کے حضور میں نماز نوافل نہ پڑھے اور ان کے ساتھ اگر پڑھے تو بہت اچھا ہے اور ان کے کلام کے درمیان بول نہ اٹھے بلکہ جب تک وہ خود نہ پوچھیں کچھ نہ کہے اور جس کو وہ مکروہ جانیں اسے آپ بھی مکروہ سمجھے اور ان کے گھر میں ان کے اسباب اور اخراجوں کی طرف نظر نہ کرے اور دل میں یہ خطرہ نہ لاوے اور شیخ کی خدمت میں جاوے اور اس سے فیض حاصل کرے بلکہ یہ اعتقاد رکھے کہ یہ تیرا پیر تجھ کو پہنچاوے گا، تیرے مولا کے پاس اور اپنے پیر کے سوا اور سے تعلق نہ کر کیونکہ یہ موجب تیرے تفرقہ کا ہوگا، الحاصل یہ ہے کہ جس کو طبیعت انسانی مکروہ جانے اس سے الگ رہے اور بچے اس سے کیونکہ بے ادبی خصوصا مشائخ کی راہ خدا کی مانع ہے اور اس کے سبب فیض سے محروم رہتا ہے۔ اور تجھے چاہئے کہ تیرے دل میں اور نظر میں غیر حق اور اس کے نام کی نہ ہو اور ہمیشہ رہو باخدا کہ غفلت راہ نہ پائے اور کیا خوب کہا ہے یہ

---

(۱) آداب میں

شعر

اذا کنت (۱) فی الوقت عن الحق غافلا
فانت فی الکفر لکن بخفیة
فان دمت فی ذی الحال صاحب غفلة
فانک للاسلام سد بحفوة

اور غیروں کے خطرہ دیکھنے سے رنگ اور شکلیں مختلف اور نیز ہوتا ہے کتابوں کے مطالعہ سے اور ایسی صحبت سے جو تفرقہ ڈالے تو سالک کو چاہیے کہ کچھ دنوں بے ملاحظہ اغیار کے رہے کسی ایسے صاحب دولت کی صحبت میں جس کو پوری پوری سعادت ہو جمعیت کی کہ اس کی برکت سے سالک کو ملکہ حضور اور جمعیت کا حاصل ہو کیونکہ ملکہ حضور سے حاصل ہوتا ہے رضا و تسلیم جو کہ نہایت عبودیت کے ہیں اور عبادت کی اور اسلام کا کمال تسلیم میں ہے اور تفویض میں کیونکہ صاحب تسلیم کے اگر گلے میں لعنت کا طوق بھی ڈالا جاوے جیسے ابلیس کے تو وہ راضی ہوگا اس سے اس حیثیت سے کہ وہ قضا ہے حق کی اور تقدیر الٰہی ہے ایسا جیسے ایمان و اسلام سے راضی ہے اس لئے کہ طالب صادق راضی ہے قضا و قدر سے اس کا نفس کچھ نہیں کرتا اور جب طلب کو مکروہ پہنچے اور اس کا تفاوت ہو تو وہ اپنے نفس کا بندہ ہے اور جو تفاوت نہ ہو تو وہ اس کا بندہ ہے۔ ہر امر کی اصل اور بنیاد یہ ہے۔ تو اے سالک تجھے چاہیے کہ تو ہمیشہ بندہ ہو اس کا جیسے اللہ تعالیٰ ہمیشہ رب ہے اور جب مدح اور مذمت میں فرق ہوا تو عبادت اپنے دل کے بتوں کی کرتا ہے۔ سب سر خواص و عوام کا ذکر کر دیا گیا۔ اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰة والتسلیم علی سیدنا محمد سید الاولین والاخرین وعلی اٰلہ واصحابہ والتابعین لھم باحسان الی یوم الدین انتھی۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ شیخ عبدالاحد بن شیخ محمد بن سعید بن شیخ احمد سہرندی کے طریقہ احمدیہ کے اشغال کے بہت عمدہ مکتوب ہیں ان میں سے تین مکتوب جو انھوں نے لکھوا کر حضرت والد بزرگوار کو بھیجے تھے اور ان کے آخر اپنے ہاتھ سے یہ عبارت لکھی تھی کہ

---

(۱) جس وقت کہ ہو تو حق سے غافل پس تو کافر ہو گیا لیکن خفیہ طور پر پس اگر تو ہمیشہ رہا اس حال میں اے غفلت والے پس تحقیق تو نے اسلام کے واسطے ایک دیوار بنائی یعنی تجھ کو اسلام نہیں حاصل ہوگا۔

''مخدوما عرفاں پناہا'' اس خاکسار کے تینوں مکتوب اپنے مطالعہ سے مشرف کرنا۔ وہ مکتوب اس رسالہ میں بعینہٖ نقل کئے جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ علی کل حال

ہمشیرہ عزیزہ خدا پرست نے لطیفہ انسانی پوچھے تھے۔ سو معلوم کریں، کہ پانچ لطیفہ انسانی کہ قلب و روح و سر و خفی و اخفی ہیں عالم امر سے ہیں ان کا مقام فوق العرش ہے، جسے لامکان کہتے ہیں اور عالم ارواح بھی اسے کہتے ہیں حق جل وعلیٰ کمال قدرت سے اپنے ان لطائف کو بدن انسانی سے تعشق اور تعلق دیکر وہاں سے نیچے اتار کر ہر ایک کو ایک خاص جگہ میں انسان کے بدن میں جو اس کے مناسب تھا جگہ دی ہے قلب کو سینہ کے بائیں طرف پستان میں جگہ دی ہے۔ روح کو جو قلب سے زیادہ لطیف ہے، اس کے مقابل دائیں جانب اخفی کہ لطیف اور احسن لطائف ہے، درمیان حقیقی سینہ کے سر کو درمیان قلب اور اخفی کے خفی کو درمیان روح اور اخفی کے اور ولایت اس میں سے ہر ایک لطیفے کے زیر قدم ایک اولوالعزم پیغمبر کے ہے چنانچہ قلب کی ولایت حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام کے زیر قدم ہے، اور روح کی ولایت حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کے زیر قدم ہے اور سر کی ولایت حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے زیر قدم ہے اور خفی کی ولایت حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے زیر قدم ہے۔ اور اخفی کی ولایت حضرت خاتم الانبیا علیہ وعلیہم الصلوٰات والتسلیمات کے زیر قدم ہے۔

جاننا چاہئے کہ اولیا کے قدموں کے تفاوت انہیں لطیفوں کی راہ سے ہے تو جو زیر قدم حضرت آدم علیہ السلام کے ہے اس کی ولایت، ولایت قلب ہے اور وہ صاحب استعداد ولایت کے ایک درجہ کا ہے، پانچ درجوں میں سے اور جو حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ السلام کے زیر قدم ہے اس کی ولایت، ولایت روحی ہے اور اس کو دو درجوں کی ولایت کی استعداد ہے پانچوں درجوں میں سے۔ اور جو زیر قدم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہے اس کی ولایت ولایت سری ہے وہ ولایت کے تین درجوں کی استعداد رکھتا ہے درجات خمسہ سے اور جو زیر قدم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہے اس کی ولایت ولایت خفی ہے اور وہ چار درجہ ولایت کی استعداد رکھتا ہے ان درجوں میں سے اور جو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر قدم ہے اس کی ولایت ولایت اخفی ہے اعظم

واعلیٰ اور احسن سب درجوں کی اور اس ولایت کے صاحب کو قابلیت پانچوں درجوں کی ولایت کی ہے، اور جاننا چاہیئے کہ انبیا علیہم السلام کے قدموں کی تفاوت ان کے آپس میں اس راہ سے نہیں ہے بلکہ نبوت کی راہ سے ہے پس جو ان بزرگواروں میں سے اس راہ میں پیش قدم ہوگا وہی دوسروں سے افضل ہوگا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مقام نبوت میں پیش قدم ہیں، اس لئے حضرت عیسیٰؑ سے افضل ہیں اگرچہ مقام ولایت میں حضرت عیسیٰ حضرت موسیٰ سے غالب ہیں جیسا اوپر لکھا گیا۔

دوسرے یہ امر جاننا چاہیئے کہ اگر مرشد و مربی طالب کا صادق المشرب ہوگا تو اس سے ہوسکتا ہے کہ جس راستے آپ قطع منازل کئے ہیں اسی راہ طالب کو بھی چلائے اور ولایت محمدیؐ کے کمالات کو پہنچائے اور وہ مرید اگرچہ خود اپنی استعداد کمتر رکھتا ہو یہاں سخن بہت طول و عرض رکھتا ہے کہ حد سے زیادہ ہے معذور رکھیں اور پھر کسی وقت پر موقوف فرمائیں اور انوار لطائف کے رنگ پوچھے تھے سو معلوم کریں کہ ہر شخص نے اپنے کشف و نظر کے موافق کچھ کہا اور لکھا ہے اور اس کے اوپر بنا تعبیر واقعات اور تفسیر معاملات کی رکھی ہے مگر میں نے اب جو حضرت عالی درجات سے سمجھا ہے مگر میں نے اب جو حضرت عالی درجات سے سمجھا ہے لکھتا ہوں۔

جاننا چاہیئے کہ قلب کا نور زرد ہے اور روح کا نور سرخ ہے اور سر کا نور سفید ہے۔ اور خفی کا نور سیاہ ہے اور اخفی کا نور سبز۔ ظاہر حقیقت و ماہیت نفس جو دریافت کی تھی آپ کو معلوم ہو کہ نفس خبیثہ ہے عالم خلق سے اور اس کا محل دماغ ہے بالذات شرارت و خباثت سے متصف ہے اور اپنے تئیں لطائف کی طرح لطیفہ نفیسہ ظاہر کیا ہے اور ریاست و دانائی کا دعویٰ کر کے تمام اجزا و لطائف پر تصرفات فاسد کر کے شیطان علیہ اللعن کے بہکانے سے تمام لطائف و اجزا کو اپنے اوصاف ذمیمہ سے متصف کر دیا ہے اور درگاہ پاک خداوندی کی طرف متوجہ ہونے سے محروم رکھ کر نقصان ابدی کو پہنچایا ہے عنایت ازلی نے جس کی دستگیری و رہنمائی کی اس نے اس کی شرارت و خباثت پر اطلاع پائی اور اس کے فریبوں اور مفسدوں سے مومنہ پھیر کر متوجہ اس درگاہ پاک کا ہوا اور سعادت ابدی کو پہنچا اور جب نفس پاک و مطہر ہو جاتا ہے اور اپنے سب وصف رذائل بالکل چھوڑ دیتا ہے۔

البتہ اللہ سبحانہ کے فضل و کرم سے بڑے مرتبہ سے ولایت کے اور قرب اور مشاہدہ اور مقام رضا کے

مشرف ہوتا ہے اور سب لطائف انسانی سے بالا دست ہو جاتا ہے اور اس کی سیر سب سے بلند ہوتی ہے اس کو حصول کمال کے بعد تخت صدر پر اجلاس فرماتے ہیں اور ریاست وکیاست سب لطائف کی اس کو ملتی ہے عجب بھید ہے کہ جو سب سے خبیث زیادہ ہے بعد پاک اور منور ہونے کے اشرف سب سے ہو جاتا ہے **اولئک (۱) یبدل اللہ سیاتھم حسنات** فرمایا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے **خیارکم (۲) فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام اذا فقھوا و السلام علی من اتبع الھدی۔**

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ !

اس کے بعد بعد جاننا چاہیے کہ جب سالک اپنی ہستی اور خود پرستی سے نکل آتا ہے اور اس کے باطن کی آنکھ معرفت کے کحل الجواہر سے سرمہ سا ہو جاتی ہے تو ضرور آیتیں اور کرامتیں جو اس کے نفس میں چشم بصیرت میں امانت رکھی ہوئی ہے بموجب **وفی انفسکم افلا تبصرون ای فی انفسکم آیات عظیمۃ افلا تبصرون** کی وہ مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے بعد مقتضائے **من عرف نفسہ فقد عرفہ ربہ** کے بارگاہ قدس میں دخل پاتا ہے قالب انسانی میں جو حقائق اور آیتیں تعبیہ میں کچھ ان میں سے مذکور ہوتی ہیں بگوش ہوش سے سنو جان لو کہ انسان کہ اس کو عالم صغیر کہتے ہیں ان اجزا سے مرکب ہے جن کی اصلیں عالم کبیر میں ہے اور عالم کبیر مجموعۂ کائنات ہے خلق ہو خواہ امر ہو ان دس میں پانچ تو عالم خلق سے ہے ایک تو نفس اور چار عنصر اور ان میں پانچ عالم امر سے ہیں جس طور چار عناصر کی اصلیں عالم خلق میں موجود ہیں اس طور لطائف خمسہ مذکور کی اصلیں عالم امر میں جو عرش کے اوپر لامکان مشہور ہے متحقق ہیں اور فوق عرش مجید اور تحت اور اصول کے قلب ہے اور اسی سبب قلب کو برزخ درمیان عالم خلق و عالم امر کے فرمایا ہے اس واسطے کہ عالم خلق کی انتہا عرش مجید ہے اور اس وجہ سے کہ عرش مجید عالم خلق کی نہایت منتہی ہے اور امر کی طرف منہ رکھتا ہے اسے بھی برزخ کہتے ہیں اور اصل قلب کی فوق اصل روح ہے اور اس کے فوق اصل سر اور اس کے فوق اصل خفی اور اس کی فوق اصل اخفی جب تعالیٰ شانہ نے چاہا کہ انسان کو اپنی

---

(۱) وہ لوگ ہیں کہ بدلتا ہے اللہ تعالیٰ ان کی بدیوں کو نیکیوں سے۔

(۲) جو جاہلیت میں پہلے اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں۔

حکمت بالغہ کے مقتضیٰ سے اس نوع سے ترکیب دے تو بعد قالب کے تسویہ کے ان لطائف خمسہ سے ہر ایک کو اس عنصر جسمانی سے تعلق اور تعشق دے کر فوق العرش سے اوتار کر مقام خاص میں جس کو جس مقام سے مناسبت تھی متمکن کیا لطیفۂ قلب کو اس مضغہ میں جو زیر پستان چپ ہے اور اسے قلب صنوبری کہتے ہیں جگہ دی اور اسے صنوبری اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ مانند صنوبر کے پھل کے ہے جو الٹا ہوا ہو۔ اور اصل الاصل اس لطیفہ کے صفت اضافی حق کی ہے کہ اسے فعل اور تکوین کہتے ہیں اس کا کمال یہ ہے کہ حق جل وعلیٰ کے فعل میں فانی ونیست ہو جائے اور اسی فعل سے بقا پائے اس وقت سالک اپنے تئیں مسلوب الفعل پائے گا اور اپنے افعال حق وجل وعلیٰ سے درست نسبت کرے گا، فنا قلب وتجلی فعلی اسی سے کنایہ ہے اور اس کا نشان یہ ہے کہ علمی وحبی تعلق اس کو غیر حق سے نہ ہوگا یعنی قلب ماسویٰ کو بالکل فراموش کر دے گا یہاں تک کہ اگر برسوں تکلف کرے تو بھی ایک لحظہ ماسوا کو یاد نہ کرے گا۔ اس وقت جیسا علم اشیا اس سے زائل ہو گیا ہے۔ محبت اشیا بطریق اولیٰ جاتی رہے گی اور جب سالک فنا قلب سے مشرف ہوا۔ اولیا کی جماعت میں داخل ہو گیا اور یہ فنا قلب بدون طے کرنے تمام دائرہ امکان کے جو مرکز فرش سے عرش تک اور عرش سے تمام عالم امر تک ہے۔ اور بغیر طے کرنے مراتب عشرہ کے یعنی زہد، صبر، توکل، رضا، تسلیم، قناعت، یاس لوگوں سے، فقر، فراغ، ریاضت جو صوفیہ علیہ نے ان کا بیان کیا ہے حاصل نہیں ہوتے اور نور قلب کو نور روز فرمایا ہے اس لطیفہ کی ولایت حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے۔

اور جو آدمی المشرب ہے اس کا وصول درگاہ قدس کی طرف اسی لطیفہ کی راہ سے ہوئے گا مگر زبردستی وکشش پیر کامل سے اور اس مشرب کے صاحب کو استعداد حصول ایک درجہ کی پانچوں درجوں ولایت میں سے ہوگی۔ مگر زبردستی سے کسی زبردست کے اور لطیفہ روح جو بہت لطیف ہے، قلب سے اس کو مناسبت راستوں سے زیادہ تھی اس واسطے اس کو سینہ کے راستہ کی طرف زیر پستان جگہ دی اور اصل الاصل اس لطیفہ کی صفات ثبوتیہ حق ہے اور ایک قدم حضرت ذات کی طرف فعل سے نزدیک تر ہے، سالک بعد حصول فنا اس لطیفہ کے ساتھ تجلی وصفاتی کے اپنی صفات کو اپنے سے مسلوب پائے گا۔ اور اس لطیفہ کا نور سرخ فرمایا ہے اور اس لطیفہ کی ولایت حضرت ابراہیم علی نبینا

وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے اور جو کوئی ابراہیم المشرب ہوگا اس کی سیر جناب قدس کی طرف اسی لطیفہ سے ہوگی بعد از قطع مراتب قلب کے اور اس مشرب والے کو استعداد حصول دو درجہ کی پنج گانہ مراتب ولایت سے ہوگی مگر زبردستی سے کسی زبردست کے اور سر کا لطیفہ کہ روح کے لطیفہ سے بہت لطیف تھا اس کو نزدیک وسط سینہ کے قلب کی جانب جگہ دی اور اصل الاصول شیونات ذاتیہ ہے کہ ایک قدم صفات سے حضرت ذات کی طرف نزدیک ہے، اور حاصل ہونا اس لطیفہ کی فنا کا شیونات کی تجلی سے ربط رکھتا ہے اور اس لطیفہ کی ولایت حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر قدم ہے اور جو موسوی مشرب ہوگا اس کا وصول جناب قدس میں اسی لطیفے کی راہ سے ہوگا مگر بعد قطع پہلے لطیفوں کے اور اس مرتبہ والے کو استعداد تین مرتبہ کی ہوگی مراتب پنج گانہ ولایت میں سے لیکن زبردستی سے کسی زبردست کی اور اس لطیفہ کا نور سفید تعین فرمایا ہے اور لطیفہ خفی کو کہ سر سے بہت لطیف ہے درمیان روح اور وسط کی جگہ دی ہے۔

اور اصل الاصول اس لطیفہ کے صفات سلبیہ تنزیہیہ ہے کہ شیونات ذاتیہ کے فوق ہیں اور حصول اس لطیفہ کی فنا کا اسی صفت کا وصول ہے اس لطیفہ کا نور سیاہ تعین کیا ہے اور اس لطیفہ کی ولایت حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے زیر قدم ہے اور جو زیر قدم حضرت عیسیٰؑ کے ہے اس کو راہ جناب قدس میں اسی لطیفہ سے ہوگی بعد قطع لطائف سابق کے مگر بقسر قاسر اور اس مشرب کے صاحب کو استعداد حصول چار مرتبہ کے ہے پنج گانہ مراتب ولایت میں سے اور لطیفہ اخفی کہ بہت لطیف اور احسن اور اجمل سب لطائف عالم امر سے ہے اور بہت قریب ہے، حضرت اطلاق سے اس کو سینہ کے وسط حقیقی میں مرکز ہے اور بہت مناسبت رکھتا ہے حضرت اجمال سے جگہ دی ہے اور اصل الاصل اس لطیفہ کی ایک مرتبہ ہے، مثل برزخ کے درمیان تنزیہہ اور درمیان احدیت مجردہ کے اور اس لطیفہ کی فنا بھی مربوط اسی مرتبہ مقدسہ کے تحت سے ہے اور اس لطیفہ کے نفیسہ کا نور سبز نور بیان فرمایا ہے اور اس لطیفہ کی ولایت حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر قدم ہے اور اس بلند مرتبہ والے کو بالذات استعداد حصول تمامی مراتب پنج گانہ ولایت کے ہے حضرت قطب الاقطاب سلمہ ربہ کے زبان الہام بیان سے میں نے سنا ہے کہ ایک روز حضرت مجدد الف ثانیؒ نے ایسا فرمایا کہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھے تو فنا اخفی حاصل ہوتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ لطائف خمسہ عالم امر کا عروج دائرۂ اولیٰ ولایت کبریٰ تک جو متضمن تین دائرہ اور ایک قوس کا ہے، ہوگا جب اس دائرہ سے معاملہ ترقی کرے اور دائرہ اصل اور اصل الاصل میں سیر کرے، نفس سے معاملہ پڑے گا اور نفس کو پوری فنا کامل بقا حاصل ہونے سے کشادگی سینہ اور اسلام حقیقی کا حصول اور اطمینان کے مقام رضا کی ترقی سے مشرف ہوگا اس کے بعد جب ولایت علیا میں سیر ہوگی تین عنصر سے معاملہ پڑے گا یعنی ناری و آبی و ہوائی سے اور اگر وہاں سے خدا تعالیٰ کے فضل سے ترقی ہوئی تو کمالات نبوت میں سیر واقع ہوگی معاملہ اجزائے ارضی سے پڑے گا اور جو وہاں سے ترقی واقع ہوئی تو خواہ کمالات رسالت خواہ حقائق ثلثہ میں یعنی حقیقت کعبہ و حقیقت قرآن و حقیقت صلوٰۃ میں معاملہ ہیئت وحدانی سے جو مجموع اجزا عشرۂ عالم خلق اور امر سے ہے، بعد ہونے کمالات جدا جدا ہر ایک کے پڑے گا۔

بعد ازاں ہماری تمہاری عقل و فہم سے معاملہ برتر ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ محض عنایت بے نہایت سے اپنے ان کمالات سے بھرپور عنایت فرمائے۔ انه قريب مجيب اللہ سبحانہ کا شکر ہے کہ بطفیل حضرات عالی درجات قدس اللہ اسرارہم کے ان مراتب مذکورہ اور معاملات سے جن میں ان کی نسبت زمین و آسمان کا فرق ہے اپنی استعداد کے لائق بلکہ استعداد سے زیادہ بہرہ کرامت فرمایا ہے اور اس ذرہ کو خاک مذلت سے اٹھا کر آفتاب کی برابر کر دیا ہے اس مرتبہ کا شکر اگر ہزار سال، سو ہزار زبان سے ہزاروں طرح سے ظاہر کرے تو ہزار میں سے ایک بھی نہ کر سکے فله الحمد والمنة لله كما يليق بشانه ويحرى والسلام على رسوله وآله وصحبه البررة النقى اس قسم کی باتوں کو ظاہر کرنے سے اگر فخر و بڑائی کا وہم ہوتا ہے لیکن اظہار النعمة من الشکر کے خصوصاً ایسے دوستوں سے جو مخلص اور محرم اسرار اور اس کے مشتاق ہوں ان آثار و اخبار کے مذکور کیا گیا۔ ربنا(۱) لا تواخذنا ان نسينا او اخطانا بحرمة سيدنا محمد النبى الامى العربى صلى الله عليه وسلم .

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ میرے بھائی شیخ محمد کبیر معلوم کریں کہ قرب نوافل اسے کہتے ہیں کہ سالک اپنے تئیں فاعل پائے اور حق کو اپنے اعضا چنانچہ بی

---

(۱) اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں بحرمتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

یسمع وبی یبصر اس کا اشارہ ہے۔ اور قرب فرائض اسے کہتے ہیں کہ سالک اپنے تئیں اعضا پائے اور حق کو فاعل جیسے **الحق ینطق علی لسان عمر** اس کی طرف اشارہ ہے اور یہ قرب ثمرہ دیتا ہے فنا وجود سالک کا بخلاف پہلے قرب کے اور جمع بین القربین یہ ہے کہ سالک اپنے تئیں درمیان میں کچھ نہ پائے نہ فاعل نہ اعضا چنانچہ بعض اہل دل نے اس مقام سے ایسا اشارہ کیا ہے

مصرعہ

عشق ست درمیانہ بر مانہد بہانہ

اور یہ آیۃ کریمہ **ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی** گویا تینوں مقام کی خبر دیتا ہے کیونکہ مارمیت قرب فرائض سے ہے اور اذ رمیت کنایہ قرب نوافل سے ہے **ولکن اللہ رمٰی** اشارہ جمع بین القربین سے ہے **والسلام علی من اتبع الھدی والتزم متابعۃ المصطفیٰ علیہ وآلہ الصلوٰت والتسلیمات العلٰی**۔ وہ تینوں مکتوب ہو چکے اور آخر میں ان ورقوں کے شیخ عبدالاحدؒ نے اپنے ہاتھ سے یہ فائدہ تحریر فرمایا کہ مشائخ کرام کی عادت ہے کہ سالک مبتدی کو اوّل ذکر قلب سے مشغول کرتے ہیں تا جوہر اور ملکہ ہو جائے اس کے بعد ذکر روح فرماتے ہیں بعد ازاں ذکر اخفی بعد ازاں ذکر نفس اور اس کی جائے دماغ ہے اس کے بعد اگر چاہیں ذکر سر اور خفی فرمائیں بعد ازاں سریان تمام اعضا میں تا حصول ملکہ وسلطان ذکر ہو جائے اور اکثر ایسا ہے کہ ذکر قلب وروح واخفی پر اکتفا کرتے ہیں، اور کبھی ذکر قلب پر اکتفا کرتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ ذکر قلب کا جوہر ہو جائے اور اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ فقط ذکر قلب کہنے سے سلطان ذکر اور سریان تمام اجزا و اعضا میں متحقق ہوا ہے حاصل یہ کہ بقدر استعداد مبتدی کے سلوک چاہئے کرنا، **والسلام علی من اتبع الھدی** تمام ہوا وہ جس کا ہم نے ارادہ کیا تھا شیخ عبدالاحد قدس سرہ کے کلام سے۔

کاتب الحروف کہتا ہے کہ ملا محمد دلیل نے ذکر کیا ہے کہ امیر موسیٰ بہٹی کوٹی کو ایک نے بزرگوں میں سے احمدیہ خانوادہ کے یہ مکتوب لکھا تھا اور امیر موسیٰ نے اس کی بہت سی تعریف کی اور اپنے یاروں سے کہا اس کی نقل لکھ لو۔ باسمہ سبحانہ نحمدہ ونصلی ونسلم خدام ولایت پناہ ہدایت دستگاہ سیادت مرتبت نجابت منزلت میر محمد موسیٰ سلمہ ربہ سلام دوستانہ اور تحیہ مخلصانہ اس فقیر حقیر محمد ہادی

عفی اللہ عنہ کا مطالعہ فرمائیں اور مانگنے والا دعاء سلامتی خاتمہ اور عفو و عافیت دنیا و آخرت کا گنیں فقیر کو جو ضعف بدن بہت تھا اس سبب جس کا امر ہوا تھا وہ نہ بجالا سکا اب کچھ تخفیف پائی ہے تو لکھتا ہے کہ جب طالب صادق شیخ کامل و مکمل کے روبرو جائے اول ذکر دل کا کہ اس کا ٹھکانا بائیں ہاتھ کی طرف ہے، امر فرمائیں جب اس کا ملکہ ہو جائے تو ذکر روح کہ اس کی دائیں طرف ہے ارشاد کریں جب اس ذکر کا بھی ملکہ ہو جائے تو ذکر سر جو دل کے متصل ہے لیکن دائیں طرف بتائیں اور جب اس کا بھی ملکہ ہو جائے تو ذکر خفی کا جو روح کے پہلو میں ہے مگر بائیں طرف روح کے ہے مامور فرمائیں اور جب وہ بھی ملکہ ہو جائے ذکر اخفی کا کہ سب کے درمیان ہے اور وسط سینہ میں اس کی جگہ ہے اسے حکم کریں اور یہ جوہر اخفی تمام جوہروں سے عالم امر کے اعلیٰ ہے چنانچہ آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور جب اخفی کا بھی ذکر ہو جائے تو ذکر نفس کا حکم کریں کہ نفس کا مقام دماغ ہے اور یہ لطائف ستہ ذکر سے متجر ہو جائے تو ذکر نفی و اثبات فرمائیں بطریق معلوم اور جب عدد اکیس تک پہنچے اس کے نصاب پورے ہو گئے اور فنا قلب جو اطوار ولایت میں اول قدم ہے ظہور فرمائے اور فنا قلب اس مجلیٰ افعال کا اثر ہے جو اس کی اصل ہے کیونکہ قلب افعال الٰہی ہے اور وہ مربی ولایت حضرت آدم کا ہے علی نبینا و علیہ السلام اس کے بعد بقا قلب ایک تھوڑا افعال ایزدی ہے جل شانہ اس کے لئے کہ ہر ظل کو اپنی اصل کے راستہ ہی اس میں فنا ہونے کا اور اس سے باقی ہونے کا اس کے بعد معاملہ فنا روح ہے اور اس کے بقا اپنی اصل سے کہ حق کے صفات ہیں اور صفات مربی ولایت نوحی و ولایت ابراہیمی ہے علی نبینا و علیہما الصلوٰۃ والسلام کہ دونوں ولایتیں مربوط روح سے ہیں اور اس کی اصل سے کہ صفتیں ہیں باعتبارات مختلفہ کہ ولایت ابراہیمی تفصیلی ہے اور ولایت نوحی اس سے مجمل ہے اس کے بعد معاملہ سر سے ہے اور فنا و بقا اس کی اصل ہے کہ شیون ایزدی ہے تعالیٰ شانہ اور شیون ہماری اصطلاح میں اسے کہتے ہیں جو عبارتیں حضرت ذات واجب تعالیٰ میں مندرج ہوں کہ معانی زائد بر ذات نہ ہو اور صفات ہے اور جو معانی زائد بر ذات سبحانہ ہوویں، اور خارج میں موجود ہوویں، اور ولایت سر ولایت موسوی ہے علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر معاملہ خفی سے ہے اور اس کے بعد فنا و بقا اس کی اصل سے ہے اور وہ تقدیس و تنزیہات سبحانیہ ہے اور یہ ولایت ولایت عیسوی ہے علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

پھر معاملہ اخفیٰ سے ہے اور اس کی فنا و بقا اس کی اصل سے ہے کہ وہ شان جامع اسماء وصفات اور شیون اور اشارات اور تقدیسات وتنزیہات ہے اور یہ ولایت ولایت محمدیہ ہے ان پر ہزار ہزار درود وسلام اور مربی اس ولایت کا حقیقۃ الحقائق اور اقرب الولایت اور اجمع الولایات ہے اور اعلیٰ اور اشرف اور افضل ولایات ہے اور مستحق ولایت خمسہ ہے اور تقاضا کرنے والی ہے زوال عین کا اور اثر معرفتوں کا پہنچانے والی ہے اور وہی محبوبیت ہے پھر معاملہ نفس سے پڑتا ہے اور اس کی فنا تمام اور اس کی بقا بہت کامل ہے پھر معاملہ ان کی اصلوں سے اور اصلوں کی اصلوں سے پڑتا ہے یہاں تک کہ منتہی ہوتا ہے ذات حق تعالیٰ تک اور وہاں ترقی فنا سے نہیں بلکہ ایک اور امر سے ہے کہ وہ اپنے مقام میں ظاہر ہوگی والسلام والاکرام۔

کاتب حروف کہتا ہے کہ سلوک طریقہ اختیاریہ کا ان تحریروں میں فی الجملہ واضح ہوگیا اب تھوڑی روش طریقہ احسنیہ کی جو منسوب ہے، شیخ آدم بنوری سے ذکر کرتا ہے اس ضمن میں مکتوب شیخ عبدالنبی سیام چوراسیؒ (۱) کا کہ جو اس زمانہ میں احسنیہ طریقہ کے مقتدا تھے اور سب اس طریقہ والوں کی کیا خاص اور کیا عام ان کی طرف توجہ تھی اور جمہور اس طریقہ کے متفق ہیں اس امر پر کہ ان کو سالکوں کی ترتیب میں اس طریقہ کی روش میں قدم راسخ تھا ایک عزیز صالح نے مکہ معظّمہ میں ذکر کیا یہ مکتوب شیخ عبدالنبیؒ کا ہے اور ان کے کام کی بنا اس پر تھی۔ ہم نے ان کے پاس سے لکھ لیا۔ واللہ اعلم بالصواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفےٰ خصوصا علیٰ نبیہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔ جان خدا تجھ کو رہنمائی کرے کہ طریقہ احسنیہ نقشبندیہ طریقہ میں بہت قریب ہے وصول سے اور سالکوں کے لئے اس کی تفصیل ضروری ہے تھوڑی سی بطریق اجمال ان سطروں میں لکھے جاتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ جب کوئی طالب صادق اللہ سبحانہ کی توفیق سے کسی عزیز کا اس طریق کے بزرگوں میں سے متوسل ہوتا ہے پہلے اسے استخارہ فرماتے ہیں اور استخارہ کا طریق یہ ہے کہ بعد

---

(۱) یہ شیخ عبدالنبی سیام چوراسیؒ ہیں۔ شیخ عبدالنبی گنگوہی دوسرے بزرگ ہیں جو اکبر بادشاہ کے اتالیق رہے ہیں۔
(قاسمی)

نماز عشا جب سونے کا وقت ہو اور کچھ دنیا کا ذکر نہ ہو تازہ وضو کرے، وضو کے بعد ایک سو ایک دفعہ استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ بہت صدق سے پڑھے اس نیت سے کہ تمام تقصیروں بدنی اور روحی سے جو مجھ سے ہوئی ہیں میں نے توبہ کی اور نئے سرے سے میں مسلمان ہوا پھر اٹھ کر دو رکعت نماز استخارہ اس نیت سے کہ پڑھتا ہوں دو رکعت نماز استخارہ کہ حق تعالی مجھ کو متابعت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بواسطہ حصول رضا اپنے پیر کے مضبوط رکھے۔ پہلی رکعت میں الحمد کے بعد آیۃ الکرسی ایک بار اور دوسری رکعت میں الحمد کے بعد قل یا ایہا الکافرون ایک بار خوب خشوع کے ساتھ اپنے تئیں حاضر کرے اور گریہ وزاری کرے بعد از نماز ایک سو ایک بار درود شریف پڑھے اور ایک سو ایک بار کلمہ تمجید پڑھے پھر خوب عجز وانکسار سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے بعد اس کے جب نیند غلبہ کرے زمین پر سو رہے اور جو معذور ہو تو اختیار ہے یعنی زمین پر نہ سوئے بعد اس کے جو خواب میں بشارت ہو، اپنے مرشد سے ظاہر کرے اور جو پہلے روز بشارت نہ ہو تو تین دن تک استخارہ کرتا رہے یا یہ کہ استخارہ کے بعد اپنے قلب پر نظر کرے اگر اپنے قلب کو استخارہ کے بعد اعتقاد میں ویسا ہی مضبوط پاتا ہے جیسے پہلے تھا تو یہ ہی بشارت ہے پھر مرشد کو چاہیے کہ خلوت میں اللہ کا نام تعلیم کرے جو کہ اسم ذاتی ہے اس طریقہ سے کہ اپنی زبان کو تالو سے لگائے اور نظر خیالی کو قلب صنوبری پر ڈالے اور نظر ظاہری کو بند کرے اور قلب صنوبری کا مقام زیر پستان چپ ہے قدر دو انگشت کے اور یقین کر لے کہ اسے قلب کہتے ہیں پھر اپنے تئیں مضغہ سے متوجہ کرے اور مضغہ کے باطن سے اسم اللہ جل شانہ کہوائے اس طرح سے کہ اس کو سوائے ذات کے نہ جانے اور اس ہیئت کو حتی المقدور اٹھتے بیٹھتے چھوڑے نہیں پھر مرشد کو چاہیے کہ خود متوجہ اس کے قلب کا ہو۔

توجہ کے یہ معنی ہیں کہ اپنی ہمت مرید کے قلب کی طرف لگائے اور اپنے قلب کا دہن مرید کے قلب کے دہن پر تصور کرے اس طرح سے کہ اور کوئی خطرہ اپنے قلب میں نہ آنے دے اور خوب خشوع سے جناب سبحانہ تعالی سے التجا کرے کہ نور سالک کے دل میں قوت پیدا کرے اور جذبہ قلبی اور ہمت باطنی سے مرید کے قلب کو اپنی طرف کھینچے ایک ساعت کم وبیش اسی طور مرید کے حال پر متوجہ رہے اور اس طریقہ کے بزرگوں کی ارواح مبارک کو اپنے شامل حال سمجھے اس تصرف

کو ان کی امداد جانے اب بھی اور آئندہ بھی پھر مرید سے دریافت کرے اگر خوب سمجھ گیا ہے اور آرام پایا ہے فاتحہ پڑھے اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے بیعت کرے اور اسے خدا کو سونپے اور آگاہ کر دے کہ یہ طریقہ احسیہ نقشبندیہ بہ طریق میں حضرت خلیفہ وقت سیدی شیخ آدم بنوری کا ہے قدس اللہ سرہ العزیز اس کے بعد جب مرید نے اسم ذات کے ذکر میں لذت پیدا کی تعلیم نفی و اثبات کو بطریق مشہور اکیس تک پہنچائی اور اثر دل میں اپنے پائے شکر حق بجالائے پھر لطیفہ روحی کے ذکر کی تعلیم فرمائے اور اس کی جگہ زیر پستان راست ہے اور لطیفہ روحی کا نور سفید جیسے گھر سفید تصور کرکے اسم ذات کے ذکر کو جیسا لطیفہ قلبی میں کہا گیا ہے خوب خشوع کیساتھ کرتا رہے اور ہر وقت اس سبق کو پڑھتا رہے یہاں تک کہ ذکر قلبی کے مانند جمعیت و لذت یہاں بھی حاصل کرے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سالک کو ان دو لطیفوں میں تجلیات ظاہر ہوتے ہیں مگر چاہئے کہ تا بمقدور ان تجلیوں کا مغلوب نہ ہو جائے بلکہ حق تعالیٰ کے تنزیہہ کو نظر قلبی سے یقین کرے اس کے بعد تعلیم لطیفہ سری کی کرے اور مکان خاص اس لطیفہ کا وسط سینہ ہے دونوں پستان کے بیچ میں اور فرمادے کہ ذکر اسم ذات جس طور مذکور ہو چکا ہے، کرتا رہے اور بالکل اپنے تئیں ہر وقت ایسے ذکر میں رکھے یہاں تک کہ لذت و جمعیت خوب پیدا ہو جائے پھر تعلیم لطیفہ خفی کی کرے اسی طور سے اور اس کا خاص مکان پیشانی میں ہے اور اسم ذات کا اسی طرح سے ذکر یہاں بھی کرے بعد جمعیت اس لطیفہ کے لطیفہ اخفی کی تعلیم کرے اور اس لطیفہ کا مقام سر کے اوپر تالو میں ہے بطریق مذکور یہاں بھی اسی طرح ذکر کرے یہاں بھی لذت حاصل کرے یہیں بیان ہے حدیث قدسی کا جو یہ ہے۔

ان (۱) فی جسد بنی آدم لمضغة وفی المضغة قلب وفی القلب فواد وفی الفواد سر وفی السر خفی وفی الخفی اخفی وفی اخفی انا۔ اے عزیز ان کی اصطلاح میں اس سیر کو سیر لطائف کہتے ہیں مگر جب تکرار سے یہ سیر تمام ہو جائے اور سالک کو اپنی استعداد کے موافق اجمال بالتفصیل اس سیر کی حاصل ہو جائے تو چاہئے کہ پھر اس لطیفہ قلبی پر لائیں اور تعلیم یادداشت اس میں کریں اس واسطے کہ پہلے اس سے تکرار اسمی نہ تھی۔

---

(۱) تحقیق جسد بنی آدم میں مضغہ ہے اور مضغہ میں قلب اور قلب میں فواد اور فواد میں سر اور سر میں خفی اور خفی میں اخفی اور اخفی میں، میں یعنی اللہ تعالیٰ۔

اور یادداشت اسمی کا طریقہ یہ ہے کہ اسم اللہ کو قلب اندرونی سے جو ایک نور محض ہے کہے اس طور کہ قصد تکرار کا نہ کرے بلکہ اسم اللہ پر مد دراز کھینچے مانند ایک تانبے کے برتن کی آواز کے اور اسی ایک آواز کو جہاں تک ہو سکے محافظت سے نگاہ رکھے اور قطع نہ ہونے دے اور جو قطع ہو جائے تو پھر نئے سرے سے شروع کرے اور یادداشت اسمی کی قوت کے واسطے نفی و اثبات بھی دراز مد کے ساتھ حبس دم کے ساتھ یا بے حبس دم کے اختیار کرتے ہیں جب یہ نسبت ایسی قوت پکڑے کہ اپنے قلب میں بلکہ جمیع لطائف میں بلکہ تمام بدن میں جو نورانیت کے ساتھ اس آواز محض کو یکساں پائے تو ذکر لطائف جو بواسطہ جسم کے تھا، تمام ہوا۔

اب لطائف کے ذکر میں جو بے واسطے لفظوں کے بھی کوشش کرنی چاہئے بعد یادداشت اسمی کے یادداشت مسمی کے تعلیم کرنی چاہئے یعنی مکان خاص قلب کو نظر میں رکھ کر لطیفہ کے اندروں کہ ایک امر نورانی ہے جیسا اوپر بیان ہوا نظر ڈال کر ایمان محض سے حق سبحانہ تعالیٰ کو حاضر بے پردہ یقین کرے مگر بے کیفی اور بے جہتی اور جہات ستہ کو نظر سے گرا دے اور جانے کہ حق تعالیٰ حاضر ہے بے کیف و بے جہت پس اس جاننے کو کسی وقت اپنی دید و دانش سے نہ چھوڑے اگر غفلت ہو جائے تو پھر اس امر کو حاضر کرے یہاں تک کہ مشاہدہ سر سے پاؤں تک گھیرے اور پورا استغراق پیدا ہو ایسا کہ سوائے نور حق کے اپنے تئیں اور اپنے غیر کے تئیں کچھ نہ پائے وہی ایک نور حق ہی پائے اس نسبت میں اگر حق تعالیٰ کا احاطہ اور معیت کے شہود کے غلبہ کے سبب اشیا کو عین حق پائے تو اس کو ان کی اصطلاح میں توحید وجودی کہتے ہیں اور جو اشیا کو گم کیا اور جمال ذوالجلال کا مشاہدہ ورائے حاصل کیا اور اشیا کو نظر سے گرا دیا تو توحید شہودی کہتے ہیں۔

جاننا چاہئے کہ یہ دونوں مرتبہ ولایت خاصہ ہیں جو کہ ولایت امت ہی ظاہر ہوتی ہے اور اس سے پہلے جو تجلیات وغیرہ سیر لطائف سے یادداشت اسمی تک پیش آتی ہیں اولیا کے ظل ولایت میں ہیں اگرچہ اہل ولایت اولیا بہ نسبت اس ولایت کے اہل ظل کے کمال تمام رکھتا ہے لیکن ابھی تک وصول مطلوب حقیقی بے تلبیس اشیا ہے سالک کو چاہئے کہ ان تجلیات و مشاہدات سے لذت پا کر بے پروا نہ ہو جائے بلکہ ترقی کا طالب ہو اس کے بعد اگر پیر کامل ہو گا تو ان غلبات کے بھنور سے محض اپنی توجہ سے مرید کو نکال لے گا اور ذہن کو ان تجلیوں اور مشاہدوں اور توجہات سے خالی

کر دے گا اور تعلیم اس کے نایافت کی جو ذہن میں حق اور غیر حق کے قرار پکڑتی ہے اور تصور میں آتی ہے اگر چہ لطیف والطف ہی ہو۔ اس کے دفع کے درپے ہو اور آئینہ سری کو ان کے تاریکی سے خالی کرے اور بالکل ہر وقت سب کے فقدان میں توجہ سابقہ کے مقرر کرے تاکہ اس کے باطن میں توجہ الی المطلوب اور غیر مطلوب سے کچھ نہ ہو بلکہ بے توجہی سے یقین صاف مطلوب کا کرے یہاں تک کہ معلوم کچھ نہ رہے بجز نور یقین کے اس معاملہ میں سالک جب تک کہ توجہات کے دفع کرنے میں ہی سالک مرتبہ ولایت اخص کا ہے اور جب حاجت نفی کی نہ رہے اور آئینہ آمد ورفت توجہات وتصورات سے صاف ہو گیا اور بے توجہی وبے تکلفی حاصل ہوئی واصل کمالات ولایت اخص کا ہو گیا مگر ابھی توجہ وتصور اس واصل کا معلوم نہیں ہوا بلکہ مقصود ہے جیسے ذکر ہوا پہلے مکتوب میں وہ ولایت بالاصالت خاصہ چار ملائک مقربین علیہم السلام کا ہے اور اولیا امت کو تبعاً نصیب ہے اگر مناسبت استعدادی پیدا ہو جائے۔ اور جاننا چاہئے کہ ولایت خاصہ کے مرتبہ میں توحید وجودی وتوحید شہودی کا جو ہم نے بیان کیا ہے توحید وجودی لطیفہ قلبی کے نفس سے پیدا ہوتی ہے اور توحید شہودی لطیفہ روحی کے نفس سے ظاہر ہوتی ہے اور نسبت نایافت خاصہ لطیفہ سری کا ہے واللہ اعلم کہ کس کو ہزاروں میں سے وہ عنایت ہو **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔**

جاننا چاہئے کہ بعد مرتبہ نایافت کے حقیقت نایافت پیش آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب سالک نے لطیفہ سری کو تخلیات سے خالی کیا اگر چہ مشاہدہ کا ہی تخیل ہو دائرہ حقیقی میں داخل ہوا لیکن اس نسبت کی حقیقت سے مطلع نہیں ہے اسی سبب سے ہے کہ وہ ارباب جہل سے ہے پس اگر فضل الٰہی نے اس کی دستگیری کی ایک بارگی اپنے تئیں تمام مراتب عنصری ونوری سے فوق پاتا ہے اور چاہئے کہ اس نسبت کا واصل حقیقت ہو جائے اور وہ ایک قابلیت ہے نور اوّل کی قابلیات میں سے اور نور اول نور محمدی ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسے شہود اوّل بھی کہتے ہیں اور مرشد کی تعلیم سے بھی پایا ہے یا کوئی کوئی تعلیم غیبی سے کہ میرا وصول مطلوب سے جو ولایت خاصہ میں تھا اپنے علم سے تھا اور اپنے علم کی خصوصیات سے۔

ان دنوں جو مجھے اس علم سے نوازا ہے اس نعمت کا حصول خدا تعالیٰ کے علم اور خصوصیات سے ہے اب میرے علم کو اپنی خصوصیات توقف اور محض بیکاری ہے جو کچھ میرا علم جانتا ہے ساتھ کسی

خصوصیت کے حصہ خصوصیات علم حق تعالیٰ کا جاننا ہے جب سمجھ کر ہر وقت اپنے تمام مراتب ذاتیہ وصفاتیہ وکمالاتیہ کی ذات وصفات وکمالات حق تعالیٰ کا مظہر دیکھتا ہے اور سوا مظہریت محض کے کچھ نہیں پاتا **من لم یذق ولم یدر** قضیہ مقرر ومشہور ہے جو کہ ہر مرتبہ ولایت کا ابتدا اور وسط اور انتہا رکھتا ہے۔ تو نیچ مرتبہ ابتدا بلند اخیرہ کے جس کا نام ولایت انبیا ہے علی نبینا وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات فقط کوشش باطن کے خالی کرنے میں ہے حقیقت کی رو سے یافت حق اور غیر حق کے اور وسط میں اس مرتبہ کے خلو سیر ہے اور اطلاع حقیقت خلو پر اور حقیقت اطلاع ہے اوپر حقیقت اپنی مظہریت صفات کے صفات حق تعالیٰ کے واسطے اس مرتبہ میں اگر جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے میں عالم ہوں اور اس کے بصر سے بصیر ہوں اور اس کی قدرت سے قادر ہوں علی ہذا القیاس مگر ابھی تک حقیقت نسبت صفات کے ساتھ ذات حق تعالیٰ کے کما حقہ اس عارف کو مفصلا اور علما ظاہر نہیں ہوئی پس جب جانے گا کہ صفات حق تعالیٰ کے ذات پر زائد نہیں ہیں کہ عالم بہ علم اور بصیر بہ بصر وغیرہ علی ہذا القیاس کہہ سکے بلکہ ذات بذاتہ علیم ہے اور علم قابلیت ذاتیہ ذات کے ہے اور ذات بذاتہ بصیر ہے اور بصر قابلیت ذاتیہ اس کی ہے کذالک فی جمیع الصفات بلی اطلاق عینیت وغیریت ساتھ اطلاق محض کے پس عالم حق ہے خود بخود سبحانہ باصر حق ہے سبحانہ اور اس عارف کے واسطے بجز مظہریت ذاتیہ وصفاتیۂ کمالاتیہ کے اور کوئی دوسرا امر نہیں ہے اور بجز یقین صرف کے اس مرتبہ کے نہایت سے اس وقت مشرف ہوگا مگر اجمالا اور اس مرتبہ کی تفصیل سے جس کو چاہئے نوازیں **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم** ای برادر نسبت خلو کے جس قدر زیادہ ہوگی اسی قدر اس ولایت کے دائرہ میں دخل زیادہ ہوگا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے نبوت کے کمالات کیا بیان کروں کہ تقریر وتحریر سے اس مرتبہ کی حقیقت زیادہ ہے مگر اس قدر ظاہر کیا جاتا ہے اگرچہ ولایت انبیا اور اس کی نبوت علیہم الصلوٰت دونوں دائرہ اصالت میں ہیں اور دونوں ظلیت سے مبرا ہیں مگر اتنا ہے کہ ولایت میں وصول حقیقت صفات عز شانہ کا ہے اور نبوت میں وصول حقیقت ذات جل برہانہ کا ہے استعداد کے درجوں کے تفاوت کے موافق جیسا خدا فرماتا ہے۔ **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقدجاء ت رسل ربنا بالحق۔**

آٹھویں فصل (۱)

اور طریقہ چشتیہ کے شعبے بہت ہیں ان میں تین بہت مشہور ہیں۔ نصیریہ، سراجیہ اور صابریہ اور اس فقیر کو ان تینوں سے ارتباط ہے پس اس فقیر کو ارتباط بیعت اور تلقین و اجازت و خرقہ و صحبت کی حیثیت سے اپنے والد بزرگوار شیخ عبدالرحیم قدس سرہ سے ہے اور ان کو خرقہ و اجازت شیخ عظمت اللہ اکبر آبادی اور ان کو اپنے والد سے اور ان کو اپنے والد سے ان کو شیخ عبدالعزیز سے اور نیز وصیت، اجازت اشغال اپنے نانا شیخ رفیع الدین محمد سے ان کو اپنے والد شیخ قطب العالم سے ان کو شیخ عبدالعزیز سے ان کو شیخ نجم الحق سیہنوی سے ان کو شیخ عبدالعزیز سے، پھر شیخ عبدالعزیز کو دو جہت سے ہے ایک شیخ یوسف قاضی خان سے ان کو شیخ حسن بن طاہر سے ان کو سید راجی حامد شاہ سے ان کو شیخ حسام الدین مانک پوری سے ان کو شیخ نور قطب العالم سے ان کو اپنے والد شیخ علاء الحق سے ان کو شیخ سراج الدین عثمان اودھی سے ان کو شیخ نظام الدین اولیا سے اور دوسری جہت سے سید عبدالوہاب بخاری سے ان کو اپنے والد سید محمود سے ان کو اپنے والد راجو قتال سے ان کو سید جلال الدین مخدوم جہانیاں سے ان کو شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے ان کو شیخ نظام الدین اولیا سے اور نیز حضرت والد کو خرقہ و اجازت و صحبت سید عبداللہ سے متصل ہے شیخ آدم بنوری سے ان کو شیخ احمد سہرندی سے ان کو اپنے والد شیخ عبدالاحد سے ان کو شیخ رکن الدین سے ان کو اپنے والد شیخ عبدالقدوس سے ان کو شیخ محمد بن عارف سے ان کو اپنے والد شیخ عارف سے ان کو اپنے والد شیخ احمد عبدالحق سے ان کو شیخ جلال الدین پانی پتی سے ان کو شیخ شمس الدین ترک سے ان کو مخدوم علی صابر

---

(۱) طریقہ چشتیہ

سے ان کو اپنے شیخ اور ماموں شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر سے۔

اور اس فقیر کو ایک اور بھی ارتباط ہے کہ فقیر کے بڑے ماموں نے اس فقیر کو خرقہ دیا اور فاتحہ پڑھی اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے شیخ نظام الدین نارنولی سے ان کو خواجہ خانو گوالیاری سے ان کو خواجہ اسمٰعیل بن حسین سے ان کو اپنے والد خواجہ حسن سرمست سے ان کو اپنے والد خواجہ سالار فاروقی سے ان کو اپنے شیخ خواجہ اختیار الدین عمر سے ان کو خواجہ محمد ساوی سے ان کو خواجہ نصیر الدین سے اور کتاب اخبار الاخیار میں یوں مذکور ہے کہ خواجہ خانو نے اخذ طریقہ کیا خواجہ شہاب الدین ناگوری سے اور کہتے ہیں خواجہ شہاب الدین ان کے شیخ صحبت ہیں اور پہلے شیخ بیعت ہیں واللہ اعلم۔

پھر شیخ نظام الدین کو اخذ طریقت ہے شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر سے ان کو خواجہ قطب الدین بختیار اوشی سے ان کو خواجہ معین الدین حسن سنجری سے ان کو خواجہ عثمان ہارونی سے ان کو حاجی شریف زندنی سے ان کو خواجہ قطب الدین مودود چشتی سے ان کو اپنے والد خواجہ ابو احمد چشتی سے ان کو ابو اسحاق شامی سے ان کو شیخ علو دینوری سے ان کو خواجہ ہبیرۃ البصری سے ان کو خواجہ حذیفہ مرعشی سے ان کو سلطان ابراہیم بن ادہم بلخی سے ان کو شیخ فضیل بن عیاض سے ان کو شیخ عبد الواحد بن زید سے ان کو حسن بصری سے ان کو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے سینہ بکسر سین وسکون تحتیہ وفتح ہا اور آخر اس کے نون ایک شہر ہے دار الخلافہ دہلی کے مضافات سے راجا ہندی زبان میں بادشاہ کو کہتے ہیں۔

اور سید حامد شاہ کو راجہ کہتے تھے بطریق تعظیم کے اس لحاظ سے کہ ان کے آبا کرام مانک پور کی ریاست رکھتے تھے مانک پور ایک شہر ہے پورب میں اس کو کڑا مانک پور بھی کہتے ہیں اودھ بفتح الف وبفتح واو وسکون دال ہندی ہا سے ملی ہوئی ایک بڑا شہر ہے پورب میں سادات بخاریہ ایک قبیلہ ہے بڑا حضرت جعفر بن علی بن رضا رضوان اللہ علیہم کی اولاد سے چونکہ ان کے جد سید جلال الدین کچھ مدت بخارا میں رہے ہیں۔ ان کو جلال الدین بخاری کہتے ہیں اور سادات بخاریہ نسبت ہے جلال الدین بخاری سے راجو ہندی نام ہے مشتق راج سے بمعنی بادشاہی کے اور قتال بسبب نفس کے ریاضت کے کہتے تھے چراغ دہلی لقب ہے شیخ نصیر الدین کا اس لئے کہ دہلی میں صاحب ارشاد تھے پانی پت ایک شہر ہے تین منزل دہلی سے لاہور کی طرف نارنول ایک شہر ہے دہلی کے

مضافات سے گوالیار ایک شہر ہے مضافات اکبرآباد سے اوش فرغانہ ایک قصبہ ہے توابع اندجان سے سنجری بکسر سین وسکون جیم وکسر رائے معجمہ نسبت بہ سیستان اور سیستان کو عربی زبان میں بجستان وسنجر کہتے ہیں اور یہ تعریب ہے اور بدلنا سین کا را سے تعریب کی تغیرات سے ہے۔

ہارونی فقیر کے نزدیک خواجہ عثمان کے وطن کا نام ہرنو ہے اور ہارونی نسبت اس سے ہے بخلاف قیاس لوگوں کے زبان میں مشہور چشتی بکسر جیم فارسی ملا عبدالغفور لاری نے بفتح جیم فارسی لکھا ہے۔ سمعان بکسر سین مہملہ وسکون میم وعین مہملہ مشائخ چشتیہ کے شجروں میں شیخ علو ممشاد دینوری لکھتے ہیں اور اس کا مقتضی یہ ہے کہ شیخ ممشاد و شیخ علو ایک شخص ہو اور بعضوں کے کلام سے ظاہر یہ ہے کہ اس سلسلہ میں شیخ علو ہے اور وہ غیر ممشاد ہے علو بکسر عین مہملہ وسکون لام ہبیرہ بضم ہا وفتح موحدہ وسکون تحتیہ وفتح رائے مہملہ مرعشی بفتح میم وسکون رائے مہملہ وفتح عین مہملہ وکسر شین معجمہ نسبت ہے مرعش سے کہ ایک شہر ہے توابع شام سے۔

اور اس فقیر نے نقل کیا ہے کتاب عزیزیہ کو جو تصنیف شیخ عبدالعزیز کی ہے اور اشغال واوراد وصبح وشام کے اوراد اوراد مواسم کے اور تعویذ اور دعائیں اس میں لکھی ہیں ملا محمد شاکر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے جو اپنے شہر کے بڑے فضلا میں تھے اپنے زمانہ میں اور سب فرزندوں سے شیخ عبدالعزیز کثرت تدریس میں زیادہ اور ممتاز تھے اور عزیزیہ کا مطالعہ کیا ہے اس نسخہ میں جو شیخ یحیٰ جنیدی نے اپنے ہاتھ سے شیخ عبدالعزیز کے نسخہ سے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اور حضرت والد بزرگوار قدس سرہ نے اس سب کی اجازت دی ہے اور میں نے لکھا ہے کہ کتاب مفتاح الفیض کو جو تالیف شیخ حسن طاہر کی ہے علم سلوک میں اور وہ اس باب میں بہت نفیس کتاب ہے، اس نسخہ سے جو شاہ محمد خیالی کی اولاد کے پاس پایا میں نے تبرکات اجداد سے ان سے کہا ہے شیخ عبدالعزیز نے عزیزیہ میں کہ جب کوئی چاہے کہ کسی کو ذکر تلقین کرے تو چاہئے کہ اس کو فرمائے کہ روزہ رکھے اگر روزہ پنجشنبہ ہو تو بہت اچھا ہے اس کے بعد اس سے دس دفعہ استغفار اور دس دفعہ درود شریف پڑھوائے اور کہے جو عبادت کہ ہے سب کے واسطے وقت مقرر ہے مگر ذکر کہ ہمیشہ رات دن یاد حق تعالیٰ فرض عین ہے کہ العطلة حرام

یک لحظہ زکوئے یار دورے
در مذہب عاشقان حرام است

اور حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یذکرون اللہ قیاما وقعوداً وعلی جنوبھم** یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہوئے تو آدمی ان تین حال سے خالی نہیں یا دل سے یا زبان سے حق کی یاد لازم ہے تو جب ذکر ایسی عبادت اور حرفت ہے کہ ہرگز ساقط نہیں ہوتی استاد کو چاہیے کہ اس کو سکھائے اور بتائے کہ دل سینہ کے بائیں طرف ہے صنوبر کی صورت اور اس کے دو دروازہ ہیں ایک اوپر کو ایک نیچے کو اور دونوں دروازہ بند ہیں اوپر کا دروازہ کھلنے کا ذکر جہر فرماتے ہیں اور نیچے کے دروازہ کھلنے کا ذکر خفی یا حبس نفس فرماتے ہیں اور دل کی مثال مثل اس آئینہ کے ہے جسے زنگ لگ گیا ہے اس کے واسطے صیقل کرنے والا چاہیے کہ اس کو وہ سکھائے اور نہیں تو آئینہ خراب ہو جائے گا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے **لکل شیء مصقلۃ و مصقلۃ القلب ذکر اللہ تعالیٰ** یا دل کی مثال چق مق کی ہے جس سے آگ نکالتے ہیں تو جب لوہا پتھری پر مارنا سیکھے اور آگ نکالنی سیکھے اور آگ نکلے اور نہیں تو توڑ ڈالے اور مطلب بر نہ آئے غرضیکہ مرشد بغیر گزارہ نہیں چنانچہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ **یا رسول اللہ دلنی (۱) الی اقرب الطریق الی اللہ وافضلھا عند اللہ واسھلھا بعبادہ (۲) فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیک بملازمۃ الذکر فی الخلوۃ فقال علی کرم اللہ وجھہ کیف اذکر یا رسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمض عینیک واسمع منی ثلاث مرات بنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لا الٰہ الا اللہ ثلاث مرات وعلی یسمع ثم قال علی کرم اللہ وجھہ لا الٰہ الا اللہ ثلث مرات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یسمع ثم لقن علی کرم اللہ وجھہ الحسن البصری رضی اللہ عنہ حتی وصل الی یومنا ھذا،** پس کہے اسے کہ چارزانو بیٹھے اس طور کہ رگ کیماس پکڑے دو انگلیوں سے یعنی

---

(۱) سکھاؤ مجھ کو بہت نزدیک اللہ کا راستہ اور بہت افضل اللہ کے نزدیک، بہت آسان ہو۔

(۲) اس کے بندوں کو فرمایا رسول اللہ صلعم نے اپنے ملازمہ کو کہ تو خلوۃ میں ذکر کر پس کہا علی کرم اللہ وجہ نے کہ کیسے ذکر کروں یا رسول اللہ فرمایا کہ آنکھیں بند کر اور مجھ سے سنو اسی طرح تین دفعہ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین دفعہ لا الٰہ الا اللہ کہا اور علی کرم اللہ وجہہ سنتے تھے پھر حضرت علیؓ نے تین دفعہ کہا اور حضرت سنتے تھے کہا پھر سکھایا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حسن بصریؒ کو یہاں تک کہ ہمارے زمانہ تک پہنچا۔

دائیں پاؤں کے انگوٹھے اور اس کے برابر کی انگلی ...... اس واسطے کہ اس طور پکڑنے میں دو فائدے ہیں ایک خطروں کی نفی دوسرے دل کی حرارت اور یہ دونوں مطلوب ہیں اور یا اس طرح بیٹھے جیسے نماز میں بیٹھتے ہیں اور خود کعبہ کی طرف پیٹھ کرے اور اس کو اپنے سامنے بٹھائے اور کہے کہ نکالے زیر ناف سے لا الٰہ الا اللہ مد دراز کے ساتھ اور نفی ماسوی اللہ کرے کہ نہیں ہے کوئی معبود و مقصود موجود مگر حق تعالیٰ مبتدی کو ارادہ عوام بتائے کہ نہیں ہے کوئی معبود اور متوسط کو ارادہ خاص کہ نہیں ہے کوئی مقصود اور منتہی کو ارادہ اخص الخواص کہ نہیں ہے کوئی موجود یہاں تک کہ اپنی بھی نفی کرے اور دائیں مونڈھے تک پہنچائے اور وہ ارادہ کرے کہ غیر حق تعالیٰ کو میں نے دل سے نکال دیا اور پس پشت پھینکا پھر دم نیا لے الا اللہ کی ضرب سخت زور سے دل پر لگائے کہ بت باطن کا ٹوٹ جائے اور وقت اثبات کے مطلوب کو اپنے ساتھ جائے بلکہ پالیا تصور کرے بلکہ یقین جانے کہ وہی اثبات کرتا ہے اور اپنے تئیں درمیان سے نکال دے۔

یار آمد درمیان ما از میان برخاستیم

مگر مقصود کلی یہ ہے کہ کلمہ کے معنی دل میں ضرور ہوں تا اس وعید میں نہ آجائے کہ من (۱) ذکرنی بالغفلۃ ذکرتہ باللعنۃ واذا ذکر عبدی عبثا اھتز عرشی غضبا اور یہ مطلوب ہے کہ مرشد کی صورت اپنے سامنے تصور کرے اس کے بعد ذکر کرے الرفیق ثم الطریق انہیں کے حق میں ہے اور نفی خطرات کے لئے بہت اثر رکھتی ہے بلکہ حضرت سلطان الموحدین و برہان العاشقین حجۃ المتوکلین شیخ جلال الحق والشرع والدین مخدوم مولانا قاضی خان یوسف ناصحی قدس اللہ سرہ العزیز ایسا فرماتے تھے کہ صورت مرشد کہ ظاہر دیکھی جاتی ہے مشاہدہ حق سبحانہ تعالیٰ کا ہے آب وگل کے پردے میں اور جو صورت مرشد کہ خلوت میں نمودار ہوتی ہے وہ مشاہدہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا ہے بے پردہ آب وگل کے ان (۲) اللہ خلق آدم علی صورۃ الرحمن و (۳) من رانی فقد رای الحق اس کے حق میں درست ہوا ہے۔

---

(۱) جو مجھ کو غفلت سے یاد کرے میں اس کو لعنت سے یاد کرتا ہوں اور جب میرا بندہ لہو ولعب سے مجھے یاد کرتا ہے تو عقب سے عرش ہل جاتا ہے۔ (۲) تحقیق اللہ نے پیدا کیا آدم کو رحمٰن کی صورت پر اور (۳) جس شخص نے مجھ کو دیکھا حق کو دیکھا۔

شعر

گر تجلی ذات خواہی صورت انسان ببین
ذات حق را آشکارا اندر وخندان ببین

اور یہ بھی فرماتے تھے کہ چار ہزار پیران طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اجماع ہے اس پر کہ وصول حق تعالیٰ کا دو چیز سے ہوتا ہے ایک ذکر دوسرے بھوکے رہنا پھر فرمایا جو شخص ذکر جلی کرتا ہے اس کو بہت بھوکے رہنے کی حاجت نہیں ہے بلکہ چوتھائی پیٹ خالی رکھے اور گھی کھائے کہ مغز خشک نہ ہو جائے اور دماغ میں خلل نہ آجائے اور جب ذکر جلی سے فارغ ہو یا کوئی مانع پیش آئے تو ذکر خفی سے کہ وہ پاس انفاس ہے مشغول ہو اور دوام شغل مبتدی کو بھی ذکر خفی سے کہ پاس انفاس ہے میسر ہوتا ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ جو دم کہ خارج ہو لا الٰہ کہے اور جو دم داخل ہو الا اللہ تصور کرے اور اس دم کو دل سے ربط ہے اور اس کے سبب دل ذاکر ہو جاتا ہے فردا کے قیامت کو پوچھا جائے گا کہ اپنے دم کہاں صرف کیے تو جو یاد حق تعالیٰ میں صرف کیے ہوں گے خلاصی پائے گا۔

شعر

ہر یک نفس کہ میرد دراز عمر گوہری است
کان را خراج ملک دو عالم بود بہا
مپسند کاین خزانہ دہی رائیگاں بباد
آنکہ روی بخاک تہید ست وبینوا

ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ذکر منشور ولایت ہے جس کو ذکر کی توفیق ملے اس کو منشور ولایت مل گیا یعنی خلعت ولایت انتم اولیاء حقا سے مشرف ہو گیا اور جس سے توفیق ذکر کی سلب کرے بیشک اسے مقام ولایت سے معزول کیا ایسا ذکر کے باب میں فرمایا ہے کہ ذکر خدا تعالیٰ مریدوں کی تیغ ہے جب دشمن کی ہلاکت کی ہمت کریں یا دفع بلا چاہیں اور اس طرف دل لگائیں دشمن ہلاک ہو جائے گا۔ اور دفع بلا ہو جائی گی۔ قال اللہ تعالیٰ واذکر رب اذا نسیت یعنی یاد کر اپنے پروردگار کو جس وقت کہ فراموش کرے تو اپنے نفس کو اور نفس کی فراموشی اس کی مخالفت میں ہے چاہیئے کہ اپنے نفس سے مخالفت کرے کہ سب عبادتوں کی سردار ہے اس واسطے

کہ کوئی دشمن اس سے زیادہ قوی نہیں ہے جیسا فرمایا ہے مشائخ رحمہم اللہ نے مخالفة (۱) النفس راس العبادة و موافقة النفس راس الکفر

گر حیات (۲) خوب خواہی نفس را گردن بزن
زانکہ از نفست قوی تر، ہیچ دشمن دار نیست

اسی سبب سے ایک بزرگ نے فرمایا ہے کہ سو ہزار بھوکے بھیڑیوں کا ریوڑ بکریوں میں ایسا نقصان نہیں کرتا جیسا کہ ایک شیطان کرتا ہے اور سو ہزار شیطان ایسا نہیں کرتے جیسا ایک برا ہم نشین کرتا ہے اور سو ہزار برے ہم نشین ایسا نہیں کرتے جیسا ایک نفس آدمی کے جسم میں قال (۳) المشائخ رحمھم اللہ النفس ھی الصنم الاکبر اسی معنی میں کسی بزرگ نے بھی فرمایا ہے۔

تا یک (۴) نفس از نفس تو پیداست ہنوز
بر در گہہ دل زدیو غوغا ست ہنوز

فرمایا اللہ تعالیٰ نے فاذکروا اللہ ذکرا کثیراً یعنی اللہ کو یاد کرو، یاد کرنا بہت پس ذکر کے خصائص میں سے ہے یہ بھی کہ کسی وقت منع نہیں بلکہ سب وقت ثواب پاتا ہے نقل ہے حضرت بندگی شیخ عبداللہ قدس سرہ العزیز سے کہ مجھ سے فرمایا پیر دستگیر بندگی حضرت شیخ قطب الدین حاجی قدس سرہ العزیز فرماتے تھے کہ ذکر جہر بارہ برس صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک کیا میں نے جو فائدہ ذکر میں پایا وہ کسی عبادت میں نہیں پایا جب میں ختم قرآن شریف کرتا تھا تو تین سے کم نہ کرتا تھا اور نماز پڑھتا تھا ہزار رکعت سے کم نہیں پڑھتا تھا اور جب دعوات اسما کرتا تھا تو ایک لاکھ بار سے کم نہ کرتا تھا مگر جو ثمرہ اور فائدہ ذکر میں دیکھا ایسا ان میں کسی میں نہ دیکھا اور چاہئے کہ ذاکر گناہوں سے توبہ کرے تا کہ زبان اور دل آلودہ سے حق تعالیٰ کا نام نہ لے اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی گئی کہ اپنی امت کے گناہگاروں سے کہو کہ مجھے آلودگی سے نہ یاد کریں میں نے

---

(۱) نفس کی مخالفت عبادت کا سر ہے اور نفس کی موافقت کفر کی بنیاد ہے۔ (۲) اگر تو اچھی زندگی چاہتا ہے تو نفس کی گردن مار، کس سبب سے کہ تجھ کو دشمن رکھنے والا نفس سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔ (۳) مشائخ رحمہم اللہ علیہم نے کہا ہے کہ نفس بھی ایک بڑا بت ہے۔ (۴) جب تک تیرے نفس سے ایک سانس بھی باقی ہے دل کی درگاہ پر دیو سے ایک غوغا ہے۔

اپنی ذات کی قسم کھائی ہے تحقیق جو مجھے غفلت سے یاد کرے میں اس کو لعنت سے یاد کروں تو جو گنا ہگار مجھے غفلت سے یاد کریں گے میں ان کو لعنت سے یاد کرونگا یہ وعید ہے ان گنا ہگاروں کے حق میں جو غافل نہیں تو کیا حال ہوگا ان کا جو غافل بھی ہوں اور گنا ہگار بھی ہوں کذا فی احیاء العلوم ابو یزید رحمتہ اللہ علیہ نے ایک روز اپنے یاروں سے کہا کہ آج شب کو میں نے صبح تک کوشش کی کہ لا الہٰ الا اللہ کہوں میں مگر مجھے قدرت نہ ہوئی یاروں نے کہا کیوں، کہا میں نے لڑکپن میں تو ایک کلمہ کہا تھا وہ یاد آ گیا۔ اس سے وحشت ہوئی اور اس نے نہ کہنے دیا لا الہ الا اللہ اور کیا تعجب ہے اس شخص سے جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور حالانکہ موصوف ہو کسی صفات بشریہ سے کذافی العوارف۔

ہزار بار بشستم دہن زمشک وگلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

بعدہ اسے مراقبہ فرمائیں اس سے کہیں کہ مراقبہ مشتق رقیب سے ہے رقیب کے معنی نگہبان ہے یعنی دل کی پاسبانی کرے کہ دل میں غیر حق کو جانے نہ دے۔

رباعی

پاسبان (۱) دل شو اندر کل حال
تا نیابد ہیچ دزد آنجا مجال
ہر خیال غیر حق را دزد دان
این ریاضت سالکان را فرض دان

پس دل میں خیال کرلے اور اللہ حاضر ہے اللہ ناظر ہے اور اللہ شاہد۔ ہے اللہ ساتھی ہے ہمیشہ حق تعالیٰ کو ساتھ اپنے اور اپنے تئیں ساتھ حق تعالیٰ کے جانے جدائی خدا سے محال ہے کہا اللہ تعالیٰ نے وفی انفسکم افلا تبصرون یعنی تمہارے دلوں میں ہے کیوں نہیں دیکھتے اس لئے کہ حق تعالیٰ لطیف مطلق ہے جس قدر لطافت زیادہ اسی قدر احاطت زیادہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الا انہ بکل شیء محیط یعنی آگاہ ہو کہ تحقیق حق تعالیٰ ہر شئے کا محیط ہے جیسے روح کا احاطہ جسم کے

---

(۱) ہر حال میں تو دل کا نگہبان رہ۔ تا کہ کوئی چور وہاں مجال نہ پاوے۔ خدا کے غیر کے ہر خیال کو چور خیال کر۔ سالکوں کے واسطے اس ریاضت کو فرض جان۔

ساتھ ہے کہ جسم کا کوئی جزو ایسا نہیں کہ روح ساتھ اس کے نہیں ہے باوجود اس کے نہ متصل ہے نہ منفصل ہے نہ خارج ہے نہ داخل ہے۔

فائدہ جب چاہے کہ چلہ میں بیٹھے تو چاہئے کہ پہلے دایاں پاؤں حجرہ میں رکھے اعوذ اور بسم اللہ پڑھے اور قل اعوذ برب الناس تین دفعہ پڑھے پھر بایاں پاؤں حجرہ میں رکھے اور کہے **انت ولیئی فی الدنیا والاخرۃ کن لی کما کنت لمحمد علیہ السلام وارزقنی محبتک اللھم ارزقنی حبک فی شغفی واجذبنی بجلالک وجمالک واجعلنی من المخلصین اللھم امح نفسی بجذبات ذاتک یا انیس من لا انیس لہ رب لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین** پھر مصلی پر قبلہ رو کھڑا ہو اور اکیس بار پڑھے **انی وجھت وجھی للذی فطر السموٰت والارض حنیفا وما انا من المشرکین** پھر دو رکعت نماز اجلال اللہ تعالیٰ پڑھے پہلی رکعت میں بعد الحمد کے آیۃ الکرسی اور دوسری میں الحمد کے بعد امن الرسول آخر سورۃ تک بعد فراغ سجدے میں جائے اور یہ دعا پڑھے **اللھم کن لی انیسا فی خلوتی ومعینا فی وحدتی اللھم اجعل خلوتی ھذہ موجبۃ لمشاھدتک ووفقنی لما تحب وترضی اللھم اعوذبک من سخطک واسالک رضاک اللھم جنبنی ان اعبد الھوی اللھم اکشف الغطاء عن عینی وارفع الغین عن قلبی حتی اشاھد جمال لا الہ الا اللہ** پھر دوگانہ جن کا ذکر ہو چکا ہے پڑھے اور ایک دوگانہ ماں باپ کی روح کو، اگر وفات پا گئے ہوں پڑھے اور نہیں تو ان کی سلامتی کے واسطے پڑھے اور چار رکعت ایک سلام سے اور پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے پچاس بار سورۂ اخلاص اور پانچ پانچ دفعہ معوذتین پڑھے تاکہ خدا تعالیٰ کی پناہ میں رہے اور پانسو بار یا فتاح کہے بعدہ ذکر نفی و اثبات ساتھ ارادہ خاص الخاص یعنی لاموجود کے مشغول ہو اور کبھی ذکر اسم ذات کرے ساتھ ملاحظہ اور مفہوم ملاحظہ کے اور واسطے کے مشغول رہے چنانچہ ایک لحظہ ذکر نفی و اثبات سے خالی نہ رہے یہاں تک کہ وضو کے وقت اور کھانے کے وقت اس کے تصور میں رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت جل جلالہ میں مناجات کی کہ الٰہی میں سب وقت تجھ کو یاد کر سکتا ہوں مگر دو وقت ایک تو پاخانہ کے وقت اور ایک جب غسل کی حاجت ہو حکم ہوا **اذکرنی فی کل حال**

یعنی مجھے یاد کر ہر حال میں تو اس وقت بھی تصور سے خالی نہ ہو جیسا کہ فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے **كان النبي صلى الله عليه و آله وسلم يذكر الله على كل حال احيان** یعنی ذکر دو قسم ہے ایک دل سے دوسرا زبان سے اور پہلا اعلیٰ ہے اور حدیث شریف میں بھی اسی سے مراد ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ **اذكروا الله ذكراً كثيراً** اور وہ یہ ہے کہ فراموش نہ کرے خدا تعالیٰ کو کسی جائے اور حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دونوں قسم میں کمال تھا مگر حالت جنابت اور داخل ہونے بیت الخلا کے سو جان لیا تم نے کہا اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قسم پر اختصار کرتے تھے ایسی قسم پر جس میں جنابت کو دخل ہی نہیں یعنی ذکر دل اور اسی سبب سے جب بیت الخلا سے باہر آتے تو فرماتے۔ غفرانک پس حالت خلا میں یہی فکر و خیال کہ شکستگی و آسودگی اپنی اور پاکی حق تعالیٰ کے کافی ہے اور یہ عین ذکر ہے۔

ذکر کشف قبور جان کہ ذکر کشف قبور کے واسطے اوّل جب مقبرہ میں آئے دوگانہ ان بزرگ کی روح کے واسطے پڑھے اگر سورہ فتح یاد ہو پہلی رکعت میں پڑھے اور دوسری میں سورۂ اخلاص اور نہیں تو ہر رکعت میں پانچ پانچ بار اخلاص پڑھے اور پھر قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے اور ایک بار آیۃ الکرسی اور بعض سورتیں جو زیارت کے وقت پڑھتے ہیں۔ جیسے سورہ ملک اور اس کے سوا بعدہ قل کہے بعد فاتحہ کے گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھے اور ختم کرے اور تکبیر کہے بعدہ سات دفعہ طواف کرے اور اس میں تکبیر پڑھے اور شروع دائیں طرف سے کرے پھر پاؤں کی طرف رخسار رکھے اور نزدیک میت کے منہ کے بیٹھے اور کہے یارب اکیس دفعہ بعدہ اول طرف آسمان کے کہے یا روح اور دل میں ضرب کرے یا روح الروح جب تک کہ انشراح پائے یہ ذکر کرے انشاء اللہ تعالیٰ کشف قبور و کشف ارواح حاصل ہوگا۔

اور طریقہ ختم خواجگان چشت قدس اللہ اسرارہم کہ بعض اولاد شیخ نظام الدین نارنولی سے اس طرح پہنچا ہے کہ جب کوئی حاجت پیش آئے وضو کرے رو بہ قبلہ بیٹھے اوّل دس مرتبہ درود شریف پڑھے اس کے بعد تین سو ساٹھ بار یہ دعا پڑھے **لا ملجا ولا ينجي من الله الا اليه** بعد اس کے تین سو ساٹھ بار الم نشرح پڑھے پھر تین سو ساٹھ دفعہ وہی دعاء مذکور پڑھے پھر دس دفعہ درود شریف پڑھے اور ختم تمام کرے اور تھوڑی شیرینی پر فاتحہ عام خواجگان چشت کے نام سے

پڑھے اور اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے عرض کرے اسی طرح روز کرے انشاء اللہ چند یوم میں مقصد حاصل ہوگا۔

بیان طریقہ سہروردیہ، یہ طریقہ ملک ہندوستان میں مخدوم بہاء الدین زکریا کی جہت سے شائع ہوا ہے اور خراسان میں شیخ نجیب الدین بزغش کی جہت سے اور اس فقیر کو ان دونوں شعبوں سے ارتباط ہے پس ارتباط اس فقیر کو اپنے والد شیخ عبدالرحیم قدس سرہ سے ان کو شیخ عظمت اللہ اکبر آبادی سے ان کو اپنے والد سے ان کو اپنے دادا شیخ عبدالعزیز سے ان کو سید عبدالوہاب بخاری سے ان کو سید صدر الدین راجو قتال سے ان کو اپنے بھائی سید جلال الدین مخدوم جہانیان سے ان کو شیخ رکن الدین ابوالفتح سے ان کو اپنے والد شیخ صدر الدین سے ان کو اپنے والد شیخ بہاء الدین زکریا سے ان کو شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی سے اور ایضا اس فقیر نے خرقہ شیخ ابوطاہر مدنی کے ہاتھ سے پہنا ہے۔

انھوں نے شیخ احمد قشاشی سے انھوں نے شیخ احمد شناوی سے انھوں نے اپنے والد ان کے دادا شیخ عبدالوہاب شعراوی سے اور انھوں نے خرقہ پہنا ہاتھ سے شیخ الاسلام زکریا بن محمد انصاری کے روحی لہ الفدویۃ بلباسہ لہا شہاب احمد کے ہاتھ سے فقیہ علی بن محمد دمیاطی عرف زلیانی سے انھوں نے ہاتھ سے ابوبکر بن محمد خوانی صاحب الوصایا القدسیہ کے انھوں نے ہاتھ سے شیخ نورالدین عبدالرحمٰن مصری سے انھوں نے شیخ جمال الدین یوسف کورانی کے انھوں نے شیخ حسام الدین شمشیری اور نجم الدین اصفہانی کے ہاتھ سے انھوں نے شیخ نورالدین عبدالصمد طنزی کے انھوں نے شیخ نجیب الدین علی بن بزغش سے انھوں نے عارف باللہ شیخ شہاب عمر سہروردی روح اللہ روحہ وارواحہم ورحمنا بہم پس تحقیق حاصل ہونے خرقہ سہروردیہ کی تیسری وجہ واللہ اعلم۔

اور شیخ عارف باللہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کے لئے دو جہتیں ہیں ایک تو انھوں نے پہنا خرقہ اپنے چچا قاضی وجیہ الدین عمر بن محمد عرف عمویہ سے انھوں نے اپنے والد معمر محمد عمویہ بن عبداللہ سعد سے اور شیخ اخی فرح زنجانی دونوں کے ہاتھ مشارکت میں انھوں نے اپنے والد شیخ احمد اسود دینوری سے انھوں نے ممشاد دینوری سے اور اخوالفرج زنجانی سے انھوں نے ابوالعباس نہاوندی سے انھوں نے ابوعبداللہ محمد بن حنیف شیرازی سے انھوں نے ابومحمد رویم بن احمد بغدادی

سے اور ممشاد اور رویم نے سید الطائفہ القاسم جنید بغدادی سے اور دوسری جہت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی یہ ہے کہ انھوں نے تلقین پائی اپنے چچا ابونجیب سہروردی سے انھوں نے شیخ احمد غزالی سے انھوں نے شیخ ابوبکر نساج سے انھوں نے شیخ ابوالقاسم گرگانی سے انھوں نے شیخ ابوعثمان مغربی سے انھوں نے ابوعلی کاتب سے انھوں نے ابوعلی رودباری سے انھوں نے ابوالقاسم جنید بغدادی سے نفحات میں فرغانی سے نقل ہے کہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی نے نسبت خرقہ ابوالقاسم جنید تک کی ہے آگے نہیں کی اور جنید سے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک صحبت سے نسبت دی ہے خرقہ سے نہیں دی مگر شیخ مجدالدین بغدادی نے کتاب تحفۃ البررہ میں لکھا ہے کہ نسبت خرقہ متصل ہے پیغامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک حدیث درست متصل مفیض سے انتہی ۔

میں کہتا ہوں حق وہی ہے جو سہروردی نے کہا ہے اور اس فقیر نے درود وظیفہ وشغل واعمال طریقہ سہروردیہ کے اخذ کئے ضمن میں عوارف المعارف کے شیخ ابوطاہر سے انھوں نے اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے انھوں نے احمد قشاشی سے انھوں نے احمد شناوی سے انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے ان کے دادا سے انھوں نے شیخ عبدالوہاب شعراوی سے انھوں نے زین زکریا سے انھوں نے حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی سے انھوں نے ابوالحسن بن ابوالمجد دمشقی سے انھوں نے تقی سلیمان بن حمزہ مقدسی سے انھوں نے شیخ پیشوا شیخ شہاب الدین عمر سہروردی سے اور وصایا قدسیہ کے ضمن میں رسالہ شیخ زین خوانی کا سند مذکور سے شیخ زین الدین تک ومیاط بکسر دال مہملہ اور بعضوں نے کہا ذال معجمہ اور سکون میم اور تخفیف یای تحتیہ ایک شہر مشہور ہے گوران بفتح کاف عجمیہ ایک قبیلہ ہے کردوں میں سے نطنزی بفتح نون وطائے مہملہ وسکون وکسر زائ معجمہ بزغش بضم یائے موحدہ وسکون زائ معجمہ وضم غین معجمہ وشین معجمہ عمومیہ بضم غین مہملہ وضم میم مشددہ وسکون واو وتشدید یائ تحتیہ ایسا کہا ہے۔

ملا عبدالغفور نے اور اس میں کلام ہے بلکہ ظاہر تخفیف یائے تحتیہ کی ہے مانند راہویہ دمدویہ وغیرہما کے اخی فرج بفتح فا وفتح راء مہملہ وجیم زنجانی بفتح رائ معجمہ وسکون نون وفتح جیم والف ونون مکسورہ ویائ نسبت اور نفحات میں ابوالعباس نہاوندی کو شاگرد جعفر خلدی کا لکھا ہے اور وہ شاگرد جنید بغدادی کے ہیں۔

خلد بضم خائ معجمہ ایک محلہ ہے بغداد میں کہا ہے شیخ زین الدین خوافی نے کتاب وصایا قدسی میں ومنہا العصم یعنی وہ اپنے اوقات کو ضبط کرتے ہیں اور صرف کرتے ہیں ہر وقت اپنا جو اس وقت کے لائق ہو جب صبح صادق طلوع ہوتی ہے چاہئے کہ تجدید کرے شہادت کی اور کہیں اللهم انی اصبحت اشهدک واشهد حملة عرشک وملائکتک وانبیائک ورسلک وجمیع خلقک بانک انت الله لا اله الا انت وحدک لاشریک لک وان محمدا عبدک ورسولک اللهم انی اصبحت لا استطیع دفع ما اکره ولا املک نفع ما ارجو واصبح الامر بید غیری واصحبت مرتهنا بعملی فلا فقیر افقر منی اللهم (١) لاتشمت بی عدوی ولا تسؤلی صدیقی ولا تجعل مصیبتی فی دینی ودنیائی ولا تجعل الدنیا اکبر همی ولا مبلغ علمی ولا تسلط علی من لا یرحمنی اللهم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد وسلم پھر کہے اللهم (٢) ما اصبح بی من نعمة او باحد من خلقتک فمنک وحدک لاشریک لک فلک الحمد ولک الشکر تین مرتبہ کہے پھر کہیں اللهم (٣) لک الحمد حمدا دائما مع دوامک ولک الحمد حمدا خالدا مع خلودک ولک الحمد حمداً لامنتهی له دون مشیتک ولک الحمد حمداً لاجزاء لقائله الارضاک ولک الحمد طرفة عند کل عین وتنفس کل نفس ولک الحمد

---

(١) الٰہی میرے دشمنوں کو مجھ پر خوش نہ کیجئے اور میرے دوست کو کبھی رنجیدہ نہ کیجئے اور مجھے کوئی دین ودنیا کی مصیبت نہ دیجئے اور میرے بڑے مقصود دنیا نہ کیجئے اور نہ میرے مبلغ علم کو اور مجھ پر ایسے کو تسلط نہ دیجئے جو مجھ پر رحم نہ کرے الٰہی محمد اور آل محمد پر درود وسلام بھیج۔

(٢) الٰہی مجھ پر جو نعمت ہے یا اور کسی پر تیری خلقت میں وہ تیری ہی دی ہوئی ہے تو یگانہ ہے کوئی تیرا شریک نہیں پس تیرے ہی واسطے ہی حمد ہے اور تجھ ہی کو شکر ہے۔

(٣) الٰہی تجھ کو حمد ہے ایسے جو دائم ہے تیری دوام کے ساتھ اور تم کو ایسی حمد ہے جو ہمیشہ ہے بڑی ہمیشگی کے ساتھ اور تجھ کو ایسی حمد ہے جس کے نہایت نہیں سوا تیرے علم کے اور تم کو حمد ہے ایسی جس کا منتہی نہیں سوائے تیری مشیت کے اور تجھ کو حمد ہے ایسی جن کی جزا اس کے کہنے والے کو سوائے تیری رضا کے نہیں ہے اور تجھ کو حمد ہے پل پل اور دم بدم اور تجھے حمد ہے ایسی جو تیری نعمتوں کو کافی ہو اور کفایت کرے تیرے زیادہ دینے والے کو۔

حمدا یوافی العمل ویکا فی مزیدک پھر کہے سبحان(۱) اللہ وبحمدہ عدد خلقہ ورضاء نفسہ وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ جس قدر میسر ہو کہے جو فرصت پائیں کہیں سبحان (۲) اللہ وبحمدہ اضعاف ما سبحہ ویسبحہ جمیع خلقہ وکما یحب ربنا ویرضی وکما ینبغی لکرم وجہ ربنا وعز جلالہ ولا الہ الا اللہ اضعاف ماھللہ ویھللہ جمیع خلقہ وکما یحب ربنا ویرضی وکما ینبغی لکرم وجہ ربنا وعز جلالہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم اضعاف مامجدہ ویمجدہ جمیع خلقہ وکما یحب ربنا ویرضی وکما ینبغی لکرم وجہ ربنا وعز جلالہ پھر پڑھیں دو رکعت سنت نماز صبح کی پہلی رکعت میں الحمد کے بعد قل یا ایہا الکافرون اور دوسری میں قل ہو اللہ پھر کہیں سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم وبحمدہ استغفر اللہ ایک سو دفعہ یا جس قدر ہو سکے پھر درود پڑھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جس قدر ہو سکے پھر پڑھیں دعاء ماثورہ درمیان سنت وفرض کے اللھم انی اسئلک رحمۃ من عندک تھدی بھا قلبی وتجمع بھا امری وتلم بھا شعثی وتصلح بھادینی ونقضی بھادینی وتحفظ بھا غایتی وترفع بھا شاھدی وتبیض بھا وجھی وتزکی بھا عملی وتلھمنی بھا رشدی وترد بھا الفنی وتعصمنی بھا من کل سوء اس کو عوارف میں ذکر کیا ہے پھر فرض جماعت سے پڑھے جن میں فائدے ہوں کلیہ اور وہ مشہور ہیں اور فقراء کو یاد ہیں ان سے سیکھ لے پھر پڑھے حسب

---

(۱) پاک ہے اور اس کو حمد ہے اس کے مخلوق کی گنتی کے برابر اور اس کی رضا کے برابر اور اس کے عرش کے وزن کی برابر اور اس کے کمالات کے درازی کے برابر۔

(۲) بہت پاکیزگی ہے اللہ کو اور اس کو حمد ہے اس سے دو چند جو اس نے پاکیزگی کہی ہے اور اس کی تمام خلقت نے اور جیسے ہمارے رب کو محبوب ہے اور راضی ہے اس سے اور جیسے سزاوار ہے رب وجہ کریم کو اس کے بزرگ جلال کو اور حمد ہے اللہ تعالیٰ کو دو چند اس سے جو اس نے کی ہے اور اس کی تمام خلقت نے کی ہے جیسے ہمارے رب کو پیاری ہے اور راضی ہے اور جیسے لائق ہے اس کے بزرگ ذات کو اور بزرگ دعا سب جلال کو اور کوئی معبود برحق نہیں سوا اللہ کے دو چند اس سے جو اس نے کہا ہے اور اس کی تمام خلقت اور جیسا اس کو دوست ہے اور پسند ہے اور جیسا چاہئے اس کے بزرگ ذات کو اور بزرگ جلال کو اور نہ گناہوں سے بچتا ہے اور نہ عبادت کی قوت ہے مگر اللہ اور بلند وعظیم ہی ہے دو چند اس سے جو اس نے بزرگی کہی ہے اور اس کی بزرگی کرتی ہے تمام خلقت اس کی اور جیسے اسے محبوب ہے ہمارے رب کے وجہ کریم کو اور اس کے بزرگ جلال کو۔

معمول پھر مشغول ہو لا الٰہ الا اللہ کے ذکر سے جس طرح تلقین کیا ہے اور جیسا کہہ دیا ہے اس سے کہ حروف ذکر کے مخرجوں سے نکالے اور خوب ہمت سے کہے سر کو جھکائے اوپر ناف کے اور وہاں سے لا الٰہ نکالے اور وہی جگہ ہے ظہور نفس کی کھینچ کر لائے لا الٰہ کو دائیں مونڈھے تک نظر کرتا ہوا، دل سے اللہ کی کبر و عظمت کو تاکہ صاف ہووے نفس اور میل دے سر کو بائیں طرف اور الا اللہ کی ضرب خوب شدت سے قلب لحمی صنوبری پر کہ بائیں طرف بائیں پستان کے نیچے سینہ کے برابر ہے لگائے ایسی حیثیت سے کہ قلب میں اثر ہو اور ذکر کے آگ کی حرارت قلب کو پہنچے اور پگھل جائے چربی جو دل پر ہے اور اس کی ایک خاص بو ہے جلنے کے وقت اور پگھلنے کے وقت اور اس آگ کے پیچھے نور ہے تو ذکر کے لئے نار بھی ہے نور بھی ہے اس کی نار خالی کر دیتی ہے اور اس کا نور آراستہ کر دیتا ہے تو جب اثر ہوتا ہے نار اور نور کا قلب کے درمیان بیچ گاڑھے خون کے جو وسط قلب میں ہے اور وہ منبع ہے حیات حیوانیہ کا اور وہیں سے جاری ہیں نہریں خون کی شرائین میں سب اعضاء کی طرف تو وہ نار تصرف کرتی ہے بخار لطیف میں جو مرکب کرتا ہے خون سرایت کرنے والے کو اعضا میں اور وہ بخار ہے روح حیوانی ہے اور وہی نفس انسانیہ ہے جو مرکب ہے روح انسانی کا پس جس وقت تصرف کیا ذکر نے اس بخار میں تو بیشک تصرف کیا نفس میں اور سارے بدن میں سرایت کئے ہوئے ہے پس تحلیل ہوتے ہیں اعضاء بدن کے ذکر کی تاثیر سے اور نفس متاثر ہوتا ہے نار ذکر سے اور نور ذکر سے اور جیسا ہم نے کہا ہے کہ اس کی نار خالی کرتی ہے اور اس کا نور آراستہ کرتا ہے بدل جاتی ہیں نفس کی ظلمتیں انوار سے اور بری عادتیں زائل ہو جاتی ہیں اور آراستہ ہو جاتا ہے اچھے اخلاق سے تو خلاص ہو جاتا ہے قلب ظلمات نفس سے اور زیادہ ہوتا ہے قلب کا نور علی نور پس مستعد ہو جاتا ہے فیضان انوار کا صفات الٰہی کے اور بمقدار ملازمت کے نتیجہ ظاہر ہوتا ہے اور قریب آئے گا زیادہ بیان ذکر کا اور اس کے انوار اور احوال تقلبات اور تغیرات کا انشاء اللہ تعالیٰ ادر چاہئے کہ حاضر کر لے نفس یعنی دم کو اوپر قلب کے اور الا اللہ کے ''ہا'' کو ایک ایسا دائرہ کرے کہ قلب کے دائرہ پر پورا ہو جائے قوت سے اور اثبات کی جانب ملاحظہ زیادہ نفی کی جانب کے ملاحظہ سے اور نیت کرے مبتدی کلمہ لا الٰہ الا اللہ سے لا معبود غیر اللہ اور متوسط نیت کرے لا مطلوب یا لا مراد یا لا مقصود الا اللہ اور جس وقت اپنے دل میں مخلوق کی محبت پائے جو اللہ

اوراس کے درمیان واسطہ نہ ہوتو نیت کرے لامحبوب الا اللہ اور چاہئے کہ سچا ہو تینوں معنی میں بیچ نفی اور اثبات کے خالص کرے اپنی ہمت سے اپنے نفس کو متعلقات دنیا سے اور مشتبہات اور مستلذات سے بچے کہ یہی ہیں معبود باطل اور رغبت نہ کرے کشف وکرامات کی طرف حق کو طلب کرے تنہا اور پاک کرے طلب کو ہوائے نفس سے کیونکہ کشف وکرامات بھی نفس کی ہوا اور خواہش کی قسم سے ہیں اور جس نے ان کی طرف التفات کیا اور اس کو مدنظر ذکر میں اور اس کا مقصد ذکر سے بھی ہوتو وہ ممکورین میں درج ہے بلکہ اگر واقع ہو بلا طلب اس کے تو اس پر استدراج کا خوف ہے بعضے بزرگوں نے کہا ہے کہ سالک جب باغ میں جائے اور درختوں کے پرند اس باغ میں اپنی زبان میں کہیں اسلام علیک یا ولی اللہ تو وہ اگر نہ جانے کہ یہ مکر ہے تو تحقیق یہ اس کے ساتھ مکر ہے اور اسے شعور نہیں اور سب مرشد مریدوں کو نفرت دلاتے رہے ہیں۔

کرامات عیانیہ کی رغبت سے اور کہا ہے کہ کرامات مردوں کا حیض ہے پھر جب منور ہو جاتا ہے قلب انوار وحدانیت سے جو امانت ہے ملازمت ذکر میں لا الٰہ الا اللہ کے اور منعکس ہوتے ہیں۔ انوار مخلوقات پر سب طرف سے تو دیکھتا ہے ذکر کہ وجودات جو یہ ہیں ان کی حقیقت نہیں یہ سب مجاز یہ ممکنہ غیر واجبیہ ہیں اور مشاہدہ کرتا ہے وجود حق کا جو واجب ازلی ابدی ہے۔ تو اس حال میں کہے لا الٰہ الا اللہ اور نیت کرے لاموجود الا اللہ یعنی وجود حقیقی ہمیشہ تکرار کرے لا الٰہ الا اللہ کی اسی معنی سے یہاں تک کہ مضمحل ہو جائے سب ظلمات کائنات کی اس کی نظر شہود میں اور ظاہر ہو نور توحید کا اور یہاں پاؤں پھسلنے کی جائے ہے سو انشاء اللہ بعد میں بیان ہوگی۔

اور بعض ذاکرین یہ سمجھے ہیں مشائخ کے اس قول سے کہ حصر نفس کرے قلب پر واسطے وصول حرارت نفس کے قلب کی طرف کہ ذاکر سانس نہ لے اور سانس کو ضبط کرے یہاں تک کہ بعضے کہتے ہیں کہ سانس کتنے ضبط ہوئے سو یہ ان کو وہم ہوا ہے حصر نفس سے یہ مراد نہیں جو ان کو وہم ہوا بلکہ یہ تو ہندوؤں کے جوگیوں کا کام ہے جو ریاضت کرتے ہیں ان کو اس میں دنیا کے مقصد ہیں۔ سالک کو چاہئے اس سے احتراز کرے اور وہی کرے جو ہم نے کہا ہے اور سانس کو چھوڑ دے راحت میں اور شمار نہ کرے پھر مبتدی قدرت نہیں رکھتا کہ ملاحظہ کرے معنی احسان کے ساتھ ملاحظہ معنی ذکر کے پس خیال کرے دل میں اول معنی ذکر کے اور اسے بار بار دل میں گذارے

یہاں تک کہ جب اثر کر جائے معنی ذکر کے قلب میں تو اس وقت ملاحظہ کرے معنی احسان ذکر کے کانہ یراہ پھر جب چمکے بجلی ابر کرم سے اور آفتاب غیب کی شعائیں ہوں اس وقت متوجہ ہو اپنی سر سے واسطے مشاہدہ کے سوا خوب طرح دیکھنے کے بلکہ سر جھکا دے واسطے بزرگی اور تعظیم کے اور کیا خوب کہا ہے بعضے مشاہدہ کرنے والوں نے کہ میں ان کا مشتاق تھا جب وہ ظاہر ہوا میں نے سر جھکا لیا اس کے جلال سے اس کی تعظیم کے واسطے اور تحقیق کہا ہے اللہ تعالیٰ نے جب تو مجھے دیکھے تو میرا ذکر نہ کر اور جب نہ دیکھے تو میرے نام سے جدا نہ ہو اور یہ مقام ان باتوں کے ذکر کا نہ تھا ان کا تو وعدہ ہی آگے بیان کرنے کا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ لیکن بات میں بات نکل آتی ہے پھر جب اس نے ذکر بہت کیا اور آفتاب بلند ہوا بقدر ایک نیزہ کے یا دو نیزہ کے اور اس کو ماندگی ہوئی تو ترک کرے ذکر کو اور مراقبہ کرے مذکور کا اور ملاحظہ کرے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی نظر اپنی طرف اپنے وجود کے ذرہ ذرہ کی طرف اور اپنے تئیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں احاطہ کئے ہوئے جانے کیونکہ یہ جہت میں ہے اور اللہ تعالیٰ جہت سے منزہ ہے تو ممکن نہیں متوجہ ہو کسی طرف لیکن جب ملاحظہ کرے نظر اللہ تعالیٰ کی اس کی طرف سب جانب سے صغیر معلوم ہوگا وجود اپنا اور جب صغیر معلوم ہوا اپنا وجود پیچھے ہوگی اس کی وہ نظر اور وہ بھاگے گا اس کے وجود کی طرف یہاں تک کہ اس کے واسطے باقی نہیں رہے گا کوئی ٹھکانا بھاگنے کا **وان الی ربک یومئذ المستقر** پھر جب اٹھ جائیں گے جسمیت اور نابود و نیست ہو جائیں گے جہتیں تو ملاحظہ کرے گا۔

قرب صفات کو اور تکلفات کی کچھ حاجت نہیں رہنے کی اور عالم ارواح منزہ ہیں جہتوں سے تو ادراک کرے گا قرب اللہ تعالیٰ کا ساتھ معنی اور صفت کے پھر ترقی کرے گا اس کے فوق کی طرف پھر جب حرکت کریں گے خطرے یہ دعا پڑھے **اللھم انی اعوذبک من تفرقة القلب اللھم اجعلنی فارغ القلب مجموع اللھم بحیث لا یخطر فی قلبی سواک** پھر پڑھے نماز اشراق دو رکعت پہلی میں الحمد کے بعد **اللہ نور السموٰت والارض** **بکل شی علیم** تک دوسری میں **اذن اللہ ان ترفع بغیر حساب** تک پھر کئی دفعہ ذکر کرے اور دعا مانگے پھر مشغول ہو تلاوت قرآن شریف سے فکر کے ساتھ اور نصیحت ماننے کے ساتھ اور ترتیل کے ساتھ اور حفاظت و ادب کے ساتھ اس طور کہ گویا اللہ تعالیٰ کے آگے پڑھ رہا ہوں اللہ

سن رہا ہے قلب کو حاضر کر کے دعا کرتا ہوا اور صفا حال اور ادب کرتا ہوا اور خشوع کرتا ہوا اور پڑھے مقدار ایک سپارہ یا دو سپارہ کے اور بہت سا پڑھنے کا خیال نہ کرے بلکہ نصیحت و عبرت کا خیال رکھے کیونکہ بہت قرآن پڑھنے والے ایسے ہیں کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان کو لعنت کرتا ہے اس لئے کہ وہ حروف صحیح نہیں کرتے اور نہ وقتوں کی رعایت کرتے ہیں اور نہ عبرت پکڑتے ہیں اور نہ اس کی مثلون میں اور زجروں میں۔

پھر جب تلاوت سے فارغ ہو نماز چاشت پڑھے دو یا چار رکعتیں ان میں الحمد کے بعد والضحی والم نشرح پڑھے اور جو چار پڑھے تو اور دو سورتیں جو ان سے پہلے ہیں والشمس اور واللیل پڑھے، الحمد کے بعد اور اس قدر پر بس کرے جو لوگ اس سے حاجت رکھتے ہوں علم پڑھنے کی نیت خالص کریں اور نفس کی آسودگیوں سے پاک ہوں اور اللہ کے واسطے پڑھاوے وہ علم جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور جو ہو ذکی قابل کہ قرآن وحدیث سے اصطلاحیں نکالے تو جس قدر کی حاجت ہو اور فضول اور زوائد نہ ہو کہ اپنے ہمسروں پر فخر کرے اور اس سے بادشاہ کا تقرب حاصل کرے **نعوذ باللہ من الخذلان والخسران** پھر کہا ہے کہ جب فارغ ہو کھانے سے اس نیت سے اور اس وصف سے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے تو سو رہے قیلولہ کرے کہ رات کو جاگنے میں مدد ملے پھر جب جاگے اٹھے تو وضو کرے اور دو رکعتیں شکر اللہ کی پڑھے۔ اور ذکر سے مشغول ہو یہاں تک کہ آفتاب کو زوال ہو پھر جب آفتاب زائل ہو چار رکعتیں نفل ایک سلام سے پڑھے خواہ شافعی مذہب ہو خواہ حنفی ہو اس طور سے پڑھی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں پڑھے۔ بعد فاتحہ کے جس قدر ہو سکے ایک سیپارہ یا زیادہ یا کم اور جو قرآن حفظ نہ ہو تو ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد تین دفعہ آیۃ الکرسی پھر پڑھے چار سنت ظہر کی۔ پھر فرض جماعت کے ساتھ پھر دو رکعتیں سنت پڑھے پھر دو رکعتیں نفل پڑھے پھر جو اس کا کاروبار معاش کا ہو یا مطالعہ کتاب کا ہو یا کتابت کرنی ہو اس سے مشغول ہو عصر کی نماز تک پھر چار سنتیں عصر کی پڑھے۔ پھر فرض پڑھے جماعت سے پھر اپنا وظیفہ معمولی اذکار میں سے پڑھے پھر مشغول ہو ذکر لا الٰہ الا اللہ سے جیسے ہم ذکر کر چکے ہیں غروب آفتاب تک اور جو پہلے فارغ ہو جائے تو مشغول ہو تسبیح و استغفار سے پھر مغرب کی نماز پڑھے پھر دو سنتیں پڑھے پھر دو رکعتیں بقاء ایمان کے واسطے پڑھے ان میں الحمد کے بعد آیۃ

الکرسی ایک ایک دفعہ دونوں میں اور قل ہو اللہ اور معوذتین بھی ایک ایک دفعہ دونوں رکعتوں میں پھر سلام پھیر کر دس بار درود شریف پھر تین بار یہ دعا مانگے۔ اللھم(۱) **انی استودعک دینی فاحفظہ علیّ فی حیاتی وعند وفاتی وبعد مماتی**، تاکہ ثابت رکھے اس کے تئیں اللہ تعالیٰ اوپر ایمان کے اور امن میں رکھے جان کنی اور عذاب ورسوائی سے ایسا ہی افادہ فرمایا ہے ہم کو ہمارے پیر قدس اللہ سرہ نے پھر جبکہ طالب علم ہو تو مطالعہ میں مشغول ہو مغرب سے عشاء تک یا تکرار علم میں اور کلام نہ کرے اس وقت میں کہ اس وقت میں بات کرنے سے قلب مکدر ہوتا ہے اور تروتازگی وقت کی جاتی رہتی ہے تو صاف نہیں ہوتا قلب آخر شب تک اور اسی طرح نماز عشا کے بعد بھی نہ باتیں کرے مگر شرعی عارضے سے کیونکہ اس سے نقصان نہیں اگر بقدر حاجت ہو اور جو طالب العلم نہ ہو تو اس کو بھی اولیٰ ہے کہ لا الہ الا اللہ کے ذکر میں مشغول ہو اسی طور سے جو سیکھا ہے کیونکہ اس وقت ذکر قلب کو صاف کرتا ہے امور طبیعہ سے جو دن میں گذرے ہیں تو امادہ ہو جائے صفا کے ساتھ واسطے حضور کے جو عمل شب کو کرے گا۔

پھر چار سنتیں عشا کی پڑھے پھر جماعت سے فرض پڑھے۔ پھر چار سنتیں اور چاہے دو سنتیں پھر جب اپنے مکان کو پھر کر آئے چار رکعت پڑھے ایک سلام سے الحمد کے بعد پہلی میں آیۃ الکرسی اور دوسری میں آمن الرسول آخر سورۃ تک اور تیسری میں اول سورہ حدید سے علیم بذات الصدور تک اور چوتھی میں آخر سورہ حشر کا لوانزلنا سے پھر ذکر سے مشغول ہو اور رعایت رکھے وظیفہ کی جیسا مشاہدہ کیا ہے۔ یعنی سورہ فاتحہ تین بار پڑھے پھر ذکر سے مشغول ہو ساتھ فقراء کے جو ہوں، نہیں تو اکیلا ذکر کرے پھر جس وقت اس کا قلب حظ پائے اور نفس ملول ہو مراقبہ مذکور کرلے پھر جب خطرے حرکت کریں تو وہی دعا پڑھے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

اور ایک سو مرتبہ درود شریف پڑھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پھر درود شریف پڑھے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل وعزرائیل حاملین عرش اور ملائکہ مقربین اور تمام انبیاء مرسلین پر تین مرتبہ جیسا دیکھا ہے مجلسوں میں فقرا کے پھر ستر دفعہ استغفار پڑھے اور خیال کرے اپنی سستی اور

---

(۱) الٰہی میں امانت رکھتا ہوں تیرے پاس اپنے دین کو پس حفاظت کر تو اس کی میری زندگی میں اور وقت میرے مرنے کے اور بعد میرے مرجانے کے۔

غفلت روز کی یا پہلے پھر دعا مانگے اور کچھ پڑھے قرآن شریف میں سے والدین اور پیر و استاد اور اپنے یاروں اور بھائیوں کے واسطے اور سب مومنین اور مومنات کی روح کو بخشے ثواب تکبیر اور درود شریف پڑھے جیسے دیکھا ہے فقرا سے پھر جو ہو طالب علم نیند کے غلبہ تک مطالعہ کرے اور جو سالک ہو تو ذکر لا الہ الا اللہ سے مشغول ہو۔ نیند کے غلبہ تک اور جب نیند غلبہ کرے تو اس کو دفع نہ کرے نہیں تو تہجد کو ضرر کرے گی سور ہے نیت کر کے عبادت پر مدد کی اور نفس کے حق ادا کرنے کی حاضر ہو دل سے اور اللہ تعالیٰ کے نظر کرنے کو دیکھتا ہو اور اس سے شرماتا ہو کہ اس کے سامنے پاؤں پھیلاتا ہے ایسی صورت سے جیسے مرتا ہے اور روح کو اللہ کو سونپتا ہے اس کا حکم بجالاتا ہے کہ **قم اللیل الا قلیلا** اور پڑھے آیۃ الکرسی اور آمن الرسول اور آخر سورہ کہف **ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات** سے اور کلمہ شہادت پڑھے اور کہے **باسمک اللھم**(۱) **وضعت جنبی وبک ارفعہ اللھم قنی عذابک یوم تجمع عبادک** اور اس کے ارادہ میں ہو کہ اٹھے گا اور کہے گا **اللھم** (۲) **ایقظنی فی احب الاوقات الیک واشغلنی بطاعتک فیہ** پھر جب اس کو بیدار کر دے اللہ تو چاہئے کہ کھڑا ہو جائے اور اللہ کا ذکر کرے اور کہے **الحمد** (۳) **للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا ورد الینا ارواحنا والیہ البعث والنشور** اور سبحان اللہ کہے اور استغفار پڑھے۔

اور وضو کرے اور دو رکعتیں پڑھے پھر وقت پر نظر کرے اگر ایسا وقت ہے کہ تہجد ادا کر سکتا ہے تو شروع کرے تہجد دو رکعتیں پڑھے آیۃ الکرسی اور امن الرسول کے ساتھ پھر سبحان اللہ کہے کتنی دفعہ اور ذکر کرے کتنی بار اور درود شریف پڑھے پھر دو رکعتیں پڑھے بڑی دونوں میں سورہ سجدہ اور سورہ دخان پڑھے پھر دو اور پڑھے سورہ یٰسین اور انا فتحنا اور سورہ زمر یا سورہ جدید یا جون سی سورۃ چاہے پھر اور دو رکعتیں پڑھے سورہ ملک اور سورہ مزمل پھر دو اور رکعت میں سورہ طٰہٰ تمام یا کسی قدر پھر وتر پڑھے سبح اسم اور **قل یا ایھا الکافرون وقل ھو اللہ** اور جمع کرے دعا قنوت میں

---

(۱) الٰہی تیرے نام سے میں لیٹا اور تیری مدد سے میں اٹھوں گا اور بچا مجھ کو عذاب سے اس دن کہ تیرے بندے جمع ہوں۔ (۲) الٰہی بیدار کر مجھ کو اچھے وقت میں اور مشغول کر مجھ کو عبادت میں اس وقت۔ (۳) شکر ہے اس کے واسطے جس نے زندہ کیا ہمارے مرنے کے پیچھے اور پھر تو ہماری روحیں بعث اور نشور اس کی طرف ہے۔

حنفیہ وشافعیہ کا قول پھر درود شریف پڑھے پھر ذکر سے مشغول ہو جو جانتا ہے اوّل سحر تک اور وہ چھٹا حصہ شب کا باقی ہے مغفرت چاہے اللہ سے اپنے لئے اور اپنے والدین اور جمیع مومنین ومومنات کے اور مسلمین ومسلمات زندہ اور اموات کے واسطے تو ادا ہو جاتے ہیں اس استغفار سے جمیع حقوق مومنین ومومنات کے پھر جب صبح قریب ہو تو دعا ایسی جو لائق ہو اصحاب محبت اور عالی ہمتوں کے کیونکہ یہ وقت وقت خاص دعا کے قبول کا ہوتا ہے تو دعا کرے وہ جو اللہ کی طرف سے الہام ہو موافق اپنے مقام کے اور طالب حق کو چاہئے دعا میں بچے ایسی دعاؤں سے جو کمینہ ہیں بہت اور دعا اس کے فرمان بجالانے کے واسطے ہے کہ اس نے فرمایا ہے۔ **ادعونی استجب لکم** اور واسطے تمکن اور اپنی ذلت محتاجی ظاہر کرنے کو کیونکہ اس نے اپنے کرم وبخشش کی راہ سے کہا ہے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک پر جو اللہ سے نہ سوال کرے اس شخص سے خدا غصہ ہوتا ہے اور نہیں تو اس کا لطف وکرم کافی ہے۔

اور اس کی بخشش وغناوافی ہے ہم کو ہست کر دیا حالانکہ ہم کچھ بھی نہ تھے اور ہم پر بڑی نعمتیں ظاہر وباطن کی فراخ کیں ہمارا کچھ استحقاق نہ تھا نہ کوئی سابقہ خدمت وعبادت کا اب بھی اس کا ہم پر احسان ہے اور آئندہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ بفضلہٖ وکرمہ، لیکن اس کی حکمت کا مقتضا ہے کہ اس کی طاعات وعبادات کریں اور ذکر اور دعائیں اور استغفار تا کہ ہم کو زیادہ کرے اپنے فضل سے اور جس پر ظاہر ہوئے اسرار اس کی صفات ازلیہ ابدیہ کے اور پہچانتا ہے کہ جو امور واقع ہوئے اور ہوتے ہیں اور ہوں گے تمام کائنات میں اور جو جو امر اور نہی صادر ہوئے عبادت میں وہ مقتضی ہے۔ اس کی صفات کا جو اس کی ذات کے واسطے ہیں ازلا اور ابداً تو وہ حجت اور برہان نہیں طلب کرتا اور تسلیم ویقین ظاہر کرتا ہے، انشاء اللہ مراتب کمال ایمان واحسان وعرفان کو پہنچے گا، پھر جب صبح صادق ہوا کرے تو وہی کرے اور کہے جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ والحمد علی التوفیق۔

نویں فصل (۱)

اور طریقہ کبریہ کے شعبے بہت ہیں۔ ان میں بہت مشہور ترکستان و کشمیر وغیرہ میں امیر سید علی ہمدانی کا شعبہ ہے اور بہت نادر ان کا خرقہ کبریہ ہے خواجہ نقشبند کی جہت سے اس فقیر نے یہ خرقہ پہنا ہے شیخ ابو طاہر کے ہاتھ سے اور انھوں نے اپنے باپ سے انھوں نے شیخ احمد قشاشی سے انھوں نے شیخ احمد شناوی سے انھوں نے اپنے والد کے ہاتھ سے انھوں نے ان کے دادا شیخ عبدالوہاب شعراوی سے انھوں نے شیخ الاسلام زین الدین زکریا سے انھوں نے شمس محمد بن عمر واسطی سے انھوں نے ابوالعباس احمد زاہد سے اور انھوں نے شہاب دمشقی سے انھوں نے عبدالرحمٰن شرقی سے انھوں نے احمد رودباری سے انھوں نے رضی الدین علی بن سعید غزنوی سے جو لالا مشہور ہیں۔ انھوں نے محمد بغدادی سے انھوں نے شیخ نجم الدین کبری سے اور نیز شیخ ابو طاہر نے پہنا اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے انھوں نے قشاشی سے انھوں نے شناوی سے انھوں نے سید غضنفر بن جعفر نہروانی نزیل مدینہ مشرفہ سے انھوں نے شیخ تاج الدین عبدالرحمٰن بن مسعود گازرونی سے انھوں نے حافظ نور الدین احمد طاؤسی سے کہا پہنا میں نے تبرکاً محقق شریف سید علی بزجانی سے انھوں نے خواجہ علاء الدین عطار سمرقندی سے انھوں نے خواجہ بہاء الدین محمد مشہور نقشبند سے انھوں نے شیخ سلطان الدین سے انھوں نے شیخ احمد مولانا سے انھوں نے شیخ بابا کمال حیدری سے انھوں نے شیخ مقتدا نجم الدین کبری سے اور نیز اس فقیر نے یہ طریق حاصل کیا اور خرقہ پہنا اپنے والد شیخ عبدالرحیم سے انھوں نے سید عبداللہ سے انھوں نے شیخ آدم بنوری سے انھوں نے شیخ احمد سہرندی

---

(۱) طریقہ کبریہ

سے انھوں نے شیخ یعقوب صرفی کشمیری سے انھوں نے شیخ حسین خوارزمی سے انھوں نے شیخ حاجی محمد صدیق حبوشالی سے انھوں نے شاہ علی بیداوزی سے انھوں نے شیخ رشید الدین محمد بیداوازی سے انھوں نے سید عبداللہ برزش آبادی سے انھوں نے شیخ اسحٰق ختلانی سے انھوں نے امیر سید علی ہمدانی سے پھر امیر سید علی ہمدانی نے حاصل کیا طریقہ شیخ شرف الدین محمود بن عبداللہ مزدقانی سے اور شیخ تقی الدین علی دوستی سمنانی سے۔

اور ان دونوں نے شیخ علاء الدین ولد احمد بن محمد سمنانی سے انھوں نے شیخ نور الدین عبدالرحمٰن کسرفی اسفرائی سے انھوں نے شیخ جمال الدین احمد جوزقانی سے انھوں نے شیخ رضی الدین لالا شے انھوں نے شیخ نجم الدین کبری سے پھر شیخ مقتدا نجم الحق والدین ابوالجناب احمد بن عمر بن محمد خوارزمی خیوقی معروف کبری مشہور شیخ ولی تراش کو دو جہتوں سے ہے۔ ایک تو انھوں نے صحبت پائی اور خرقہ پہنا اور حاصل کیا طریقہ شیخ عمار بن یاسر سے انھوں نے شیخ ابونجیب عبدالقاہر بن عبداللہ سہروردی سے انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے اپنے چچا عمر بن محمد سے انھوں نے اپنے والد محمد بن عویہ سے انھوں نے احمد بن یسار سے انھوں نے ممشاد دینوری سے انھوں نے ابوالقاسم جنید سے ساتھ سند مذکور کے اور دوسری جہت یہ کہ انھوں نے صحبت پائی اور اصل خرقہ پہنا اور طریقہ حاصل کیا شیخ اسمٰعیل قصری سے انھوں نے محمد بن المالکیل سے انھوں نے شیخ داؤد بن محمد عرف خادم الفقرا سے اور انھوں نے شیخ ابوالعباس بن ادریس سے اور انھوں نے شیخ ابوالقاسم بن رمضان سے اور انھوں نے شیخ ابویعقوب نہر جوری سے اور انھوں نے شیخ ابویعقوب سوسی سے اور انھوں نے شیخ عبدالواحد بن زید سے اور انھوں نے شیخ کمیل بن زیاد سے اور انھوں نے سیدنا علی سے رضی اللہ عنہ وقدس اللہ اسرارہم ورحمنا بہم آمین۔

طاؤسی نسبت طاؤس تابعی مشہور ہیں۔ کسرفی بفتح کاف وکسر سین مہملہ وفا ونوں ہے۔ جوریان بضم جیم وسکون واؤ ورائے مہملہ ویائے عجمیہ ہے۔ ابوالجناب فتح جیم وتشدید نون ویائے موحدہ ہے۔ خیوقی بکسر خائے معجمہ وسکون یائے تحتہ وفتح وکسر قاف ہے۔ قصری بفتح قاف وسکون صاد مہملہ وکسر رائے مہملہ ہے۔ شیخ نجم الدین کبری نے خرقہ اصل شیخ اسمٰعیل قصری کے ہاتھ سے پہنا ہے اور خرقہ اصل سے مراد یہ ہے کہ تبرک کی جہت سے نہ ہو محمد بن مالکیل بہ سکون لام وکسر

کاف وسکون یائے مثناۃ تحتیہ ولام ہے۔ کاتب حروف کہتا ہے کہ بعضے نسخوں میں مانکیل یعنی نون بجائے لام اول کے لکھا ہوا ہے۔ نہر جوری بفتح نون وسکون ہا وفتح رائے مہملہ وضم جیم وسکون واؤ وکسر رائے مہملہ ویائے تحتیہ ہے۔ سوسی بواؤ میان دوسین مہملہ اول مضموم وثانی مکسور نسبت ہے سوس سے کہ ایک شہر ہے مغرب میں یا وہ شہر سوس نام کہ جس میں قبر ہے دانیال پیغمبر کی۔ شیخ مجدوالدین بغدادی نے کتاب تحفۃ البررہ میں لکھا ہے کہ خرقوں کی نسبت متصل ہے پیغامبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک حدیث درست متصل مستفیض سے اور فرمایا ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرقہ پہنایا امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ کو اور تمام اس سلسلہ کا ذکر کیا ہے میں کہتا ہوں اور محققین اہل حدیث نے انکار کیا ہے اس اتصال کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور باوجود اس کے ہمیشہ نسبت اس سے کرتے ہیں ابوالقاسم جنید بغدادی تک اور جوان کے طبقہ میں ہیں۔ واللہ اعلم۔

خبر دی مجھ کو حضرت والد نے اجازت کی۔ کہا خبر دی مجھ کو شیخ عظمت اللہ اکبرآبادی نے اجازت کی اپنے والد ان کے دادا شیخ عبدالعزیز دہلوی سے کہ انھوں نے فرمایا کہ منقول ہے حضرت مولانا نورالحق والدین جعفر نوراللہ مرقدہ سے کہ کیفیت اوراد اور اوقات کے سلسلہ کامل محقق صمدانی علی ثانی امیر سید علی ہمدانی قدس اللہ سرہ العزیز کی یہ ہے کہ جب صبح صادق طلوع ہو دو رکعت نماز سنت فجر پڑھے جب سلام پھیرے اس تسبیح کو ایک سو دفعہ پڑھے **سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم وبحمدہ استغفر اللہ** نقل ہے ان حضرات سے کہ اپنے منشیات میں لکھا ہے کہ جب میں سراندیپ میں واسطے زیارت قدم گاہ آدم صفی علیہ السلام کے گیا جب نزدیک قدمگاہ کے پہنچا صبح کو واقع عظیم یعنی خواب دیکھا کہ بہت سے مشائخ کبار اس درویش کے دیکھنے کو آئے ہیں ان میں ایک شیخ نجم الدین کبری بھی تھے قدس اللہ سرہ العزیز۔

میں نے اس حال میں شیخ سے سوال کیا کہ کونسا ذکر بہت افضل ہے کہ اس پر مواظبت کرنے سے بندہ کو حق تعالیٰ کا قرب میسر ہو جائے شیخ نے فرمایا کہ سب اخبار وارده اور صحیح حدیثوں کو میں نے غور سے دیکھا جو عظمت کہ اس تسبیح میں پائی کسی میں نہ پائی جب میں ہشیار ہوا تو یہ حدیث حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجھے یاد آئی۔ **كلمتان (۱) خفيفتان على اللسان**

---

(۱) کلمات جو زبان پر ہلکے ہیں میزان پر بھاری ہیں۔ اللہ کے پیارے ہیں اور وہ یہ ہیں **سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم**۔

ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمٰن وھما سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم وبحمدہ استغفر اللہ سچے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شیخ محی الدین بن عربی قدس سرہ نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ جو کوئی اسے سو دفعہ صبح کو یہ تسبیح پڑھے اس کا کوئی گناہ نہ رہے اور یہ مشائخ کے وصایا میں سے ہے کہ جو کوئی اسے سو دفعہ ہمیشہ پڑھا کرے اس کی برکت اور صفائی مشاہدہ کرے گا۔

اس دعا کو جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ صبح کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان پڑھے اللھم انی اسئلک رحمۃ آخر تک پڑھ کر پھر فرض صبح کے پڑھے جب سلام پھیرے اور اوراد فتحیہ پڑھنے میں مشغول ہو کہ ایک ہزار چار سو ولی کامل کے متبرک کلام سے جمع ہوا ہے اور فتح ہر ایک کی ان میں سے ایک کلمہ میں ہوئی ہے جو حضوری کے ساتھ اپنے پر لازم کر لے اس کی برکت اور صفائی مشاہدہ کرے گا اور ایک ہزار چار سو ولی کی ولایت سے حصہ پائے گا واللہ التوفیق۔

اب اگر فضائل اور خواص اس اوراد کے بیان کیے جائیں تو بہت طویل ہو جائے اس واسطے کہ آنحضرت نے اپنی ساری عمر میں معمورۂ عالم کی تین مرتبہ سیر کی ہے اور چودہ سو ولی کامل سے ملے ہیں اور ان میں سے چار سو کو ایک مجلس میں سلطان محمد خدا کے بندے نے دیکھا ہے اور ہر ولی سے رخصت کے وقت دعا اور رقعہ کی التماس کی ہے اور ان رقعوں کو اپنے جامہ پر مرقع کیا ہے اور ان دعاؤں کو اور ذکروں کو جو بے اختیار ان کی زبان پر جاری ہوتے تھے جمع کیا ہے یہ اوراد ہو گئے ہیں منقول ہی انھیں حضرت سے کہ جب بارہویں دفعہ کعبہ شریف کی زیارت کو گیا مسجد اقصیٰ میں پہنچا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ اس درویش کی طرف تشریف لا رہے ہیں میں اٹھا اور آگے گیا اور سلام کیا آپ نے اپنی آستین مبارک سے ایک جزو نکالا اور اس درویش سے فرمایا کہ خذ ھذہ الفتحیۃ یعنی اس فتحیہ کو لے جب میں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے اور نظر کی تو یہی اوراد تھے اس اشارہ سے ان کا نام فتحیہ رکھا گیا۔ واللہ الھادی الی صراط مستقیم پس ذکر اوراد فتحیہ کا تمام ہوا اور حضرت والد قدس سرہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا طریق ختم میر سید علی ہمدانی کا۔ اول آدھی رات کو اٹھے اور وضو تازہ کرے

اور دو رکعت نفل پڑھے اور ہر رکعت میں الحمد کے بعد پندرہ دفعہ سورہ اخلاص بعد سلام کے ہزار دفعہ کہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اس کے بعد ہزار دفعہ پڑھے۔ **یا خفی الطاف ادرکنی بلطفک الخفی** اس کے بعد ایک ہزار اور ایک مرتبہ یابدوح اور سر گریبان میں جھکا دے اور مراقبہ کرے دیکھے عالم غیب سے کیا چیز مشاہدہ ہوتی ہے جب اس سے فارغ ہو، دوگانہ پڑھے اس کا ثواب میر سید علی ہمدانی کو بخشے۔ انتہی۔

دسویں فصل (۱)

طریقہ مدینیہ کے شعبے بہت ہیں ان میں بہت مشہور مغرب میں شعبۂ مغاربہ ہے اور حضرموت میں شعبۂ عیدروسیہ ہے۔ سید عبداللہ عیدروس کبیر کی جہت سے اور اس فقیر کو ہر ایک سے ارتباط ہے، حاصل کیا میں نے اس طریقہ کو شیخ ابو طاہر سے انھوں نے دو شیخوں حرم کے مکے سے شیخ احمد نخلی سے اور شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے انھوں نے شیخ عیسیٰ مغربی سے انھوں نے اپنے شیخ سعید بن ابراہیم جزائری مفتی عرف قدرہ سے انھوں نے شیخ محقق سعید بن مصری سے انھوں نے ولی کامل احمد محی دہرانی سے انھوں نے شیخ الاسلام عارف باللہ سیدی ابراہیم تازی سے انھوں نے شیخ الطریقہ سیدی صالح بن موسیٰ زوادی سے انھوں نے شیخ معمر محمد بن مخلص سے انھوں نے شیخ مغلطائی بن فلیح سے انھوں نے ابو عبداللہ عریاں سے انھوں نے اپنے والد شیخ جماعت طویل نامدی سے انھوں نے شریف ابو محمد ناجوزی سے انھوں نے قطب ابو محمد صالح سے انھوں نے قطب الطریقہ شیخ ابو محمد بن مغربی سے اور نیز حاصل کیا یہ طریقہ اس فقیر نے شیخ ابو طاہر سے انھوں نے شیخ احمد نخلی مکی سے انھوں نے سید عبدالرحمٰن بن علی باعلوی شاگرد سید عبداللہ بن علوی حداد اپنے داماد سے انھوں نے سید عبداللہ بن علوی حداد سے اور انکی نسبت طریقہ میں ہے سید محمد بن علوی نزیل مکہ کی طرف انھوں نے سید عبداللہ بن علی صاحب الزہد سے انھوں نے شیخ بن عبداللہ عیدروس سے جنکی قبر احمد آباد میں ہے انھوں نے اپنے والد سید عبداللہ بن شیخ سے انھوں نے اپنے چچا سید ابوبکر عیدروس صاحب عدن سے انھوں نے اپنے والد قطب سید عفیف الدین عبداللہ

---

(۱) طریقہ مدینیہ

عیدروس سے اور وہ بزرگ جن کی طرف نسبت کیا جاتا ہے شعبہ عیدروسیہ انھوں نے اپنے چچا سید عمر محھار سے انھوں نے اپنے والد سید عبدالرحمٰن بن محمد شفاف سے انھوں نے اپنے والد محمد بن علی مولیٰ دویلہ سے۔ انھوں نے اپنے والد علی بن علوی سے انھوں نے اپنے والد علوی بن محمد سے انھوں نے اپنے والد محمد بن علی سے کہ وہ جد ہیں آل سادہ باعلوی کے انھوں نے شیخ ابومدین مغربی سے بواسطہ دو شخصوں کے ایک شیخ عبداللہ صالح مغربی اور ایک شیخ عبدالرحمٰن مقتدی مغربی اور شیخ ابومدین نے بھیجا تھا شیخ عبدالرحمٰن کو کہ خرقہ پہنائے فقیہ مقدم محمد بن علی کو سو وہ بیمار ہو گئے مکہ میں تو بھیجا شیخ عبداللہ نے حضرموت کی طرف تو ان کو خرقہ پہنایا۔

پھر شیخ مقتدی ابومدین شعیب بن حسن مغربی نے طریقہ اخذ کیا اور خرقہ پہنا اپنے شیخ ابویعزا سے انھوں نے شیخ علی بن علی حرزہم سے انھوں نے فقیہ حافظ قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد معاضری عرف ابوبکر بن عربی اندلسی شبیلی سے انھوں نے امام حجتہ الاسلام ابوحامد محمد غزالی سے انھوں نے امام الحرمین عبدالملک سے انھوں نے اپنے والد شیخ امیر محمد عبداللہ بن یوسف جومیںی سے انھوں نے شیخ عالم عارف ابوطالب مکی محمد بن علی بن عطیہ حارثی سے انھوں نے ابوبکر دلف بن حجد رشبلی سے انھوں نے سید طائفہ ابوالقاسم جنید بغدادی سے اور محمد بن علی فقیہ مقدم کو دوسری جہت ہے طریقہ کی کہ وہ آبائی و اجدادی ہے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے طریقہ اخذ کیا اپنے والد علی سے اور انھوں نے اپنے والد محمد صاحب مرباط سے انھوں نے اپنے والد خالع قسم سے انھوں نے اپنے والد علوی سے انھوں نے اپنے والد محمد سے انھوں نے اپنے والد علوی سے انھوں اپنے والد عبداللہ سے انھوں نے اپنے والد مہاجر فی اللہ احمد سے انھوں نے اپنے والد عیسی سے انھوں نے اپنے والد محمد سے انھوں نے اپنے والد علی عریضی سے انھوں نے اپنے والد امام جعفر صادق سے اور اسی طرح ابومدین کا طریقہ دوسرا ہے کہ رجوع ہوتا ہے نوری کی طرف اور وہ یہ ہے کہ شیخ ابومدین نے اخذ طریقہ کیا شیخ ابویعزا ابنور سے اور انھوں نے شیخ ابوشعیب ایوب سار بہ بن سعید ضہاجی سے انھوں نے شیخ عبدالجلیل سے انھوں نے شیخ ابوفضل جوہری سے انھوں نے اپنے والد ابوعبداللہ حسین جوہری سے انھوں نے شیخ ابوحسین نوری عرف ابن البغوی رفیق جنید سے انھوں نے سری سے اور نیز خرقہ پہنا ابومدین نے امام ابوبکر طوسی سے انھوں نے شاشی سے انھوں نے شبلی

سے انھوں نے جنید سے اور اسی طرح امام حجۃ الاسلام کا دوسرا طریقہ ہے جہت سے ابوعلی فارمدی سے اور اسی طرح ابوطالب مکی کا طریقہ دوسرا ہے جس پر اعتماد کیا ہے صاحب نفحات نے اور وہ یہ ہے کہ انھوں نے اخذ کیا طریقہ ابوالحسن محمد بن ابوعبداللہ احمد بن سالم بصری سے انھوں نے سہل بن عبداللہ تستری سے اور شیخ ابوطالب مکی ہیں۔

صاحب کتاب قوت القلوب لوگوں نے کہا ہے کہ کوئی تصنیف اسلام میں اس کی مثل نہیں۔ دقایق طریقہ میں میں کہتا ہوں یہی کتاب اصل تصوف ہے سوائے اس کے اور جو کتابیں سلوک میں تصنیف ہوئیں اس سے نکالی گئیں جیسے احیاء اور غنیۃ الطالبین اور عوارف اور میری اسناد قوت القلوب کی یہ ہے کہ میں نے حاصل کی اجازت شیخ ابوطاہر سے انھوں نے شیخ احمد نخلی سے انھوں نے شیخ محمد بن علاء البابلی سے انھوں نے احمد بن عیسی بن جمیل کلبی سے انھوں نے علی بن ابی بکر قرافی سے انھوں نے ابوالفضل جلال الدین سیوطی سے انھوں نے شہاب احمد بن محمد حجازی سے انھوں نے ابواسحاق برہان تنوخی سے انھوں نے ابوالعباس احمد بن ابوطالب حجازی سے انھوں نے عبدالعزیز بن دلف سے انھوں نے ابوالفتح محمد بن یحیٰی بردانی سے انھوں نے ابوعلی محمد بن محمد بن عبدالعزیز مہدوی سے کہا خبر دی ہم کو عمر بن ابی طالب نے کہا خبر دی ہم کو ہمارے والد ابوطالب مکی نے پھر ذکر کیا۔

مزید، زاء معجمہ سے ہے امیلہ بفتح الف وکسر میم وسکون تحتیہ بعد اس کے لام ہے اسی طور ضبط کئے ہیں ہم نے دونوں لفظ ابوطاہر سے۔ مراغی بغین معجمہ وفتح میم نسبت ہے مراغہ کی طرف وہ ایک شہر ہے آذربیجان میں فاروث بروزن فاروق آخر میں تا مثلثہ ایک قریہ ہے درمیان واسط اور بصرہ کے کہا ہے یافعی نے ۶۲۸ میں کہ زواوی نسبت ہے زواوہ کی طرف وہ ایک بڑا قبیلہ ذات بطون وافخاذ ہے اور اس کا مسکن اعمال اویسقیہ ہے انتھی۔

وہط بفتح واو وسکون ہا آخر اس کے طاء مہملہ ایک گاؤں ہے نزدیک عدن کے، عدن ایک شہر ہے یمن میں سے کنارہ پر دریا کے عیتروس بہ تحتیہ اور مثناۃ شہر کے ناموں میں مشتق ہے عترسہ سے بمعنی اخذ بعنف وشدت کے اور وہ لقب شیخ عبداللہ کا ہے پھر بولنے میں عیدروس تا دال ہوگئی ہے اور وہ بعین مہملہ اور یاء مثناۃ ساکنہ اور دال مہملہ اور رائے مضموم پھر واؤ ساکن حاء مہملہ وفتح ضاد

معجمہ آخراس کے رائے مہملہ لقب ہے بسبب جلدی حاضر ہونے کے وقت فریاد کے۔

سقاف بہ سین مفتوح وقاف مشددہ مفتوحہ آخراس کے فا لقب ہے صیغۂ مبالغہ سے بیچ سرحال کے مولی الدویلہ یعنی صاحب شہر کہنہ المقدم یعنی مقدم التربت مقبرہ میں پہلے ان کی زیارت کرتے ہیں اس کے بعد باقی سادات کی پس اس لئے اس کو مقدم التربتہ کہتے ہیں۔ ابومدین بفتح میم وسکون دال مہملہ وفتح تحتیہ آخراس کے نون ابویعزا بفتح تحتیہ وعین مہملہ وزائے معجمہ حرزہم بکسر حائے مہملہ وسکون رائے مہملہ وکسر رائے معجمہ آخر جمع مذکر مغافری بفتح میم وعین مہملہ وبعد الف فائے مکسورہ پھر رائے مہملہ غزالہ بفتح غین معجمہ تخفیف زائے معجمہ ایک قریہ ہے مضافات طوس سے جوینی بفتح جیم وبفتح واؤ سکون تحتیہ اس کے بعد نون اور یائے نسبت جوین ایک ناحیہ بڑا ہے نیشاپور کے نواحی میں۔

ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی۔ عطیہ بفتح عین مہملہ وکسر طاء مہملہ ویائے مثناۃ تحتیہ حارثی بحائے ورائے مہملتین وثاء مثلثہ ولف بضم دال مہملہ وفتح لام آخرہ فا، جحدر بفتح جیم وسکون حاء مہملہ وفتح دال مہملہ ورائے مہملہ شبلی بکسر شین معجمہ وسکون موحدہ بعد باء لام نسبت ہے طرف شبلہ کے جو ایک گاؤں ہے۔

اسروشنہ بضم ہمزہ وسکون سین مہملہ وضم رائے مہملہ وفتح شین معجمہ وفتح نون بعد اس کے ہائے ساکنہ ایک بہت بڑا شہر ہے سمرقند کے اس طرف ماوراء النہر کے شہروں میں سے صاحب مرباط یعنی شہر ظفار قدیمہ قاموس میں کہا ہے مرباط بروزن محراب ایک شہر ہے کنارہ ہند کے خالع قسم نے خرید کی تھی ایک زمین میں بیس ہزار دینار کو اور قسم نے اس کا نام وہی رکھا جو بصرہ میں اس کے کنبے کے لوگوں کے زمین کا تھا اور وہاں درخت لگائے پھر وہ قریہ ہوگیا۔ پھر منتقل ہوا اس سے دوسرے قریہ کی طرف تو بولنے لگے خالع قسم عریض مصغر نام ہے ایک وادی کا جو قریب مدینہ مشرفہ کے ہے اس کی طرف منسوب ہیں علی عریضی۔

ہم نے نقل کیا یہ سلسلہ عیدروسیہ سید عبدالقادر عیدروس کا اور ضبط اسماء مبہم کئے نفحات قدوسیہ سے خرقہ میں عیدروسیہ سید عبدالقادر کے اور مشروع مردودی کے بیچ آل باعلوی کے سید محمد شبلی کے خبر دی ہم کو شیخ ابوطاہر نے ان کو شیخ احمد نخلی نے انھوں نے کہا ہم کو اجازت دی اس دعا کے پڑھنے

کی پانچویں نمازوں کے بعد۔ سید عبدالرحمٰن بن علی باعلوی شاگرد سید عبداللہ حداد اور ان کے داماد سے اپنے شیخ سید عبداللہ بن علوی حداد باعلوی سے اور وہ یہ ہے، **یا اللہ یا لطیف یا رزاق یا قوی یا عزیز اسئلک تالھا الیک واستغراقا فیک وفناء ربک عمن سواک ولطفا شاملا جلیا وخفیا ورزقا طیبا ھنیئا مریئا وقوۃ فی الایمان والیقین وصلابته فی الحق والدین وعزابک یدوم ویتخلد وشرفا یبقی ویتابد لایخالطه تکبر ولا تملوا وارادۃ فساد فی الارض ولا علوانک سمیع قریب وصلی اللہ علی سیدنا محمد واله وصحبه وسلم۔**

میں کہتا ہوں سید عبداللہ حداد کا ایک دیوان ہے اشعار کا نہایت لطف وفصاحت کے ساتھ اکثر اس میں نصیحت اور سلوک ہے ان کے بعضے قصیدے مجھے لا کر دیئے ان کے بھانجے سید عبداللہ عیدروس وعیدروسی نے میں کہتا ہوں مجھ کو خبر دی ایک جماعت نے آل باعلوی کی ان میں سے سید عبداللہ بن جعفر مدبر نے کہ حضرات باعلوی ہمیشہ ایک طبقہ کی وصیت کرتے آئے ہیں احیاء العلوم کے پڑھنے کی اور اس کے یاد کرنے کی اور اس پر عمل کرنے کی اور اس کے اوراد کی مواظبت کی اور ان کا مذہب عقائد میں اہل سنت وجماعت ہے اور فقہ میں ان کا نام مذہب شافعی ہے سلوک میں جو احیاء العلوم میں ہے اس پر قیام کرتا ہے واللہ اعلم۔

گیارھویں فصل (۱)

اس فقیر نے خرقہ پہنا ہاتھ سے شیخ ابوطاہر کے انھوں نے اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے انھوں نے شیخ احمد قشاشی سے انھوں نے اخذ کیا ایک جماعت سے کہ ان میں سے سیدی احمد بن قاسم علامہ دولی کبیر سیدی حسن الانجیہی اور شیخ ابراہیم علقمی اور سیدی محمد بن زین الدین ان سب نے صحبت پائی ہے شیخ الاسلام کمال الدین طویل کی اور آداب یافتہ ہوئے ہیں ان کے آداب سے اور خرقہ پہنا ہے ان کے ہاتھ سے اور وہ صحبت میں رہے ہیں علامہ محمد بن محمد جزری کے اور انھوں نے صحبت پائی ہے اور اخذ خرقہ کیا ہے تاج سبکی سے اور انھوں نے سیدی احمد بن عطاء اللہ اسکندری صاحب حکم سے اور انھوں نے سیدی ابوالعباس مرعشی سے اور انھوں نے قطب ابوالحسن شاذلی سے اور شیخ ابوطاہر نے خرقہ پہنا اور اخذ تلقین کیا شیخ حرم شیخ احمد نخلی سے اور شیخ عبداللہ بن سالم سے اور انھوں نے شیخ عیسیٰ مغربی سے انھوں نے شیخ ابوعثمان سعید بن ابراہیم جزائری سے اور نیز پہنایا ابوطاہر کو شیخ نے خرقہ اپنے شیخ کا کتابت اور اجازت کے ساتھ شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی نزیل مکہ سے طلب کیا تھا شیخ ابراہیم نے ان سے خرقہ اپنی اولاد کے واسطے انھوں نے خرقہ بھیجا ان کے واسطے طرف مدینہ کے اور اجازت لکھی جس وقت صحیح ہوئی یہ روایت اور مجتمع نہیں ہوئے شیخ ابوطاہر ان سے خرقہ پہننے میں ان کے شیخ ابوعثمان جزائری کے ہاتھ سے خرقہ پہننے کو ابوعثمان مغربی سے انھوں نے پہنا ابوالعباس احمد حجی وحراق سے انھوں نے ابوسالم سیدی ابراہیم تازی سے انھوں نے صالح بن موسی زوادی سے انھوں نے ابوعبداللہ محمد بن محمد بن مخلص طیبی سے انھوں نے شیخ

---

(۱) طریقہ شاذلیہ

علاء الدین مغلطائی سے انھوں نے سید زین الدین ابوبکر اور سید ابوعبداللہ بن سید ابوالحسن شاذلی سے اور ان دونوں نے قطب ابوالحسن شاذلی سے پھر قطب نور الدین ابوالحسن علی بن عبداللہ بن عبدالجبار مشہور شاذلی نے اخذ طریقہ کیا اور خرقہ پہنا اپنے شیخ عبدالسلام بن مشیش سے اور انھوں نے سید عبدالرحمٰن بن زیات مدنی سے انھوں نے شیخ تقی الدین صوفی عرف بفقیر مصغر اور انھوں نے شیخ فخر الدین سے انھوں نے شیخ ابوالحسن علی سے انھوں نے شیخ تاج الدین محمد سے انھوں نے شیخ شمس الدین محمد سے انھوں نے شیخ زین الدین محمد قزوینی سے انھوں نے شیخ ابواسحاق ابراہیم بصری سے انھوں نے شیخ ابوالقاسم مروانی سے انھوں نے شیخ فتح السعود سے انھوں نے شیخ سعید قروانی سے انھوں نے شیخ ابومحمد جابر سے انھوں نے سید شہید امام حسین بن علی سے انھوں نے اپنے والد امام امیر المومنین علی بن ابی طالب سے انھوں نے سید المرسلین شفیع المذنبین قائد الغر المحجلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

اور اس فقیر نے حزب البحر اخذ کیا شیخ ابوطاہر سے انھوں نے شیخ احمد نخلی سے انھوں نے شیخ محمد بن علاء سے انھوں نے سالم سنہوری سے انھوں نے نجم غیطی سے انھوں شیخ الاسلام زکریا سے انھوں نے عز عبدالرحیم بن فرات سے انھوں نے تاج عبدالوہاب بن علی سبکی سے انھوں نے اپنے والد تقی علی بن کافی سبکی سے انھوں نے شیخ احمد بن عطاء اللہ سے انھوں نے امام ابوالعباس احمد بن عمر مرسی سے انھوں نے ابوالحسن شاذلی سے اور اخذ کیا حکم اس عطا کا اسی سند سے شیخ احمد بن عطا سے اور مجھ کو خبر دی شیخ ابوطاہر نے کہا خبر دی مجھ کو شیخ احمد نخلی نے کہا خبر دی مجھے شیخ یحیٰ شاوی نے اس کی تلقین کی شیخ سعید جزائری نے انھوں نے شیخ سعید مقری سے انھوں نے ولی کامل احمد حجی سے انھوں نے عارف باللہ سیدی ابراہیم سے واسطے پڑھنے چار سورتیں قرآن کے ہمیشہ شب و روز میں اور وہ یہ ہیں۔ **اقراء باسم ربک الذی خلق. انا انزلنا فی لیلة القدر، اذا زلزلت الارض زلزالها و لایلاف قریش۔**

بارہویں فصل (۱)

اور طریقہ شطاریہ کی اس ملک میں بھی ایک جہت ہے شیخ محمد غوث گوالیری سے اور فی الحقیقت شیخ محمد غوث گوالیری سے پہلے کچھ اس طریقہ کی شہرت نہ تھی اور ہندوستان میں جو پہلے ہوا عبداللہ شطاری سے ہوا اور جس نے پہلے یہ طریقہ جاری کیا وہ شیخ خداقلی ماوراء النہری ہیں غرض اس فقیر نے خرقہ شیخ ابوطاہر کردی کے ہاتھ سے پہنا اور انھوں نے اس کے عمل کی اجازت دی جو جواہر خمسہ میں ہیں اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے انھوں نے شیخ احمد قشاشی سے انھوں نے شیخ احمد شناوی سے صبغۃ اللہ سے انھوں نے شیخ وجیہ الدین گجراتی سے انھوں نے شیخ محمد غوث گوالیری سے اور نیز پہنا یہ خرقہ شیخ ابوطاہر سے شیخ احمد نخلی سے انھوں نے سید میر کلاں سے انھوں نے شیخ عیسیٰ سندی برہانپوری سے انھوں نے شیخ لشکر محمد سے انھوں نے شیخ محمد غوث سے پھر شیخ محمد غوث گوالیری صاحب جواہر خمسہ اور رواج دینے والے طریقہ شطاریہ کے نے اخذ کیا طریقہ شیخ ظہور سے انھوں نے شیخ ہدیۃ اللہ سرمست سے انھوں نے شیخ محمد قاضی سے انھوں نے شیخ عبدالہ شطاری سے انھوں نے شیخ محمد عارف سے انھوں نے شیخ محمد عاشق سے انھوں نے شیخ خداقلی ماوراء النہری سے انھوں نے ابوالحسن خرقانی سے انھوں نے ابوالمظفر ترک طوسی سے انھوں نے شیخ ابویزید عشقی سے انھوں نے شیخ محمد مغربی سے انھوں نے تلقین پائی روحانیت سے شیخ ابویزید بسطامی کے انھوں نے تلقین پائی روحانیت سے سیدنا امام جعفر صادق کے بموجب سند سابق کے اور نیز یہ فقیر حج کے سفر میں جب لاہور پہنچا اور دست بوسی شیخ محمد سعید لاہوری کی حاصل کی۔

---

(۱) طریقہ شطاریہ

انھوں نے دعائے سیفی کی اجازت بلکہ اجازت جمیع اعمال جواہر خمسہ کے بیان کی اور یہ اس زمانہ میں بہت بڑے مشائخ طریقہ احسدیہ وشطاریہ کے تھے اور جب کسی کو اجازت دیتے تھے اس کو دعوت کی رجعت نہ ہوتی تھی رحمۃ اللہ تعالی۔

سند کہا ہے شیخ معمر ثقہ حاجی محمد سعید لاہوری نے کہ میں نے اخذ کیا طریقہ شطاریہ اور اعمال جواہر خمسہ سیفی وغیرہ شیخ محمد اشرف لاہوری سے انھوں شیخ عبدالملک سے انھوں نے شیخ بایزید ثانی سے انھوں نے شیخ وجیہ الدین گجراتی سے انھوں نے شیخ محمد غوث گوالیری سے اور نیز اس فقیر کو اجازت شطاریہ کی حاصل ہوئی حضرت والد بزرگوار قدس سرہ سے ان کو شیخ لال میرٹھی سے ان کو شاہ پیر میرٹھی سے ان کی سند اس وقت مجھے یاد نہیں، میں نے کتاب عزیز میں پائی معلوم ہوتی ہے سید ابراہیم ایرجی سے ان کو شیخ بہاء الدین شطاری سے کہ انھوں نے کہا ہے کہ جان لینا چاہئے کہ ذکر مشرب شطاریہ کا اسم ذات سے زبان سے یا دل میں کہے اور ملاحظ اسماء صفات کا کرے یعنی سمیع، بصیر، علیم، خیال میں لائے اور برزخ یعنی صورت واسطے کی پیش نظر رکھے اور مد کھینچے اور شد کرے اور زیر ناف سے شروع کرے اور معنی ملاحظہ کرے یعنی سننے والا اور دیکھنے والا اور جاننے والا دل میں قرار دے اور ایک دم میں ایک دفعہ کہے دم کے اوّل سے دم کے آخر تک میں اور یہ جب ہے کہ محاربہ کبیر نہ ہو اور محاربہ کبیر ہو تو دو سو دفعہ اور زیادہ کہے تو اور اچھا ہے جب صفات قرار پا جائیں تو اور صفات تلقین کرے کہ ان صفات کو نبات کہتے ہیں یعنی سمیع، بصیر، علیم، شنوا، بینا، دانا، دائم، قائم، حاضر، شاہد ہے۔ جب ایک مدت اس شغل میں مستقیم ہو جائے تو فرماتے ہیں یعنی قادر، واحد، حی، قیوم، ظاہر، باطن، رؤف، نور، ہادی، بدیع، باقی، عروج، نزول۔

ہر ذکر و اسم میں شرط ہے جب ایک مدت اس میں مستقیم ہو جائے تو ملفوظات تلقین فرمائیں یعنی العلی الاعلی العظیم الاعظم الکبیر الاکبر القریب الاقرب اللطیف الالطف الکریم الاکرم النور الانور العلیم الاعلم اس کے بعد محاربہ کبیر کا شغل کرائیں کہ دم روک کر خوب شدت سے ساتھ تصور ملاحظہ کے اتنا ذکر کہے کہ بدن سے پسینہ مینہ کی طرح برسنے لگے اور ذکر کرنے والا بیہوش ہو جائے اور فائدہ یہ ہے کہ جس قدر بھوکے رہنے سے اور بہت جاگنے سے حاصل ہوتا ہے وہ سب اس سے حاصل ہو جاتا ہے اور اس قدر کافی ہے باقی مرشد سے معلوم ہو جائے گا۔

جاننا چاہئے کہ مراقبہ تین طور پر ہیں ایک تو یہ کہ اس طرح بیٹھے جیسے نماز میں بیٹھتے ہیں اور اس علم کو لازم کرے یعنی یقین سے یوں جانے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا اور سنتا اور جانتا ہے اور جب اس عالم سے ایک لحہ بھی غافل ہو تو مراقبہ نہیں اور اس مراقبہ میں ربط شیخ لازم ہے اور نماز و تلاوت اور تمام احوال کو لازم جانے اور جب اس میں استقامت ہو جائے۔ دوسرا مراقبہ جسے مشاہدہ بھی کہتے ہیں شروع کرے۔ اور اس میں بھی اسی شکل سے بیٹھے اور منہ دل کے وسط کی طرف جھکائے اور آنکھیں بند کرے اور چشم باطن سے دل کو دیکھیں اور تصور کرے کہ خدا عز وجل کو دیکھتا ہے اور جب یہ شغل کمال کو پہنچ جائے حجاب تشبیہ کا اٹھ جائے گا تو تحقیق جائے گا کہ خدائے تعالیٰ کو دیکھتا ہے پھر اس سے ترقی کرے تیسرے مراقبہ میں کہ اسے معائنہ بھی کہتے ہیں اس میں مشغول اور وہ یہ ہے کہ اسی طور سے بیٹھے مگر نظر آسمان کی طرف کرے اور آنکھیں اونچی کرے اسی طرح جیسے مرنے کے وقت یہ خیال کرے کہ میری روح قالب سے نکل گئی اور آسمانوں سے گزر گئی اور حق تعالیٰ کے معائنہ میں مشغول ہوئی اگر کسی کو اس پر استقامت حاصل ہوگی تو ایک ڈورا سبز ظاہر ہوگا اس کا ایک سرا ساتویں آسمان پر ہوگا اور دوسرا سرا اس کے دل میں۔ اور اعلیٰ مرتبہ اور مشغول جو مشائخ کہتے ہیں یہی ہے اور اس میں واسطہ درست نہیں۔

تسبیح کی سند

وہ مجھ کو دی سید عمر شیخ عبداللہ بصری مکی کے نواسے نے کہا کہ مجھ کو دی میرے نانا شیخ عبداللہ نے ان کو دی ان کے شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی نے اور کہا مجھ کو دی ابوعثمان جزائری نے ان کو ملی ابوعثمان مقری سے ان کو سید احمد حجی سے ان کو سید ابراہیم تازی سے ان کو ابوالفتح مراغی سے ان کو ابوالعباس احمد بن ابوبکر رواد سے ان کو مجد الدین محمد بن یعقوب بن محمد فیروز آبادی لغوی سے ان کو جمال الدین یوسف بن محمد دمیری سے ان کو تقی الدین بن ابوشا محمود بن یعلی سے ان کو مجد والدین عبدالصمد بن ابوالجیش مقری سے ان کو اپنے والد سے ان کو ابوالفضل محمد بن ناصر سے ان کو ابومحمد عبداللہ سمرقندی سے ان کو ابوبکر محمد بن علی سلامی حداد سے ان کو ابونصر عبدالوہاب بن عبداللہ بن عمر سے ان کو ابوالحسن علی بن حسین بن قاسم صوفی سے انھوں نے کہا میں نے سنا ہے حسن مالکی سے اور

تحقیق میں نے دیکھا ان کو تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں کہا انھوں نے یونہی دیکھا تھا اپنے حضرت جنید کو اور ان سے کہا تھا حضرت ابھی تک آپ تسبیح ہاتھ میں رکھتے ہیں انھوں نے کہا میں نے ایسا ہی دیکھا تھا اپنے مرشد سری بن مفلس سقطی کو اور ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی تو میں نے کہا حضرت ابھی تک آپ تسبیح رکھتے ہیں انھوں نے کہا میں نے ایسا ہی دیکھا تھا اپنے مرشد معروف کرخی کو اور ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور میں نے یونہی پوچھا تھا جس طرح تم نے مجھ سے پوچھا تو انھوں نے کہا میں نے یونہی دیکھا تھا اپنے مرشد بشر حافی کو ان سے یونہی دریافت کیا جیسے تم نے مجھ سے انھوں نے کہا میں نے دیکھا اپنے حضرت عمر مکی کو ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی میں نے سوال کیا اسی طرح جس طرح تم نے مجھ سے۔

انھوں نے کہا میں نے دیکھا اپنے استاد حسن بصری کو ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی میں نے کہا اے حضرت آپ باوجود ایسی عظمت شان اور ایسی نیک عبادت کی اور ابھی آپ کے ہاتھ میں تسبیح ہے انھوں نے کہا کہ یہی ایک ایسی شئے ہے کہ ہم ابتدا میں اس کا استعمال کرتے تھے تو ہم نے نہایت میں بھی نہ ترک کیا میں دوست رکھتا ہوں اس امر کو کہ ذکر اللہ دل سے کروں اور ہاتھ سے اور زبان سے شیخ ابوالعباس روداد فرماتے ہیں کہ حسن بصری کے قول سے روشن ہوا کہ تسبیح صحابہ کے عہد میں موجود تھی، جو انھوں نے کہا یہ ایسی شئے ہے کہ ہم ابتدا میں کیا کرتے تھے اور ابتدا حسن بصری کی بیشک تھی اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیونکہ وہ یقینی پیدا ہوئی۔

جب دو برس خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئے تھے اور انھوں نے دیکھا حضرت عثمان وعلی وطلحہ رضی اللہ عنہم کو اور جب حاضر ہوئے یوم الدار کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قضیہ میں تو ان کی عمر چودہ برس کی تھی اور انھوں نے حدیث کی روایت کی ہے عثمان وعلی وعمران بن حصین ومعقل بن یسار وابوبکر وابوموسیٰ وابن عباس وابن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم سے اور بہت صحابہ سے اور ان کا حضرت علیؓ سے روایت کرنے میں اختلاف مشہور ہے۔ انتہیٰ۔

دلائل الخیرات کی سند

اور دلائل الخیرات کی ہم کو اجازت دی ہمارے شیخ ابوطاہر انھوں نے شیخ احمد نخلی سے انھوں

نے سید عبدالرحمٰن ادریسی مشہور محجوب سے انھوں نے اپنے والد احمد سے انھوں نے ان کے دادا محمد سے انھوں نے ان کے پیر دادا احمد سے انھوں نے اس کے مصنف سید شریف محمد بن سلیمان جزولی رحمتہ اللہ علیہ سے۔ قصیدہ بردہ کی سند ہم کو خبر دی قصیدہ بردہ کی ابو طاہر نے شیخ احمد نخلی سے انھوں نے محمد بن علا عالمی سے انھوں نے سالم سہوری سے انھوں نے نجم غیطی سے انھوں نے شیخ الاسلام زکریا سے انھوں نے ابو اسحاق صالحی سے انھوں نے صلاح محمد بن محمد بن حسن شاذلی سے انھوں نے علی بن جابر ہاشمی سے انھوں نے اس کے ناظم شرف الدین بن محمد بن سعید حماد بوصیری رحمتہ اللہ علیہ سے کاتب حروف کہتا ہے یہ ہی بیان سلاسل کا اس رسالہ میں میسرا ہوا اور علم حدیث وفقہ وغیرہما کی سند کا ذکر بعد ہوگا۔ فقط والحمد للہ اولاً وآخراً وظاہراً وباطناً وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اساتذہ ومشائخ حرمین کے مختصر حالات

تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے حرمین شریفین کو خیر البلاد بنایا اور ہر دور میں ان میں اپنے منتخب بندوں کو ٹھہرایا اور درود وسلام ہوں ہمارے آقا سید الکونین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل اور اصحاب پر۔

فقیر ولی اللہ کہتا ہے کہ یہ چند کلمات جنھیں انسان العین فی مشائخ الحرمین کے نام سے موسوم کیا گیا ہے حرمین شریفین کے بعض ان مشائخ صوفیا اور علمائے محدثین کے حالات پر مشتمل ہیں جن سے اس فقیر کو سلسلۂ خرقہ صوفیا اور اسناد حدیث پہنچی ہیں، جزاھم اللہ تعالٰی عنی خیر الجزاء.

شیخ احمد شناویؒ

آپ علی بن عبد القدوسؒ بن محمد عباس شناوی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کے آبا واجداد گرامی اولیائے کبار میں سے ہو گزرے ہیں۔ شیخ عبد الوہاب شعراوی نے ان کے کچھ حالات لکھے ہیں۔ آپ علوم شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ علم حدیث شمس رملی اپنے والد بزرگوار سید غضنفر اور شیخ محمد بن ابی الحسن بکری سے حاصل کیا اور اپنے والد بزرگوار سے خلافت پائی۔ ان کی صحبت کے بعد سید صبغۃ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے ہاتھوں بھی خرقۂ خلافت پہنا۔ آپ ان کی صحبت سے درجات عالیہ پر پہنچ کر ان کے خلیفہ بنے کہا جاتا ہے کہ تربیت سالکین کے سلسلے میں انھوں نے کہا لو کان الشعراوی حیا ما وسعه الا اتباعی (یعنی اگر شعراوی زندہ ہوتے تو وہ بھی میرے اتباع کرتے) آپ کا قول ہے کہ عهدنا بحفظ وان لم یحفظ. کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ کہتا ہے کہ متاخرین اہل حرمین کی اصطلاح میں قبول بیعت سے مراد اخذ عہد ہے، یعنی جب بھی مشائخ صوفیا کسی کی بیعت قبول کرتے ہیں تو اس سلسلے کے تمام مشائخ چاہے

زندہ ہوں یا گزشتہ کی برکات اس کے شامل حال ہو جاتی ہیں۔

آپ کا قول ہے کہ **لایدخل النار من رانی ورای من رانی الی یوم القیامۃ** (وہ شخص دوزخ میں داخل نہیں ہوگا جس نے مجھے دیکھا یا جس نے مجھے دیکھنے والے کو دیکھا یہ سلسلہ قیامت کے دن تک رہے گا)

کہتے ہیں کہ ایک روز آپ اپنے حجرے میں لیٹے ہوئے تھے کہ ایک گرگٹ کو دیوار پر جاتے ہوئے دیکھا حکم شرعی کے تحت آپ نے اسے مارنا چاہا مگر شہود وحدت نے آپ کے اس ارادے کو متزلزل کر دیا، ایک بار پھر اس کو مارنے کا ارادہ کیا مگر شہود وحدت مانع رہا۔ غرض ان دو اندیشوں کے درمیان الجھے ہوئے تھے کہ آخر کار حکم شرعی کی تعمیل کا پختہ ارادہ کرتے ہوئے ایک پتھر اسے دے مارا، نشانہ چوک گیا اور گرگٹ بھاگ گیا آپ بہت خوش ہوئے اور کہا شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمارے لئے دونوں باتیں جمع کر دیں، شیخ احمد قشاشیؒ نے اس حکایت کے بعد کہا کہ اگر وہاں میں ہوتا تو ہرگز تامل نہ کرتا اور فوراً اس گرگٹ کا سر کچل دیتا۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ قشاشی کی مراد یہ تھی کہ وحدت فی الحقیقت کثرت میں اس طرح جلوہ گر ہے کہ کثرت اور اس کے احکام کے ساتھ ان کا کوئی تضاد نہیں اگرچہ پانی اور آگ دونوں وجود کے لحاظ سے ایک ہیں لیکن چونکہ ان میں سے ہر ایک فیض خاص کا مظہر اور استعداد مخصوص کا منبع ہے، لہٰذا پانی آگ سے اڑ جاتا ہے اور آگ پانی سے بجھ جاتی ہے، اور حکم شرع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کثرت کے احکام میں نظم و ترتیب قائم رہے اور شہود کامل یہ ہے کہ وحدت، کثرت سے مزاحم نہ ہو اور کثرت وحدت کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے۔

چوں کہ بیرنگی اسیر رنگ شد
موسوی با عیسوی در جنگ شد

(چونکہ بے رنگی نے رنگ کا روپ اختیار کر لیا اس لئے موسوی عیسوی کے خلاف میدان جنگ میں کود پڑا)

آپ ۱۰۲۸ھ میں وصال فرما کر جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

شیخ احمد قشاشیؒ

آپ محمد بن یونس القشاشی المعروف عبدالنبی بن شیخ احمد الدجانی کے فرزند ارجمند ہیں۔ ''دجانہ'' (بہ تخفیف جیم) بیت المقدس کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے۔ آپ اسی قصبے کے نہایت بزرگ باشندے تھے۔ شیخ عبدالوہاب نے طبقات میں ان کے حالات زندگی لکھے ہیں۔ شیخ یونس کو عبدالنبی کے نام سے اس لئے پکارا جاتا تھا کہ وہ لوگوں کو اجرت دے کر مسجد میں بٹھاتے تاکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وصلوٰۃ پڑھیں۔ آپ کو قشاشی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو چھپانے کی غرض سے مدینہ منورہ میں قشاشہ فروشی کی دکان کرتے تھے اور قشاشہ پرانے سامان کو کہتے ہیں مثلاً دواتیں، پرانے جوتے اور اسی طرح کی دوسری اشیاء، آپ کے والد بزرگوار محمد مدنیؒ بھی عالم اور مرد صالح تھے۔ شیخ احمد قشاشی علم حقیقت وشریعت کے امام تھے۔ حقائق معرفت کے بارے میں آپ کی گفتگو آیات واحادیث سے مدلل ہوتی تھی، کئی مشائخ کی صحبت میں رہے اور خرقۂ خلافت اپنے والد سے حاصل کیا، مگر انہیں گوہر مقصود شیخ احمد شناویؒ سے حاصل ہوا۔ اسی لئے انھوں نے خود کو ان کی طرف منسوب کیا، کہا جاتا ہے کہ شیخ احمد قشاشیؒ نے مشائخ صوفیا کی تلاش میں سفر اختیار کیا، جب واپسی پر جدہ پہنچے تو حالت کشف میں ان پر یہ ظاہر ہوا کہ شیخ احمد شناوی سامنے کھڑے ہیں اور ان کی شرمگاہ سے مادہ منویہ خارج ہو رہا ہے جس کی وجہ سے ان کے پاؤں اور کپڑے آلودہ ہیں۔ جب بیدار ہوئے تو ان کے ذہن میں اس واقعے کی یہ تعبیر آئی کہ شیخ شناوی مرتبۂ تکمیل کو پہنچ گئے ہیں لیکن ان سے اکتساب فیض کرنے والا ابھی تک کوئی نہیں، اس کے فوراً بعد وہ حضرت شناویؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے جب انھیں دیکھا تو فرمایا ہم اس شخص کو مرحبا کہتے ہیں جو ہم سے ہمارے علوم کا فیض پانے کے لئے آیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک رات شیخ احمد قشاشیؒ نے خواب میں دیکھا کہ شیخ محی الدین بن عربی (۱) نے انھیں خرقۂ خلافت پہنا کر اپنی ہمشیرہ ان کے نکاح میں دے دی ہے۔ اس کی تعبیر انھوں نے یہ

---

(۱) شیخ ابوبکر محی الدین بن علی المعروف ابن عربیؒ وشیخ اکبرؒ ۱۷ر رمضان ۵۶۰ھ مطابق ۱۱ر جولائی ۱۱۶۵ء میں مرسیہ میں پیدا ہوئے جو اندلس کے جنوب مشرق میں واقع ہے آپ کا تعلق مشہور عرب قبیلے ''بنو طے'' سے تھا۔ آپ ۵۶۸ھ میں اشبیلیہ آئے جو اس وقت علم وادب کا مرکز تھا۔ آپ نے تقریباً تیس برس کا طویل عرصہ تعلیم وتعلم اور اسلامی فلسفے کے مطالعے میں گزارا۔ ۳۸ برس کی عمر میں بلاد مشرق کی طرف روانہ ہو گئے اور مصر و مشرق قریب اور ایشیائے کوچک کی سیاحت میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران آپ بیت المقدس، (باقی اگلے صفحہ پر)

سمجھی کہ ان کی وحدت الوجود کی معرفت تکمیل کو پہنچ گئی ہے، کیونکہ شیخ ابن عربیؒ کی ہمشیرہ کے ان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بغداد اور حلب گئے بالآخر دمشق میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ شیخ ابن عربیؒ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اپنے نظریۂ وحدت الوجود کے فلسفہ کی عقلی و شرعی تشریحات کی بنا پر پوری دنیا پر بالعموم اور عالم اسلام پر بالخصوص ہمہ گیر اثرات ڈالے ہیں۔ حقیقت کائنات ذات واجب الوجود، مابہ الموجودیت امر و خلق، انسان اور خدا ایسے بنیادی اور دقیق مسائل پر جس جامعیت سے انھوں نے قلم اٹھایا ہے اس میں وہ اپنے انداز فکر، قوت استدلال اور حقیقت پسندی کے اعتبار سے ہر مذہب و ملت کے مفکرین سے بازی لے گئے ہیں۔ اسلامی تاریخ کے مطابق ہر دور کے مسلمان فلاسفہ، مفکرین اور تمام سلاسل کے صوفیا نے نہ صرف یہ کہ ان کے نظریات کو تسلیم کیا بلکہ خراج عقیدت کے طور پر انہیں شیخ اکبر کے نام سے موسوم کیا ہے، مشائخ صوفیا کے تمام سلاسل میں سے صرف دو بزرگوں شیخ علاء الدین سمنانی اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے وحدۃ الوجود پر ان سے اختلاف کیا جسے زیادہ اہمیت حاصل نہ ہو سکی یہاں تک کہ بعض روایات کے مطابق حضرت مجددؒ خود بھی آخر عمر میں وحدۃ الوجود کی طرف لوٹ آئے تھے۔ اگر یہ روایت صحیح نہ بھی ہو تو بھی تمام سلاسل بشمول سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ کا وحدۃ الوجود پر اجماع ہے ایسی صورت میں ایک دو بزرگوں کا اختلاف کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں پھر حضرت مجدد کا نظریۂ وحدت الشہود اس وقت کے بعض سیاسی حالات کا تقاضا بھی تھا کیونکہ اس وقت مسلمانوں کو ایک علیحدہ ملت کا تشخص دینے کی اشد ضرورت تھی لیکن بعد میں برصغیر کے متشدد المسلک حضرات نے اس کی زیادہ ترویج کی، حضرت شاہ ولی اللہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں تطبیق کی کوشش کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ سارا لفظی نزاع ہے۔ عجیب لطیفے کی بات یہ ہے کہ ہمارے جدید دانشور اور مبصر گزشتہ پچاس سالہ پروپیگنڈے کی بنا پر بغیر سوچے سمجھے چھوٹتے ہی نظریۂ وحدت الوجود پر برس پڑتے ہیں اور قطعاً نہیں سمجھتے کہ سلوک و کشف سے قطع نظر خالص عقلی طور پر بھی وحدۃ الوجود کے مانے بغیر آخر توحید کا اثبات کیسے ہو سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی ہستی (ہستی اعلیٰ) اور اس کا اقرار وہ ابدی سچائی ہے جو کم و بیش ہر مذہب میں کسی نہ کسی طرح مسلم رہی ہے محض اس بات سے دھوکہ کھانا کہ وحدۃ الوجود کے بعض تصورات ویدانت یا دیگر عجمی افکار سے ملتے ہیں کس قدر لغو اور کمزور دلیل ہے اس سلسلے میں مولانا شبلی نعمانی کی رائے بہت وقیع ہے کہ ''اگرچہ بظاہر وحدت الوجود پر بہت اعتراضات کیے گئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسے مانے بغیر چارہ نہیں''۔ مولانا جامیؒ نے آپ کی تصانیف پانسو سے بھی زیادہ بتائی ہیں۔ آپ نے ۶۳۲ ھ میں خود اپنی کتابوں کی جو فہرست مرتب کی اس میں ۲۵۱ کتابوں کے نام درج ہیں آپ کی تصانیف تفسیر، حدیث، سیرت، ادب، متصوفانہ شاعری، علوم طبیعی، ہیئت اور علوم مخفیہ پر مشتمل ہیں آپ کی مشہور زمانہ تصنیف ''**المفتوحات المکیہ فی معرفۃ الاسرار المالکیہ والملکیہ**'' سب سے ضخیم اور غالباً آخری تصنیف ہے جو ۶۲۹ ھ میں مکہ مکرمہ میں مکمل ہوئی۔ ''فصوص الحکم'' دمشق میں ۶۲۷ ھ میں لکھی گئی۔ ''تنزلات'' بھی اسی دور کی یادگار ہے۔ شیخ اکبر نے ۶۳۸ ھ۔ ۱۲۴۷ء میں انتقال فرمایا۔ آپ کا مزار مبارک جبل قاسیون میں زیارت گاہ خلائق ہے اور زبان حال سے یہ پکار رہا ہے۔ ؏

زیارت گاہ اہل عزم و ہمت ہے لحد میری
کہ خاک راہ کو میں نے بتایا راز الوندی

کے نکاح میں آنے کی تعبیر یہی ہو سکتی ہے۔ سید محمد بن علویؒ نے انھیں لکھا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے، انھوں نے مجھے فرمایا کہ احمد قشاشی سے میرا اسلام کہو اور اسے میری شفاعت کی بشارت دو اور اس سے اگلے روز دوبارہ سید محمد بن علویؒ نے کہا میں نے دوسری دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو انہیں یہ فرماتے سنا احمد قشاشیؒ سے میرا اسلام کہو اور اسے یہ مژدہ سناؤ کہ وہ جنت الفردوس میں میرا جلیس ہو گا۔

کہتے ہیں جب کبھی گفتگو کے دوران مقامات کا ذکر آتا تو شیخ احمدؒ فرماتے ہمارے لئے کوئی مقام نہیں اس لئے کہ ہم اہل یثرب میں سے ہیں اور خدا تعالی نے فرمایا ہے **یا اهل یثرب لا مقام لکم**، گویا اس سے مقام بے نشان کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور یہ کہ وہ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر کار بند تھے۔

شیخ احمد قشاشیؒ کے عجائب روزگار کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ انھوں نے مکمل قرآن مجید خواب کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ شیخ ابراہیمؒ سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ قشاشی نے اپنی مجلس میں یہ حدیث بیان کہ **ما علیٰ احدکم ان یکون فی بیته محمد و محمد ان ثلثة** اسی وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ خدا مجھے تین فرزند عطا کرے گا جس میں ہر ایک کا نام محمد ہو گا۔ اس کے بعد میں اس فکر میں پڑ گیا کہ ایک کو دوسرے سے کیسے متمیز کر سکوں گا۔ شیخ قشاشیؒ میرے خدشے پر مطلع ہو گئے اور فرمایا ان میں سے ایک ابوسعید، دوسرا ابوالحسن، اور تیسرا ابوطاہر کنیت اختیار کرے گا۔ ایک مدت بعد ویسے ہی ہوا جیسا انھوں نے فرمایا تھا۔

شیخ ابراہیمؒ ہی سے منقول ہے کہ ایک روز شیخ قشاشیؒ نے میرے دل کی ایک بات کہہ ڈالی، مجھے خیال آیا کہ کاش یہ بات آج سے پہلے واقع ہوتی تو شیخ نے میری طرف کوئی توجہ نہ دی اور فرمایا کہ اگر اللہ چاہتا تو میں تمہیں یہ بات بتاتا اور نہ سمجھا سکتا۔ شیخ قشاشیؒ کی اس طرح کی کرامات اور تصرفات بے شمار روایت کی گئی ہیں۔

الغرض شیخ قشاشیؒ کی زندگی فقہا کے طرز پر تھی اور نہ ہی خشک مزاج زاہدوں کے انداز پر بلکہ عین سنت کے مطابق، تکلف سے خالی اور اعتدال سے عبارت تھی۔ آپ امراء کے ہاں کبھی نہیں جاتے تھے۔ اگر وہ خود ان کی زیارت کو آتے تو خوش خلقی اور بشاشت سے ان کے ساتھ ملاقات

کرتے اور ہر ایک سے اس کی قدر و منزلت کے موافق سلوک فرماتے۔ قوم کے سردار کی بہت زیادہ عزت فرماتے۔ آپ بڑی نرمی کے ساتھ نیکی کی تلقین فرماتے اور زیارت کرنے والوں کو نصیحت کے بغیر نہ جانے دیتے۔

شیخ عیسیٰ مغربیؒ نے آپ کے بارے میں کہا کہ میں جب بھی شیخ قشاشیؒ کی محفل سے اٹھا تو دنیا میری نظروں میں حقیر ترین اور میرا نفس انتہائی ذلیل ہوتا تھا۔ خواہ میں کتنی بار بھی ان کے پاس حاضر ہوتا میرا یہ تاثر اپنی جگہ قائم رہتا۔ آپ نے ۱۹؍ ذی الحجہ ۱۰۷۱ھ میں انتقال فرمایا رحمۃ اللہ علیہ

سید عبدالرحمٰن ادریسی المحجوبؒ

آپ مغرب کے شہر کناسہ میں پیدا ہوئے۔ مغرب، مصر، روم اور شام کی سیاحت کے بعد حرمین شریفین تشریف لے آئے اور کئی برس یہاں کی مجاورت کی۔ اس کے بعد زیارت اولیاء کی خاطر یمن تشریف لے گئے کیونکہ انھوں نے یہ مشہور مقولہ سن رکھا تھا کہ یمن میں اولیاء ایسے پیدا ہوتے ہیں جیسے زمین سے گھاس، یہاں کے اولیاء کی مجالس میں ان کو عجیب و غریب قسم کے واقعات اور دلچسپ و رنگین صحبتیں میسر آئیں، پھر جب مکہ واپس آگئے اور یہاں مستقل اقامت اختیار کر لی تو اہل مکہ نے ان سے استفادہ کیا اور کئی لوگوں نے خرقۂ صوفیا بھی حاصل کیا۔ آپ سے بے شمار کرامات روایت کی جاتی ہیں۔

شیخ زین العابدین شافعیؒ مفتی مدینہ سے میں نے سنا انھوں نے اپنے والد جو کہ سید محمدؒ کے خادم تھے اور یہ سید محمدؒ سید عبدالرحمٰنؒ کے معتقد تھے سے نقل کیا کہ شریف مکہ کو کوئی ضرورت پیش آئی سید عبدالرحمٰن مجوبؒ کی طرف دعا کے لئے رجوع کیا، سید عبدالرحمٰنؒ ایک لمحے تک سر بگریباں رہے، کچھ سوچا اور اس کے بعد فرمایا کہ مکہ کے فلاں محلے میں ایک اس قسم کا گھر ہے بیت المال کے افسر کو چاہیے کہ جس قدر شریف مکہ کو ضرورت ہے اسی قدر اس میں سے مال لے لے اور باقی احتیاط سے وہیں پر چھوڑ دے۔ لوگ اسی وقت وہاں پہنچے اور اس گھر کو ویسے ہی پایا جیسے سید صاحب نے فرمایا تھا۔ وہاں سے انھوں نے بیس ہزار اشرفیاں اٹھا لیں اور صندوقوں کو مقفل کر دیا۔ یہ رقم سید صاحب کے پاس لے آئے آپ نے شریف مکہ کے حوالے کر دی تا کہ وہ اس سے اپنی ضرورت پوری کر لے۔ دوسری بار شریف مکہ نے چاہا کہ باقی دولت بھی اپنے تصرف میں لے آئے مگر گھر کا

پتہ ملا نہ مال۔ لوگ حیران رہ گئے اور سید عبد الرحمٰنؒ سے اس معاملے کا راز پوچھا، آپ نے فرمایا کہ ایران کا ایک شخص اپنے ملک میں فوت ہو گیا، اس کا کوئی وارث نہ تھا، میں نے تصرف کر کے اس کے گھر کو مکہ میں لا کھڑا کیا، وہاں سے جو کچھ تم نے لیتا تھا، لے لیا، اور جب ضرورت پوری ہو گئی تو مکان اپنی سابقہ جگہ پر پہنچ گیا۔ کہتے ہیں کہ سید عبد الرحمٰنؒ ایک دفعہ سید احمد بن علوان کے مزار مبارک کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ سید احمد نے اپنے خادم کو خواب میں سید عبد الرحمٰن کے آنے کی خبر دی اور فرمایا کل ان کا استقبال و تعظیم بجالانا، خادم استقبال کی غرض سے شہر سے باہر نکلا بہت تلاش کیا مگر سید صاحب کا کہیں پتہ نہ چلا، ناامید ہو کر واپس لوٹ آیا تو دیکھا کہ سید صاحب مزار کے قبہ میں تشریف فرما ہیں حالانکہ دروازہ بند تھا اور اس کی چابی خادم کے پاس تھی۔

شیخ ابو طاہر کا بیان ہے کہ ایک بار شیخ ابراہیم کو قبض (بندش لطائف) لاحق ہو گئی۔ مسلسل چھ ماہ روتے رہے، کسی کی سمجھ میں اس کا سبب نہیں آتا تھا۔ جب حج کے ایام آئے اور ان کے بعض شاگرد شام سے قافلہ حج میں آئے تو انھوں نے شیخ ابراہیمؒ کے لئے شیخ قشاشیؒ سے حج پر جانے کی اجازت چاہی۔ شیخ قشاشیؒ نے اجازت دے دی جب شیخ ابراہیم کے بھائی عبد الرحمٰنؒ نے ان کی نشست گاہ سے کتابیں اٹھانا چاہیں تو ان کے نیچے کاغذ کا ایک ٹکڑا پایا جس پر شیخ قشاشیؒ کے قلم سے لکھا ہوا تھا اے ابراہیم! ہم نے تمہارا آدھا حصہ غرق کر دیا ہے۔ اگر تم نے رجوع نہ کیا تو ہم تمہیں سارے کا سارا ڈبو دیں گے۔ اس وقت انھیں پتہ چلا کہ ان کے رونے کا سبب کیا تھا۔ جب حضرت شیخ ابراہیم مکہ پہنچے اور سید عبد الرحمٰن محجوب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سید صاحب شیخ ابراہیم پر گلاب کا پانی چھڑکنے لگے۔ چونکہ شیخ ابراہیمؒ احرام کی حالت میں تھے اور ان کے لئے خوشبو کا استعمال ممنوع تھا اس لئے گلاب کا پانی چھڑکنے کے ساتھ ہی شیخ ابراہیم کی حالت قبض رفع ہو گئی۔ گویا یہ شیخ قشاشی اور شیخ ابراہیم کے درمیان مصالحت تھی جسے سید ابراہیم نے انجام دیا سید عبد الرحمٰن جہاں باطنی کمالات سے متصف تھے وہاں کمالات ظاہری میں بھی بلند مقام پر فائز تھے جود و کرم میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے دستر خوان پر صبح و شام بہت سے لوگ جمع ہوتے اور وہ ان تمام کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آتے، آس پاس کے اسلامی شہروں سے ان کی خدمت میں نذر و نیاز پیش ہوتیں جسے آپ فقرا میں تقسیم فرما دیتے، تقریباً دو سو غلاموں کو آزاد کیا۔ جو بھی ایک

دفعہ آپ کی محفل میں بیٹھ جاتا آپ کی شیریں کلامی اور خوش خلقی کی بنا پر اٹھنے کا نام نہ لیتا۔ اس قدر زیرک و دانشمند تھے کہ جس سے بھی ایک بار ملاقات کر لیتے چاہے ایام حج میں بھی کیوں نہ ہو، اسے دوبارہ فوراً پہچان لیتے۔ جو بھی ان کی زیارت کو آتا، استعداد کے مطابق اسے درود، تلاوت، استغفار اور اوراد، ایسے نیک امور کی تلقین فرماتے، اور اسی طرح جس سے استعداد دیکھتے اسے صوفیا کے کلام اور ان کے معتقدات بالخصوص شیخ اکبر ابن عربی قدس سرہ کے مطالعہ کی ترغیب دلاتے۔ میں نے ان کے لقب محجوب اختیار کرنے کی وجہ ہر چند اہل مکہ سے معلوم کرنے کی کوشش کی مگر پتہ نہ چل سکا قرین قیاس یہ ہے کہ آپ سماع کے دوران چہرے کو ڈھانپ لیا کرتے تھے۔ جب گرمی شوق کے آثار ظاہر ہونے لگتے تو چہرے سے نقاب ہٹا دیتے۔ اس وقت عجیب انوار و تجلیات کا ظہور ہوتا جس کا اثر اہل مجلس پر بھی پڑتا تھا، شیخ احمد نخلیؒ نے بھی اسی توجیہ کی طرف اشارہ کیا ہے، واللہ اعلم۔

شمس الدین محمد بن العلا بابلیؒ

آپ حافظ حدیث اور اپنے زمانے میں مصر اور حرمین کے استاذ تھے۔ نیز پسندیدہ اخلاق مثلاً تواضع، ذکاوت اور اخلاق و محبت سے متصف تھے۔ کہتے ہیں کہ انہیں ابتدائے حال میں شب قدر کی نعمت حاصل ہوئی اور اس مبارک رات کے بعض عجیب و غریب آثار مشاہدہ کئے۔ اسی وقت آپ نے دعا کی کہ بارخدایا! مجھے حافظ ابن حجر عسقلانی (۱) کی طرح بنا دے۔ چنانچہ آپ کی یہ دعا مستجاب ہوگئی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص جب کسی کتاب کی تالیف کرے تو مندرجہ ذیل سات شرائط کو پیش نظر رکھے، پہلی یہ کہ ایسی چیز تالیف کرے جس کی طرف اس سے پہلے کسی کا ذہن نہ ہو گیا ہو، دوسری یہ کہ کوئی چیز نامکمل ہو جس کی تکمیل مقصود ہو، تیسری کوئی چیز متعلق ہو اور اس کی شرح پیش نظر ہو، چوتھی یہ کہ کوئی چیز طویل ہو اسے مختصر کرنا مقصود ہو مگر اس اختصار میں حل معانی

---

(۱) احمد نام، ابوالفضل کنیت، اور ابن حجر کے عرف سے مشہور ہوئے۔ آپ کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ بنو کنانہ سے تھا۔ نو برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اپنے دور کے مشہور شیوخ سے علوم حاصل کئے۔ اکثر اسلامی بلاد کا سفر کیا۔ علم حدیث میں آپ نے کمال حاصل کیا۔ آپ کی تصانیف ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ہیں۔ آپ کے حافظہ، ثقاہت، امانت، معرفت اور علوم و فنون میں مہارت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ آپ کی تصانیف میں سے شرح بخاری، **تهذیب التهذیب، لسان المیزان، تعلیق التعلیق**، نخبۃ الفکر مشہور و معروف کتابیں ہیں۔ آپ نے ۸۵۲ھ میں انتقال فرمایا۔ قاہرہ کے باہر نماز جنازہ ہوئی اور جامع دیلمی کے قریب مدفون ہوئے۔

اور تفسیر مطالب کو راہ نہ دے، پانچویں کسی بات میں خلط مبحث ہو جسے صحیح ترتیب میں لانا مقصود ہو چھٹی کوئی ایسی چیز جس میں پہلے مصنف نے غلطی کی ہو اور یہ اس کی تصحیح چاہتا ہو، ساتویں کوئی چیز منتشر ہو جسے جمع کیا جائے، اگر کسی کتاب کی تالیف میں مندرجہ بالا سات وجوہ میں سے کوئی ایک وجہ نہ پائی جائے تو ایسی تصنیف تضیع اوقات کے سوا کچھ نہیں۔

آپ نے صحیح بخاری، موطا اور دیگر تمام کتابیں سالم سنہوری اور دوسرے لوگوں سے روایت کیں۔ موطا، بخاری اور حدیث کی دوسری کتابوں میں آپ کے پاس مسلسل اسناد تھیں۔ آپ نے مسلسل اسناد ہی کے ذریعے ان کتابوں کا سماع کیا تھا۔ شیخ عیسیٰؒ مغربی نے آپ کی تمام اسانید کو ایک رسالہ میں ضبط کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین کی اسناد کا اصل یہی اسانید ہیں، جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مصداق ہے **نضر اللہ امراء سمع منی الحدیث** الخ آپ کی شان وعظمت اور جلالت وبزرگی کا عجیب انداز تھا، بادشاہ، امراء اور وزراء آپ سے توجہ ودعا کے طلبگار رہتے تھے۔ اور آپ کے کسی حکم سے سرمو انحراف نہیں کرتے تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت آپ کا دائمی معمول رہا۔ آپ نے ۱۰۷۷ھ میں انتقال فرمایا۔ بابل جس کی طرف وہ منسوب تھے مصر میں ایک گاؤں ہے۔

شیخ عیسیٰؒ جعفری مغربی

آپ کی پیدائش اور نشو ونما مغرب میں ہوئی۔ مروجہ علوم کے کچھ متون بھی آپ نے اسی علاقے میں پڑھے، پھر الجزائر میں آ گئے اور سجل ماسی کے پاس دس برس سے زیادہ عرصے تک رہ کر علوم میں تبحر حاصل کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے قسطنطنیہ، مصر اور حرمین کے علما سے بھی روایت کی۔ پھر آپ نے مکہ معظمہ کو مستقل وطن بنالیا۔ آپ نے "مقالید الاسانید" کے نام سے ایک معجم (۱) بھی تصنیف فرمائی، الغرض وہ ایک متقی عالم جمہور اہل حرمین کے استاذ اور حدیث وقرأت کے امام تھے۔ سید عمر نے ان کے بارے میں کیا خوب رائے پیش کی ہے کہ "جو چاہے کسی ایسے شخص کو دیکھے جس کی ولایت شک وشبہ سے بالاتر ہو تو وہ شیخ عیسیٰ کی زیارت کرے" اور سید محمد بن علویؒ نے ان

---

(۱) حدیث کی وہ کتاب جس میں احادیث کو بہ ترتیب شیوخ جمع کیا گیا ہو۔ اس کے موجد ابن قانع (۳۵۱ھ) ہیں۔ معاجم کو حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کرنے کا سہرا طبرانی (۳۶۰ھ کے سر ہے)

کے بارے میں کہا کہ ”وہ اپنے وقت کی ایک باکمال شخصیت تھی“۔ انہیں اعمال حسنہ، پابندی نماز باجماعت، کثرت طواف اور مداومت صیام وقیام جیسی خوبیاں ودیعت کی گئی تھیں۔ آپ تمام امور میں اعتدال پسند تھے۔ ننگ وناموس میں نہ مبالغہ سے کام لیتے تھے اور نہ تساہل سے، اگرچہ آپ کا تعلق کئی مشائخ کے ساتھ تھا تاہم سلسلۂ شاذلیہ سے باقاعدہ منسلک تھے اور ان پر تادم آخر اسی سلسلے کی نسبت کا غلبہ رہا۔ آپ نے مسلک امام ابوحنیفہؒ کے مطابق ایک مسند (۱) بھی تالیف فرمائی جس میں متصل عنعنہ کے ساتھ حدیث کی روایت کی ہے۔ اس سے لوگوں کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ آج کل سلسلہ حدیث (۲) متصل نہیں رہا۔ آپ ۱۰۸۰ھ میں رحلت فرمائے خلد بریں ہوئے

محمد بن محمد بن سلیمان مغربیؒ

آپ حافظ حدیث تھے اور علم وریاضت اور دین ودنیا دونوں کے فنون کے جامع تھے۔ آپ کو شیخ ابومدین مغربی سے خرقۂ مدینہ حاصل تھا۔ درحقیقت کتب حدیث کا طریق تصحیح اور نسخۂ نبویہ کا تعارف حرمین میں آپ ہی کے ذریعے ہوا۔ آپ تمام اہل حرمین کے استاذ اور متبحر وثقہ عالم تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ اسلامبول تشریف لے گئے وہاں ایک شخص نسخۂ نبویہ فروخت کررہا تھا۔ آپ علم کے اس قدر شائق اور قدرشناس تھے کہ وہ نسخہ تین ہزار رائج الوقت سکے کے عوض خرید لیا۔ اس نسخے سے آپ کو اس قدر محبت تھی کہ ایک بار مسجد حرام میں ایسا سیلاب آگیا کہ وہاں کے لوگوں کو غرق ہونے کا اندیشہ پیدا ہوگیا مگر محمد بن سلیمانؒ نے یہ نسخہ سر پر رکھا اور طواف میں مشغول ہوگئے تاکہ اسے کوئی گزند نہ پہنچے اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے اس نسخے کی زیارت کی ہے اور اس کا مطالعہ بھی کیا ہے، شیخ تاج الدین قلعیؒ کا بیان ہے کہ جس طرح شیخ محمد بن محمد بن سلیمانؒ علم روایت میں کمال رکھتے تھے اسی طرح وہ بہت سے عجیب وغریب علوم وفنون میں بھی ید طولی رکھتے تھے۔ آپ

---

(۱) اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کو بہ ترتیب صحابہ جمع کیا گیا ہو باعتبار حروف تہجی، بلحاظ سبقت الاسلام باعتبار شرافت نسبی، بعض لوگوں کے نزدیک سب سے پہلی مسند موسیٰ کاظمؒ (۱۸۳ھ) کی ہے اس کے بعد مسند ابوداؤد طیالسی ہے۔

(۲) متصل السند وہ حدیث ہے جس کی سند سے کوئی راوی کسی مقام سے ساقط نہ ہو بلکہ سند کے ہر راوی نے روایت بالاواسطہ غیر اپنے شیخ سے بذات خود سن کر روایت کی ہو۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان **زاده بسطة في العلم و الجسم** کے مصداق تھے۔ تدبیر معاش میں انہیں اس قدر کمال حاصل تھا کہ سارے مکہ معظمہ کا نظام کار آپ کے ہاتھ میں آ گیا، اس پر حاسدوں کو موقع مل گیا اور جو کچھ ہونا تھا ہوگا، واللہ اعلم۔ اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے شیخ مذکور کے صاحبزادے محمد وفد اللہؒ سے ان کے والد بزرگوار کی تمام مرویات کی اجازت لی ہے، کیونکہ انھوں نے اپنے والد سے ان تمام مرویات کی قرأت، سماعت اور اجازت حاصل کی تھی۔ اس کے علاوہ میں نے مکمل موطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ بھی شیخ وفد اللہ کے سامنے پڑھی اور انھوں نے موطا شیخ حسن عجمی اور دیگر مشائخ سے پڑھی تھی۔ والحمد للہ۔

شیخ ابراہیم کردیؒ

آپ عالم و عارف تھے اور فقہ شافعی، حدیث اور عربی ادب میں مہارت کاملہ رکھتے تھے ان تمام علوم میں آپ کی تصانیف موجود ہیں۔ آپ نے اپنے وطن میں علم کی تکمیل فرمائی، پھر حج کے ارادے سے نکلے اور تقریباً دو سال تک بغداد میں مقیم رہے، اس اثنا میں آپ اکثر سیدی شیخ عبدالقادر قدس سرہ کے مزار مبارک کو مرکز توجہ بنایا کرتے تھے اور یہیں سے ہی آپ کو اس راہ (معرفت) کا ذوق و شوق پیدا ہوا۔ اس کے بعد آپ نے شام میں چار سال قیام فرمایا پھر مصر سے ہوتے ہوئے حرمین شریفین تشریف لائے۔ اور شیخ احمد قشاشیؒ سے ملاقات کی اور دونوں کے درمیان عجیب قسم کے روابط و تعلقات پیدا ہو گئے۔ شیخ ابراہیم کردیؒ نے شیخ قشاشیؒ سے حدیث روایت کی، ان سے خرقہ پہنا اور ان کی صحبت کے فیض سے اعلیٰ کمالات پر فائز ہوئے۔ آپ فارسی، کردی، ترکی اور عربی سب زبانیں اچھی طرح جانتے تھے۔ آپ ذہن کی تیزی، تبحر علم، زہد، انکساری، صبر اور حلم و حوصلہ ایسے خصائل حمیدہ سے متصف تھے۔ کہتے ہیں کہ شام میں قیام کے دوران ایک دفعہ آپ نے شیخ محی الدین بن عربیؒ کے مزار مبارک کی طرف اس نیت سے توجہ کی کہ آگے سفر مفید ہے یا نہیں، چنانچہ آپ نے (کشف میں) دیکھا کہ شیخ اکبر ان کے پاپوش سے گرد و غبار جھاڑ رہے ہیں۔ آپ نے سمجھ لیا کہ ابھی اقامت کا حکم ہے، شیخ ابوطاہر کا بیان ہے کہ ایام حج میں مدینہ منورہ میں جب مصری لوگ آئے تو شیخ ابراہیمؒ اپنے احباب و معتقدین کے ہمراہ اہل مصر کی ایک جماعت سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ راستے میں وہ ایک ایسی جگہ سے

گزرے جہاں کچھ گانے بجانے والی لڑکیاں گانے بجانے اور لہو ولعب میں مشغول تھیں۔ آپ کے شاگردوں میں سے سید محمد برزنجی نے ڈنڈا اٹھا کر انہیں اس فعل قبیح سے روکنا چاہا۔ شیخ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا، کیونکہ اس طرح ہنگامہ ہو جانے کا خطرہ تھا، سید محمد برزنجی خشک مزاج واقع ہوئے تھے شیخ کے روکنے سے تنگ دل ہوئے، جب شیخ اور ان کے رفقا منزل مقصود پر پہنچے تو گانے والیوں میں سے ایک نے اپنے نغمے کا آغاز اس شعر سے کیا۔

ان شرقوا سادقی وان غربوا ویلی
وان عاشروا غیرنا ویلا علی ویلی

یہ شعر قاعدۂ عروض کے مطابق نہیں تھا مگر متاخر عروضیوں کے قواعد سے موافق تھا۔ جب یہ شعر شیخ ابراہیمؒ نے سنا تو ان کی حالت متغیر ہو گئی اور چہرہ ڈھانپ کر گریہ شروع کر دیا۔ اس مجلس میں جس نے بھی شیخ کی آواز سنی یا ان کی شکل دیکھی وہ رو پڑا حالانکہ ان میں رقیق القلب بھی تھے اور سنگدل بھی! سید محمد برزنجی بھی رو پڑے اور ان کے دل سے سیاہی اعتراض دھل گئی۔

شیخ ابو طاہرؒ کا بیان ہے کہ بادشاہ روم کا استاذ جسے وہاں کے لوگ خوجہ کہتے ہیں، مدینہ منورہ کی زیارت کو آیا اور علماء واحباب کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ شیخ ابراہیمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ملاقات کے دوران اس نے شیخ سے کہا کہ میں نے شام میں ایک کھلم کھلا بدعت دیکھی جس کا قلع قمع کرنے میں میں نے انتہائی کوشش سے کام لیا۔ شیخ نے پوچھا وہ بدعت کیا تھی؟ کہنے لگا مساجد میں ذکر بالجہر۔ شیخ نے یہ آیت پڑھی **ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه وسعٰی فی خرابها** (۱) (اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں نام خدا لینے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے) خوجہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور وہ نہایت مشکل میں پڑ گیا فتاوی قاضی خاں وغیرہ سے فقہ کی چند جزئیات جو لکھ کر لایا تھا جیب سے نکالیں اور شیخ کے ہاتھ میں تھما دیں شیخ نے فرمایا اگر تقلید کی بات ہے تو میں کسی کا مقلد ہوں اور آپ کسی اور کے، اس لئے اس صورت میں آپ کے دلائل کو تسلیم کر لینا میرے لئے ضروری نہیں ہوگا۔ اور اگر تحقیق مطلوب ہے تو بندہ مناظرے کے لئے حاضر ہے۔ حضرت شیخ نے بہت جلد اس موضوع پر

---

(۱) البقرہ ۲: ۱۱۴

دلائل سے بھرپور رسالہ تحریر فرمایا اور خوجہ کے شبہات کے مسکت جوابات دیئے، چونکہ حضرت شیخ کے احباب نے خوجہ کے تغیر مزاج کو دیکھ لیا تھا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ دولت عثمانیہ میں بلند رتبے پر فائز ہے اس لئے انھوں نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ اس قدر تردید مناسب نہیں۔ شیخ نے فرمایا حق بات کہنے سے نہیں ٹلنا چاہئے چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خوجہ اور اس کے ساتھی اس رسالے کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکے وہ مبہوت ہو کر رہ گئے اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ حق ہمیشہ بلند رہتا ہے کبھی پست نہیں ہوتا۔

شیخ ابو طاہرؒ مزید بیان کرتے ہیں کہ شیخ یحییٰ شاذلیؒ حرمین میں آئے ہوئے تھے۔ اس دوران انھوں نے شیخ ابراہیمؒ سے بھی ملاقات کی جب وہ روم واپس چلے گئے تو وزیر روم جو شیخ ابراہیمؒ کا معتقد تھا، نے شیخ یحییٰ سے پوچھا کہ آپ نے ہمارے شیخ ابراہیمؒ کو کیسا پایا، اس نے کہا وہ تو ایک بت ہیں۔ وزیر یہ سن کر بھڑک اٹھا اور شیخ یحییٰ کو بے عزتی کے ساتھ مجلس سے نکال دیا۔ اس واقعہ کے بعد یحییٰ شاذلی کو شیخ ابراہیمؒ کے ساتھ سخت کینہ پیدا ہو گیا اور اس نے شیخ کو ایذا پہنچانے کی نیت سے حرمین آنے کا ارادہ کیا، لوگوں نے یہ بات شیخ ابراہیم کو پہنچائی تو آپ نے فرمایا جو ہاتھیوں کو قابو کر لیتا ہے وہ اسے بھی روک لے گا"۔ جب شیخ یحییٰ طور کے قریب پہنچے تو بیمار پڑ گئے اور اسی جگہ انتقال کیا۔ شیخ ابراہیمؒ کی سیرت یہ تھی کہ وہ خود پسند فقہا اور صوفیا کی طرح بڑے بڑے عمامے، لمبی آستینیں، اور پھٹے پرانے لباس سے بیزار تھے۔ آپ اہل حجاز کی طرح متوسط درجے کا لباس پہنتے تھے جو مختصر سی پگڑی، اون کی دھاری دار عبا اور بڑے رومال پر مشتمل ہوتا۔ آپ کبھی کسی محفل میں نمایاں جگہ بیٹھنے اور گفتگو میں پہل کرنے کے ذریعے اپنی حیثیت کا اظہار نہیں فرماتے۔ آپ کے معتقدین اور مذاکرے آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے "بہر حال یہ ایسے ایسے ہے کیا تمہیں فلاں فلاں بات سے اس کی سمجھ نہیں آتی"۔ اگر کوئی ان سے کسی مسئلے کے بارے میں سوال کرتا تو توقف فرماتے یہاں تک کہ تحقیق و انصاف کے ساتھ اس اشکال کو حل کر دیتے، عبداللہ لیاشی نے ان کے بارے میں کہا کہ آپ کی مجلس نمونہ جنت تھی۔ جب مسائل حکمت پر گفتگو فرماتے تو اس ضمن میں حقائق صوفیا بھی بیان فرماتے اور کلام صوفیا کو حکما کی تحقیق پر ترجیح دیتے اور فرماتے کہ یہ فلاسفہ گرتے پڑتے حق کے قریب تو پہنچ گئے، لیکن اس تک ان کی رسائی نہیں ہوئی۔

آپکی تاریخ وفات اس زمانے کے ایک خطیب نے ان الفاظ سے نکالی ہے۔ **واللہ انا علی فراقک یا ابراھیم لمحزنون۔** ۱۷ ۱۰ھ

شیخ حسن عجمیؒ

آپ شیخ الحدیث، جامع علوم وفنون اور فصاحت، یادداشت اور تیزی فہم کے پیکر تھے۔ آپ اکثر وبیشتر شیخ عیسیٰ مغربیؒ کی صحبت میں رہے اور ان سے استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ کئی دوسرے شیوخ مثلاً شیخ احمد قشاشیؒ، شیخ محمد بن العلاء بابلیؒ اور امام ومفتی شوافع شیخ زین العابدین بن عبدالقادر طبری کی صحبت میں بھی رہے اور ان سے روایت کی۔ شیخ ابوطاہرؒ کا بیان ہے کہ شیخ حسن عجمیؒ نے شیخ نعمت اللہ قادریؒ اور دوسرے صوفیائے کرام سے بھی ملاقات کی تھی آپ دعوت اسماء کے سلسلے میں بھی مشہور تھے۔ شیخ ابوطاہرؒ ہی کا بیان ہے کہ یوں تو شیخ حسن حنفیؒ تھے مگر سفر کے دوران ظہر وعصر اور مغرب وعشا کی نمازیں اکٹھی پڑھ لیتے تھے اور امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ بھی پڑھتے تھے، آپ ہمیں وصیت فرمایا کرتے تھے کہ اپنی عورتوں کو تنگی میں نہ ڈالا کرو بلکہ انھیں حنفی مسلک کی آسانیوں سے مطلع کردیا کرو تاکہ وہ نماز پڑھ سکیں جیسے درہم برابر نجاست میں جو اجازت دی گئی ہے اور اسی طرح کے دیگر مسائل کہ جن میں آسانی اور رخصت ہے۔

کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ حسن عجمیؒ باوجود حنفی ہونے کے، تمام امور میں ایک معین فقہی مسلک کی پیروی ضروری نہیں سمجھتے تھے بلکہ فریقین کے ہاں کسی حقیقت ممتنعہ کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کی پروا کئے بغیر وہ تمام فقہی مکاتب سے اقوال لے لیا کرتے تھے، واللہ اعلم

شیخ ابوطاہر مزید کہتے ہیں کہ میرے شیخ حسن عجمی خوب صورت نہیں تھے بلکہ ان کی ایک آنکھ میں ایک عیب بھی تھا اس کے باوجود جب حدیث پڑھتے تو ان کے چہرے پر انوار ظاہر ہوتے اور وہ دنیا بھر سے زیادہ حسین دکھائی دیتے تھے۔ یہ اس قول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر تھا کہ **نضر اللہ عبدا** (۱) الحدیث، آپ نے اپنی اسانید حدیث کو ایک رسالے کی صورت میں ضبط کیا ہے جس سے علم حدیث میں ان کے تبحر کا بخوبی پتہ چلتا ہے، آپ فرماتے تھے لوگ کہتے ہیں کہ عالم

---

(۱) نضر اللہ عبدا سمع مقالتی دوعاہ یعنی خدا اس شخص کو شگفتہ رکھے جو میری حدیث کو سن کر یاد کرلے

کا فرزند نصف عالم ہوتا ہے۔ تو یہ صحیح ہے کیونکہ ایسا کہنے سے عالم کے دو نصف ہو جاتے ہیں، ایک خود عالم اور دوسرا اس کا فرزند جبکہ یہاں یہ بات واضح ہے کہ والد تو عالم ہے ہی، ایسی صورت میں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ عالم کا فرزند نصف عالم ہے کیونکہ عالم کے دو نصف نہیں کیے جا سکتے، گویا خلاصہ کلام یہ نکلا کہ یہ ضروری نہیں کہ عالم کا بیٹا بھی عالم ہو، آپ ہر سال رجب کے مہینے میں مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے تشریف لاتے اور مسجد نبوی میں صحاح ستہ میں سے ایک حدیث کی کتاب بطریق سرد پڑھتے اور اہل مدینہ آپ سے روایت کرتے تھے شیخ ابو طاہرؒ آپ کے قاری ہوتے۔ اگر ان کے علاوہ اور قرأت حدیث کرتا تو خوش نہ ہوتے، یہاں یہ بات واضح رہے کہ علمائے حرمین کے نزدیک کتب حدیث کی تدریس کے تین طریقے رائج ہیں پہلا طریقہ سرد سے جس کے مطابق شیخ سامع ہو یا تلاوت کرے دونوں صورتوں میں لغوی و فقہی مباحث چھیڑے اور نہ ہی اسماء رجال کے بارے میں کوئی بحث و تمحیص کرے۔

دوسرا طریقہ بحث و حل ہے، اس میں ایک حدیث کی تلاوت کے بعد اس میں لفظ غریب، مشکل ترکیب اسمائے اسناد میں سے نادر الوقوع اسم، ظاہری شان نزول اور منصوص علیہ مسائل پر تامل کر کے اسے نہایت اعتدال کے ساتھ حل کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اگلی حدیث تلاوت کر کے اسے بھی اسی طرح حل کیا جاتا ہے علیٰ ہذا القیاس۔

تیسرا طریق امعان و تعمق ہے اس کے مطابق ہر ہر لفظ کا، لہ و ما علیہ اور اس کے متعلقات کو نہایت توضیح و تشریح کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کلمہ غریبہ اور کسی مشکل ترکیب کی تشریح میں کلام شعراء سے استشہاد کیا جاتا ہے اور الفاظ کے متعلقات کو اشتقاق و محال کے پیش نظر پرکھا جاتا ہے اس کے علاوہ اسماء الرجال کی تشریح کرتے ہوئے رجال حدیث کے حالات اور سیرت و اخلاق تفصیل سے بیان کئے جاتے ہیں نیز فقہی مسائل کی منصوص علیہا مسائل سے تخریج کرتے ہوئے اس کے ساتھ تھوڑی سی مناسبت رکھنے والے قصے اور عجیب و غریب حکایات بھی بیان کی جاتی ہیں۔ علمائے حرمین شریفین کے ہاں یہی تینوں طریقے مذکورہ تفصیلات کے مطابق رائج ہیں۔ شیخ حسن عجیمیؒ، شیخ احمد قطان اور شیخ ابو طاہر کا پسندیدہ طریقہ بھی طریق سرد تھا، مگر یہ طریقہ صاحبان علم و فضل اور منتہی طلبائے حدیث کیلئے زیادہ موزوں سمجھا گیا ہے تاکہ وہ جلد از جلد اپنے سماع حدیث

اور سلسلۂ روایت کو مکمل کرلیں اور دوسرے مباحث شروح کی مدد سے حل کریں کیونکہ آج کل ضبط حدیث کا انحصار شروح پر ہی ہے اور مبتدی و درمیانی درجے کے طلبائے حدیث کیلئے طریقہ بحث و حل ہے تاکہ علم حدیث کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرکے فائدہ اٹھائیں۔ جہاں تک شروح کا تعلق ہے تو وہ انہیں پیش نظر رکھیں تاکہ بحث و تمحیص کے دوران ان کی طرف رجوع کرسکیں۔

تیسرا طریقہ قصاص ہے اس کا مقصد روایت و تحصیل علم نہیں بلکہ علم و فضل اور تحقیق و تدقیق کے اعلیٰ مراتب کا حصول ہے۔ اسی ضمن میں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ایک محدث کو رجال اسناد کے حالات، تصحیح اسماء ان کی ثقاہت کی معرفت، خصوصاً صحیحین (بخاری و مسلم) اور صحاح کی دوسری کتابوں میں اور **لیس منا من فعل کذا** اور **فان الله قبل وجهه** اور اسی طرح کے دوسرے جملوں کی تاویلات فقہی فروعات فقہا کے اختلافات مذاہب، مختلف روایات میں باہمی موافقت پیدا کرنے اور بعض احادیث کی بعض پر ترجیح میں تحقیق و تدقیق اور گہرائی و گیرائی پر حاوی ہونا چاہئے مگر اس امت مرحومہ کے متقدمین علماء ان امور میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے ہاں فقہاء و متکلمین اس سلسلے میں غور و خوض کرتے ہیں لیکن آج اس کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔ واللہ اعلم۔

شیخ حسن اپنے مشائخ سے انتہائی تواضع اور انکساری سے پیش آتے اور ہر لحاظ سے ان کا دل رکھنے کی کوشش کرتے۔ شیخ حسن کہتے ہیں کہ میں نے شیخ عیسیٰ سے دریافت کیا کہ اگر کسی کا شیخ موجود ہو تو کیا وہ کسی دوسرے شیخ کی بیعت کرسکتا ہے۔ تو انھوں نے فرمایا باپ تو ایک ہی ہوتا ہے مگر چچا، تایا کئی ہوتے ہیں۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ آپ کی اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ شیخ اول کہ جس کے باعث مزید دائرہ بشریت سے نکلا، یا اس نے ظاہری علوم حاصل کیے، کا مقام تو یہ ہے کہ اس کا مرتبہ حقیقی والدین کا سا ہے جبکہ دوسرے بزرگ کہ جن سے اس نے دائرہ بشریت سے خروج کے علاوہ دیگر خارجی فیوض کا اکتساب کیا ہے، کا معاملہ امام کا ہے لہٰذا انہیں اس طرح سمجھنا چاہئے۔ شیخ حسن آخری عمر میں مکہ مکرمہ سے ترک سکونت کرکے طائف میں گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ آپ کا مقولہ ہے **لیس بمکة من یقر الیه** آپ نے طائف ہی میں ۱۱۱۳ھ میں انتقال فرمایا اور حضرت ابن عباسؓ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔

شیخ احمد نخلیؒ

آپ علوم ظاہری و باطنی دونوں کے جامع تھے، مشائخ و طریقت اور علمائے شریعت کی بے شمار صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ سید احمد نخلیؒ سید محمد رومی، سید عبداللہ سقاف اور میر کلاں بن میر محمود بلخی وغیرہ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ آپ نے حدیث کی تعلیم محمد بن العلاء بابلی، شیخ عیسیٰ مغربی اور اسی طبقے کے دوسرے شیوخ سے حاصل کی اور انہیں سے بخاری و موطا کے سماع میں تسلسل حاصل کیا۔ آپ کا مشائخ کے کئی خانوادوں سے تعلق تھا، ابتدا ہی سے علم و علما کی محبت کی طرف مائل ان کی صحبت میں حاضر، صوفیائے کرام سے عقیدت مندی اور ان کے اعمال اور اشغال پر ثابت قدم تھے۔ آپ حرمین شریفین اور باہر سے آنے والے مشائخ کی صحبتوں سے استفادہ کرتے رہے۔ مختصر یہ کہ شیخ احمد نخلیؒ اعیان مکہ معظمہ میں سے وہ عظیم المرتبت بزرگ تھے جن کی برکات کا فیض عام اور دعوات مستجاب تھیں۔ شیخ احمد نخلیؒ کے فرزند شیخ عبدالرحمٰن نخلیؒ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دادا کے ہاں نرینہ اولاد زندہ نہیں رہتی تھی جس کی وجہ سے وہ بہت پریشان رہتے تھے۔ جب شیخ احمد پیدا ہوئے تو ان کیلئے اولیاء اللہ سے دعا کی درخواست کی اور ان سے استمداد اور روحانی توجہ کے طالب ہوئے، وہ ہر جمعہ کے دن شیخ احمد نخلیؒ کو شیخ تاج سنبھلی کی خدمت میں بیٹھتے تھے۔ ایک روز اتفاق سے شیخ تاج سنبھلی نے قدرے تامل کے بعد شیخ احمد کو لانے والے خادم کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ یہ بچہ آپ کی طرح کا نہیں، بلکہ آپ سے بڑھ کر صاحب فضل اور سعادت مند ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی عمر کم ہے جب خادم اپنے مالک کے پاس پہنچا اور انہیں شیخ تاج سنبھلی کا پیغام دیا تو انھوں نے اسے یہ کہہ کر فوراً واپس بھیجا کہ میری طرف سے حضرت شیخ تاج سنبھلیؒ کی خدمت میں التماس کرو کہ آقائے من! میں نے اپنی عمر اس بچے کو دے دی ہے اور اس بارے میں آپ سے سفارش کا طالب ہوں، جب حضرت شیخ نے یہ پیغام سنا تو فوراً توجہ کی اور چند لمحوں کے بعد اس خادم سے کہا کہ اپنے مالک سے کہہ دو کہ ان کا مدعا پورا ہوگیا ہے اور اپنی طرف سے انہیں (شیخ احمد نخلی کے والد کو) تین ماہ کی مہلت سفر آخرت کی تیاری کے لئے عطا کی۔ چنانچہ شیخ احمد نخلی کے والد اسی مدت میں اس عالم فانی سے رخصت ہوگئے اور شیخ احمد نخلی نے نوے سال کی عمر پائی۔ شیخ عبدالرحمٰن کا مزید بیان ہے کہ تمام دنیاوی معاملات اور لین دین میں میں اپنے والد کا وکیل تھا۔ جب والد بزرگوار (شیخ احمد نخلی) اپنی آخری عمر کو پہنچے اور ان پر ضعیفی غالب آگئی تو میں نے ایک روز ان کی خدمت میں قرض خواہوں کے مطالبات کی شکایت کی اور عرض کی کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر خدانخواستہ آپ کی وفات کا حادثہ پیش

آ گیا تو یہ تمام قرضے میرے ذمے پڑ جائیں گے اور میرے عزیز و اقارب میری وکالت کا اعتبار نہیں کریں گے، والد بزرگوار نے فرمایا اس خدشے کو اپنے دل میں ہرگز راہ نہ دو مجھے امید کامل ہے کہ میں اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک کہ میرے ذمے تمام واجب الادا قرض ادا نہ ہو جائیں اور میرا خیال ہے کہ وہ رات میری زندگی کی آخری رات ہوگی جس میں مجھ پر کسی کا قرض باقی نہیں ہوگا۔ آپ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے ان تمام قرضوں کی ادائیگی جتنی رقم ایسی جگہ سے حاصل ہوگئی جہاں سے توقع بھی نہیں تھی اور آپ کے کہنے کے مطابق آپ کی اس دنیا کی وہ آخری رات آ ہی پہنچی جبکہ آپ کے ذمے کوئی واجب الادا قرض باقی نہیں تھا۔

شیخ احمد نخلیؒ فرماتے ہیں کہ طریقہ خلوتیہ میں میرے شیخ، شیخ عیسیٰ بن کنعان خلوتی نے جب مجھے اس طریقے کی اجازت بخشی تو مجھے مکہ معظمہ میں اپنا خلیفہ بنایا تا کہ خلوتیہ طریقہ کے تمام پیروکار میرے سامنے اکٹھے ہو کر نماز تہجد کے بعد جیسا کہ ان کا طریق ہے اوراد وظائف میں مشغول ہو جائیں اس بات سے میرے دل میں غایت درجہ تردد تھا کیونکہ میرا امیلان پوری طرح نقشبندیہ سلسلے کی طرف تھا اور شیخ خلوتی کے سامنے مجھے لب کشائی کی جرأت بھی نہیں تھی اسی تردد کے عالم میں میں نے حضور ختم الرسل علیہ الصلوات والتسلیمات کی بارگاہ میں رجوع کیا اور اسی سال روضۂ مقدسہ کی زیارت سے مشرف ہوا تو جمعہ کے روز نماز جمعہ سے قبل مجھے خواب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، میں نے دیکھا کہ زیارت عثمانیہ میں چاروں خلفاء کے ہمراہ جلوہ افروز ہیں میں آپ کی طرف تیزی سے بڑھا اور دست مبارک چومنے کے بعد بالترتیب خلفائے کرام کے ہاتھوں کو چومنے کی سعادت حاصل کی۔ بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے مزار مقدس کے سرہانے صف اوّل کے متوازی بچھے ہوئے ایک نئے سجادے کی طرف لائے اور فرمایا ''یہ شیخ تاج کا سجادہ ہے اس پر بیٹھ جاؤ'' میں سمجھ گیا کہ آپ کا اشارہ طریقۂ نقشبندیہ کی طرف ہے اور آپ نے اس طریقے کی اجازت عطا فرماوی ہے۔

شیخ عبداللہؒ بن سالم البصری

آپ نے بہت ساری حدیث کی نایاب کتابوں کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار انجام دیا، مثلاً مسند امام احمدؒ جس کے بارے میں یہ خدشہ تھا کہ شاید روئے زمین پر اس کا کوئی مکمل نسخہ ملنا

محال ہو جائے۔ آپ نے مصر، عراق، شام اور اطراف واکناف کے قدیم کتب خانوں سے اس کے متفرق اجزا کمال احتیاط سے جمع کر کے ان تمام کو ایک ہی نسخے کی صورت میں ترتیب دیا اور اسے صحت کے ساتھ ایک اصلی نسخے کی صورت میں عام کر دیا۔ اس کے علاوہ صحاح ستہ کی روشنی میں آپ نے کئی اصول وضع کیے اور نسخۂ نبویہ اصل کی نسبت زیادہ بہتر انداز میں اپنے قلم سے لکھا۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح ''ضیاء الساری'' کے نام سے لکھنی شروع کی تھی جسے بڑھاپے اور کمزوری کے سبب مکمل نہ کر سکے۔ آپ نے ساری زندگی سرد بحث طریقوں سے روایت حدیث میں گزاری، الغرض آپ واقعتاً اس آخری دور کے حافظ الحدیث تھے۔ اس اجمالی گفتگو کی تفصیل یہ ہے کہ صحت حدیث کے ضبط کے امت مرحومہ میں تین دور رائج رہے ہیں۔ پہلا دور صحابہ و تابعین کا ہے، جس میں احادیث کو زبانی یاد کر لیتے تھے اور اچھی طرح یاد کر لینا ہی ان کے ہاں ضبط حدیث کہلاتا تھا، دوسرا دور تبع تابعین اور ساتویں آٹھویں طبقہ تک کے متقدمین محدثین کا ہے۔ یہ حضرات احادیث کو لکھ لیتے تھے ان کے نزدیک ضبط اِن اصولوں پر مبنی تھا۔ صفائی تحریر، حرکات وسکنات اور نقاط میں احتیاط، ہیئت حروف کی حفاظت، احادیث کا اصول صحیحہ سے موازنہ اور کتاب کو ہر قسم کے خارجی اثرات سے محفوظ رکھنا۔ تیسرا دور وہ ہے کہ جس میں حفاظ حدیث نے اسماء رجال اور مشکل وغریب الفاظ کے ضبط میں کتابیں تالیف کیں۔ مفصل شرحیں لکھیں اور پیچیدہ ومشکل مقامات حدیث کی تشریح میں رسائل لکھے۔ آج ضبط حدیث کا یہ عالم ہے کہ کوئی بھی شخص ان تصانیف وشروح کو پیش نظر رکھ کر ان کے مطابق روایت شروع کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب علمائے حدیث ان اصولوں میں تساہلی سے کام لینے لگے ہیں جن پر قدما سختی سے کاربند تھے، چونکہ متوسطین نے حفظ حدیث میں سستی برتی اور صرف عبارت پر ہی اکتفا کر لیا، جس کے نتیجے میں طبقات سابقہ کے برعکس ان میں وجادت (۱) اور اجازت مجردہ اور اس کی دوسری چیزیں رائج ہو گئیں۔ حاصل کلام یہ ہو کہ ضبط حدیث کا یہ طریقہ شیخ عبداللہ کے ہاں بکمال موجود تھا جبکہ اس

---

(۱) کوئی شخص کسی محدث کی لکھی ہوئی تحریر یا کتاب حاصل کرے لیکن اس شخص نے ان روایات کو نہ اصل سے سنا نہ ہی اس کو روایت کی اجازت ہو، ایسی صورت میں راوی ثانی اگر ان احادیث کو روایت کرنا چاہے تو یوں کہے گا، اوجدت بخط فلاں، فلاں شخص کی تحریر سے میں نے ایسا پایا یا قرأت بخط فلاں اسے وجادہ کہتے ہیں۔

سلسلے کی بقا کا سبب بھی انہی کی ذات بنی، حضرت شیخ عبداللہ بچپن ہی سے علم وعلماء اور صلاح وتقویٰ کو دل وجان سے عزیز جانتے تھے، روزانہ قرآن مجید کے دس پارے تلاوت فرماتے مگر بڑھاپے میں حسب استطاعت تلاوت فرماتے۔ آپ کے وقت کا کوئی حصہ بھی درس وتدریس، تلاوت کلام پاک، نماز یا ضروری گفتگو سے خالی نہ ہوتا تھا۔ میں (شاہ ولی اللہ) نے سنا ہے کہ جب شیخ عبداللہ کے فرزند شیخ سالم نے شریف مکہ کے دربار میں ملازمت اختیار کرلی تو شیخ عبداللہ، شیخ سالم کے کھانے میں شریک ہونا تو درکناران کے گھر کے نمک سے بھی احتراز فرماتے تھے۔ آپ نے حجرہ کعبۃ اللہ میں دوبار صحیح بخاری ختم کی، پہلی بار مرمت کعبہ کے وقت اور دوسری دفعہ اس وقت جبکہ کعبہ مکرمہ کا دروازہ درست کیا جارہا تھا اور مسند امام احمد بن حنبل تصحیح وجمع کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس کے سرہانے مسجد نبوی میں چھپن روز میں ختم کی۔ آپ نے طویل عمر پائی جو سب کی سب رضائے الٰہی میں گزری۔ آخر عمر تک سمجھ بوجھ، حافظہ اور حواس درست رہے، البتہ قوت سماعت میں کچھ کمی واقع ہوگئی۔ عمر کے آخری حصے میں شیخ عبداللہ مغربی نے آپ سے کتب صحاح ستہ پڑھیں اور اہل مکہ نے آپ سے سماع حدیث کیا، آپ ۴/رجب ۱۱۲۴ھ میں واصل بحق ہوئے۔

شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کردی المدنیؒ

آپ ابتداء ہی سے علم اور علماء کی طرف راغب تھے، خرقۂ خلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا، جنھوں نے آپ کیلئے بے شمار بزرگوں سے خرقہ واجازت حاصل کی تھی، ان بزرگوں میں سے ایک شیخ محمد بن سلیمان مغربیؒ تھے آپ نے کتب عربیہ کی تعلیم سیبویۂ وقت سید احمد ادریس مغربی سے حاصل کی، شیخ ابوطاہر سید احمد ادریس کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ان کے ایک فاضل شاگرد نے مسجد نبوی کے محراب میں سورۂ تبت تلاوت کی جب وہ نماز سے فارغ ہوکر سید صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس پر برس پڑے اور فرمانے لگے میں یہ ہرگز برداشت نہیں کرسکتا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور وہ سورت پڑھو جس میں ان کے چچا (ابولہب) کا نام (اہانت کے ساتھ) مذکور ہے۔ کیونکہ خدا جیسے چاہے اپنے رسول سے خطاب کرے لیکن ہمارا یہ مقام نہیں! کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ اگرچہ اس طرح کی باتیں سید الکونین صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی محبت کا نتیجہ ہیں تاہم یہ ارباب تقویٰ و تحقیق کا مقام ہے مگر ہمارے لئے تو صحابہ و تابعین کا طرز عمل ہی کسوٹی ہے۔ وہ یوں کیوں نہیں سمجھتے کہ اس سورت میں تو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی مدح و منقبت کا پہلو نکلتا ہے، کیونکہ یہاں اس سورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے آپ کے ایک دشمن پر خدا تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔

شیخ ابو طاہر نے فقہ شافعی کی تعلیم شیخ طولونی مصری سے معقولات، روم کے مشہور زمانہ متبحر عالم منجم باشی سے اور علم حدیث اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ شیخ حسن عجمی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ انکے بعد شیخ احمد نخلی اور شیخ عبداللہ بصری کی صحبت میں پہنچے اور شیخ عبداللہ بصری سے شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی اور انہی سے مسند امام احمد دو ماہ سے بھی کم عرصے میں سنی۔ ان کے علاوہ آپ نے وقتاً فوقتاً حرمین شریفین میں باہر سے آنے والے علماء و مشائخ سے بھی بہت کچھ حاصل کیا۔ ان میں ایک شیخ عبداللہ لاہوری تھے جن سے آپ نے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (۱) کی کتابیں روایت کیں اور ان کا سلسلہ شیخ عبداللہ لبیب کے ذریعے خود مولانا تک پہنچا ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالحق دہلویؒ (۲) کی کتابیں بھی آپ نے اسی واسطے سے پڑھیں۔ مولانا سیالکوٹی نے خود ان سے ان کتابوں کی روایت کی اجازت لی تھی اور ان میں سے شیخ سعید کوکنی سے بھی آپ نے بعض عربی کتابیں اور فتح الباری کا چوتھا حصہ پڑھا۔ الغرض

---

(۱) ملا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ اپنے دور کے یگانہ روزگار فاضل ملا کمال الدین متوفی ۱۶۰۸ء کے شاگرد رشید ہیں، آپ علمی تبحر اور مسلمہ حدیث کی شہرت پوری اسلامی دنیا میں ہے۔ کچھ وقت اکبر آباد کے سرکاری مدرسے میں مدرس رہے۔ آپ کی تصانیف زیادہ تر درسی کتابوں کے حواشی و شروح سے متعلق ہیں۔ حواشی تفسیر بیضاوی، حاشیہ شرح عقائد، حاشیہ شرح شمسیہ، تکملہ حاشیہ عبدالغفور اور حاشیہ خیالی جس کی نسبت کسی نے کہا ہے۔

خیالات خیالی بس عظیم است
رائے حل او عبدالحکیم است

علمی دنیا میں مشہور اور مآخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔ شاہان مغلیہ آپکے علمی مقام و رتبے کو ہمیشہ خراج عقیدت پیش کرتے رہے۔ ۱۶۵۶ء میں آپ کا انتقال ہوا۔ مزار سیالکوٹ میں شہابان روڈ پر ہے۔

(۲) سرخیل صوفیاء، امام المحدثین، عاشق مصطفیٰ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ عالم اسلام کی وہ مایہ ناز شخصیت ہیں کہ جنھوں نے ایک بار پھر دنیائے اسلام کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلاتے ہوئے مقام محمدی کی عظمتوں کی طرف بلایا اور اسے حب رسول کا جاں بخش پیغام دیا۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

آپ سلف صالحین کے تمام اوصاف مثلاً تقویٰ، عبادت، علمی شغف اور بحث وتمحیص میں انصاف پسندی سے متصف تھے۔ جب آپ سے کسی مسئلے کے بارے میں رجوع کیا جاتا تو جب تک پورا غور وفکر اور کتابوں سے اس کی تحقیق نہ کر لیتے، جواب نہ دیتے۔ آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ جب بھی کوئی اس طرح کی حدیث پڑھتے تو آنکھیں پرنم ہو جاتیں، لباس وغیرہ میں کوئی تکلف نہ برتتے۔ اپنے تلامذہ اور خدام سے بھی تواضع سے پیش آتے۔

صحیح بخاری کی قرأت کے دوران جب روایات احادیث اور فقہ کے اختلافات سامنے آتے تو شیخ ابو طاہر فرماتے کہ یہ تمام اختلافات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی جامعیت (جامعیت کبریٰ) کا نتیجہ ہیں جو اپنے اندر کونین کی تمام تر اضداد وموافقات سموئے ہوئے ہیں۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) کہتا ہے کہ یہ ایک نہایت گہرا نکتہ ہے جس پر تدبر کی ضرورت ہے۔

ایک دن احوال صوفیا اور ان کی باہمی تردید وتنقید جو بعض دفعہ ان کے پیروکاروں میں بھی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

آپ ایک مشہور علمی وروحانی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ تعلیم دہلی ہی میں مکمل فرمائی۔ کچھ وقت فتح پور سیکری میں جو دارالحکومت ہونے کی وجہ سے علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ تعلیم وتدریس اور تصنیف وتالیف کا شغل اختیار کیا۔ ۱۵۷۷ء میں شیخ موسیٰ گیلانی (المعروف موسیٰ پاک شہیدؒ) سے بیعت کی۔ ۱۵۸۸ء میں زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں دو تین سالہ قیام کے دوران مشائخ حرمین کے علاوہ براہ راست بارگاہِ رسالت سے فیض حال کئے۔ ہندوستان کے تمام اکابر داعیان کے ساتھ آپ کے تعلقات قائم رہے۔ ۱۵۹۹ء میں خواجہ محمد باقی باللہ سے بیعت کرکے ان سے خلافت حاصل کی۔ آپ کے برادر طریقت شیخ مجدد الف ثانی کے ساتھ اختلافات پیدا ہوگئے۔ آپ نے حضرت مجدد کے بعض مکشوفات کی تردید میں ایک رسالہ بھی لکھا۔ حضرت مجددؒ کے ساتھ آپ کے اختلاف خالص علمی اور احوال صوفیا کے اختلاف تھے جو آخر دم تک قائم رہے لیکن باہمی وقار اور احترام کی فضا میں! اس سلسلے میں حضرت شیخ کے رجوع کا سارا قصہ محض عقیدتمندی کا فسانہ ہے۔ حضرت محدث کا سب سے بڑا کارنامہ مصائب وآلام میں گھری ہوئی امت مسلمہ کو محبت نبوی اور دامن رسالت پناہی سے وابستگی کی دعوت کی تجدید ہے۔ یہی وہ تریاق ہے جو مسلمان قوم کو نئی زندگی بخش سکتا ہے۔ آپ کی تصانیف میں سے لمعات، شرح مشکوٰۃ، مدارج النبوۃ، جذب القلوب، اخبار الاخیار، زاد المتقین زندہ جاوید کتابیں ہیں۔ آپ نے ۱۶۴۲ء میں چورانوے برس کی عمر میں رحلت فرمائی ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

چل پڑتی ہے پر گفتگو چھڑ گئی تو شیخ ابو طاہر نے فرمایا کہ میں صوفیا کے بارے میں کچھ کہنے سے بہت ڈرتا ہوں۔ اگر چہ میرے بعض اسلاف بعض صوفیا کے بارے میں ناقدانہ رائے رکھتے تھے مگر جہاں تک میرا تعلق ہے میرے دل میں ان کے لئے تردید وتنقید کا معمولی جذبہ بھی موجود نہیں، یہاں آپ نے ایک قصہ سنایا کہ شیخ یحییٰ شاوٰلی میرے والد سے کچھ اختلافات رکھتے تھے اور یہ بات ان کی طرف سے میرے دل میں کھٹکتی رہی، اسی اثناء میں شیخ یحییٰ شاوٰلیؒ اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ ایک عرصے کے بعد جب انہیں کسی وجہ سے لحد سے باہر نکالا گیا تو اس طرح صحیح وسالم تھے جیسے آج سوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی پر کسی عارف سے اختلاف کے سبب طعن وتشنیع نہیں کرنی چاہئے، یہاں انھوں نے مزید فرمایا کہ شیخ محی الدین بن عربیؒ نے اس سلسلے میں ایک عجیب وغریب وصیت فرمائی ہے یہ کہہ کر انھوں نے شیخ ابن عربی کے اپنے قلم سے لکھا ہوا فتوحات کا نسخہ نکالا اور اس میں سے باب الوصیت پڑھ کر سنایا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ میں ایک شخص سے اس لئے عداوت رکھتا تھا کہ وہ شیخ ابو مدین مغربی پر طعن وتشنیع کرتا تھا، جبکہ میں شیخ مغربی کی مقبولیت وبزرگی کا معترف تھا۔ ایک دن میں نے حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں فرماتے ہوئے سنا کہ "تمہیں فلاں شخص سے کیوں بغض ہے؟ میں نے عرض کی اس لئے کہ وہ ابو مدین سے عداوت رکھتا ہے جبکہ میں انھیں بزرگ سمجھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا وہ شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں رکھتا؟ میں نے عرض کیا رکھتا ہے۔ فرمایا گویا تمہیں ابو مدین سے اس کے بغض کی بنا پر تو عداوت ہے، لیکن میرے محب ہونے کی حیثیت سے الفت نہیں۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے اللہ سے اس بغض کی توبہ کی۔ اس شخص کے گھر گیا، اسے معذرت کے ساتھ سارا واقعہ سنایا اور ایک قیمتی کپڑا اس کی نذر کر کے اسے راضی کیا۔ اس کے بعد میں نے اس سے ابو مدینؒ کے بارے میں ناراضگی کا سبب پوچھا۔ اس نے جو وجہ بتائی وہ ایسی نہ تھی کہ اس کی بنا پر ابو مدینؒ سے عداوت رکھی جاتی، تو میں نے اسے حقیقت حال سمجھائی جس پر اس نے خدا تعالیٰ سے توبہ کی اور ابو مدینؒ کے بارے میں طعن وتشنیع سے رجوع کر لیا اور اس طرح سب کے دلوں میں الفت نبیؐ کی برکات جاری وساری ہو گئیں اور اس پر اللہ کا شکر ہے جس روز میں (شاہ ولی اللہؒ) وطن واپس ہوتے وقت شیخ ابو طاہرؒ کی خدمت میں الوداعی

سلام کے لئے حاضر ہوا۔ تو بے اختیار میری زبان پر یہ شعر آ گیا۔

نسیت کل طریق کنت اعرفه
الا طریقا یودینی لربعکم

(میں تیرے گھر کی طرف جانے والے راستے کے علاوہ باقی سارے راستے بھول گئے)

یہ شعر سنتے ہی حضرت شیخ پر گریہ طاری ہو گیا اور بہت متاثر ہوئے۔ آپ رمضان المبارک ۱۱۴۵ھ میں رحلت فرمائے، خلد بریں ہوئے۔

شیخ تاج الدین قلعی حنفیؒ

آپ قاضی عبد المحسن کے فرزند اور مکہ مکرمہ کے مفتی تھے کئی مشائخ حدیث کی صحبتوں میں پہنچ کر ان سے علوم حاصل کئے اور ہر ایک سے اجازت بھی حاصل کی، آپ ابھی کمسن تھے کہ والد بزرگوار نے شیخ عیسیٰ مغربی سے آپ کے لئے اجازت حاصل کی۔ آپ فرماتے تھے کہ شیخ محمد بن سلیمان مغربیؒ کے درس میں سنن نسائی کے ختم کے موقع پر حاضر ہوا، انھوں نے ختم کے بعد تمام حاضرین مجلس کو اجازت دی جن میں میں بھی شامل تھا، آپ نے علم حدیث کا اکثر حصہ شیخ عبداللہ بن سالم بصریؒ کی خدمت میں مکمل کیا، فرمایا کرتے تھے کہ یہ ساری کتابیں میں نے بحث و تنقیح کے ساتھ ان سے پڑھیں، صحیحین (بخاری و مسلم) شیخ حسن عجمی سے پڑھیں اور جس قدر روایات ان کی نظر میں صحیح تھیں، ان کی اجازت بھی حاصل کی، اس کے علاوہ شیخ صالح زنجانی کی خدمت میں ایک عرصے تک رہ کر ان سے فقہ میں مکمل استفادہ کیا، آپ نے شیخ احمد نخلیؒ سے بھی اجازت و روایت حاصل کی۔ شیخ احمد قطان بھی آپ کے مشائخ میں سے تھے جن کی صحبت میں سالہا سال رہ کر ان سے درس کا طریقہ سیکھا، شیخ تاج الدینؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ احمد قطانؒ کی وفات کے بعد میرے تمام مشائخ یعنی شیخ عبداللہ مصریؒ اور شیخ احمد نخلیؒ وغیرہ اس پر مصر ہوئے کہ شیخ احمدؒ کی جگہ حرم کعبہ میں مصلیٰ مالکی پر بیٹھ کر حدیث کا درس دوں، جیسے کہ میرے شیخ کا معمول تھا مگر مجھے ایسے اکابر کی موجودگی میں یہ جرأت نہیں پڑتی تھی اس لئے میں اس پر آمادہ نہ ہوا اس کے باوجود ان کی طرف سے اصرار بڑھتا گیا تو میں نے حسن عجمی جو ان دنوں طائف میں مقیم تھے، کی خدمت میں ساری صورت حال لکھ بھیجی، انھوں نے بھی مشائخ کا کہنا ماننے کی تاکید کی آخر کار اس معاملے

میں ہر طرح استخارہ و غور و فکر کر کے میں اس فریضے کو انجام دینے کے لئے تیار ہو گیا اور مسند شیخ قطان پر بیٹھ کر بخاری کا درس اسی مقام سے شروع کیا جہاں شیخ نے چھوڑا تھا، ختم بخاری کی مجلس میں تمام علماء و مشائخ موجود تھے۔ آپ نے شیخ ابراہیم کردیؒ سے بھی ان تمام علوم کی اجازت حاصل کی حدیث (۱) مسلسل بالاولیت بھی انہی سے حاصل کی۔

کاتب الحروف نے شیخ تاج الدینؒ سے ایک عجیب و غریب حکایت سنی جو یہ ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک دفعہ سخت بیمار ہو گا۔ اس بیماری نے اس قدر طول پکڑا کہ ضعف و ناتوانی کے مارے ہاتھ پاؤں ہلانے کی سکت بھی نہ رہی، اسی حالت میں ایک رات خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ جیسے کوئی آ کر کہنے لگا کہ اس مریض کے شفا کے لئے مرغ پکا کر اس پر پورا قرآن مجید دم کیا جائے تا کہ بیمار اسے کھا کر شفایاب ہو، جب میں بیدار ہوا تو خواب کو عملی جامہ پہنانے کا پختہ ارادہ کر لیا، اگلی رات میں نے پھر خواب میں دیکھا کہ گویا امام محمد بخاری میرے غریب خانے پر تشریف لائے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے دیگچہ چڑھا کر آگ جلائی اور اس میں صبح سے لے کر شام تک مرغ پکاتے رہے جب پک کر تیار ہو گیا تو میرے سامنے لا کر رکھ دیا اور کہنے لگے میں نے اس کھانے پر سارا قرآن پڑھا ہے اسے کھاؤ اسے کھاتے ہی مجھے اس قدر افاقہ ہوا کہ اس قدر لطف و کرم سے مجھے جتنی مسرت و شادمانی حاصل ہوئی وہ مرض سے نجات پانے میں بھی نہ ملی۔ کاتب الحروف (شاہ ولی اللہ) شیخ تاج الدین کے درس میں جو ان دنوں بخاری کے درس میں مشغول تھے دو تین روز لگاتار حاضر ہوا۔ اس دوران اسے صحاح ستہ اور موطا امام مالک کے کچھ حصے مسند دارمی، امام محمد کی کتاب الآثار اور موطا سماعت کیں، حضرت شیخ نے ان تمام کتابوں کی اجازت تمام اہل مجلس کو عطا کیں جن میں فقیر بھی شامل تھا اور حدیث مسلسل کے سلسلے میں یہ میری پہلی حدیث تھی جو میں نے زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے واپسی کے بعد شیخ ابراہیمؒ سے سماعت کی۔ ۱۱۴۴ھ۔

---

(۱) حدیث مسلسل سے مراد یہ ہے کہ حدیث کی سند کی روایت کرنے والوں کی روایت کے وقت ایک صفت یا ایک حالت مسلسل قائم رہی ہو خواہ یہ حالت اور صفت سند کے الفاظ میں ہو یا راویوں کے حالات میں، اس کی کئی اقسام ہیں مثلاً مسلسل بسمعت، مسلسل باخذ اللحیہ، مسلسل فان قیل لفلان.

حضرت شاہ ولی اللہ کے خودنوشت حالات زندگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد لہ الذی بدا بالنعم قبل استحقاقھا وخص من شاء بمعرفۃ الاسماء واذواقھا والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد المتحلی بتیجان الکرامات واطواقھا المکرم بصنوف العطیات واطباقھا وعلی آلہ واصحابہ الذین بھم قیام الملۃ ورواج اسواقھا، اما بعد

فقیر ولی اللہ بن عبدالرحیم (خدا سے اور اس کے والدین کو بخشے اور اسے اور اس کے والدین کو احسان سے نوازے، رقمطراز ہے کہ یہ چند کلمات میں نے اپنے حالات زندگی کے بارے میں ''الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف'' کے نام سے تحریر کئے ہیں۔ میری ولادت بروز بدھ ۴ شوال ۱۱۱۴ھ بوقت طلوع شمس ہوئی۔ بعض ستارہ شناسوں نے علم نجوم کے مطابق یہ کہا کہ میری پیدائش کے وقت حوت کا درجہ دوم طالع میں تھا اور شمس بھی اسی درجہ میں تھا۔ زہرہ آٹھویں، عطارد اکیسویں، زحل دسویں اور حمل و مشتری پندرہویں درجے میں تھے اور وہ سال علویین کے قران کا سال تھا۔ یہ قران درجہ اوّل میں تھا اور مریخ اس سے دوسرے درجے میں تھا اور راس سرطان تھا، واللہ اعلم بالصواب

بعض احباب نے میری تاریخ پیدائش ''عظیم الدین'' سے نکالی ہے (۱)، میرے والدین قدس اللہ تعالیٰ سرہما اور کئی دیگر صلحاء کو میرے بارے میں میری پیدائش سے پہلے اور اس کے بعد بشارتیں ہوئیں۔ چنانچہ ایک قریبی برادر اور مخلص دوست نے یہ ساری تفصیلات دوسرے واقعات کے ساتھ اپنے رسالے ''قول جلی'' میں بیان کی ہیں، اللہ اسے اس کی بہترین جزا عطا فرمائے اور اسے اور اس کے اسلاف و اخلاف کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے اور اس کے دینی و دنیوی مقاصد پورے فرمائے پانچ سال کی عمر میں مکتب میں بیٹھا اور سات سال کا تھا کہ والد بزرگوار نے

---

(۱) عظیم الدین سے ابجد کے حساب سے تاریخ ۱۱۱۵ھ نکلتی ہے۔ چونکہ آپ کی ولادت ماہ شوال ۱۱۱۴ھ میں ہوئی جبکہ نئے سال یعنی ۱۱۱۵ھ کے شروع ہونے میں صرف دو ماہ باقی رہ گئے تھے اسی لئے شاید تاریخ نکالنے والوں نے یہ دو ماہ شمار نہیں کئے۔

مجھے نماز کے لئے کھڑا کر دیا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا، ختنہ بھی اسی سال ہوا، اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے قرآن مجید بھی اسی سال ختم کر کے عربی فارسی کتابیں شروع کیں۔ دس برس کا تھا تو شرح ملا پڑھتا تھا، اسی دوران مجھ پر مطالعہ کی راہ کھلی، چودہ برس کی عمر میں میری شادی ہو گئی۔ والد بزرگوار کو میری شادی کے بارے میں بڑی جلدی تھی۔ جب میرے سسرال والوں نے سامان شادی وغیرہ کے مہیا نہ ہونے کا عذر کیا تو والد بزرگوار نے انہیں لکھ بھیجا کہ اس عجلت میں بھی ایک راز ہے اور یہ راز مجھ پر اس وقت کھلا جب میری شادی کے بعد میری ساس، میری اہلیہ کے نانا، شیخ ابوالرضاء محمد قدس سرہ کے خلف الرشید شیخ فخر العالم، میرے بڑے بھائی شیخ صلاح الدین کی والدہ اور والد بزرگوار جو ضعیف ہونے کے سبب طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو گئے تھے یکے بعد دیگرے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ الغرض اس طرح خاندان کے بہت سارے بزرگ اس دار فانی سے کوچ کر گئے اور ہر خاص و عام کو معلوم ہو گیا کہ اگر اس وقت میری شادی نہ ہو جاتی تو پھر برسوں اس کا امکان نہ تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں والد بزرگوار سے بیعت کر کے اشغال صوفیا خصوصا مشائخ نقشبند کے اشغال میں مصروف ہو گیا اور ان کی توجہ و تلقین سے بہرہ ور ہوتے ہوئے ان سے آداب طریقت کی تعلیم اور خرقۂ صوفیا حاصل کر کے اپنے روحانی سلسلے کو درست کر لیا، اسی سال بیضاوی شریف کا کچھ حصہ پڑھا تو اس موقع پر والد بزرگوار نے ایک عام دعوت کا اہتمام کیا اور درس کی اجازت عطا فرمائی۔ خلاصہ یہ کہ اس علاقے کے تمام علوم متداولہ سے پندرہ برس کی عمر میں حاصل کر لی۔ میں نے تمام علوم کی کتابیں ذیل کی ترتیب کے مطابق پڑھیں۔ علم حدیث میں کتاب البیع سے کتاب الاداب تک کا حصہ چھوڑ کر باقی مکمل مشکوۃ، صحیح بخاری کتاب الطہارۃ تک، شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم مکمل (والد بزرگوار سے ان کتابوں کی قرأت بعض ہم درس ساتھیوں نے کی) تفسیر بیضاوی و مدارک کے کچھ حصے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے عظیم احسانات میں سے مجھ پر ایک احسان یہ ہے کہ چند مرتبہ والد بزرگوار سے مدرسے میں قرآن عظیم کے معانی، شان نزول اور کتب تفاسیر کی طرف رجوع کرتے ہوئے کلام قدسی میں تدبر حاصل کرنے کا موقع ملا جو میرے لئے ایک عظیم فتح تھی اور اس پر خدائے قدوس کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ کا اکثر حصہ، اصول فقہ میں حسامی اور توضیح تلویح کا کچھ حصہ منطق میں شرح شمسیہ مکمل اور شرح مطالع

کا کچھ حصہ۔ کلام میں شرح عقائد مکمل اور خیالی و شرح مواقف کے کچھ حصے، سلوک میں عوارف المعارف کا کچھ حصہ اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ۔ حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، لوائح، مقدمہ شرح لمعات اور نقد النصوص، خواص اسماء وآیات میں والد بزرگوار کا خاص مجموعہ جس کی انھوں نے چند بار اجازت دی، طب میں موجز القانون، حکمت میں شرح ہدایہ الحکمت وغیرہ، نحو میں کافیہ اور اس پر شرح ملا، معانی میں مطول کا اکثر حصہ اور مختصر معانی کا وہ حصہ جس پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے اور ہندسہ وحساب میں بعض مختصر رسائل۔

اس حصول علم کے دوران ہر فن کے کئی قیمتی نکات میرے ذہن میں پیدا ہوتے تھے جو مزید غور وفکر سے کئی اور راہیں سمجھا دیتے، میں اپنی عمر کے سترہویں برس میں تھا کہ والد بزرگوار بیمار پڑ گئے اور اسی علالت میں رحمت خداوندی کی آغوش میں چلے گئے۔ آپ نے مرض الموت کے دوران مجھے بیعت وارشاد کی اجازت عطا فرمائی۔ اور یہ جملہ کہ یدہ کیدی اس (شاہ ولی اللہ) کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے) دوبارہ ارشاد فرمایا میرے نزدیک سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ والد بزرگوار ساری زندگی مجھ سے راضی رہے اور اسی عالم میں اس دنیا سے رخصت ہوئے، مجھ پر ان کی اس قدر توجہ تھی کہ کسی بات کو اپنے بیٹے پر نہیں ہو سکتی۔ میں نے کسی ایسے والد، استاذ یا مرشد کو نہیں دیکھا کہ جو اپنے فرزند، شاگرد اور مرید کے ساتھ ایسی شفقت سے پیش آتا ہو جس شفقت کے ساتھ والد بزرگوار مجھ سے پیش آتے تھے (اے اللہ مجھے اور میرے والدین کو بخش دے، اور ان پر رحم فرما جیسے کہ انھوں نے مجھے بچپن میں پالا اور ان کی ہر شفقت، رحمت کا انھیں ہزار در ہزار گنا اجر عطا فرما بے شک تو قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے) والد بزرگوار کی وفات کے بعد کم وبیش بارہ برس تک میں دینی اور عقلی کتابوں کی تدریس میں مشغول رہا اور ہر علم میں خاصا درک حاصل ہوا۔ جب میں والد گرامی کے مزار مبارک پر مراقبہ کرتا تو مسائل توحید حل ہو جاتے۔ جذب کا راستہ کھل جاتا سلوک میں سے وافر حصہ میسر آتا اور وجدانی علوم کا ذہن میں ہجوم لگ جاتا، مذاہب اربعہ اور ان کے اصول فقہ کی کتابوں اور ان احادیث جن سے وہ استدلال کرتے ہیں، کے مطالعے کے بعد مجھے نور بصیرت سے معلوم ہوا کہ فقہائے محدثین کی روش ہی اختیار کی جائے۔ اس بارہ سال کے عرصے کے بعد میرے سر میں حرمین شریفین کی زیارت کا سودا سمایا، ۱۱۴۳ھ کے اواخر

میں حج کی سعادت سے مشرف ہوا اور ۱۱۴۴ھ میں مجاورت مکہ مکرمہ، زیارت مدینہ منورہ شیخ ابوطاہر قدس سرہ اور دوسرے مشائخ حرمین سے روایت حدیث کا شرف حاصل کیا۔ اسی دوران حضرت سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ واتم التحیات کے روضۂ اقدس کو مرکز توجہ بنا کر فیوض حاصل کیے، علمائے حرمین اور دیگر لوگوں کے ساتھ دلچسپ صحبتیں رہیں اور شیخ ابوطاہرؒ سے خرقہ جامعہ حاصل کیا جو بلاشبہ تمام سلاسل کے خرقوں کا جامع ہے، اسی سال کے آخر میں فریضہ حج ادا کیا، ۱۱۴۵ھ میں عازم وطن ہوا اور اسی سال بروز جمعہ ۱۴ رجب المرجب صحیح وسالم وطن پہنچ گیا۔ **واما بنعمۃ ربک فحدث** (اور اپنے رب کا شکر ادا کرو) اور خاکسار پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے مجھے ’’خلعت فاتحیہ‘‘ سے نوازا اور اس آخری دور کا آغاز میرے ہی ہاتھوں کرایا۔ اور مجھے اس طرف رہنمائی کی گئی کہ فقہ میں سے پسندیدہ مسالک کو یکجا کر کے فقہ حدیث کی نئے سرے سے بنیاد رکھوں، اسی طرح اسرار حدیث، مصالح احکام، ترغیبات اور جو کچھ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور جن کی آپ نے تعلیم دی ہے۔ ان تمام کے اسرار ورموز کا بیان ایک مستقل فن ہے جس کے بارے میں اس فقیر سے زیادہ وقیع بات کسی اور سے نہیں بن آئی ہے اگر کسی کو اس فن کی عظمت وبلندی کے باوجود میرے بیان میں شبہ گزرے تو اسے شیخ عزالدین بن عبدالسلام کی کتاب ’’قواعد کبریٰ‘‘ دیکھنی چاہیے جس میں انھوں نے کس قدر زور مارا ہے مگر پھر بھی وہ اس فن کے عشر عشیر تک نہیں پہنچ پائے اور طریقہ سلوک جو کہ خدائے بزرگ وبرتر کے نزدیک بہت پسندیدہ ہے اور جسے اس دور میں رائج ہونا ہے۔ اور مجھے الہام کیا گیا، جسے میں نے اپنے دو رسالوں ’’لمعات‘‘ اور ’’الطاف قدس‘‘ میں قلم بند کر دیا ہے میں نے قدیم علمائے اہل سنت کے عقائد کو دلائل وبراہین کی روشنی میں جس طرح ثابت کیا اور جس طرح انہیں معقولیوں کے شکوک وشبہات سے پاک کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اب ان پر مزید بحث کی گنجائش ہی نہیں رہی اور مجھے کمالات اربعہ یعنی ’’ابداع:: خلق تدبیر اور تدلی جو اس دنیا کے طول وعرض میں موجود ہیں اور نفوس انسانیہ کی استعداد اور ان کے کمال اور انجام کو جاننے کا علم عطا کیا گیا ہے۔ یہ دونوں علوم اس قدر اہم ہیں کہ اس فقیر سے پہلے کوئی ان کی گرد تک نہیں پہنچا اور حکمت عملی جس کے ذریعے اس دور کی اصلاح کی جا سکتی ہے مجھے پوری طرح ودیعت کی گئی ہے اس کے

ساتھ مجھے کتاب وسنت اور آثار صحابہ کے ذریعے اس حکمت عملی کو مستحکم کرنے کی توفیق بھی بخشی گئی ہے۔ اور جو کچھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے یا دین میں جو کچھ اضافے کیے گئے ہیں یا تحریف کی گئی ہے اور جو کچھ سنت ہے یا ہر فرقے نے جو نئی چیزیں دین میں رائج کی ہیں ان تمام کی مجھے پرکھ عطا فرمائی گئی ہے۔ اگر میرا ہر بن مو زبان بن جائے تو بھی میں کما حقہ اس کا شکر نہیں بجالا سکتا اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو عالمین کا پروردگار ہے۔

البلاغ المبین
فی احکام رب العالمین

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

مولانا محمد علی مظفریؒ

تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	قبر پرستوں کی عادات	۳۵۴
۲	آیت من یشرک باللہ کی تفسیر	//
۳	اشراک باللہ	۳۵۵
۴۔	خر من السماء	//
۵۔	خطف الطیر	۳۵۶
۶۔	مشرک دو قسم کے ہوتے ہیں	//
۷۔	حقیقت ظلم	۳۵۷
۸۔	قصہ ہابیل وقابیل	//
۹۔	بت پرستی کی ابتدا	//
۱۰۔	صحت کا معیار	۳۵۹
۱۱۔	اندھی محبت کا فتنہ	۳۶۰
۱۲۔	اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کو رب بنا لینے کی تشریح	//
۱۳۔	بنی اسرائیل پر کیوں لعنت ہوئی	۳۶۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴۔	آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	۳۶۴
۱۵۔	پہلا واقعہ	〃
۱۶۔	دوسرا اہم واقعہ	〃
۱۷۔	تیسرا واقعہ	۳۶۵
۱۸۔	منقوشہ پتھر بالکل جھوٹے ہیں	〃
۱۹۔	نصب کی تشریح (مفسرین کرام کی شرح میں لکھتے ہیں)	۳۶۶
۲۰۔	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد ضرار کو گرا دیا	۳۶۷
۲۱۔	قبر سے چراغ اور قندیل کا اٹھا دینا	۳۶۸
۲۲۔	ایسی نذر معصیت ہے	〃
۲۳۔	چوتھا واقعہ	〃
۲۴۔	عصائے موسیٰ علیہ السلام	۳۷۱
۲۵۔	بدعتیوں کا اپنے پیروں کو شہرت دینے کا طریقہ	〃
۲۶۔	تنبیہ	〃
۲۷۔	مقام ابراہیم علیہ السلام	۳۷۲
۲۸۔	شیاطین کا ڈھنگ	۳۷۴
۲۹۔	جھوٹی حدیثیں	۳۷۵
۳۰۔	ایک بڑی غلط فہمی	〃
۳۱۔	حدیث ابی الہیاج الاسدیؒ	۳۷۶
۳۲۔	شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا اس حدیث کے متعلق خیال	۳۷۷
۳۳۔	اسلام اور قبر پرستی	۳۷۸
۳۴۔	قبر پرستوں کا غلو	۳۷۹
۳۵۔	عملی غلو	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۶۔	چیلنج	۳۸۰
۳۷۔	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ	۳۸۲
۳۸۔	حدیث لا تجعلوا قبری عیداً	۳۸۲
۳۹۔	معجزات و کرامات	۳۸۳
۴۰۔	جماعت ثنویہ	۳۸۴
۴۱۔	جماعت پیر پرست	//
۴۲۔	دعا عبادت کا نام ہے	//
۴۳۔	انبیا یا اولیا سے مدد چاہنا ان کی عبادت کے مترادف ہے	۳۸۶
۴۴۔	شرک شفاعت کے منافی ہے	//
۴۵۔	زیارت قبور سے مقصود کیا ہونا چاہیے؟	۳۸۷
۴۶۔	زیارت قبور کا مسنون طریقہ	۳۸۸
۴۷۔	پہلی حدیث	//
۴۸۔	دوسری حدیث	۳۸۹
۴۹۔	تیسری حدیث	//
۵۰۔	ان تینوں حدیثوں کا مفہوم	//
۵۱۔	بچنے کا طریق	۳۹۰
۵۲۔	اختلاف فتنہ ہے جس نے قوموں کو ہلاک کر دیا	//
۵۳۔	حدیث اہل بیت	۳۹۲
۵۴۔	مقبولیت بارگاہ الٰہی کی علامت	۳۹۳
۵۵۔	عقائد میں آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کے ساتھ مطابقت ضروری ہے	//
۵۶۔	معیار صحت	۳۹۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۷۔	اسوۂ ابراہیم علیہ السلام	۳۹۶
۵۸۔	اسوۂ حضرت اسحاق علیہ السلام	۳۹۶
۵۹۔	اسوۂ یعقوب علیہ السلام	۳۹۷
۶۰۔	اسوۂ یوسف علیہ السلام	۳۹۸
۶۱۔	صاحبی السجن کی تفسیر صوفیا کے نزدیک	//
۶۲۔	حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ	۳۹۹
۶۳۔	ایک اعتراض اور اس کا جواب	//
۶۴۔	واقعہ معراج	//
۶۵۔	دوسرا اعتراض اور اس کا جواب	//
۶۶۔	ایک اور اعتراض	۴۰۰
۶۶۔	باب تذکرۂ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اسوۂ صدیقی رضی اللہ عنہ	۴۰۱
۶۸۔	واقعہ رحلت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	//
۶۹۔	صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تقریر	//
۷۰۔	اسوۂ فاروقی رضی اللہ عنہ	۴۰۲
۷۱۔	اسوۂ عثمانی رضی اللہ عنہ نمبر ۱	۴۰۳
۷۲۔	اسوۂ عثمانی رضی اللہ عنہ نمبر ۲	//
۷۳۔	اسوۂ فاروقی رضی اللہ عنہ	۴۰۵
۷۴۔	خیر الناس کا قصہ	۴۰۶
۷۵۔	شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہ	۴۰۸
۷۶۔	شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ	//
۷۷۔	اسوۂ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۸۔	علم کی فضیلت	۴۰۹
۷۹۔	غلو فی الدین	۴۱۲
۸۰۔	الصوفی لا مذہب لہ	۴۱۳
۸۱۔	حضرت شیخ محی الدین جیلانی حنبلی المذہب تھے	۴۱۴
۸۲۔	بت پرستوں اور قبر پرستوں میں مشابہت	۴۱۵
۸۳۔	بیرونی شہادت	۴۱۷
۸۴۔	ایک عابد کا واقعہ	//
۸۵۔	علامہ ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ کا خیال	۴۱۸
۸۶۔	حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجیب واقعہ	۴۲۲
۸۷۔	قصہ تلاوت سورۃ النجم	۴۲۴
۸۸۔	شیخ عبدالوہابؒ منڈوی اور شیخ عبدالحق دہلویؒ کے واقعات	۴۲۶
۸۹۔	زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۴۲۷
۹۰۔	زیارت نبویؐ کے متعلق تین خیال	۴۲۸
۹۱۔	ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول	//
۹۲۔	ایک عجیب واقعہ	//
۹۳۔	ہمزاد کی موت کہیں مذکور نہیں	۴۲۹
۹۴۔	ایک مغالطہ	//
۹۵۔	تفسیر سورۃ الناس	۴۳۱
۹۶۔	رب، ملک اور الٰہ کی تشریح	۴۲۳
۹۷۔	درجہ فنا فی الشیخ کا مطلب	//
۹۸۔	ہر بستی کے لئے حاجت روا جدا ہے	۴۳۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹۹۔	قبر پرستوں کی گپیں	۴۳۴
۱۰۰۔	محکمات اور متشابہات	//
۱۰۱۔	ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ	۴۳۵
۱۰۲۔	تنبیہ	۴۳۶
۱۰۳۔	حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد	۴۳۷
۱۰۴۔	طریقہ اہل سنت	//
۱۰۵۔	وظائف شرکیہ	۴۳۸
۱۰۶۔	شرکیہ وظائف کے چند نمونے	//
۱۰۷۔	ایسے وظیفے پڑھنے کی ممانعت	۴۳۹
۱۰۸۔	ایک عجیب خبط	۴۴۰
۱۰۹۔	حقیقت، شریعت کے مخالف نہیں	۴۴۲
۱۱۰۔	ابوسلیمان دارانی علیہ الرحمۃ کا قول	۴۴۳
۱۱۱۔	حضرت ابوسعید خزاز رحمۃ اللہ علیہ کا قول	//
۱۱۲۔	حضرت بہاء الدین زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ	//
۱۱۳۔	شیخ ابوعبداللہ حارث بن اسدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول	۴۴۴
۱۱۴۔	ابوحفص کبیر حداد رحمۃ اللہ علیہ کا قول	//
۱۱۵۔	ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول	//
۱۱۶۔	حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کا قول	//
۱۱۷۔	مشائخ کا حزم واحتیاط	۴۴۵
۱۱۸۔	عقائد میں حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے موافقت ضروری ہے	۴۴۸
۱۱۹۔	تنبیہ	۴۵۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۰۔	فاسق و فاجر سے میل جول کا انجام عذاب الٰہی ہے	۳۵۱
۱۲۱۔	مسلم کی ایک روایت	//
۱۲۲۔	مکالمہ	۳۵۲
۱۲۳۔	قبلہ توجہ کی دلیل	۳۵۷
۱۲۴۔	دوسری دلیل	۳۶۰
۱۲۵۔	اس کا جواب	//
۱۲۶۔	ایک وضعی حدیث	//
۱۲۷۔	اس کی تشریح	۳۶۱
۱۲۸۔	ایک اور حدیث	۳۶۳
۱۲۹۔	اصل فقیر کیا ہے	۳۶۴
۱۳۰۔	کما یئس الکفار من اصحاب القبور کی تفسیر	۳۶۵
۱۳۱۔	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر	۳۶۶
۱۳۲۔	تفسیر ابن جریر	۳۶۷
۱۳۳۔	تفسیر مدارک	//
۱۳۴۔	تفسیر معالم التنزیل	//
۱۳۵۔	مسئلہ توسل	۳۶۸
۱۳۶۔	آیت کے معنی	//
۱۳۷۔	حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا خواب	۳۶۹
۱۳۸۔	جب پیغمبر علیہ السلام بھی وسیلہ ہے	//
۱۳۹۔	سجدۂ تعظیمی	//
۱۴۰۔	ایک سوال اور اس کا جواب	۳۷۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴۱۔	وسیلہ کی بحث	۴۷۳
۱۴۲۔	نابینا والی حدیث	//
۱۴۳۔	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسوہ	۴۷۵
۱۴۴۔	خیالی اضطراب	۴۷۶
۱۴۵۔	قبیح طریقے	//
۱۴۶۔	شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۴۷۷
۱۴۷۔	ایک حدیث	//
۱۴۸۔	قرب الٰہی کا وسیلہ صرف دو چیزیں ہیں	۴۷۸
۱۴۹۔	نتیجہ بحث	//
۱۵۰۔	تین مسافروں کا قصہ	۴۷۹
۱۵۱۔	نتیجہ	//
۱۵۲۔	پیروں کے ساتھ محبت کرنے کا معیار	۴۸۰
۱۵۳۔	شفاعت کن لوگوں کے لئے	//
۱۵۴۔	عمل مطابق سنت ہی قرب کا وسیلہ ہے	۴۸۱
۱۵۵۔	عمل صالح کی تعریف اور وسیلہ نجات	۴۸۲
۱۵۶۔	شرک فی العبادات کا مفہوم	//
۱۵۷۔	عدم خلوص قرب کا وسیلہ نہیں	//
۱۵۸۔	خاتمہ سخن	۴۸۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُکَ یَامَنْ اَنْزَلْتَ الْکِتَابَ الَّذِیْ لَارَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ عَلٰی نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ وَبِمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِهٖ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ اُوْلٰٓئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ نَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَانَعْبُدُ اِلَّآ اِیَّاکَ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا خَاتِمُ الْاَنْبِیَآءِ مُقْتَدَی الْاَوْلِیَآءِ عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِیْنَ.

امابعد! اس رسالہ کا نام البلاغ المبین (۱) ہے۔ اس میں آیات کلام الٰہی احادیث صحیحہ رسول علیہ السلام، آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اخبار اولیا عظام کو اس امید پر درج کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر رحمت نازل فرمائے اور اس فتنہ کو دور فرمائے جو ہندو مشرکوں کے ساتھ میل جول سے ہم میں صرف پیدا ہی نہیں ہو گیا بلکہ پھیل بھی گیا ہے اور جس کی وجہ سے مسلمان:

> وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِکُوْنَ (۱۲:۱۰۶)
>
> اور ان میں سے اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ پر یقین لاتے ہیں تو اس حال میں لاتے ہیں کہ اس کے ساتھ شریک بھی ٹھہراتے ہیں۔
>
> لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ کَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ
>
> تاکہ حق کو حق کر کے دکھاوے اور باطل کو باطل کر کے اگرچہ ظلم و فساد کے مجرم ایسا ہونا پسند نہ کریں۔ (الانفال:۸:۸) کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔

یہ خدائے کریم کا وعدہ ہے، یہ گمراہ کن فتنہ ایک سیاہی ہے جس نے ان کے ٹیڑھے دلوں کو اندھا کر رکھا ہے اور نور خداوندی کے نہ ملنے کی وجہ سے توحید پرست ملت بیضا کو گمراہی کے گڑھے میں سر کے بل ڈال دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰهِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ اَوْتَهْوِیْ بِهٖ

---

(۱) نہ صرف مطبوعہ نسخوں میں بلکہ مختلف مخطوطات میں بھی اسی نام سے یہ کتاب موسوم ہے۔ (قاسمی)

الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ (۲۲:۳۱)

(جو شخص کسی چیز کو خدا کا شریک ٹھہراتا ہے (اس کی مثال ایسی ہے) کہ گویا وہ بلندی سے گر پڑا اب یا تو اسے پرندے اچک لے جاتے ہیں یا ہوا اس کو کسی دور جگہ پھینک دیتی ہے۔ یعنی آواز حق سننے کے مقام سے بہت دور ہو جاتا ہے)

قبر پرستوں کی عادت

یاد رکھنا چاہئے کہ وہ فتنہ (جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے) قبر پرستی کی بیماری ہے، اور قبر پرستوں کو پیر پرست پر بھی کہتے ہیں، یہ لوگ قبر پرستی جیسے قبیح فعل کو فرض عبادات اور مسنون وظائف سے بہتر و افضل سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک قبر پرستی تو ہر قسم کی عبادات کا بدل ہو سکتی ہے لیکن یہ دوسری کسی عبادت کو قبر پرستی کا بدل نہیں سمجھتے، جس دن کسی بزرگ کا عرس مناتے ہیں اس کی قبر پر بکثرت اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اسی دن عرس میں شامل ہونا فرض عبادات کی بجا آوری اور علوم دین کی تحصیل سے زیادہ ضروری یقین کرتے ہیں اور اس کا بدترین نتیجہ یہ ہے کہ ہر دنیاوی مشکل کے لئے ان قبروں کی طرف دوڑتے ہیں۔

جس طرح عاجزی، انکساری، خشوع اور خضوع کا اظہار قبروں کے سامنے کرتے ہیں اس کا دسواں حصہ بھی حاضر و ناظر خدا کے سامنے مسجدوں کے اندر اپنی نمازوں میں نہیں کرتے، یہ لوگ قبر کے پاس صاحب قبر کا نام لے لے کر پکارتے اور دعا کرتے ہیں، ان سے اولاد اور رزق مانگتے ہیں، باادب متوجہ ہو کر قبر کے پاس اعتکاف میں بیٹھے رہتے ہیں۔ ان قبروں پر قیمتی غلاف اور لباس چڑھاتے ہیں اور ان پر خوشبوئیں ملتے ہیں، چراغوں، شمعوں اور قبروں کی سجاوٹ کے دیگر سامانوں کو ثواب سمجھ کر وہاں خرچ کرتے ہیں اور اس فضول خرچی اور اسراف سے صاحب قبر کی روح کو خوشی اور اس کا قرب تلاش کرتے ہیں، یہ اور قسم کے بے شمار افعال قبروں پر جا کر کرتے ہیں جو کہ تمام کے تمام مشرکان ہنود اپنے بتوں کے سامنے کرتے ہیں۔

آیت مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ کی تفسیر

جب یہ بدترین فتنہ (قبر پرستی) معلوم ہو گیا تو معلوم ہونا چاہئے کہ آیت کریمہ مَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ جس کا ترجمہ اوپر ہو چکا ہے۔ انہی چار باتوں کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

(۱) اِشْرَاکُ بِاللّٰهِ (۲) خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ (۳) خَطْفُ الطَّيْرِ (۴) اِلْقَاءُ الرِّيْحِ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ

اشراک باللہ

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا یہ ہے کہ ان تمام صفات کو جو ذات باری کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً زندہ کرنا، مارڈالنا، اولاد بخشنا، روزی دینا اور پوشیدہ امور سے واقف ہونا وغیرہ وغیرہ خدائے تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرنا اور اعتقاد رکھنا کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا بھی کرسکتا ہے۔ ورنہ ایسا کوئی شخص نہیں جو یہ کہے کہ خدائے تعالیٰ کا شریک کوئی اور خدا بھی ہے۔

خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ

اور اس کا آسمان سے گر پڑنا یہ ہے کہ دین توحید آسمان کی طرف ایک بلند مقام ہے جہاں پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی روشنی آفتاب عالم تاب کی طرح مومنوں کے دلوں کو منور کرتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے آثار روشن ستاروں کی طرح فرزندان اسلام کی رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ [1]

---

(۱) یہ حدیث کئی صحابہ کرام سے مروی ہے، یہ الفاظ حضرت جابرؓ کے ہیں جسے ابن عبدالبرؒ نے (جامع بیان العلم ۲/۹۱) میں اور ابن حزمؒ نے (الاحکام ۶/۸۳) میں اپنی سندوں سے ذکر کیا گیا ہے۔ مگر دونوں نے اسے ناقابل اعتبار قرار دیا ہے، البتہ شعرانی نے اپنی کتاب () المیزان ۱/۲۸) میں کہا ہے: اس حدیث میں اگرچہ محدثین کے نزدیک کلام ہے مگر اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے۔

یہ حدیث تھوڑے سے فرق کے ساتھ ابن عباسؓ (الکفایہ للخطیب ص: ۴۸) عمر بن خطابؓ (الکفایہ ص ۴۸) ابن عمر (المنتخب لعبد بن حمید ۷۸۳ص ۲۵۰) اور ابوھریرۃؓ (مسند الشھاب للقضاعی ۱۳۴۶، ۲/۲۷۵) نے روایت کی ہے مگر سب کے سب موضوع ہیں۔ مزید ملاحظہ ہوں، مختصر المنھاج للبیھقی (۵۵) وجامع البیان العلم (۲/۱۰۴) والکامل بن عدی ترجمہ حمزۃ الجرزی والمعتبر کلزرکشی (ص۸۱: ۸۵) وابطال القیاس ابن حزم (ص: ۵۳) ومیزان الاعتدال (۱/۶: ۵) پیر ابو اللیث الخیر آبادی.

اس حدیث سے کچھ قرب کا مفہوم مسلم کی روایت کردہ ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت میں ہے جس میں آپ نے فرمایا آسمان کے ستارے جب تک قائم ہیں یہ آسمان قائم ہے۔ جب ستارے مٹ جائیں گے تو آسمان سے اللہ کا وعدہ سامنے آئے گا، میں اپنے صحابہ کے لئے باعث امان ہوں۔ جب میں نہ رہوں گا تو صحابہ سے کیا وعدہ سامنے آئے

میرے صحابہ رضی اللہ عنہم روشن ستاروں کی مانند ہیں۔ ان میں سے جس کی اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

پس جس نے دین توحید کو چھوڑ دیا وہ گویا آسمان جیسے بلند مقام سے گر پڑا کانما حرف تشبیہ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کیلئے لایا گیا ہے جس سے اس کی خوبی اور لطافت ظاہر ہوتی ہے۔

خطفُ الطیر

خطف الطیر یعنی جانوروں کا اچک لے جانا یہ ہے کہ یہ شیاطین مشرکین کو لے جانے کے لئے فضا آسمانی میں تیرتے رہتے ہیں اور جس طرح چیل اور کوے چیونٹی اور ٹڈی دل کا شکار کرتے ہیں اسی طرح یہ مشرکین کو اپنا شکار بناتے ہیں۔

مشرک دو قسم کے ہوتے ہیں

لیکن یہاں ایک اور بات قابل غور ہے، وہ یہ ہے کہ مشرک دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن پر دنیا میں صریح اور صاف شرک کا حکم لگا سکتے ہیں اور دوسرے وہ جب قیامت کے روز مشرکین کے زمرہ میں شمار ہوں گے، تو **خطف الطیر** کی تمثیل میں پہلی قسم کے مشرکین کا ذکر ہے۔ جو شیاطین کے قبضہ میں پورے پورے آچکے ہیں اور **تھوی به الریح** میں دوسری قسم کے مشرکین کا ذکر ہے اور وہ ہوا نفسانیت کی ہوا ہے کہ اکثر منافقوں کی ہلاکت و موت کا موجب ہو جاتی ہے اور دوسری جگہ اہل نفاق کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (۴:۱۴۴)

بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں ڈالے جائیں گے۔

پس اس امر پر بھی غور کرنا چاہئے کہ ریح سے مراد نفس پرستی کی ہوا ہی ہے تو پھر مکان سحیق سے کیا مراد ہے؟ یہ کہ جہاں خواہشات نفسانی کی ہوا لے جا کر پٹخ دیتی ہے جہاں سے انسان باہر نہیں آ سکتا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ مکان سحیق سے مراد مقام تقلید ہے جہاں پہنچ کر کہا جاتا ہے۔

گا۔ اور میرے صحابہ امت کے لئے جائے امان ہیں جب وہ چلے جائیں گے تو امت سے کیا گیا وعدہ سامنے آئے

گا۔ اور میرے صحابہ امت کے لئے جائے امان ہیں جب وہ چلے جائیں گے تو امت سے کیا گیا وعدہ سامنے آئے

گا۔ (صحیح مسلم فضائل صحابہ اور مسند احمد ۴/ ۲۷۵:۳۸۳) میں یہ حدیث بروایت عمر بن خطابؓ بالفاظ مروی ہے۔ بحوالہ مشکوۃ باب المناقب الصحابہ

اِنَّا وَجَدْنَا آبَآءَ نَا عَلٰی اُمَّۃٍ وَّاِنَّا عَلٰی آثَارِھِمْ مُقْتَدُوْنَ (۲۳:۵۳)

ہم نے اپنے باپ داداؤں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی انہی کے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔

حقیقت ظلم

جب معلوم ہو گیا کہ شرک وہ بلائے بد (ظلم عظیم) ہے جس کا پھل ہمیشہ کھلی ہلاکت و تباہی ہوتا ہے تو کھلی بدعات و محدثات سے جو شرک کا مقدمہ اور شجر ہیں، پوری پوری قوت اور انتہائی ہمت کے ساتھ پرہیز اور علیحدگی اختیار کرنی چاہئے کیونکہ ظلم کی بنیاد گو ابتدا میں تھوڑی تھی لیکن آنے والی نسلیں اس پر ہمیشہ اضافہ کرتی ہیں۔

قصہ ہابیل و قابیل

آدم علیہ السلام کی جس قدر اولاد پیدا ہوتی تھی تمام کی تمام احکام الٰہی کی فرمانبردار اور آپ کی پیرو تھی۔ سب سے پہلا فساد جو عالم انسانیت میں ہوا اس کا سبب حرام کی طرف رجحان و میلان تھا کہ قابیل نے خلاف دستور اپنی جڑواں بہن کو اپنے نکاح میں لینا چاہا اور رب العالمین کی نافرمانی کا داغ اپنی پیشانی پر لگایا۔ جب بدکاری اور ہوائے نفس کا جذبہ اس کے دل پر غالب آ گیا تو گناہوں کے ارتکاب کی خاطر اس نے اپنے حقیقی بھائی کو قتل کر دیا۔ اس کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ حکم فرمایا کہ جب کبھی دنیا میں قتل ناحق کا ارتکاب ہو گا۔ اس کے مطابق قاتل کا جرم اور بوجھ قابیل کے نامۂ اعمال میں بھی لکھا جائے گا۔

بت پرستی کی ابتدا

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے معاً بعد آپ کے فرزند نامدار حضرت شیث علیہ السلام باپ کی وصیت کے مطابق قائم مقام بنے اور اللہ تعالیٰ کی وحی سے نبی ہوئے۔ جب ان کا بھی انتقال ہوا تو بقول بعض اسی وقت تصویر پرستی کی بنیاد پڑ گئی اور بعض مورخین کا خیال ہے کہ ان کے بعد ان کی اولاد میں رشد و ہدایت کا منصب باقی تھا، یہاں تک کہ حضرت ادریس علیہ السلام جو حضرت شیث علیہ السلام کے مکرم پوتوں میں سے تھے۔ حضرت شیث علیہ السلام کے زمانۂ نبوت کے بعد خلعت نبوت سے مشرف ہوئے اور آپ کو کئی قسم کے علوم عطا ہوئے حتیٰ کہ علم نجوم بھی آپ

ہی کی ذات سے شروع ہوا اور جب آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے آسمان کے راستہ سے جنت میں داخل فرمایا تو آپ کی قوم کے دل میں آپ کی زیارت کا بے حد شوق پیدا ہوا، حتی کہ آپ کی جدائی کے صدمہ سے بعض لوگ حیران و پریشان ہو گئے اسی اثنا میں شیطان لعین جو انسان کا کھلا دشمن ہے، آپ کی اولاد یا بعض احباب اور معتقدین کے پاس انسانی شکل میں حاضر ہوا اور کہا:

میں نے حضرت ادریس علیہ السلام کی روشن و مبارک شکل کو خواب میں دیکھا ہے اور مصوری کی صنعت میں بھی کمال کو پہنچا ہوا ہوں۔ اگر اشارہ ہو تو آنحضور کی تصویر بنا دوں تا کہ اس تصویر کو ان کے خلوت کے کمرہ میں بحفاظت رکھو اور ایک عدد یکساں طول و عرض والا آئینہ اس پر لگا دیا جائے اور لوگوں میں منادی کر دی جائے کہ وہ اس جگہ حضرت کی زیارت کے لئے آئیں۔ پس وہاں لوگ آتے تھے اور نذر و نیاز لاتے تھے اور اس تصویر کی شکل کو دیکھ کر وجد اور شوق کا اظہار کرتے تھے، وہ لوگ جو راہِ راست پر ہدایت خداوندی سے بہرہ ور تھے ان ناجائز باتوں سے روکتے تھے اور خود اللہ تعالیٰ کے دین کی سیدھی راہ پر ڈٹے رہے لیکن مشیت ایزدی کا اقتضا یہ ہے کہ اس دنیا میں خیر کے ساتھ شر کا وجود بھی قائم رہے، اس لئے نیکوکاروں کی مزاحمت نے بدکاروں کے دل پر کچھ اثر نہ کیا۔ پس ہوتے ہوتے اس قوم میں بت پرستی اور قبر پرستی ظاہر ہونے لگی، چنانچہ صالح لوگوں کی وفات کے بعد عوام ان تصویروں کی پرستش کرتے تھے اور ان بتوں کے نام ان بزرگوں کے نام پر رکھتے تھے اور بتوں کی تعظیم و تکریم کو بزرگوں کی تعظیم و تکریم شمار کرتے تھے۔

سورہ نوح میں ہے: لَاتَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (النوح ۲۳)

(اپنے معبودوں کو بالخصوص ود، سواع، یغوث و یعوق اور نسر کو مت چھوڑو)

اس آیت کی شرح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور بعض دیگر بزرگان سلف فرماتے ہیں کہ ود، سواع وغیرہ نیک لوگوں کے نام ہیں جو قوم نوح میں ہو گزرے ہیں۔ جب ان بزرگوں میں سے کوئی مر جاتا تو لوگ ان کی قبروں پر اعتکاف کرتے اور ان سے حاجتیں طلب کرتے۔ آہستہ آہستہ ان کے معتقدوں نے ان کے مجسمے اور بت بنا لئے اور پرستش شروع کر دی۔ [۱]

---

(۱) تخریج اثر ابن عباسؓ۔ دیکھیں، بغوی کی معالم التنزیل (۵/ ۴۰۹) اور الدر المنثور (۸/ ۲۹۲-۲۹۵)

چنانچہ اللہ تعالیٰ سورہ نوح میں ان بتوں کے متعلق فرماتا ہے:

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗٓ اِلَّا خَسَارًا وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا (النوح:۲۱:۲۴)

حضرت نوح نے کہا کہ اے میرے رب! انھوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کی جس کے لئے اس کے مال اور اولاد نے نقصان ہی بڑھایا۔ اور انھوں نے بڑے بھاری حیلے کئے اور کہا اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو اور وَدّ کو نہ چھوڑو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو، اور انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور تو ظالموں کی ہلاکت ہی بڑھائیو۔

غرض جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ قبر پرستی، تصویر پرستی اور قبور و تصاویر کی حد سے زیادہ تعظیم کرنا شرک کی بنیاد ہے تو ان سب بے اصل گمراہیوں، بدعتوں اور پرستشوں سے بے حد بچنا چاہیے اور ان باتوں کی طرف مطلق توجہ نہیں کرنی چاہیے جو قبر پرستی کی اشاعت کے لئے بمنزلہ تمہید کے ہوتی ہیں اور نہ ہی بزرگوں کے متعلق خوابیں اور مکاشفات جو عوام میں ہندی قبر پرستوں کی طرف سے پھیلائی جاتی ہیں۔ یہ سب خدائے ذوالجلال کے کلام کے صریح مخالف ہوتی ہیں۔

صحت کا معیار

یاد رہے کہ امور دینیہ کی بنیاد تین چیزوں پر ہے [1] (۱) واضح احکام جو کہ قرآن (کلام خدا) ہیں (۲) احادیث صحیحہ جو کہ حقانی کلام ہیں اور (۳) اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم جو بات ان تینوں یا تینوں میں سے کسی ایک کے خلاف ہوگی اسے مردود سمجھنا چاہیے اور اس پر کبھی عمل نہ کرنا چاہیے جب معلوم ہوگیا کہ ان تینوں اصولوں کے برخلاف بات رد کرنے کے قابل ہے تو قبر پرستی کی بیماری کی اصل بھی ان تینوں میں تلاش کرنی چاہیے۔ اگر ممانعت ثابت ہو جائے تو چھوڑ دیں،

---

(۱) آیت محکم۔ وہ آیت ہے جس میں اللہ نے کوئی شرعی حکم دیا ہے اور حلال و حرام بتایا ہے جس کے الفاظ کے معانی ہر لغت و شریعت سے سمجھ سکتے ہیں۔

کیونکہ جان لینے کے بعد گمراہی کا راستہ اختیار کرنا بدترین بدنیتی اور کھلی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَفَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ (۴۵:۲۳)

(سو کیا آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا ہے۔ اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ پس ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کر دینے کے بعد کون ہدایت کرے۔ کیا تم عبرت نہیں پکڑتے۔

اندھی محبت کا فتنہ

تاریخ وتفسیر (۱) کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے کہ انبیا علیہم السلام کے تشریف لے جانے کے بعد جس چیز نے بنی اسرائیل کو برباد کیا وہ اندھی محبت کا فتنہ تھا۔ یہود نے اپنے احبار کو، جو ان کے علما اور ارشاد وہدایت کے منصب دار تھے، اپنا رب اور حاجت روا بنا لیا اور نصاریٰ نے اپنے مشائخ کو، جو زاہد تھے، اور عیسیٰ علیہ السلام جو نبی تھے، یہودیوں کی مانند اربابا من دون اللہ مقرر کر لیا۔ چنانچہ ہر مصیبت اور مہم میں یہود اپنے احبار کی طرف اور نصاریٰ اپنے مشائخ اور درویشوں کی طرف رجوع کرتے اور جو کچھ وہ ان کو حکم دیتے وہی بجا لاتے اور کبھی غور نہ کرتے کہ احبار ورہبان کا فرمان احکام الٰہی کے موافق بھی ہے یا نہیں، حالانکہ ان کے پیغمبروں نے خدائے تعالیٰ کی طرف سے ان کو معبود واحد کی عبادت کا پیغام پہنچا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کو رب بنا لینے کی تشریح

بنی اسرائیل کی عادات میں ذکر آتا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کو سجدہ بھی کیا کرتے تھے، اس لئے اللہ نے ان کے ایسے افعال کو شرک سے تعبیر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ

---

(۱) دیکھیں علامہ سیوطیؒ کی تفسیر الدر المنثور (۴/۱۷۲-۱۶۴)

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

(التوبہ:۳۱)

ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے علما اور مشائخ کو اپنا پروردگار بنالیا اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی، حالانکہ انہیں جو کچھ حکم دیا گیا تھا وہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک خدا کی بندگی کرو کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی پاک ہے وہ اس شرک سے جو یہ اس کی ذات میں ٹھہرا رہے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے افعال کو شرک سے تعبیر فرمایا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو کوئی مذکورہ کام کرے گا اسے مشرک کہنا بھی درست ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو اس زمانے میں کہتے ہیں کہ پیر صاحب کے ہر حکم کی اطاعت فرض ہے، خواہ وہ حکم شریعت کے مخالف ہی ہو اور اس کی تائید میں حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ کے مجازی شعر کو حقیقت مان کر بطور سند پیش کرتے ہیں۔

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزل ہا

جائے نماز کو اگر پیر کہے تو شراب سے رنگین کردو، کیونکہ سالک ان منزلوں کے راستوں اور رسوم سے بے خبر نہیں ہوتا۔

تو حقیقت میں یہ لوگ بھی بنی اسرائیل کے مشرکوں کی طرح شرک کی وادی میں بھٹک رہے ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں بھی توبہ اور استقامت نصیب کرے۔ آمین۔

بنی اسرائیل پر کیوں لعنت ہوئی

یہود و نصاریٰ کی یہ عادت تھی کہ نبیوں اور بزرگوں کی قبروں کو عبادت گاہ کی طرح سمجھتے تھے اور بزرگوں کے قبرستان میں مساجد بنانا اور عبادت کرنا بہ نسبت کسی دوسری جگہ کے افضل جانتے تھے۔ مقابر پر روشنی کرتے، ان کا طواف کرتے، ان کو سجدہ کرتے، ان کو مزین اور آراستہ رکھتے، ان پر خوشبوئیں جلاتے اور ان میں نماز پڑھنا ضروریات دین میں سے سمجھتے تھے۔ ان ہی کے متعلق سرور عالم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے:

لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآءِ هِمْ مَسَاجِدَ

اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ پر لعنت کی کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا(۱)

یہ حدیث صحاح اور مصابیح میں موجود ہے اور صاحب مجالس الابرار نے بھی اس حدیث کو اس گروہ کے رد میں تحریر فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود ونصاریٰ پر اس لئے لعنت فرمائی کہ وہ انبیا کرام کی قبروں پر نماز پڑھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ قبروں میں یا قبروں کی طرف سجدہ کرنا دفن شدگان کی تعظیم کے لئے ہے، حالانکہ یہ شرک جلی ہے۔ نیز وہ لکھتے ہیں کہ بزرگان دین کی قبروں میں نماز پڑھنے سے مقصود اگر یہ ہو کہ نماز کی حالت میں بزرگوں کا قرب حاصل کرنے کے لئے ان کی قبروں کی طرف متوجہ ہونا دو طرح کی عبادت ہے۔ ایک پرستش الٰہی دوسرے تعظیم بزرگان تو یہ شرک خفی ہے۔ قوم نوح علیہ السلام میں سجدۂ تعظیم ہی سے صنم پرستی شروع ہوئی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت اس بارے میں اوپر گزر چکی ہے جو ود، سواع، یغوث ویعوق کے متعلق ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا۔ صحاح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ وَثَنًا

میری قبر کو بت مت بنانا (۲)

اور جناب الٰہی میں بھی دعا فرماتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ

---

(۱) اسے امام بخاریؒ نے اپنی صحیح (الفتح ۳/۲۰۰ حدیث ۱۳۳۰) اور امام مسلم نے اپنی صحیح (۱/۳۷۶ حدیث ۵۲۹) میں حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔ محمد ابو اللیثؒ اور بروایت عائشہ متفق علیہ (بحوالہ مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ) تخریج احکام الجنائز/ص ۲۱۶

(۲) مصنف ابن ابی شیبہؒ (۲/۳۷۰) کتاب الصلوٰۃ

یاالٰہی میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پرستش ہونے لگے۔ (۳)

اس سے واضح ہو گیا کہ وثن کا لفظ صنم سے زیادہ عام ہے کہ علما نے وثن کا اطلاق قبر اور مورت دونوں پر کیا ہے، تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ جس قبر کی پرستش کی جاوے وہ بھی وثن کے حکم میں داخل ہے اور اللہ نے وثن کی پوجا سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج:۳۰)

اوثان کی پلیدی سے بچو۔

حضرت ابوبکر بن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ جو کہ محدثین سلف میں سے ہیں، اپنی تصنیف میں ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص مدینہ منورہ میں گنبد خضرا کے پاس کھڑا ہو کر کچھ کہہ رہا تھا۔ حضرت امام زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ کر منع کیا اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

لَا تَتَّخِذُوْا قَبْرِیْ وَثَنًا

میری قبر کو بت نہ بنانا

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے اس قول سے یہ بات یقینی اور واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ قبروں کے سامنے ان باتوں میں سے کوئی بھی نہ کی جائے جو بت پرست اپنے بتوں کے سامنے کرتے ہیں کیونکہ قبروں کے سامنے ایسی حرکات کرنے کے بعد وہ قبریں اوثان کی حد میں داخل ہو جاتی ہیں اور اس سے بچنا ضروری ہے۔ خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ جن کا طریقہ سراسر سنت کے مطابق ہے فرماتے ہیں:

تو تا کے گور مرداں را پرستی
بگر دو کار مرداں کن ورستی

تو کب تک مردوں کی قبروں کو پوجے گا۔ لوٹ آ اور خود لوگوں کے کام بنا۔

---

(۱) اسے ابوہریرہؓ سے امام احمدؒ نے مسند میں (۲/۲۴۶) وابویعلیٰؒ (۶/۱۳۵ رقم ۶۶۵۱) صحیح سند سے روایت کیا ہے موطا امام مالک اور حضرت ابن ابی شیبہؒ (۲/۳۷۵) زید بن اسلم سے مرفوعا ہے لفظ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ یُصَلِّیْ اِلَیْهِ

آثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تو عادت تھی کہ جس کام سے انہیں شرک خفی کی بھی بو آتی اس سے نہایت کوشش کے ساتھ پرہیز فرمایا کرتے۔ پھر قبر پرستی جیسے باطل فعل کی تائید میں کوئی قول یا فعل ان سے کیسے مروی ہو سکتا ہے؟ اس کے برعکس ان کا ہر قول و فعل قبر پرستوں کے ہر خیال کی پرزور تردید کر رہا ہے۔

پہلا واقعہ

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک دفعہ سخت خشک سالی کا سامنا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دعا استسقا کے لئے مدینہ منورہ سے باہر گئے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وسیلہ بنا کر دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ بِنَبِیِّکَ وَنَحْنُ الْاٰنَ نَتَوَسَّلُ بِعَمِّ نَبِیِّکَ

اے اللہ ہم اپنی دعاؤں میں تیرے نبی کو وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ اب ہم تیرے نبی کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں۔ (۱)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ثابت ہوا کہ آپ نے غائب اور گزشتہ کو وسیلہ بنانا جائز نہیں ٹھہرایا، ورنہ روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ افضل نہ تھے۔ یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ پہلے ہم تیرے پیغمبر کو وسیلہ قرار دیا کرتے تھے اور اب ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کو وسیلہ پکڑتے ہیں؟

دوسرا اہم واقعہ

مکہ معظمہ کی راہ میں ایک کیکر کا درخت تھا۔ اس درخت کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جہاد پر بیعت لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ لوگ اس درخت کے پاس اہتمام سے جاتے اور اس کے نیچے نوافل پڑھتے ہیں تو آپؓ نے اس درخت کو جڑ سے اکھڑوا دیا تاکہ فتنہ بند ہو

(استسقاء ۳ فضائل صحابہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بخاری سوال الناس الامام الاستسقاء (۲/۳۹۴)

اور شرک نہ پھیلے۔ (۱)

تیسرا واقعہ

مکہ مکرمہ کے اسی راستے میں ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز کے بعد لوگوں کو ایسی جگہ نوافل پڑھنے کی کوشش کرتے دیکھا جہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً ایک بار سفر کی حالت میں نماز پڑھی تھی، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اس سے بھی روکا اور فرمایا:

اِنَّمَا هَلَکَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ بِمِثْلِ ذٰلِکَ کَانُوْا یَتَّبِعُوْنَ اٰثَارَ الْاَنْبِیَآءِ

تم سے پہلی قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہوگئیں کہ تمہارے اس فعل کی طرح انبیا کے نشانات کی پیروی کرتی تھیں۔ (۲)

یعنی جس جگہ لوگ پیغمبروں کے نشانات دیکھتے تھے اسے متبرک ومقدس سمجھنے لگتے تھے۔

منقوشہ پتھر بالکل جھوٹے ہیں

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ثابت ہوگیا کہ جو لوگ آج کل منقوشہ قدم اور پتھر کے گھڑے ہوئے پنجے کسی مقام پر گاڑ دیتے پھر انہیں زیارت اور نذر و نیاز کا محل قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ یہ فلاں بزرگ کا ہاتھ اور فلاں بزرگ کا پاؤں ہے (۳)۔ ان کا یہ فعل پیغمبروں کی سنت اور صالحین کے طریقہ کے سخت خلاف ہے بھلا جس صورت میں ان کی محض زیارت و تعظیم ہی سنت کی شدید ترین خلاف ہو تو ان سے دعا و التجا کرنا یا حاجت روائی چاہنا یہ کس درجہ کی گناہ گاری ہوگی؟ حاشا یہ ایک ایسا ناپاک عمل ہے جو فلاح اخروی کے قطعاً منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

---

(۱) اسے ابن ابی شیبہؒ نے مصنف (۲/۳۷۵) میں روایت کیا ہے، لیکن اسے نافعؒ نے براہ راست حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے، جبکہ ایک دوسرے کی لقا ثابت نہیں ہے، غالب گمان ہے کہ ان دونوں کے مابین حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں د/ الخیر آبادی (درمنثور ۷/۵۲۲)

(۲) اسے بھی ابن ابی شیبہؒ نے مصنف میں (۲/۳۷۶) روایت کیا ہے اور اس کی سند علی شرط الشیخین صحیح ہے۔ د/ الخیر آبادی

(۳) دہلی کی جامع مسجد میں ایسا نقش کیا ہوا پتھر رکھا ہوا ہے جس کی یہ کہہ کر زیارت کروائی جاتی ہے کہ یہ قدم رسول کا نقش ہے۔

يَـٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (المائدہ۹۰)

مسلمانو! بلاشبہ شراب، جوا، بت، معبودان باطلہ کے نشان اور پانسے ناپاک شیطانی عمل ہیں، ان سے بچو تا کہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔

نصب کی تشریح

مفسرین کرام انصاب کی شرح میں لکھتے ہیں

اَلْاَنْصَابُ جَمْعُ نَصَبٍ بِضَمَّتَيْنِ اَوْ جَمْعُ نَصْبٍ بِفَتْحِ النُّوْنِ وَسُكُوْنِ الصَّادِ وَهُوَ كُلُّ مَّا نُصِبَ وَعُبِدَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ شَجَرٍ اَوْ حَجَرٍ اَوْ قَبْرٍ اَوْ غَيْرِ ذٰلِكَ

انصاب، نصب کی جمع ہے، خواہ نون اور صاد دونوں مضموم ہوں یا نون مفتوح اور صاد ساکن اور نصب (اللہ تعالیٰ کے سوا) ہر وہ چیز ہے جس کو زمین میں گاڑ کر پوجا جائے خواہ وہ درخت ہو یا پتھر اور قبر وغیرہ

اس آیہ کریمہ کو اسی تفسیر اور انصاب کی اسی تشریح کے ساتھ صاحب مجالس الابرار اپنی کتاب میں قبور پر نماز پڑھنے، ان سے استمداد و استعانت چاہنے اور ان پر چراغاں کرنے کی ممانعت کے بیان میں لائے ہیں۔ لکھتے ہیں:

وَالْوَاجِبُ هَدْمُ ذٰلِكَ كُلَّهٗ وَمَحْوُ اَثَرِهٖ كَمَا اَنَّ عُمَرَ بَلَغَهٗ اَنَّ النَّاسَ يَتَنَابُوْنَ الشَّجَرَةَ الَّتِيْ بُوْيِعَ تَحْتَهَا بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اَرْسَلَ اِلَيْهَا فَقَطَعَهَا

ایسی تمام باطل چیزوں کا ڈھا دینا اور نشان تک مٹا دینا واجب ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ لوگ قصداً اس درخت کے پاس جاتے ہیں جس کے نیچے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک پر (جہاد کیلئے) بیعت کی تھی تو آپ نے ایک شخص کو کہہ کر اس درخت کو جڑ سے اکھڑوا دیا۔

حضرت عمر کا یہ فعل تخریج کے ساتھ پیچھے گزر چکا ہے۔

یہ روایت تمام ایسی چیزوں کو مٹا دینے کے عین موافق ہے جن کے معبود بن جانے کا اندیشہ ہو۔

مصنف مذکور اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سلوک اس درخت کے ساتھ کیا جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے (جہاد پر) بیعت لی تھی اور جس درخت کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

بے شک اللہ تعالیٰ ان مومنین سے راضی ہو گیا، جب یہ لوگ تیرے ہاتھ پر اس درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

تو اس درخت کے علاوہ اور ایسی چیزوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرنا لازم ہو گا جو انصاب میں داخل ہیں اور جن کے سبب سے (عالم اسلام میں) ایک فتنہ عظیم برپا ہے۔ اور ایک سخت مصیبت پیش آ چکی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد ضرار کو گرا دیا

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے بڑھ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسجد ضرار کو گرا دینا ہے، جو دلیل ہے کہ اس امر کی کہ تمام ایسی عمارتوں کو گرا دینا چاہیے جو فتنہ وفساد کے لحاظ سے مسجد ضرار کا برابر یا بڑھ کر ہوں، جیسے قبرستان کی مسجدیں وغیرہ اسلام کا حکم ایسی عمارتوں کے متعلق یہی ہے کہ ان کو گرا کر سطح زمین کے برابر کر دیا جائے۔ ایسے ہی قبر کے گنبد کا گرا دینا واجب ہے جو قبروں پر بنائے گئے ہوں کیونکہ ان کی بنیاد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی مخالفت اور نافرمانی پر ہے، اور ظاہر ہے کہ جس عمارت کی بنیاد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی مخالفت پر ہو اس کا ڈھا دینا مسجد ضرار کے ڈھا دینے سے کس قدر اولیٰ وانسب ہو گا۔ نیز ایسی عمارت کے گرا دینے کے وجوب کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبروں پر مسجدیں بناتے ہیں (۱) غرض ہر ایسی چیز کے گرا دینے میں جلدی کرنا واجب ہے جس

---

(۱) دیکھو حدیث ابو ہریرہؓ مسند احمد (۲/۲۹۲/۴۷۴)

کا بنانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے اور جس کا بنانے والا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ملعون ہے۔

قبر سے چراغ اور قندیل کا اٹھا دینا

اسی طرح قندیلوں اور چراغوں کا اٹھا دینا بھی واجب ہے جو قبروں پر روشن کئے جائیں اس لئے کہ قبروں پر چراغ جلانے والوں پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور جس فعل پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی اس کا ارتکاب کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔(۱)

ایسی نذر معصیت ہے

ایسے ہی موقع کے متعلق علما نے کہا ہے کہ قبروں کے لئے چراغ اور روغن وغیرہ کی نذر ماننا ناجائز ہے۔ اس لئے کہ یہ معصیت ہے اس کا پورا کرنا جائز نہیں اور اگر کوئی شخص ایسی نذر مان کر اسے پورا بھی کر دے تو اس پر کفارہ قسم کی مانند کفارہ دینا لازم آتا ہے پھر یہ بھی جائز نہیں کہ تیل وغیرہ کی قسم کی کوئی چیز قبروں کے لئے وقف کی جائے کیونکہ ایسا وقف صحیح وقف نہیں ہے اور اس کا قائم و نافذ ہونا بھی حلال۔

چوتھا واقعہ

معلوم ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وہ ہیں جن کے حق میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر (رضی اللہ عنہ) ہوتے۔(۲)

وہ فتنہ قبر پرستی وغیرہ جو گزشتہ اقوام اور ہماری قوم میں شرک کا سرچشمہ بن رہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قول اور عمل سے اس طرح ملیامیٹ کر دیا کہ موحد مسلمان کے ذہن میں اس کا کوئی تصور بھی باقی نہ رہ گیا جس میں مبتلا ہونے کا خوف ہو سکتا۔

---

(۱) لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج ، رواه ابن عباس اخرجه ابوداؤد والجنائز ۷۸) والترمذی (الصلوٰة ۱۲۱) والنسائي (جنائز ۱۰۴) هم (۱/۲۲۹، ۲۸۷، ۳۲۴، ۳۳۸) والحاكم (۱/۳۷۴)

(۲) اخرجه احمد (۴/۱۵۴) والترمذی (۵/۶۱۹) والحاكم (۳/۸۵) وهو حسن

صحیحین میں عابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے جو بعض کی رائے میں صحابی اور بعض کے نزدیک تابعی ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق علاوہ ان امور کے جن کا ذکر ہو چکا ہے اور جو تیز تلوار کی طرح اس شہر کا قلع و قمع کرتے ہیں، ایک روایت میں درج ہے۔

قَالَ رَأَیْتُ عُمَرَ یُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَیَقُوْلُ لَاَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ لَاتَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا اِنِّیْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یُقَبِّلُکَ مَا قَبَّلْتُکَ

عابس بن ربیعہؒ نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے فرما رہے تھے۔ میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا۔ (۱)

پس حجر اسود کا یہ حال ہے کہ جو خدا نے بہشت سے اتارا اور بیت اللہ شریف کے کونہ میں نصب کیا گیا تو دوسرے پتھروں، درختوں اور مقبروں کی کیا حقیقت ہے جو شرف و مرتبت میں اس کے سامنے حقیر و بے حقیقت ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ جو تمام تر ہدایت میں، یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ حجر اسود کے چھونے یا چومنے کی دلیل لینا قیاس مع الفارق ہے اور عقل اسے ٹھکراتی ہے اور حجر اسود کا چھونا یا چومنا محض سنت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کی خاطر جاری کیا گیا ہے۔

آپؓ کے اس ارشاد میں ایک اور بھی اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص حجر اسود میں نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت تسلیم کرے اور اس وجہ سے خوف یا طمع دل میں رکھ کر اس کی تعظیم کرے یا اس کو بوسہ دے تو یہ شرک ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادہ کے بغیر کوئی چیز نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

صحیحین میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ:

لَمْ اَرَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یَسْتَلِمُ مِنَ الْبَیْتِ اِلَّا الرُّکْنَیْنِ الْیَمَانِیَیْنِ۔ (۱)

---

(۱) ح۔ حج ۹ (۵) ۴۲، ۷ (۸) م حجر ۲۴۷۔ ت حج ۳۵

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو رکن یعنی رکن یمانی اور حجر اسود کے سوا کعبہ کی کسی اور چیز کو بوسہ دیتے نہیں دیکھا۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رکن یمانی کو چوما جمہور کا بھی یہی خیال ہے۔ رکن شامی کے چومنے میں البتہ کلام ہے، لیکن اس پر بھی شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ محدث دہلوی مشکوٰۃ شریف کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ صرف حجر اسود کو چومنا چاہئے اور رکن یمانی کو چھونا ہی کافی ہے۔

محمد بن اسماعیل بخاری رحمتہ اللہ علیہ اپنی صحیح میں زبیر بن عربی تابعیؒ سے ایک روایت لائے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حجر اسود کو چومنے کے متعلق سوال کیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَسْتَسْلِمُهٗ وَيُقَبِّلُهٗ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسے چھوتے اور چومتے دیکھا ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قرون اولیٰ میں مسلمان شرک خفی سے بھی اس قدر ڈرتے اور عقیدہ توحید پر قائم رہنے کے لئے اس قدر اہتمام کیا کرتے تھے کہ حجر اسود کو چومنے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علما سے دریافت کرلیا کرتے تھے اور جب انہیں ایسا کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے ثابت ہو جاتا تو اسے چومتے تھے۔ (۲)

مگر افسوس آج کل مسلمان بالکل بے باک ہو کر صراط مستقیم چھوڑ کر اور ٹیڑھی راہ اختیار کرتے ہوئے نہیں گھبراتے۔ وہ جس پتھر اور مقام کی نسبت سن پاتے ہیں کہ فلاں بزرگ کی یادگار ہے اسی پر جھک جاتے اور دور دراز مقامات سے اس کی زیارت کے لئے اور حاجت روائی کی خاطر اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ پھر اس پر شیرینی، پھول اور خوشبوئیں چڑھا کر اس شخص کا قرب ڈھونڈتے ہیں جس کی طرف اس چیز کی نسبت ہو اس طرح تسبیح کو خاک شفا اور صحت بخش جانتے

---

(۱) ح۔ حجر ۶۔ ن مناسک ۱۰۰ حم ۲/۱۵۱

(۲) جیسا کہ حضرت عمر سے منقول ہے کہ انھوں نے حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔

ہیں اور پیر کے عصا کو پیر کا قائم مقام سمجھتے ہیں۔

عصائے موسیٰ علیہ السلام

یہ بات مشہور و معروف ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے عصا کی کبھی تعظیم نہیں کی، نہ لوگوں کو اس کی زیارت کا حکم دیا، حالانکہ یہ عصا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت شعیب علیہ السلام کی معرفت ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے ملا تھا، قرآن مجید میں مذکور ہے کہ آپ نے اس عصا کے متعلق صرف اسی قدر فرمایا۔

هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى

یہ میری لاٹھی ہے اس کا سہارا لیتا ہوں اسی سے اپنی بکریوں کے لئے درختوں کے پتے جھاڑ لیتا ہوں اور میرے لئے اس میں اور بھی طرح طرح کے کام ہیں۔

بدعتیوں کا اپنے پیروں کو شہرت دینے کا طریقہ

پھر کوئی تو کہتا ہے کہ صاحب مجھے فلاں بزرگ کی گدڑی سے وہ فیض ملا ہے جو زندہ بزرگوں سے ہرگز نہیں مل سکتا۔ اور کوئی کہتا ہے اجی! فلاں پیر کا جبہ پہنتے ہوئے جو کیفیت مجھ پر طاری ہوتی ہے وہ کسی دوسرے وقت دیکھنے میں نہیں آتی۔

پھر ان مریدوں میں سے اکثر تو ان اشیا کو عطر اور خوشبوئیں لگا کر ہمیشہ سنبھالے رکھتے ہیں بعض کبھی کبھی تبرک جان کر ان چیزوں کو استعمال بھی کر لیتے ہیں اور بعض جو ہوشیار مرید ہوتے ہیں سال میں ایک دن ان کی زیارت کے لئے مقرر کرتے ہیں۔ اور اسی روز ان چیزوں کی طرف تکلف سے متوجہ ہو کر بیٹھتے ہیں اور اس ساری تعظیم و تکریم کو منسوب الیہ بزرگ کی خوشنودی و رضامندی کا باعث یقین کرتے ہیں۔

تنبیہ

مخفی نہ رہے کہ اشیاء بزرگان کی تعظیم و تکریم فوراً ہی کفر و شرک کا موجب نہیں بن جایا کرتی۔ یہ مرض آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہے۔ اور جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو طبیعت میں شرک کے ساتھ منافقت بھی پیدا کر دیتا ہے جس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب کوئی عالم ربانی ان کو ان کی تعظیم کرنے سے روکتا ہے۔ اس وقت یہ لوگ عذر اور حیلے پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ

معرفت سے نابلد اولیاء اللہ سے ناواقف اور ان کی کرامتوں کے منکر ہیں۔ یہود نے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت عزیر علیہ السلام کا منکر کہا تھا، اور عیسائی اسی طرح مسلمانوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا منکر کہتے ہیں اور ان گمراہوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں کا قصور فقط اس قدر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے تھے اور مسلمان کہتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے تھے، بیٹے نہیں تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ گمراہ لوگ قدرتی طور پر حق پرستوں کو بدنام کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں اس لئے ان کے خلاف لوگوں میں نفرت پیدا کرنے کے لئے مشہور کرتے ہیں کہ یہ گروہ فلاں بزرگ یا کرامت کا منکر ہے۔

چنانچہ مشرکین مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو صابی یعنی بے دین کہتے تھے اور ملت ابراہیمی کے منکر شمار کرتے تھے، لیکن اہل بصیرت پر لازم ہے کہ فتنہ کے زمانہ میں محفوظ طریقہ اختیار کریں اور ایسی راہ نہ چلیں جس کا نتیجہ شرک و بدعت ہو۔ جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے سچے متبعین کی سنت رہی ہے (چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں فرماتا ہے)

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (الانعام:۸۱)

اور میں ان چیزوں سے کیوں کر ڈروں جن کو تو نے شریک بنایا ہے، جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، سو ان دو جماعتوں میں سے بے خوفی و اطمینانی کا زیادہ حق دار کون ہے؟ (بتاؤ) اگر تم علم رکھتے ہو۔

مقام ابراہیم علیہ السلام

وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر کعبہ کی تعمیر کرتے تھے (اور بقول بعض دیوار کے ساتھ ساتھ خود بخود بلند ہوتا گیا، اور تمام عمارت میں کسی دوسرے پتھر کی ضرورت ہی نہ

پڑی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں قدموں کی انگلیوں کے نشان اس میں پڑ گئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس طرح حدیث میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلرُّکْنُ وَالْمَقَامُ یَاقُوْتَتَانِ مِنْ یَاقُوْتِ الْجَنَّةِ طَمَسَ اللّٰهُ نُوْرَهُمَا وَلَوْلَا ذٰلِکَ لَاَضَاءَ اَمَّا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ.

رکن یمانی اور مقام ابراہیم جنت کے دو موتی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی چمک دمک بجھادی ہے۔ اگر ایسا نہ کرتا تو مشرق و مغرب ان کے نور سے منور ہو جاتے۔ (۱)

اس پتھر کا نام اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مقام ابراہیمؑ رکھا ہے اور اس جگہ نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔

وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّی (البقرہ:۱۲۵)

(اور ہم نے حکم دیا) کہ ابراہیم علیہ السلام کے کھڑے ہونے کی جگہ ہمیشہ کے لئے نماز کی جگہ بنالی جائے۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر نماز پڑھا کرتے تھے غرض اس پتھر کی بابت کہیں یہ مذکور نہیں کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے کسی ایک نے اس پر ہاتھ پھیرا یا اسے کسی وقت بوسہ دیا ہو۔ ہاں اس کے برعکس ان باتوں سے ان کا انکار کرنا ضرور مروی ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۶۱۴)

چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک ایسے گروہ کو دیکھا جو مقام ابراہیمؑ کو چھو رہے تھے۔ آپؓ نے ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

"دیکھو! خدا نے تمہیں اس کو چھونے کا حکم نہیں دیا، اس کا حکم تو صرف اس قدر ہے کہ اس کے قریب نماز پڑھو"۔

---

(۱) اسے عبداللہ بن عمر بن خطابؓ نے نہیں بلکہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث مسند احمد (۳۱۳/۲) اور سنن ترمذی (الحج، باب فصل الحجر الاسود ۲۲۶/۳) اور صحیح ابن الخزیمہ (۲۱۹/۴) اور صحیح ابن حیان (الموارد ۱۰۰۴) اور مستدرک حاکم (۴۵۶/۱) وسنن بیہقی (۷۵/۵) اور فاکہی کی اخبار مکہ (۴۴۰/۱، ۹۶۰) میں ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔ د/الخیر آبادی)

اسی طرح مجالس الابرار نے لکھا ہے کہ عربی میں اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ محققین سلف نے اس پتھر پر ہاتھ پھیرنے سے بھی منع کر دیا جس پر خدا نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور ارزقی نے آیت وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى۔ کی تفسیر میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ لوگوں کو مقام ابراہیم علیہ السلام پر صرف نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اس کو چھونے کا حکم نہیں دیا گیا۔ پھر لکھا ہے کہ علما اس بات پر متفق ہیں کہ حجر اسود کے سوا (کعبے کی) کسی چیز کا چھونا اور چومنا جائز نہیں بجز رکن یمانی کے کہ اس کو بھی چھونا صحیح ہے چومنا صحیح نہیں۔ (الدر، ۱/۲۹۲)

شیاطین کا ڈھنگ

لیکن شیاطین کا ڈھنگ ہی جیسا کہ ذکر ہو چکا، نرالا ہے۔ وہ ہر زمانہ اور مقام میں پہلے تو ایک بزرگ کی قبر کو تعظیم کے لئے چن لیتے ہیں پھر اس کو اللہ کے سوا عبادت اور بندگی کے لئے بت بنا ڈالتے ہیں اور اپنے ہم نشینوں میں اس امر کی اشاعت کرتے رہتے ہیں کہ جو شخص اس کی پوجا سے روکے یا اس پر اجتماع کرنے سے منع کرے وہ درحقیقت اس بزرگ کی بے عزتی کرنا چاہتا اور اس کے حق کو تلف کرنا چاہتا ہے پس (اس پراپیگنڈہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) وقت کے جاہل لوگ ان غیر اسلامی حرکات سے روکنے والوں کے قتل کی کوشش کرتے ہیں اور اس کو کافر قرار دیکر سزا کے درپے ہو جاتے ہیں، حالانکہ ان کا اس کے سوا اور کوئی جرم نہیں ہوتا کہ وہ اس بات کا حکم دیتے ہیں جس کا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا اور ایسی بات سے روکتے ہیں جس سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے روکا ہے پھر لکھا ہے کہ چند باتوں نے ان قبر پرستوں کو فتنہ میں ڈالا جن میں سے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کی اس علت غائی سے جہالت و بے خبری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کی تحقیق اور شرک کے اسباب کی بیخ کنی کے لئے بھیجا ہے، پس جن لوگوں کو علم کا حصہ بہت کم ملا ہوتا ہے جب ان کو شیاطین قبر پرستی کے فتنہ کی طرف بلاتے ہیں تو چونکہ ان کے پاس اس قدر علم نہیں ہوتا کہ ان کی دعوت کو رد کر سکیں اس لئے قبول کر لیتے ہیں اور جو کچھ جہالت و کم علمی ہوتی ہے وہ محفوظ رہتی ہے۔

جھوٹی حدیثیں

منجملہ ان دلائل کے جو یہ لوگ قبر پرستی کے حق میں پیش کرتے ہیں ایسے ایسے اقوال ہیں جو بت پرستوں کی طرح انھوں نے خود گھڑ لئے اور معتبر بنانے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کردیئے ہیں۔ مثلاً یہ جھوٹی حدیث کہ:

(۱) اِذَا تَحَیَّرْتُمْ فِی الْاُمُوْرِ فَاسْتَعِیْنُوْا بِاَھْلِ الْقُبُوْرِ. یا یہ حدیث وضعی کہ

(۲) اِذَآ اَعْیَاکُمُ الْاُمُوْرُ فَعَلَیْکُمْ بِاَصْحَابِ الْقُبُوْرِ. یہ جھوٹی حدیث کہ

(۳) لَوْحَسَّنَ اَحَدُکُمْ ظَنَّہٗ بِحَجَرٍ لَنَفَعَہٗ. (۴)

ایک بڑی غلط فہمی

یہ اور اس قسم کی اور بے شمار جھوٹی حدیثیں ہیں جو اصول دین کے خلاف ہیں۔ (جو ان قبور کے بتوں کی عبادت کرنے والوں سے جاہل اور گمراہ لوگوں میں مشہور ہوگئی ہیں)۔ جاہل اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لئے بھیجا تھا کہ پتھروں اور درختوں سے نفع ونقصان کا اعتقاد رکھنے والوں کو قتل کردیں۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر ممکن طریقہ سے مسلمانوں کو قبروں کے ساتھ نفع ونقصان کا اعتقاد رکھنے سے ہمیشہ روکا ہے۔

اس طرح قبر پرستوں نے جو من گھڑت حکایتیں اپنی تائید کے لئے مشہور کر رکھی ہیں ان میں سے یہ بھی ہے کہ ایک شخص مصیبت میں مبتلا تھا۔ جب فلاں قبر والے سے مدد مانگی تو مصیبت سے نجات پائی، فلاں شخص پر آفت نازل ہوئی اُس فلاں جگہ پہنچ کر صاحب قبر سے دعا مانگی پس صاحب قبر نے اس کی تکلیف کو رفع کردیا اور فلاں شخص نے اپنی حاجت برآری کے لئے دعا مانگی اس کی حاجت پوری ہوگئی۔ ان خادموں اور مجاوروں کے پاس ایسی ایسی باتیں ہیں جن کا ذکر طوالت کا باعث ہے۔

الغرض یہ لوگ خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ جھوٹے ہیں اس لئے مردہ اور زندہ دونوں کی طرف جھوٹ منسوب کرتے رہتے ہیں۔ انسانی طبیعت نفع کی طالب اور نقصان سے خائف

---

(۱) جب تمہیں کسی امر میں پریشانی آئے تو اہل قبور سے مدد طلب کرو۔

(۲) جب تم مشکلات میں پھنسو تو اہل قبور کا دامن پکڑنا لازم سمجھو۔

(۳) تم میں سے اگر کسی کا پتھر پر بھی اعتقاد ہو تو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

(۴) (کشف الخفاء، ۱۵۳/۲، ۲۰۸۷)

واقع ہوئی ہے اور انسان اپنی ضروریات کے حل کے لئے بے چین رہتا ہے۔ اور خصوصاً جب تکلیف پہنچتی ہے تو جلد از جلد اس سے نجات پانے کا ہر شخص خواہشمند ہوتا ہے اور ہر طریق سے خواہ برائی ہو علاج چاہتا ہے ہر مصیبت زدہ جب یہ سن لیتا ہے کہ فلاں قبر حاجت روائی میں تریاق کا حکم رکھتی ہے تو دوڑ کر اس کی طرف جاتا اور پوری توجہ، زاری، عاجزی اور مسکینی کے ساتھ دعا کرتا ہے اور خداوند کریم اس کے عجز کو دیکھ کر اس کی دعا سن لیتا اور حاجت پوری کر دیتا ہے، پھر یہ شخص یقین کر لیتا ہے کہ قبر میں دعا کے قبول کرنے کی تاثیر ہے۔ اتنا خیال نہیں کرتا کہ خداوند کریم تو ہر مضطرب کی دعا سن لیتا ہے۔ اور اس کی حاجب برآری کرتا ہے خواہ وہ کافر ہو۔ اگر یہ شخص اسی ذلت اور فروتنی سے دکان، بازار یا حمام میں بھی دعا کرتا تب بھی اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرتا اس امر میں قبر کی تاثیر سمجھنا نادانی ہے جس کسی کی دعا قبول ہوتی ہے اس کے لئے خدا کی خوشنودی اور محبت ضروری نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مومن، کافر اور فاجر سب کی دعا قبول کرتا ہے۔

يَسَّرَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الدُّعَآءِ وَالْعَمَلِ مَا يَكُوْنُ مُوَافِقًا لِرَضَائِهٖ وَبِلُطْفِهٖ وَكَرَمِهٖ اِنْتَهٰى

حدیث ابی الہیاج الاسدیؓ

صحیح مسلم ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابی الہیاج الاسدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ:

اَلَا اَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِيْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَلَّا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتَهٗ.

کیا میں تمہیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا یہ کہ کسی مورت کو مٹائے بغیر اور بلند قبر کو سطح زمین کے برابر کئے بغیر نہ چھوڑو۔ (۱)

حضرت ابی الہیاج الاسدی رضی اللہ عنہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقُبُوْرُ وَاَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهَا وَاَنْ تُوْطَاءَ

---

(۱) م۔ جنائز۔ ۹۳۔ (جنائز۔ ۶۸) ت جنائز۔ ۹۹۔ حم ۹۶، ۱۲۹

منع فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے سے اور ان پر لکھنے اور ان کے روندنے سے۔ (۱)

شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ محدث دہلوی ترجمہ مشکوٰۃ میں یقعد کے نیچے لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ قبر پر بیٹھا جائے کیونکہ قبر پر بیٹھنا مومن کی عزت کے منافی ہے اور بعض نے کہا کہ قبر پر بیٹھنے سے مراد قضائے حاجت کے لئے بیٹھنا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا اس حدیث کے متعلق خیال

حافظ ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ اغاثہ میں امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ جس سبب کی بنا پر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبروں کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا اور جس کے سبب سے خدا کی بے شمار مخلوق شرک جلی میں مبتلا ہوگئی وہ سب یہ ہے کہ جو شخص اپنی تمام قسم کی فلاح اور اصلاح قبر کے ساتھ وابستہ رکھتا ہے وہ اپنے اعتقاد و اثر کے لحاظ سے اس شخص کی نسبت کہیں زیادہ قریب ہوتا ہے جو کسی درخت یا پتھر کو اپنی حاجت و توقعات کا قبلہ و کعبہ سمجھتا ہے اور تو دیکھتا ہے کہ اکثر آدمی اس قدر اس کے قریب گڑگڑاتے، روتے اور خشوع و خضوع کرتے ہیں۔ خاص بیت اللہ شریف میں اور سحری کے وقت بھی ظاہر نہیں کرتے۔ (۲) اس طرح قبروں پر نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کے وقت وہ جس طرح برکت کے امیدوار ہوتے ہیں ویسے مساجد میں نماز پڑھنے اور دعا مانگنے کے وقت نہیں ہوتے پس اسی فساد عظیم کے مادے کو مٹانے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو مقبرے میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا خواہ نماز پڑھنے والے کے ذہن میں نماز پڑھنے کے وقت قبر کی کوٹھری کی برکت ملحوظ بھی نہ ہو۔ (۳) جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طلوع، استواء اور غروب آفتاب کے وقتوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا کیونکہ وہ مشرکوں کے آفتاب کی عبادت کے وقت ہیں۔ اسی سے سمجھ لو کہ جس وقت کوئی شخص قبر کے نزدیک حصول برکت کی نیت

---

(۱) مسلم (۳/۶۱) ابوداؤد (۳/۷۰) والنسائی (۱/۲۸۵) والترمذی (۲/۱۵۳) وهود (۴/۳) ومسند الطیالسی (۱/۱۶۸) واحمد

(۲) ابوسعید قال نهى صلى الله عليه وسلم ان يبنى على القبور ويقعد عليها اور يصلى عليها (ابن ماجه ابویعلیؒ (۲/۶، ۱۶_۱)

(۳) مسلم بروایت عقبہ بن عامرؓ بحوالہ مشکوٰۃ باب اوقات النہی

سے نماز پڑھتا ہے تو اس کا نماز پڑھنا در حقیقت قبر کی پرستش کرنا ہوتا ہے، پس یہ ارادہ صریح کفر ہے، اور خدا اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کے خلاف ہے، اس میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا۔

صاحب مجالس الابرار نے لکھا ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے صرف اس لئے روکا کہ کہیں غیر اللہ کی عبادت کے لئے دلیل جواز نہ بن جائے تو قبروں سے مدد طلب کرنے کا کیا کہنا جو خود ہی شرک اور شرک جلی کا کھلم کھلا ذریعہ ہے، بہت لوگوں کو حاجتوں کے ہجوم نے برباد کیا کہ گھبرا کر اہل قبور سے حاجتیں مانگنے لگے اور کئی ایک کو اس اعتقاد نے ہلاک کر دیا کہ مسجدوں کی بہ نسبت انبیا کرام کی قبروں کے پاس نماز پڑھنا افضل ہے۔

اسلام اور قبر پرستی

حافظ ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ اغاثہ میں فرماتے ہیں:

اگر کوئی شخص موجودہ مسلمانوں کے اقوال وافعال کا موازنہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ کرے تو وہ ان کی کسی چیز کو بھی آثار وسنت کے موافق نہ پائے گا، کیونکہ دونوں کی آپس میں ضد اور عدم مطابقت ظاہر ہے۔ مثلاً

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبور انبیا پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا مگر آج مسلمان شوق سے پڑھتے ہیں۔ (۱)

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں پر مسجدیں بنانے سے روکا مگر آج ان پر بڑی بڑی عمارتیں بنائی جاتی ہیں اور ان کا نام مشاہد و درگاہ رکھا جاتا ہے۔

۳۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبور پر چراغاں کرنے سے منع فرمایا مگر قبر پرست مسلمان قبروں پر قندیلیں اور شمعدان روشن کرتے اور اس کام کے لئے جائیدادیں وقف کر جاتے ہیں۔

۴۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبروں کو پختہ بنانے سے روکا، مگر یہ مسلمان ان پر شاندار گنبد بناتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) مسلم بروایت ابی مرثد غنوی لاتجلسوا علی القبور ولا تصلو علیها بحوالہ مشکوٰۃ باب دفن المیت

(۲) عن ابی الزبیر عن جابرؓ (ابن ابی شیبہ ۳/۳۳۷)

۵۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر پر زائد مٹی ڈالنے سے منع فرمایا مگر یہ لوگ مٹی کی بجائے اینٹ، پتھر اور چونہ سے ان کو پختہ بناتے ہیں (۱)۔

۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں پر عمارت بنانے اور قبروں پر کتبے لکھنے سے منع فرمایا، مگر یہ لوگ شاندار عمارتیں بنا کر آیات قرآنی قبروں پر لکھتے ہیں۔

۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قبروں کو عیدگاہ نہ بناؤ (۲) مگر یہ لوگ ان پر عید کی طرح اجتماع کرتے اور دن مقرر کر کے سالانہ عرس منعقد کرتے ہیں۔

غرض یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر حکم کے مخالف اور دین کی ہر رسم کے دشمن نظر آتے ہیں۔

قبر پرستوں کا غلو

صاحب مجالس الابرار اس کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ فرقہ ضالہ اس حالت تک پہنچ گیا ہے کہ بعض حد سے بڑھانے والوں نے بیت اللہ (اللہ تعالیٰ اس کی عظمت اور شرف کو بڑھائے) کی طرح قبروں کے آداب اور ارکان مناسک مقرر کر دیئے ہیں اور اس موضوع پر کتابیں لکھ کر ان کا نام مناسک حج المشاہد رکھ دیا ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں، مگر مخفی نہ رہے کہ ایسا کرنا درحقیقت اسلام کی جگہ بت پرستی اختیار کرنا ہے، کیونکہ ان کا طریقہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ سے بالکل مختلف ہو گیا ہے۔

عملی غلو

پس دیکھئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت اور اس کے درمیان جو انھوں نے قبور کے متعلق مذہب بنا رکھا ہے کس قدر فرق ہے اور اس میں ذرہ بھر شک کی گنجائش نہیں کہ شرک کی اس گمراہ کن بدعت کے مفاسد حد سے زیادہ ہیں اور ایک یہ فساد ہے کہ قبروں کو مساجد پر جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل اور محبوب ہیں، فضیلت دیتے ہیں، یہ جب قبروں پر جاتے ہیں تو اس قدر رقت اور ادب، خشوع اور عاجزی کے ساتھ قبرستان میں داخل ہوتے ہیں کہ خدا کی مساجد میں اس

---

(۱) مصنف نے یہ بات ولا قبر مشرفا سے اخذ کی ہے۔

(۲) عن جابر مرفوعاً ابن ابی شیبہ (۳۳۰/۳) ت ک ۸ ب ۵۸ ن ک ۲۱ ب ۹۶ جم ک ۶ ب ۷۳

کیفیت کے ساتھ کبھی داخل نہیں ہوتے۔ ان کے نزدیک قبروں کو سجدہ گاہ بنانا، ان پر چراغاں کرنا، اعتکاف کرنا، پردے لٹکانا، عود و اگربتی جلانا اور ان کی صفائی کیلئے ملازم مقرر کرنا اور ان کی پوجا کے لئے اشاعت کرنا، ان کی مجاورت سے افضل اور ان کی خدمت مساجد کی خدمت سے بہتر ہے۔

صاحب مجالس الابرار نے جو کچھ کہا اظہر من الشمس ہے، ان لوگوں کی حرکات رازہائے سربستہ نہیں ہیں، میں نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھا ہے اور اس گروہ کی باتوں کو اپنے کانوں سے سنا ہے۔

چیلنج

آگے لکھا ہے کہ قبروں کے لئے نذریں ماننا، ان کی زیارت کے لئے دور اور نزدیک سے سفر کر کے آنا۔ ان کے پاس نمازیں پڑھنا، ان کے گرد طواف کرنا، ان کو چومنا یا چھونا اور ان پر ہاتھ یا منہ رگڑنا، ان کی مٹی یا کنکر اٹھا کر گلے میں لٹکانا، اہل قبور سے دعا مانگنا، رزق اور اولاد کے لئے یا بیماری سے شفا یا قرض سے خلاصی کیلئے دعائیں کرنا یا دیگر مہمات دنیوی میں ان سے مدد چاہنا بھی اس قبر پرستی میں شامل ہیں علاوہ ازیں تمام وہ حاجتیں جو بت پرستوں سے چاہتے ہیں یہ ان قبروں سے مانگتے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

> وَلَيْسَ شَيْءٌ مِنْهَا مَشْرُوْعًا بِاتِّفَاقِ اَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ اِذْ لَمْ يَفْعَلْ شَيْئًا مِنْهَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَلَا اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِهٖ وَالتَّابِعِيْنَ وَسَائِرِ اَئِمَّةِ الدِّيْنِ صَلٰوةُ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمُ السَّلَامُ.
>
> مسلمانوں کے تمام مسالک فکر کے علما کا اتفاق ہے کہ ان میں سے ایک کام بھی جائز نہیں کیونکہ ان میں سے کوئی بات نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی نہ صحابہ کرام میں سے کسی نے کی اور نہ مسلمانوں کے اماموں نے کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین عظام کا دور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خیر القرون (۱) (بہترین زمانہ) ہے جب ان لوگوں نے ایسے کام نہیں کئے تو ان کاموں کا جائز اور اچھا ہونا محال ہے۔

---

(۱) متفق علیہ بروایت عمران بن حصین خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم (مشکوۃ باب مناقب الصحابہ)

اب جو شخص ایسی باتوں کے ارتکاب کی جرأت کرتا ہے جس کا ثبوت ان زمانوں میں نہیں ملتا تو اس کے فاسق ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گواہی دی ہے، آگے لکھا ہے:

جو شخص ہمارے کلام میں شک کرے اسے چاہئے کہ ان تین زمانوں میں سے کوئی ایک مثال پیش کرے جس سے قبر پر نماز پڑھنا تو بڑی بات ہے صرف اتنا ہی ثابت ہو سکے کہ صحابہ کرام، تابعین یا تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے فلاں شخص نے اپنی مصیبت میں فلاں قبر کا قصد کیا، اس سے مدد چاہی یا اسے چوما اور چھوا چہ جائیکہ قبروں کے نزدیک نماز پڑھنے اور ان سے حاجت روائی چاہنے کو ان بزرگوں کی طرف منسوب کیا جائے ہرگز ہرگز ایسا ممکن نہیں۔

ہاں قرون ثلاثہ کے بعد ان لوگوں نے ایسی حرکتیں کی ہیں جو ناخلف جانشین تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا

لیکن پھر ان کے بعد ایسے نااہل جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کی حقیقت کھو دی اور نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑ گئے سو قریب ہے کہ ان کی سرکشی ان کے آگے آئے۔

اصل بات یہ ہے کہ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اور عہد رسالت دور تر ہوتا گیا، یہ فتنہ رواج پاتا گیا اور اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس موضوع پر کتابیں لکھی گئیں، جن میں سے بعض کو پڑھ کر افسوس ہوا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلفائے راشدین، صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ان میں ایک لفظ بھی منقول نہیں، بلکہ گور پرستی کے خلاف بہت سی مرفوع روایات ہیں جن کی سند مسلسل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے انہی میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّزُوْرَ فَلْيَزُرْ فَلَا تَقُوْلُوْا هُجْرًا (۱)

میں نے تمھیں قبروں کی زیارت کرنے سے منع کر دیا تھا پس جو کوئی قبروں کی زیارت کا ارادہ کرے وہ جائے مگر بے ہودہ گفتگو نہ کرے۔

---

(۱) تخریج ن جنائز ۱۰۰۔ حم ۳/ ۶۳، ۶۶، ۲۳۷، ۲۵۰، ۶/ ۳۶۱

صاحب مجالس الابرار لکھتے ہیں کہ ہجر کے معنی بے ہودہ گفتگو ہیں اور فرماتے ہیں کہ ان شرکیہ افعال واقوال سے بدتر کون سی بیہودہ بات ہوگی جو یہ لوگ قبروں کے پاس کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ

صحابۂ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین کے ان بدعتوں کے رد میں اس قدر بے شمار واقعات ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، ان میں سے ایک یہ ہے، جو صحیح بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایک قبر کے قریب نماز پڑھتے دیکھا تو تیزی سے کہا:

القبر! القبر! (قبر ہے قبر) قبر سے پرہیز کر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا القبر! القبر! فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ قبر کے قریب نماز پڑھنے سے بچنا چاہئے۔ اہل عرب کا قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز سے ڈرانا ہو تو اس کا نام بار بار لیتے ہیں تاکہ اس سے جلدی بھاگ جائے۔ جیسے جب ایک شخص کو شیر کے قریب پہنچا ہوا دیکھتے ہیں یا مہلک سانپ کے قریب پاتے ہیں تو کہتے ہیں: شیر! شیر!، سانپ! سانپ!

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا قبر کے قریب جا کر نماز پڑھنا اس بات کی علامت نہیں کہ وہ قبر کے قریب جائز سمجھ کر نماز پڑھتے تھے۔ غالب احتمال ہے کہ انہیں قبر کا علم ہی نہ ہو یا انھوں نے دیکھی ہی نہ ہو اور یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قبر کے قریب جا کر نماز پڑھنے کی ممانعت سے خوب واقف و باخبر تھے۔ پس جونہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈرایا کہ قبر ہے تو معلوم ہو گیا کہ قبر ہے۔(۱)

حدیث لاتجعلوا قبری عیدا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) اس اثر کو امام بخاریؒ نے (الفتح ۱/ ۴۳۷) میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے البتہ عبدالرزاقؒ نے مصنف میں (۱/۴۰۴، ۱۰۸۱) میں اور ابوالحسن دینوریؒ نے جزء فیہ مجالس من امالی ابی الحسن القزوینیؒ ل ۱/۳) میں اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے اور یہ سند صحیح ہے۔ د/ الخیر آبادی

لَاتَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتُکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ

میری قبر کو عیدگاہ نہ بناؤ البتہ مجھ پر درود پڑھو تم جہاں ہو گے مجھے تمہارا درود پہنچ جائے گا۔ (۱)

غور کرو جب گنبد خضرا کو مسجد بنانے سے روک دیا گیا جو شرف اور فضیلت میں دنیا بھر کے مقابر و مآثر سے افضل ہے تو دوسری قبریں بہت زیادہ اس ممانعت کی اہل ہیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتُکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ چونکہ درود پڑھنے کا ثواب دور و نزدیک سے یکساں طور پر ملتا ہے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کو عیدگاہ بنانے کی ضرورت نہیں اور قبروں کے عیدگاہ بنانے میں خرابیاں ہیں، جن کی تفصیل سے اللہ تعالیٰ ہی بہتر واقف ہے۔

معجزات وکرامات

مذکورہ بالا احادیث و آثار مرویہ کو بغور وفکر دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ صراط مستقیم یہی ہے کہ انبیا کرام اور اولیا اللہ، اللہ تعالیٰ کے عاجز اور فرمانبردار بندے ہیں، زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی اس کے کارخانہ میں کچھ بھی قدرت و اختیار نہیں رکھتے، رہے ان کے معجزات وکرامات، تو ان کی حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اور اختیار سے ان کے دخل کے بغیر، بعض اوقات مافوق الفطرت امور کا اظہار ان کے ہاتھ سے فرما دیتا ہے جن سے مقصود یہ ہے کہ لوگ ان کے پیچھے لگ کر صراط مستقیم پر جو انہیں انعام کے طور پر نصیب ہوا ہے، چل سکیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں جو انسان کی پیدائش کی اصلی غرض ہے پس جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے طریق کو چھوڑ دیا اور زید وبکر کے قول وفعل پر فریفتہ ہو کر یوں کہنے لگے۔

مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی (۳۹ ۳)

ہم صرف اس لئے انہیں پوجتے ہیں کہ ہمیں خدا کا مقرب بنا دیں۔

تو یہ لوگ پہلی گمراہ اور باطل قوموں کی طرح غلط راہ پر ہیں، اللہ تعالیٰ (ان کے اور اہل ایمان کے درمیان جو اختلاف ہے) اس کا فیصلہ قیامت کے روز کرے گا۔

---

(۱) حدیث ۲۰۴۲، احمد (۲/ ۲۶۷) وسندہ حسن

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْمَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ

لوگوں میں شرک کی قسموں کے حالات میں لکھا ہے کہ ایک مشرک جماعت کا نماز ثنویہ ہے۔

جماعت ثنویہ

۱۔ اس جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ موجودات کے دو خالق ہیں یزدان اور اہرمن۔

۲۔ ستارہ پرست، ان کو صابی بھی کہتے ہیں۔

۳۔ ہنود، ان کا خیال ہے کہ منتظمین عالم مختلف روحانی وجود رکھتے ہیں۔ اور ان منتظمین عالم کو راضی رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کی مورتیاں بنا کر پوجا جائے۔

۴۔ پیر پرست اس جماعت کے شرکیہ عقائد کی تفصیل یہ ہے کہ جب کوئی خدا کا نیک بندہ اپنی ریاضت اور مجاہدہ کی وجہ سے مستجاب الدعوات اور عنداللہ مقبول ہو جاتا ہے تو مرنے کے بعد اس کی روح کو بہت سی قوت و وسعت عطا ہو جاتی ہے اگر اس بزرگ کے نشست و برخاست کے مقام پر یا اس کی قبر پر اس کا تصور باندھ کر عاجزی اور ذلت کا اظہار کیا جائے تو بہ سبب قوت و وسعت مذکورہ کے اس کے حال سے واقف ہو جاتی ہے اور دنیا اور آخرت میں اس کی شفاعت کرتی ہے۔

جماعت پیر پرست

اس جماعت کے رد میں بے شمار آیات الٰہی اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وارد ہیں اللہ کا ارشاد ہے:

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ

کیا ان مشرک لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو معبود قرار دے رکھا ہے جو ان کی سفارش کریں گے؟ آپ کہہ دیجئے کہ اگرچہ یہ کچھ بھی قدرت نہ رکھتے ہیں اور کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں؟

دعا عبادت کا نام ہے

اور ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ.

اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے شخص کو پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک بھی اس کا کہنا نہ کرے اور ان کو اس کے پکارنے کی خبر بھی نہ ہو۔

سچ ہے غیر اللہ کو پکارنے والے سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گمراہ نہیں۔ اس آیت کریمہ سے واضح ہوتا ہے کہ جن غائب ارواح اور پوشیدہ اجسام کی دنیا میں پرستش ہو رہی ہے اور ان سے حاجت روائی کے لئے دعائیں کی جاتی ہیں وہ ارواح و اجسام دعائیں مانگنے والوں کی دعاؤں سے بھی غافل اور بے خبر ہیں، خواہ وہ انبیا علیہم السلام کے ارواح و اجسام ہوں یا اولیائے کرام رحمہم اللہ اجمعین کے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ انہیں بتلائے گا اور وہ اپنے پکارنے والوں کی باتوں پر مطلع ہوں گے تو بجائے اس کے کہ وہ ان کی سفارش کریں یا ان پر خوش ہوں، الٹے ان کی عبادت سے انکار کریں گے۔

وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَآءً وَّكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ

اور جب تمام لوگ اکٹھے کئے جاویں گے تو وہ ان کے دشمن ہو جاویں گے اور ان کی عبادت ہی کا انکار کریں گے۔

اس آیت سے دریافت ہو گیا کہ ان کی دعا عبادت ہے، پہلی آیت میں صرف دعا کا ذکر تھا۔ اب دعا کو عبادت سے بدل کر حقیقت واضح کر دی کہ دعا ہی عبادت ہے، چنانچہ اس کی تائید دوسری جگہ سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ.

اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے کہ مجھ کو پکارو، میں تمہاری درخواست قبول کروں گا، جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:

اَلدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ

دعا ہی عبادت ہے۔(۱)

---

(۱) تخریج تفسیر: ۲۰۰:۱۶، ۱۴۰ اس کی سند صحیح ہے۔ ج دعا۔ حم ۴/ ۲۶۷، ۲۷۱، ۲۷۶ ت دعا۱۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ

دعا عبادت کا مغز اور اصل ہے۔

انبیا یا اولیا سے مدد چاہنا ان کی عبادت کے مترادف ہے

پس ثابت ہو گیا کہ اولیا اللہ سے حاجت روائی چاہنا، ان کو پکارنا اور ان کی قبروں پر فریاد کرنے کے لئے جانا ان کی عبادت کرنا ہے۔ اگر چہ یہ لوگ اپنے خیال میں ایسا نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ ہم تو صرف قبروں کی زیارت کرتے ہیں ان کی عبادت نہیں کرتے۔

دراصل ان کے ایسے فضول بہانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا راز کھل جاتا ہے کہ یہی وہ مقاصد تھے جن کے پیش نظر اولا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیارت قبور سے بالکل روک دیا تھا، جیسا کہ فرمایا:

كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ.

میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روک دیا تھا (مگر اب اجازت دیتا ہوں) پس قبروں پر جایا کرو کیونکہ ان کی زیارت کرنے سے آخرت کی یاد آتی ہے۔ (۱)

مطلب یہ کہ قبروں کی زیارت سے بہت سے فتنوں کا خیال کرتے ہوئے میں نے منع کر دیا تھا، لیکن قبروں کی زیارت میں نفع بھی ہے اور وہ آخرت کا یاد آنا ہے، لہٰذا میں کہتا ہوں کہ زیارت کریں کہ اس دینی نفع کے خیال سے قبروں کی زیارت مباح ہے۔ پس اس صورت میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کی قبور پر جانے کا نفع برابر ہے، کیونکہ قبر کا دیکھنا بھی جنازہ کو دیکھنے کی طرح موت کی یاد دلاتا ہے۔ اور ثابت شدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔

شرک شفاعت کے منافی ہے

جیسا کہ مسلم رحمتہ اللہ علیہ نیساپوری نے صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت تحریر کی ہے۔

---

(۱) تخریج ۲ ک ۱۱ ح ۱۰۵ ک ۳۵ ح ۱۲۷/ د ک ب ۷۵ ک ۲۵ ب ۷ حم ۱۔ ۱۲۵، ۴۵۲، ۲/ ۳۴۴۱/ ۳۸، ۶۳، ۶۶، ۳۳۷، ۲۵، ۳۵۰، ۳۵۵ مرتبہ ۳۵

زَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ اُمِّهٖ فَبَكٰى مَنْ حَوْلَهٗ فَقَالَ اِسْتَاْذَنْتُ رَبِّيْ فِيْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِيْ وَاسْتَاْذَنْتُ فِيْ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَهَا فَاُذِنَ لِيْ فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّمَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو آپ کے ساتھی رو پڑے اور (آپؐ نے) فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کے لئے بخشش مانگنے کی اجازت چاہی تھی مگر نہ ملی پھر میں نے قبر کی زیارت کے لئے درخواست کی تو منظور ہوگئی پس تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ ان کی زیارت کرنے سے اپنی موت یاد آتی ہے۔ (۱)

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی والدہ کے لئے بخشش مانگنے کی اجازت چاہی اور وہ نہ ملی تو جو لوگ بزرگوں کی قبروں پر جاتے ہیں اس لئے کہ شرکیہ افعال کریں وہ ایسا کر کے ان بزرگوں کی شفاعت کے مستحق کیونکر ہو سکتے ہیں، جبکہ شرک شفاعت ہی کے منافی ہے۔

زیارت قبور سے مقصود کیا ہونا چاہئے؟

غرض جب معلوم ہوگیا کہ زیارت قبور سے ذکر موت وآخرت ہے تو موت وآخرت کو یاد کرنے، دنیا سے بے رغبتی حاصل کرنے اور اہل قبور کے لئے بخشش مانگنے کی غرض سے اگر کوئی سنت کے مطابق زیارت کے لئے جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں اور جو لوگ اس کے برخلاف طلب حاجات اور ارتکاب منکرات کے لئے وہاں جاتے ہیں، ممکن ہے ایسے زائرین قبور لعنت کے مستحق بھی ہو جائیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض زائرین پر لعنت بھی فرمائی ہے۔ ابو عیسیٰ ترمذی، امام احمد بن حنبل اور ابن ماجہ رحمہم اللہ اجمعین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لُعِنَ زُوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ. (۱)

کہ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت ہے۔

---

(۱) تخریج د/ جنائز ۷۸۔ ت صلوٰۃ ۱۲۱۔ ن/ جنائز ۱۰۴۔ حم ۱/ ۲۲۹، ۲۸۷، ۳۲۴، ۲۳۷ تحذیر الساجد ص ۶۲۵

بعض علما نے کہا ہے کہ عورتوں پر قبروں کی زیارت اس لئے منع ہے کہ عورتیں نرم دل ہونے کی وجہ سے رونے پیٹنے سے باز نہیں رہ سکتیں اور بین کرنے لگتی ہیں جو حرام فعل ہے، غرض وہی زیارت لعنت کا موجب ہوگی جس میں خلاف شرع امور کا ارتکاب ہوتا ہو خواہ ایسا کرنے والی عورتیں ہوں یا مرد اسی طرح وہ زیارت جائز ومباح ہے جو مسنون طریقہ سے کی جائے خواہ مستورات ہی کریں یا مرد، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سید الشہدا حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی قبروں کی زیارت کی۔

زیارت قبور کا مسنون طریقہ

اب ہم بیان کرتے ہیں کہ قبروں کی زیارت میں کیا کرنا چاہئے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا کیا دستور رہا ہے، مشکوٰۃ باب زیارت القبور پہلی فصل میں بروایت مسلم بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے کہ

پہلی حدیث

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ اِذَا خَرَجُوْا اِلَى الْمَقَابِرِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھایا کرتے تھے کہ جب کسی قبرستان میں جائیں تو یوں کہیں سلامتی ہو تم پر اے بستی کے باسی۔ مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں، ہم اپنے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے خیر و عافیت مانگتے ہیں۔ (۱)

اسی باب کی دوسری فصل میں بحوالہ ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر مدینہ کے قبرستان سے ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

---

(۱) تخریج، مسلم بروایت بریدہ، مشکوٰۃ باب زیارت القبور

دوسری حدیث

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ وَاَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ

اے اہل قبور! تم پر سلامتی ہو اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں بخش دے تم ہمارے سلف ہو اور ہم تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔ (۱)

تیسری حدیث

اور تیسری فصل میں مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا میں اگر قبرستان میں جاؤں تو کیا کہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یوں کہا کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاخِرِيْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ. (مسلم بروایت عائشہ۔ باب زیارۃ القبور)

سلامتی ہو اس بستی کے باسی مومنوں! اور مسلمانوں! تم پر، اللہ تعالیٰ ہمارے اگلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے۔ ہم بھی انشاء اللہ تم سے آ ملنے والے ہیں۔

ان تینوں حدیثوں کا مفہوم

ان تمام احادیث سے صاف معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک زیارت قبور سے بجز ذکر موت و یاد آخرت کے کوئی اور چیز مقصود نہ ہوتی تھی اور آپ اپنے لئے اور اہل قبور کے لئے دعائے رحم و مغفرت فرمایا کرتے تھے، تاکہ اہل قبور کو زندوں کی دعائے مغفرت سے فائدہ پہنچے اور ہمیں بھی اس کار خیر سے اجر نصیب ہو۔ کیونکہ کسی کا اپنے لئے اور مردوں کے لئے دعائے مغفرت کرنا مشترکہ طور پر دونوں کے واسطے موجب ثواب ہے۔

لیکن جو لوگ فائدے حاصل کرنے اور نقصانات سے بچنے کے لئے زیارت کرتے ہیں اور بزرگوں کی روحوں کو تمام حالات سے باخبر جان کر عاجزی اور انکساری کے ساتھ ان سے دعائیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں، ہماری فلاں حاجت پوری کرو اور فلاں مشکل حل کرو تو ان لوگوں کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم سب اس

---

(۱) ترمذی بروایت ابن عباسؓ، وقال ہذا حدیث حسن غریب۔ مشکوۃ باب زیارۃ القبور

نئے دین سے سخت بیزار ہیں۔

بچنے کا طریق

مسلمانوں کو چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احوال و اقوال کی پیروی کریں۔ جن کو ہزار ہا دیندار و متقی اہل علم نے جمع کیا اور زید و بکر کے بے سروپا اقوال کے پیچھے نہ جائیں، جن کی صحت کی کوئی صحیح سند نہیں ملتی۔ اس فتنہ کے زمانے میں لازم ہے کہ اپنے بزرگوں کے اقوال کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق کے میزان میں تول لیا کریں۔

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ (سورہ ہود:)

کیونکہ اس شرک و بدعت کے زمانے میں رحمت الٰہی کے سوا بچانے والا کوئی نہیں۔

اختلاف فتنہ ہے جس نے قوموں کو ہلاک کر دیا

مسند احمد ایسے فتنوں کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بواسطۂ وحی ظاہر ہو گیا تھا کہ اختلاف اور تفریق کا سمندر میری امت کو بھی قوم نوح علیہ السلام کی طرح طوفان ضلالت و گمراہی میں غرق کر دے گا۔ اور میرے اور میرے اصحاب اولاد (رضی اللہ عنہم کی) جو حقیقی معنوں میں میرے اہل بیت ہیں، سنت کی کشتی میں سوار ہوئے بغیر کوئی صورت بچنے کی باقی نہ رہ جائے گی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باآواز بلند فرمایا:

اَلَا اِنَّ اَهْلَ بَيْتِيْ فِيْكُمْ مِثْلُ سَفِيْنَةِ نُوْحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ

میرے اہل بیت تمہارے لئے سفینہ نوح کی مانند ہیں، اس ناؤ میں بیٹھ گیا بچ گیا، اور جس نے اس میں بیٹھنے سے پس و پیش کیا وہ ضرور ہلاک ہو گیا۔

حدیث اہل بیت

بظاہر یہ حدیث صرف اہل بیت کے تعریف میں معلوم ہوتی ہے چنانچہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں اس کو اہل بیت ہی کی تعریف میں لائے ہیں، مگر معناً خلفائے راشدین رحمہم اللہ بھی اس میں شامل ہیں جیسے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ والی حدیث شاہد ہے

جو صحاح اور سنن میں وارد ہے، کہ خلفائے اربعہ کے ذکر میں اہل بیت بھی داخل ہیں اور وہ حدیث میں وارد ہے، کہ خلفائے اربعہ کے ذکر میں اہل بیت بھی داخل ہیں اور وہ حدیث یہ ہے۔ (۱)

مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِیْ فَسَيَرٰی اِخْتِلَافاً كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ مِنْ بَعْدِیْ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ.

جو میرے بعد زندہ رہا وہ بہت اختلاف دیکھے گا پس تم پر لازم ہے کہ میری اور خلفائے راشدینؓ کی سنت کو دانتوں سے مضبوط پکڑے رہو اور بدعات سے بچو کیوں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

غرض آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی تمام مسلمانوں کے لئے ہر زمانہ ہر مقام میں لازم وواجب ہے۔ اور یہ متابعت کسی شخص کی خاطر چھوڑی نہیں جا سکتی اور فاسقوں کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جان بوجھ کر سنت کو ترک کرتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ اَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ. (۲)

جس نے ایسا عمل کیا جو ہمارے دین کے مطابق نہیں ہے وہ مردود ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ ایسے شخص کا اتباع کرنا بھی ٹھیک نہیں اور روانستہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی متابعت چھوڑ کر پیروں فقیروں کی اطاعت کرنا ان کو معبود بنا لینے کے برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کو احبار ورہبان کا پرستار اسی لئے کہا کہ وہ ان کا اسی قسم کا اتباع کرتے تھے۔ جب آیت اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳) نازل

---

(۱) تخریج، احمد، ابوداؤد، ترمذی، بحوالہ مشکوٰۃ (باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

(۲) مسلم بروایت حضرت عائشہؓ باب نقض الاحکام الباطلہ ورد محدثات الامور

(۳) الدر (۳/۱۷۴) اخرجہ ابن سعد وعبدبن حمید والترمذی وحسنة وابن المنذر وابن ابی حاتم والطبرانی وابوالشیخ وابن مردویہ والبیهقی فی سننه عنه واللفظ، قال اتیت النبیؐ وهو یقرأ فی سورة براة (اتخذوا) وقال ماانهم لم یکن یعبد ولعنهم ولكنهم كانوا اذا احلوا لهم شیئا استحلوه واذا حرموا علیهم شیئا وحرموه

ہوتی تو حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا نے ان کو کس لئے عالموں اور درویشوں کا پرستار کہا حالانکہ وہ ایسا نہیں کرتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ جس حرام چیز کو احبار و رہبان حلال کرتے تھے اسے حلال جانتے تھے اور جس حلال چیز کو حرام کرتے تھے، حرام جانتے تھے۔ حالانکہ ان کا حکم شریعت کے صریح مخالف ہوتا تھا اور یہی ان کی پرستش ہے۔

مقبولیت بارگاہ الٰہی کی علامت

صراط مستقیم میں امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام اور واجب، یا مستحب قرار دے کر لوگوں کو اس پر چلنے کا حکم دیتے ہیں وہ اپنے متبعین سے کہیں زیادہ ملامت کے قابل ہیں جو ان کا کہنا مانتے ہیں۔

سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیَ الْاَئِمَّةِ الْمُضَلِّیْنَ (۱)

مجھے اپنی امت کے گمراہ کن اماموں کا خوف ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

یَکُوْنُ اَمَّةٌ لَّا یَهْتَدُوْنَ بِهِدَایَتِیْ وَلَا یَسْتَنُّوْنَ بِسُنَّتِیْ وَسَیَقُوْمُ فِیْهِمْ رِجَالٌ قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الشَّیَاطِیْنِ. (۲)

میرے پیچھے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو نہ میری ہدایت پر عمل کریں گے اور نہ میری سنت پر چلیں گے، ان میں سے ایسے لوگ بھی ہوں گے ان کے پیشوا جن کے دل شیطانوں جیسے ہوں گے۔

غرض مقبولیت بارگاہِ الٰہی کی علامت یہ ہے کہ تمام اوامر و نواہی میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کی جاوے اور درگاہ ایزدی سے مردود ہونے کی نشانی یہ ہے کہ جملہ امور میں کسی

---

(۱) بروایت ثوبانؓ بحوالہ مشکوٰۃ (کتاب الفتن)

(۲) مسلم بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الفتن)

ایک سنت کی بھی مخالفت کی جائے اور اس قانون میں امیر و غریب سب برابر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سالکان منزل عشق الٰہی کے لئے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد فرمادیا ہے کہ ان کو کہہ دیجئے۔

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ

اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو تمہیں چاہئے میری پیروی کرو اگر تم ایسا کیا تو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔ اور تمہاری خطائیں بخش دے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی محبوبیت اور گناہوں کی مغفرت کا حاصل کرنا بغیر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کے ناممکن ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفائے راشدین کا اتباع بھی جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں داخل ہے، اس لئے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ دینی امور میں جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیا وہی کرے۔ اور جس چیز سے انھوں نے پرہیز کیا اس سے بچ کر رہے تاکہ صحیح معنوں میں سنت کا متبع یا سنی ہو جائے۔

عقائد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مطابقت ضروری ہے

کسی شخص کا زندگی کے سارے اعمال و احوال میں سنت کا ایسا پابند ہو جانا کہ کوئی عمل بھی سنت کے خلاف نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت خاص کے بغیر محال ہے ہاں اتنی بات ہر مسلمان کے لئے ضروریات ایمان سے ہے کہ عقائد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مکمل اتفاق کرتا ہو کیونکہ علمائے محققین نے فرمایا ہے کہ درجات و مراتب میں فرق ہو تو عقائد کے لحاظ سے تمام خاص و عام مسلمان برابر ہیں۔

معیار صحت

مناسب ہے کہ گور پرستی اور پیر پرستی جو کہ ان بزرگوں کے عقیدوں کے خلاف ہے کہ تحقیق قرآن مجید کی محکم آیتوں سے کریں۔ مگر خیال رہے کہ اگرچہ قرآن مجید فاسد خیالات اور بیمار قلوب کے لئے اکسیر بن کر آیا ہے لیکن اگر اس پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے احکام کی

خلاف ورزی بھی کرلی جائے تو اس روگ کا کوئی علاج نہیں اور ایسا کرنا اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا.

ہم نے جو کچھ قرآن میں نازل کیا ہے تو وہ یقین کرنے والوں کے لئے روح کی ساری بیماریوں کی شفا اور رحمت ہے۔ اور جو نافرمان ہیں تو انہیں کچھ فائدہ ہونے والا نہیں بجز اس کے کہ انکار و بدبختی کی وجہ سے اور زیادہ تباہ ہوں۔

بالفاظ دیگر کلام پاک بمنزلہ مفید دوا و صالح غذا کے ہے کہ جس سے صحیح مزاج کے لوگ تو مستفید ہوتے ہیں اور طاقت ور ہو جاتے ہیں مگر فاسد مزاج کے لوگ کے اجسام میں داخل ہو کر ان کے مرض یعنی دنیا اور آخرت کے خسارہ کو اور زیادہ کرتا ہے۔

شعر

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لالہ روید ودر شورہ بوم خس

بارش کی برکت میں کلام نہیں فرق یہ ہے کہ اسی سے باغ میں گل و لالہ اُگتے ہیں اور بنجر زمین میں گھاس پھوس۔ اور فرمایا:

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِىْ خَبُثَ لَايَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ.

اور دیکھو اچھی زمین اپنے پروردگار کے حکم سے اچھی پیداوار ہی نکالتی ہے مگر جو زمین نکمّی ہے اس سے کچھ پیدا نہیں ہوتا مگر یہ نکمّی چیز پیدا ہو، اس طرح ہم حکمت و عبرت کی نشانیاں ان لوگوں کے لئے دہراتے ہیں جو خدا کی نعمتوں کے شکر گزار ہیں۔

اور فرمایا:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِىَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ.

جنتی کہیں گے ساری ستائش اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اس زندگی کی راہ دکھائی

ہم بھی اس کی راہ کبھی نہ پاتے اگر وہ ہماری راہنمائی نہ کرتا۔

بلاشبہ ہمارے پروردگا کے پیغمبر سچائی کا پیغام لے کر آئے تھے۔

اور فرمایا:

فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (۴۲:۷)

ایک فریق بہشت میں ہوگا اور ایک دوزخ میں۔

اسوۂ ابراہیم علیہ السلام

پس جب یہ معلوم ہوگیا کہ انبیا علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عقائد میں موافقت رکھنا ضروری ہے تو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ انبیا علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی حاجات ومہمات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے انسان کی طرف توجہ نہیں کی۔ چہ جائیکہ وہ بتوں کی طرف رجوع کرتے۔ وہ ساری مخلوق کو رب العزت کے مقابلہ میں اپنی طرح بیچارہ وعاجز سمجھتے رہے اور اس کی نافرمانی سے بھاگ کر اس کی رضا کی طرف دوڑتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ تمام مسلمانوں کے ہادی وپیشوا ہیں، جس وقت آپ منجنیق سے جدا ہو کر آتش نمرود کی طرف فضا میں سے جا رہے تھے اس وقت آپؑ نے اپنے قول وفعل سے دو باتوں کی طرف اشارہ فرمایا اور رہنمائی کی۔ ان میں سے ایک یہ کہ ایسے حالات میں ہر مومن پر آپ کا اتباع لازم ہے۔ دوسرے یہ کہ مقربان بارگاہِ الٰہی کو وہ شرف عطا کیا گیا ہے کہ عوام اس کو بمشکل حاصل کر سکتے ہیں۔ معتبر کتب تواریخ وتفاسیر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حال میں لکھا ہے کہ جب آپ کو آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو جبرائیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر کہا:

جس بات کی ضرورت ہو بتائیے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا مَا اِلَيْكَ حَاجَتِيْ۔ کچھ بھی ہو آپ کی حاجت نہیں۔ جبرائیلؑ نے کہا تو اللہ تعالیٰ ہی کی درگاہ میں دعا کیجئے۔ آپؑ نے فرمایا حَسْبِيْ عَنْ سُوَالِيْ عِلْمُهُ بِحَالِيْ۔ دعا کی کیا ضرورت ہے جبکہ وہ میرے حال سے بخوبی واقف ہے۔ دونوں عبارتوں پر غور کیجئے۔ کہ پہلے جملہ کی ترکیب نحویوں کے نزدیک دراصل مَهْمَا يَكُنْ مِنْ بَلَاءٍ فَلَا حَاجَةَ اِلَيْكَ ہے جو دوسروں کے سامنے حاجت پیش کرنے کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتی ہے خواہ وہ

غیر، خدا کا رسول ہی کیوں نہ ہو، علما محققین نے کہا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانوں میں سے ایک امتحان تھا کہ خدائے تعالیٰ نے جس طرح آپ کو کلمات کی آزمائش میں ڈالا تھا ویسا ہی معاملات میں بھی آزمایا اور جبرائیل علیہ السلام کے آنے کی علت میں لکھا ہے کہ جبرائیلؑ کو آپ کے حال زار پر رحم آیا۔ پس اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اگر حکم ہو تو ان کی مدد کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا اور پوچھ۔

ابتلا کے اس واقعہ کی مثال یہ ہے کہ کوئی بادشاہ اپنے خزانہ پر کسی شخص کو مقرر کر کے ہدایت کرے کہ میرے سوا کسی کو خزانہ کی چابی نہ دینا۔ پھر خود ہی اس کی اطاعت کا امتحان لینے کے لئے اپنے ایک مقرب کو بھیج دے کہ جا کر چابی طلب کرو، مگر یہ نہ کہنا کہ بادشاہ نے چابی کے لئے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے۔ اب اگر وہ بادشاہ کی ہدایت خاص کے مطابق اس کو بھی چابی نہ دے تو بادشاہ جان لے گا کہ یہ شخص واقعی وفادار ملازم ہے۔

اسوۂ حضرت اسحاق علیہ السلام

لکھا ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی خواہش یہ تھی کہ ان کے بعد ان کا بڑا بیٹا عیص علیہ السلام نامی وارث نبوت قرار پائے، لیکن اس خواہش کی تکمیل کے لئے آپ نے اپنے والد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی روح سے مدد نہ چاہی اور بحکم خداوندی کہ وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔ هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ عیص علیہ لسلام کی بجائے یعقوب علیہ السلام نبی ہو گئے۔

اسوۂ یعقوب علیہ السلام

حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کے صدمۂ جدائی میں اس قدر خستہ حال ہوئے کہ روتے روتے آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اور پکار اٹھے۔

يَٰأَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ

آہ! یوسف کا درد فراق! اور شدت غم سے روتے روتے اس کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اس کا سینہ غم سے لبریز تھا۔

لیکن باوجود اس بے قراری کے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے آبائے کرام سے جو سب کے سب نبی تھے، اور ان کی ازواج مطہرات سے جو امہات المومنین تھیں، کبھی مدد نہ چاہی،

حالانکہ یہ سب آپ کے قریب مدفون تھے۔ آپ نے بڑی سے بڑی تکلیف میں اگر کہا تو یہ کہا:

اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ

میں تو اپنے رنج وغم کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں۔

سورۂ یوسف میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا قول نقل ہے چونکہ انما کلمہ حصر ہے جس سے معلوم ہوا کہ استمداد تو رہی درکنار، آپ نے کبھی کسی سے اپنا حال دل بیان نہیں کیا، چنانچہ آپ کا دوسرا قول ہمارے مطلب کی تائید کر رہا ہے، جہاں آپ فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ

اور جو باتیں تم بناتے ہو، ان میں اللہ کی مدد درکار ہے۔

اُسوۂ یوسف علیہ السلام

پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھو جنھوں نے عزیز مصر کے گھر میں اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی شبیہ مبارک دیکھ کر ایک نہایت ہی اہم آزمائش سے نجات پائی تھی۔ جب قید خانہ کی مصیبتیں جھیل رہے تھے، کبھی والد ماجد کی روح سے مدد نہ چاہی بلکہ اس کے برعکس دوسرے قیدیوں کو بھی (جو غیر اللہ کی محتاجی کرنے کے عادی تھے) غیر اللہ کی عبادت سے ہٹا کر خالص ایک خدا کا محتاج رہنے کے قائل کر دیا۔ قرآن مجید میں آپ کا تبلیغی خطبہ مذکور ہے:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ.

اے ہر دو یاران مجلس! کیا بہت سے رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ تم اس کے سوا جن ہستیوں کی پوجا کرتے ہو ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی سند نہیں اتاری۔ حکومت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی پوجا نہ کرو، یہی اصل دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

صاحبی السجن کی تفسیر صوفیا کے نزدیک

صوفیائے کرام جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے پیرو تھے ان کے نزدیک دو قیدیوں سے مراد دو قسم کے لوگ ہیں، اول جو سیم وزر کے غلام ہیں، خدا ان پر لعنت کرے اور یہ امرا اور سلاطین کا طبقہ ہے۔ دوسرے وہ جو نفس نابکار کے غلام ہیں، جن کی بے عزتی ذات باری تعالیٰ نے خود کی ہے۔

اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوٰاهُ

کیا تم نے ایسے شخص کو بھی دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا۔

یہ گروہ شدید ترین دشمن، یعنی نفس کا غلام ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَعْدٰی عَدُوِّکَ نَفْسُکَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْکَ

سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو دو پہلوؤں کے درمیان ہے۔ اور جان لینا چاہئے کہ حکومت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی نہیں۔

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ اور بقول مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْکَافِرِ (۱)

دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔

جس کا مفہوم دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ آخرت کافروں کے لئے قید خانہ اور مومنوں کے لئے جنت ہوگی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسوہ

جناب پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کے ساتھ اکثر جنگیں پیش آئیں اور دشمنوں کے ہاتھوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شمار تکلیفیں اٹھائیں۔ خصوصاً مکی زندگی میں آپ سخت بیچارگی کی حالت میں تھے مگر باوجود اس کے آپؐ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ارواح سے کبھی مدد نہیں مانگی، حالانکہ منصب ہدایت کے علمبردار ہونے کے ساتھ وہ آپؐ کے جد امجد بھی تھے۔

---

(۱) مسلم بروایت ابوہریرہؓ۔ مشکوٰۃ کتاب الرقاق

ایک اعتراض اور اس کا جواب

اگر کوئی قبر پرست کہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر مکہ سے بہت دور تھی، اس لئے آپ معذور تھے، تو اسے کہنا چاہیے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر تو حطیم کعبہ کے اندر تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم بھی تھی کیونکہ آپ نے ہجرت سے پہلے، اس پر کوئی چیز بطور نذر نہ چڑھائی حالانکہ آپ ان دنوں خوشحال بھی تھے اور غم وفکر کی حالت میں اس پر چہرہ نہ ملا؟ مگر اصل بات یہ ہے کہ آپؐ جیسے مظہر رشد وہدایت سے مشرکانہ افعال کا صدور ہی ناممکن تھا۔ (۱)

واقعہ معراج

واقعہ معراج سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا مگر اس واقعہ میں کہیں بھی درج نہیں کہ ان سے کسی قسم کی مدد مانگی ہو، بلکہ واقعہ معراج سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جس کسی سے ملاقات ہوئی، آپ کی طرف سے انہیں کو نفع پہنچا۔ چنانچہ بیت المقدس میں تمام انبیاء علیہم السلام کی ارواح مقتدی ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام ٹھہرے اور آپ کا ان کو پہلے اسلام علیکم کہنا (جو ایک قسم کی دعا ہے) اسی غرض سے تھا۔ اسی طرح بعض کا آپ کو مرحبا بابن الصالح اور بعض کا مرحبا باخ الصالح کہنا اسی بات کی دلیل ہے کہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفع عظیم پہنچا۔ اسی لئے انھوں نے مرحبا کہا: (۲)

دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث معراج میں مروی ہے۔ (۳)

فَرَضَ اللّٰہُ عَلٰی اُمَّتِی خَمْسِیْنَ صَلٰوۃً فَرَجَعْتُ بِتِلْکَ حَتّٰی مَرَرْتُ عَلٰی مُوْسٰی فَقَالَ مَا فَرَضَ اللّٰہُ عَلَیْکَ وَعَلٰی اُمَّتِکَ قُلْتُ فَرَضَ خَمْسِیْنَ صَلٰوۃً قَالَ فَارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَاِنَّ اُمَّتَکَ لَا تُطِیْقُ ذٰلِکَ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَھَا. الی آخرہ

---

(۱) صاحب اللمعات الدرجات مرقات ہر دو حضرات نے اس کا اثبات کیا ہے۔ اس پر کلام ہے

(۲) مسلم بروایت ابو ہریرہؓ۔ بحوالہ مشکوۃ شریف باب المعجزات

(۳) تخریج متفق علیہ بروایت ابوذر۔ مشکوۃ باب المعجزات

اللہ تعالیٰ نے معراج میں میری امت پر ۵۰ نمازیں فرض کیں۔ میں لوٹا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے انھوں نے پوچھا آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے کیا کچھ فرض کیا گیا ہے؟ میں نے کہا پچاس نمازیں: موسیٰ علیہ السلام بولے آپ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جائیں اور کمی کرائیں، کیوں کہ آپ کی امت سے اتنا بوجھ نہ اٹھایا جائے گا چنانچہ میں پھر اللہ تعالیٰ کے پاس گیا اور نصف معاف ہوگئیں۔ الی آخرہ۔

تو یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ کا مدد مانگنا نہیں ہے۔ یہ تو بلکہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عالم بالا کی وہ کیفیت باوجود قرب اتم حاصل ہونے کے، اب تک معلوم نہ ہوسکیں، جو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فوراً منکشف ہوگئی۔ یہی سبب ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو دریافت کرنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا۔ مدد طلب کرنے کی تو یہ صورت ہوتی کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بالارادہ تشریف لاتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت پر اتنا بوجھ ڈال دیا ہے آپ اس میں کمی کے لئے سفارش کریں، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تشریف لے جاتے اور یہ تخفیف عمل میں آتی مگر یہاں تو بات ہی اور ہے۔ حدیث کے الفاظ میں مررت علی موسیٰ یعنی موسیٰ علیہ السلام پر میرا گزر ہوا۔ ظاہر ہے کہ کسی پر گزر ہونا ایک اتفاقی بات ہے جس میں قصد وعزم کو دخل نہیں۔

ایک اور اعتراض

اگر کوئی پیر پرست کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اللہ تعالیٰ کے رسول تھے، آپ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب اتم حاصل تھا۔ اس لئے آپ کو کسی واسطہ کی ضرورت نہ تھی کیونکہ آپ بغیر کسی واسطے کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوسکتے تھے، مگر بزرگوں کی ارواح کو واسطہ بنانے کی اس لئے ضرورت ہے کہ ہم پیغمبر اور رسول نہیں ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ تو ان جاہلوں کو سمجھنا چاہئے کہ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، حسنؓ اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اللہ کے رسول نہ تھے اس پر بھی مہمات دینی و دنیوی میں تمہاری مانند صاحب گنبد خضراء حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد نہیں مانگتے تھے۔

باب تذکرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اسوۂ صدیقی رضی اللہ عنہ

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دو سال سے زیادہ خلافت کی۔ اور اس مدت میں آپ کو کوئی قسم کی تکلیفیں پیش آئیں مگر کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے کسی بھی مصیبت میں صاحب گنبد خضرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگی ہو اور آپ ایسا شرکیہ فعل کیوں کر کر سکتے تھے۔ جب کہ اس کے برعکس آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے موقع پر اپنی تقریر میں پیر پرستی کی ایسی تردید کی کہ اس کی بیخ و بنیاد ہی ہمیشہ کے لئے اکھاڑ کے رکھ دی۔

واقعۂ رحلت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لکھا ہے کہ جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ صدمہ جدائی کے سبب ایسے پریشان حال اور حواس باختہ ہو گئے تھے کہ کسی کو یہ کہنے کی اجازت بھی نہیں دیتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی۔ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسرے مکان میں کسی دوسرے محلّہ میں تشریف لے گئے تھے صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو بلوا بھیجا تو آپ آئے اور حجرہ کے اندر تشریف لے گئے۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مبارک تھا، آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پڑھا۔ (۱)

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَاِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ

(اے نبیؐ) آپ کو بھی مرنا ہے اور ان (لوگوں) کو بھی مرنا ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تقریر

پھر مسجد نبویؐ کے اندر تشریف لائے، کھڑے ہو کر حمد و ستائش الٰہی کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْقُتِلَ انْقَلَبْتُمْ

---

(۱) حوالہ (الدر المنثور ۴/ ۳۳۷، ابن المنذر عن ابی ہریرہؓ والبیہقی فی الدلائل عن عروۃؓ) مصنف نے ابن المنذر والی روایت لی ہے۔

عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ

اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سوا کیا ہیں کہ اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی اللہ کے رسول گزر چکے (جو اپنے اپنے وقتوں میں ظاہر ہوئے اور راہ حق کی دعوت دے کر دنیا سے چلے گئے) پھر اگر ایسا ہو کہ وہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں راہ حق سے پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی راہ حق سے الٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ (اپنا ہی نقصان کرے گا) خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور جو لوگ شکر گزار ہیں تو قریب ہے کہ خدا انہیں ان کا اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ لوگوں کو ڈرایا جائے تا کہ یہ لوگ اس حادثۂ عظیم کے سبب سے حواس باختہ ہو کر دین میں سست نہ ہو جائیں۔ پھر فرمایا:

اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَقَدْ مَاتَ مُحَمَّدٌ ایک روایت میں ہے (فَاِنَّهٗ قَدْ مَاتَ) وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ

لوگو! جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ زندہ و قائم ہے کبھی فوت نہ ہو گا۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بے نظیر تقریر کو سن کر ہوش و حواس قائم کیے، صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ آیت "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ" گویا ہمارے سینوں سے محو ہو گئی تھی۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پڑھی تو ہمارے سینے روشن ہو گئے۔

اسوۂ فاروقی رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسوۂ حسنہ بھی پیر پرستی و گور پرستی کی بنیاد اکھیڑ دینے والا ہے اور بزرگوں کی متروکہ اشیا کی تعظیم کو مٹا دینے والا ہے۔ آپ نے ایک موقعہ پر اپنے ہمراہیوں سے فرمایا تھا جب کہ وہ ایک مقام پر نماز پڑھنے کے لئے لپک کر جا رہے تھے، جہاں ایک دفعہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتفاقیہ نماز پڑھی تھی۔

اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّبِعُوْنَ اٰثَارَ الْاَنْبِيَآءِ

تم سے پہلی قومیں اسی وجہ سے ہلاک ہو گئیں کہ انبیا علیہم السلام کے نشانات کی پیروی کرتی

تھیں اور انہیں کو قابل عبادت بنا لیتی تھیں)

اسوۂ عثمانی رضی اللہ عنہ نمبر ۱

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں خطبہ کہنے کے وقت بپاس ادب منبر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس پایہ کو چھوڑ دیا کرتے تھے جس پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں دو پائے چھوڑ دیا کرتے تھے ایک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور دوسرا خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا۔ شیخین کا یہ عمل اتفاق اور عادت کے طور پر تھا۔ عبادت کے خیال سے نہ تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں جرأت سے کام لیا اور باوجود اپنے بے مثل ادب اور حیا کے منبر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے ہی پایہ پر کھڑے ہو گئے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پایہ تھا۔ آپ نے یہ فعل اس لئے کیا کہ لوگ شیخین کے معمول کو بزرگوں کے موقف اور نشست گاہ تعظیم کیلئے حجت نہ بنالیں اور شرک خفی اور پیر پرستی کے فتنہ کا دروازہ نہ کھل جائے کیونکہ یہی وہ فتنہ ہے جو پہلوؤں میں تعظیم کے نام سے شروع ہوا اور پچھلوں میں اتخذوا ارباب من دون اللہ تک پہنچ کر رہا اور ضرور ہے کہ امت مرحومہ کے حق میں بھی اسی طرح ہوتا، کیوں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

وَاللّٰهِ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ (۱)

بخدا تم وہی طریقے اختیار کرو گے جو اگلوں نے کئے۔

اور بعض روایتوں میں شبراً شبراً فرمایا۔ یعنی ہر وہ گناہ جو پہلی امتوں میں رواج پا گیا تم میں بھی ہونے لگے گا، الحمد للہ کہ اس فتنہ کا دروازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے بند ہو گیا۔

اسوۂ عثمانی رضی اللہ عنہ نمبر ۲

جس طرح مذکورہ بالا فعل سے فتنہ تعظیم کی ابتلا رک گئی اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک اور فعل سے ایک دوسرے فتنہ کی مدافعت بھی ہو گئی کہ وہ پیشواؤں کے غیر شرعی امور وافعال سے چشم پوشی کرنے کا فتنہ ہے اور ان کے خلاف شرعی احکام کی تعمیل کو بھی واجب جاننا ہے حالانکہ یہی اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنانا ہے، جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ جو

---

(۱) حوالہ ترمذی، براویت ابو واقد لیثی بحوالہ مشکوٰۃ باب الفتن

ائمہ اربعہ میں سے ہیں، طحاوی، ابوبکر بن شیبہ اور ابن عبدالبر رحمہم اللہ اپنی تصنیفات میں لکھتے ہیں:

اِنَّ عُثْمَانَ صَلّٰی بِالنَّاسِ بِمِنٰی اَرْبَعًا فَاَنْکَرَالنَّاسُ عَلَیْهِ فَقَالَ اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ تَاَهَّلْتُ بِمَکَّةَ مُنْذُ قَدِمْتُ وَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ تَاَهَّلَ بِبَلَدَةٍ فَلْیُصَلِّ صَلٰوةَ الْمُقِیْمِ فِیْهَا۔ (۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منی میں لوگوں کے ہمراہ چار رکعت نماز پڑھی (حالانکہ مسافر ہونے کی وجہ سے صرف دو پڑھنی ضروری تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ منی میں دوگانہ ہی پڑھتے تھے) لوگوں نے اس پر اعتراض کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا لوگو! جس وقت سے میں مکہ میں آیا ہوں میں نے باقاعدہ یہیں سکونت اختیار کر لی ہے، یعنی مکہ میں میرے اہل وعیال موجود ہیں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص کسی شہر میں باقاعدہ اہل بنا لے اس کو چاہئے کہ اس شہر میں پوری نماز ادا کرے۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ منی میں دوگانہ پڑھا کرتے تھے۔ مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے حج کیلئے تشریف لائے تو آپؓ نے لوگوں کے ساتھ چار رکعت نماز پڑھی اور ہر چند کہ دو رکعت چار رکعت میں داخل ہیں، مگر پھر بھی بہ سبب تغیر، سنت صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپؓ کے اس فعل پر انکار و اعتراض کیا اور جب تک آپؓ سے معقول شرعی عذر نہ سن لیا، خاموش نہ رہے، حالانکہ آپؓ اس وقت کے خلیفہ اور سب کے امام و پیشوا تھے تو آپؓ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ میں تشریف لائے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حالت مسافرانہ ہوتی تھی، اس لئے آپ دوگانہ پڑھا کرتے تھے، مگر میری حالت اس سے مختلف ہے۔ بات یہ تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آتے ہی مکہ شریف میں ایک عورت سے شادی کر لی تھی۔ اس لئے آپؓ کی حالت مکہ شریف میں مقیم کی سی ہوگئی تھی اور ایسی صورت میں اجماع کا فیصلہ ہے کہ پوری نماز پڑھنا واجب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ پیشواؤں کے ان احکام و اعمال پر اعتراض نہ کرنا جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہوں اور پیر پرستوں کا یہ کہنا کہ پیر جو کچھ حکم دے اس کو بلا تامل ماننا ضروری ہے اور اس کی دلیل میں شعر پیش کرنا کہ:

---

(۱) حوالہ طحاوی باب صلوۃ المسافر

اگر شہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پرویں (۱)

بالکل لغو اور بے ہودہ عذر ہے۔

اسوۂ فاروقی رضی اللہ عنہ

اس فتنہ کے دور کرنے کی تائید میں ایک واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھی ہے جس میں ان کی رائے کے مطابق قرآن مجید کی آیات اتریں، وہ واقعہ (۲) یہ ہے کہ جب مشہور منافق عبداللہ بن اُبی بن سلول مر گیا تو اس کا بیٹا، جس کا نام بھی عبداللہ ہی تھا اور وہ مخلص مومن تھا۔ خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور میرے باپ کی قبر پر تشریف لے چلئے اور اس کی مغفرت کے لئے دعا فرمایئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی دلداری کے لئے تشریف لے گئے اور اس کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنی چاہی۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر پکڑ لی اور کہا یا رسول اللہ...... آپ ایک منافق کی قبر پر کھڑے نہ ہویے اور نہ دعا فرمایے، کیونکہ وہ خدا (اور اس کے رسول کا) دشمن تھا۔ اسی جگہ نزول وحی ہوا اور یہ آیت کریمہ اتری۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ

اور ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کے جنازہ پر کبھی نماز نہ پڑھیے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہویے کیونکہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور حالت کفر ہی میں مرے ہیں۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منع کرنے کا حق حاصل تھا اور اس پر نہ صرف یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض نہیں ہوئے بلکہ اس کی تائید و موافقت میں آیت نازل ہوئی، جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کی دلیل ہے تو لازم آتا ہے کہ نہ تو

---

(۱) اگر بادشاہ کہے دن کو کہ اس وقت رات ہے تو جواب میں یہی کہنا چاہیے کہ ہاں! یہ دیکھیے چاند اور تارے۔

(۲) حوالہ مسلم بروایت ابن عمرؓ۔ باب فضائل عمرؓ

پیروں کے آداب حد سے زیادہ بڑھائے جائیں، نہ ان کے اتباع کو سنت کے اتباع پر ترجیح دی جائے کیوں کہ ایسا کرنا سچے مسلمان کی شان سے بعید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (۵:۱۱۵)

اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس پر امر حق ظاہر ہو چکا تھا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے ہوے گا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت بری جائے قرار ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ:

اُنْظُرْ اِلٰى مَا قَالَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰى مَنْ قَالَ

جو بات کہی گئی ہے اس کو دیکھ۔ کہنے والے کی طرف مت دیکھ۔

یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ایسی مکمل نصیحت ہے کہ ہمیشہ کام آنے والی ہے۔ دجال کے عہد میں جن لوگوں کا عمل اس کے خلاف ہوگا وہ اس کی کرشمہ سازیوں اور شعبدہ بازیوں کی پہلی ہی جھلک میں گمراہ ہو جائیں گے اور ہر اس راہ کو جو جہنم کی طرف جاتی ہے جنت کی راہ سمجھ کر اس کے پیروؤں میں داخل ہو جائیں گے۔

خیر الناس کا قصہ(۱)

صحیحین میں ایک واقعہ دجال کے ذکر میں آتا ہے کہ جب دجال مدینہ کے قریب ایک بنجر زمین میں پہنچے گا تو ایک شخص جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَهُوَ خَيْرُ النَّاسِ اَوْ مِنْ خَيْرِ النَّاسِ

وہ سب لوگوں سے اچھا ہوگا یا اچھے لوگوں میں سے ہوگا۔

دجال کے پاس آئے گا اور کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کی نسبت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی۔

دجال حاضرین سے کہے گا اگر میں اس شخص کو قتل کرکے پھر زندہ کر دوں تو کیا میری

---

(۱) متفق علیہ بروایت ابو سعید خدریؓ بحوالہ مشکوۃ باب بین یدی الساعۃ

صداقت میں کچھ شک ہے۔ اس کی جماعت کے لوگ کہیں گے نہیں تو دجال اس کو قتل کر دے گا مگر وہ شخص پھر بھی یہی کہے گا کہ اب تو مجھے یقین آ گیا ہے کہ تو واقعی دجال موعود ہے، کیونکہ اس واقعہ کی خبر بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پیشین گوئی میں دے دی ہے۔ اب کے دجال دوبارہ اس کو قتل کرنے کی کوشش کرے گا مگر نہ کر سکے گا۔

الحمد للہ کہ ایمان واسلام کا انحصار خلاف معمول باتوں کے ماننے پر نہیں رکھا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو کوئی شخص بھی دجال کے عہد میں کفر سے نہ بچ سکتا۔

حاصل یہ کہ اس وقت بھی ہم پر لازم ہے کہ کسی کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول وفعل کے موافق ہو تو مانیں ورنہ رد کریں۔ نہ اس پر عمل کریں اور نہ اس کو حجت جانیں۔

باب ذکر المشائخ

مشائخ کا فعل حجت نہیں

شیخ نصیر الدین محمود قدس سرہ

شیخ الاسلام نصیر الدین محمود قدس سرہ جو چراغ دہلی کے نام سے مشہور ہیں، سلطان المشائخ نظام الدین اولیا کے خلیفہ تھے، آپ نے فرمایا ہے کہ کہ مشائخ کا کوئی فعل حجت نہیں، بعض لوگوں نے آپ کے اس قول پر اعتراض کیا تو حضرت سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراض کرنے والوں سے کہا کہ محمود صحیح کہتا ہے۔

شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

سیر المشائخ میں لکھا ہے کہ ایک دن شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نماز کے لئے اپنی نشست گاہ سے باہر تشریف لائے، آپ کے مرید وضو کر رہے تھے، جب آپ کو دیکھا تو وضو چھوڑ دیا۔ لیکن ایک مرید وضو کرتا رہا اور فراغت پا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا حضرت شیخ نے اس کی یہ ادا پسند کی اور اس سے کہا ”بھائی تو نے اچھا کیا کہ خدا کی تعظیم کو مخلوق کی تعظیم پر مقدم رکھا“۔

اسوۂ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لوگوں کو آداب سکھانے کیلئے اس سے بڑھ کر ایک واقعہ حدیث میں آتا ہے کہ کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کیلئے یمن سے مدینہ آئے۔ ابھی اونٹوں پر ہی تھے کہ چہرۂ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ لیا سب کے سب اونٹوں سے نیچے کود پڑے اور بھاگ کر خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ مگر اس جماعت میں ایک شخص تھا، جو پہلے مسجد (نبوی) میں گیا دو رکعت نماز ادا کی اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص پر سب سے زیادہ خوشی اور شفقت کا اظہار کیا۔ (۱)

اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین رحمہم اللہ اور مشائخ سالکین رحمۃ اللہ علیہم کے حالات میں ملتے ہیں۔

علم کی فضیلت

اصل میں ساری مصیبت جہالت اور بے خبری کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هَلْ يَسْتَوِی الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ

کیا ارباب علم اور جاہل لوگ برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں جو اہل عقل ہیں۔

ایک حدیث میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رجب کی کسی رات مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما یہ آیت پڑھ کر رو رہے تھے

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں۔

تو یہ خوف الٰہی کی دولت تھی، جو اللہ تعالیٰ نے علم کی بدولت ان کو عطا فرمائی تھی۔ علم وہ چیز ہے جس کی ترقی کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعا تلقین فرمائی حالانکہ خود ان کو سارے جہاں کے لئے معلم بنا کر بھیجا:

رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا

اے میرے پروردگار میرا علم بڑھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ

---

(۱) تخریج۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ حصہ دوم میں روضۃ الاحباب اور دوسرے ارباب کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ یہ وفد عبدالقیس کا تھا جس میں عبداللہ شیخ پہلے مسجد نبوی میں آئے غسل کیا دوگانہ ادا کیا پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس کے اس طرز عمل کو حضورؐ نے بہت پسند فرمایا اور فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ہیں جو اللہ کو بہت پسند ہیں۔ حلم اور بردباری

علم حاصل کرنا ہر مسلم مرد و عورت پر فرض ہے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ شعر

پے علم چوں شمع باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

مگر جاہل صوفی جن کے متعلق بجا طور پر کہا گیا ہے کہ:

مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يُفَقِّهُ فَتَزَنْدَقَ

جو شخص تصوف اختیار کرتا ہے لیکن اسے سمجھتا نہیں وہ کافر ہو جائے گا۔

اس آیت اور حدیث کے معانی الٹ کر یوں بیان کرتے ہیں۔

کہ جس علم کو حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ وہ علم ہے جو سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے، ان لیٹروں نے اس فریب سے کئی لوگوں کو لوٹا اور ایسا برباد کیا ہے کہ معرفت کی راہ اور صراط مستقیم ان پر ہمیشہ کے لئے گم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ ایسے وسوسہ اندازوں کے شر سے بچائے جو لوگوں کے سینوں میں شیطان کی طرح وسوسہ اندازی کرتے رہتے ہیں۔

یہ بدبخت علم جیسی نعمت، کو جسے حاصل کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مسلمان پر فرض فرمایا: دماغ سوزی قرار دیتے ہیں، اور ذو معنی اشعار سنا سنا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور آیات واحادیث کے معانی اور بزرگوں کے اقوال کا مفہوم الٹ کر جاہلوں کے ایمان کو لوٹتے رہتے ہیں۔ مثلاً اس قسم کے اشعار پڑھتے ہیں

علم حق در علم صوفی گم شود
ایں سخن کے باور مردم شود

کہ تصوف کے علم میں ہی حق کا علم گم ہے۔ مگر لوگ اس حقیقت کو کب مانتے ہیں۔

ان میں سے جو عربی جانتے ہیں وہ عربی عبارتیں اپنے مدعا کی تائید میں پیش کر دیتے ہیں تا کہ بے فہم و جاہل مخاطب اسے فرمودہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھ کر ان کا مطیع و منقاد ہو جاتے ہیں۔ مثلاً یہ سناتے ہیں کہ:

اَلْعِلْمُ حِجَابٌ اَكْبَرُ وَالْجَهْلُ عِنْدِىْ اَحَبُّ مِنَ الْعِلْمِ

علم بہت بڑا پردہ ہے اور جہالت مجھے علم کی بہ نسبت زیادہ پسندیدہ ہے۔

حاشا وکلا ایسے وہم میں ڈالنے والے کلمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فرمودہ نہیں ہو سکتے صوفیائے متاخرین کا قول ہے کہ اَلْعِلْمُ حِجَابُ اَکْبَرُ میں العلم سے مراد خودی کا علم ہے۔ جس کے سبب سے علوم الٰہی کے دروازے اس پر وا نہیں ہو سکتے اور اَلْجَھْلُ عِنْدِیْ اَحَبُّ مِنَ الْعِلْمِ میں الجہل سے مراد عارفانہ تجاہل ہے جیسے کوئی شخص عالم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو جاہل سمجھے، تاکہ نفس کی شرارت سے محفوظ رہے۔

تو ان اقوال کو اگر کم از کم بزرگان دین کے اقوال بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی ان کے معانی یہی ہو سکتے ہیں جو صوفیائے متاخرین نے بیان کیے ہیں، نہ کہ وہ جو یہ گمراہ فرقہ بیان کرتا ہے۔

سلطان الاولیا ابراہیم بن ادہم بلخی رحمتہ اللہ علیہ بڑے مشائخ میں سے ہیں، آپ نے کئی سال علوم دین کی تحصیل اور ریاضت ومجاہدہ کی سعادت حاصل کرنے میں صرف کیے آپ کی ایک رباعی ہے۔

ہرگز دل من زعلم محروم نہ شد
کم بود ز اسرار کہ مفہوم نہ شد
ہفتاد و دو سال سعی کردم شب و روز
معلوم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد

(میرا دل علم سے محروم نہیں رہا۔ بہت کم ایسے بھید ہیں جو مجھ پر نہیں کھلے، بہتر برس دن رات میں نے طلب علم میں کوشش کی مگر بالآخر یہی معلوم ہوتا تھا کہ مجھے کچھ بھی نہیں آتا) گویا کہ یہ **ماعرفناک حق معرفتک** کا صحیح ترجمہ ہے۔

انصاف کی نظر سے دیکھو بزرگان دین کے کلام اور ان بھیڑیوں کے شور میں کتنا فرق ہے۔

یہ تو اصل میں لوگوں کو پھاڑ کھانے کے لئے دنیا کے جمعدار بنتے ہیں اور شیخ سدو کی طرح جو حقیقت میں راہ دین کے لئے سد راہ ہے تصوف کا دعوی کر کے ناجائز طریقہ سے لوگوں کا مال ہڑپ کرتے رہتے ہیں۔

بہ بیں تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ (۱)

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعاً یَنْتَزِعُہٗ مِنَ الْعِبَادِ وَلٰکِنْ یَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یَبْقَ عَالِمٌ اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُسَ جُھَّالاً لَا نَسْئَلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا

اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے چھین کر نہیں اٹھائے گا۔ اصل میں علما حق کے اٹھ جانے سے علم خود بخود اٹھ جائے گا، یہاں تک کہ جب ایک بھی عالم ربانی باقی نہ رہے گا تو لوگ جاہلوں کو امام و پیشوا بنالیں گے اور ان سے مسائل پوچھیں گے وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے اور یوں خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِکَ مِنَ الضَّلَالِ وَنَسْئَلُکَ الْعِلْمَ وَالْھِدَایَۃَ

الٰہی ہم گمراہی سے تیری پناہ چاہتے ہیں اور علم و ہدایت کا تجھ سے سوال کرتے ہیں۔

غلو فی الدین

قرآن مجید کی تعلیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ دین میں مبالغہ کرنا وہ فتنہ ہے جس نے اہل کتاب کو گمراہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھانے کے لئے بنی اسرائیل سے فرماتا ہے۔

یَا اَھْلَ الْکِتَابِ لَاتَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْا اَھْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا کَثِیْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ.

اے اہل کتاب! اپنے دین میں سچائی اور حقیقت کے خلاف غلو نہ کرو اور اس قوم کی خواہشات کی پیروی مت کرو جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکی اور جس نے بہتوں کو گمراہ کر دیا اور خود راہ راست سے بھٹک گئی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا گمراہی ہے۔ چاہے وہ اپنی ہوں یا غیر کی۔ راہ راست یہی ہے کہ دین میں غلو اور مبالغہ نہ کیا جائے۔ مگر مسلمان فتنہ میں اسی طرح مبتلا ہو گئے جس طرح بنی اسرائیل مبتلا ہوئے تھے اور علمائے حق کی نصیحتوں پر کان نہیں دھرتے۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

---

(۱) حوالہ متفق علیہ بروایت عبداللہ بن عمرو مشکوٰۃ کتاب العلم

عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ (باتفاق ائمہ بے بنیاد حدیث ہے)۔

میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کی مانند ہیں۔

بنی اسرائیل میں ایک جماعت کا یہی حال تھا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں اس طرح فرمایا ہے۔

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ کَانُوْا لَایَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ

بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ حضرت داؤد وعیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبان سے لعنت کئے گئے یہ اس لئے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور حد سے نکل گئے۔ ان کا یہ معمول تھا کہ ایک دفعہ برائیوں میں پڑ جاتے تو باز نہیں آتے تھے ان کا یہ فعل بے شک بہت برا تھا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ارتکاب معاصی پر اصرار کرنا ہی اس بدنصیب گروہ کی گمراہی کا سبب بنا، جس سے نوبت یہاں تک پہنچی کہ منکرات کو مباح کہنے لگے اور جب انبیا نے اس سے منع فرمایا تو حکم عدولی کرنے لگے، اور خدا کی لعنت کے مستحق ہوں گے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر اس لئے لعنت فرمائی تھی کہ سبت (۱) کے روز جس میں شکار کھیلنا ممنوع تھا، حیلہ بازی کر کے مچھلیوں کا شکار کرتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس لئے لعنت فرمائی کہ ان کی دعا سے ملی ہوئی نعمتوں میں سے جن کا ذخیرہ رکھنا ممنوع تھا، کچھ حصہ چرا کر فروخت کر ڈالتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کے خلاف عمل کرنا اور حیلہ بازی سے حلال کو حرام بنالینا خدا کی رحمت سے دور کردیتا ہے۔

فقہا کے نزدیک گناہ کو جائز جاننا ہی کفر ہے چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے حق میں بدزبانی کرنا بھی کفر ہے۔

الصوفی لا مذہب لہ

غرض یہ قبر پرست، پیر پرست، آثار پرست اور تصویر پرست وہ تمام چیزیں کرتے ہیں جو

---

(۱) ہفتہ میں مچھلی کا شکار یہود کے لئے ممنوع تھا۔

مشرکان قدیم و جدید کرتے ہیں اور جب سمجھایا جائے تو انہیں کا سا جواب دیتے ہیں۔ جاہلوں سے کہتے ہیں کہ پیر پرستی خدا کو مقبول ہے اور تعلق باللہ کا واحد ذریعہ یہی ہے۔ ملا لوگ یونہی بکواس کرتے ہیں۔ ان کی باتیں قطعاً نہیں سننی چاہیئے۔ صرف پیروں کے ارشادات کو دل میں جگہ دینی چاہیئے۔ حنفی، شافعی کے فضول جھگڑوں میں، ہرگز نہیں پڑنا چاہیئے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ الصوفی لامذہب لہ (صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا)

حضرت شیخ محی الدین جیلانی حنبلی المذہب تھے

واضح ہو کہ حضرت سید محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ مذہب حنبلی رکھتے تھے اور فتویٰ شافعی مذہب کا دیتے تھے حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ شافعی تھے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بھی شافعی تھے۔ اور خواجہ عبدالخالق غجدانی رحمۃ اللہ علیہ خواجہ احمد بسوری رحمۃ اللہ علیہ اور خواجہ بہاء الدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ جو سلسلہ نقشبند اور بسویہ سے تعلق رکھتے تھے، حنفی المذہب تھے۔ کوئی پوچھے، یہ لامذہب صوفی جو اپنے بزرگوں کو بدنام کرنے والے ہیں، قیامت کے دن کس جماعت میں اٹھیں گے؟ ان کے القاب تو دیکھو تو کوئی قادری کہلاتا ہے، کوئی چشتی، کوئی سہروردی، کوئی نقشبندی، یہ القاب علویہ، جعفریہ، اقطحیہ، زیدیہ، اثنا عشریہ اور مہدیہ جعفریہ، امامیہ کی طرح بالکل جھوٹے اور بے معنی ہیں۔ جن بزرگوں کی طرف یہ لوگ اپنی نسبت کرتے ہیں۔ ان کے عقائد و اعمال میں سے تو ایک چیز بھی ان کے پاس نہیں۔ اوحدی نے کہا

روح قرآن برآسماں بردند نقد تحقیق ازمیاں بردند
درحقیقت بدست کورے چند مصحفے ماند وکنہ کورے چند
کور باکس نمے گوید سر قرآن کسے نمے جوید

قرآن کریم کی روح آسمان پر چلی گئی اور تحقیق بھی لوگوں کے درمیان سے اٹھالی گئی اب تو بس چند اندھوں کے ہاتھوں میں قرآن مجید اور اس پر چند اعتراضات رہ گئے ہیں۔ اب یہ حال ہے کہ اندھا نہ کسی سے بات کرتا ہے نہ کوئی خود قرآن کے معنی تلاش کرتا ہے۔ یعنی قرآن مجید میں غور نہیں کرتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَفَلاَ یَرَوْنَ اَلاَّ یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلاً وَّلاَ یَمْلِکُ لَھُمْ ضَرًّا وَّلاَ نَفْعًا

کیا یہ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے نفع و نقصان کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (۱)

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ اَنْ يَّاتِيَ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقٰى مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ وَلَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْآنِ اِلَّا رَسْمُهٗ مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدٰى عُلَمَاءِ هِمْ شَرُّ مَنْ تَحْتِ اَدِيْمِ السَّمَآءِ مِنْ عِنْدِهِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ وَفِيْهِمْ تَعُوْدُ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں پر ایک وقت آئے گا جب اسلام کا صرف نام اور قرآن کے صرف نقوش ہی باقی رہ جائیں گے۔ مسلمانوں کی مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوں گی مگر ہدایت کا نام و نشان تک ان میں نہ ہوگا اس وقت کے علما دنیا میں بدترین خلائق ہوں گے۔ انہی سے ایک فتنہ پیدا ہوگا اور انہی کی طرف لوٹے گا۔

اس حدیث کو ابوبکر احمد بن حسین بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے۔

ہاں بعض اللہ کے بندے آج بھی موجود ہیں جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور طریق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ساتھ طریقت و معرفت کی راہ پر چل رہے ہیں۔ اگر ایسی ہستیوں کا وجود بھی ہم میں نہ ہوتا تو اسلاف کی بزرگی و پارسائی بھی ان نام نہاد و جاہل صوفیوں کی ناشائستہ حرکات کی وجہ سے مشتبہ ہو جاتی۔

بت پرستوں اور قبر پرستوں میں مشابہت

۱۔ جس طرح بت پرست بتوں کو ریشمی لباس پہناتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ قبروں پر ریشمی غلاف ڈالے رکھتے ہیں۔ ان سے پوچھنا چاہئے کہ اگر قبر پیر کی قائم مقام ہے جیسا کہ تم سمجھتے ہو تو جس طرح پیر کے لئے ریشم پہننا حرام تھا، اس کی قبر کے لئے بھی حرام ہوگا۔ اگر قبر پیر کی قائم مقام نہیں تو تمہارا اس سے مرادیں مانگنا کیا معنی رکھتا ہے۔

۲۔ جیسے بت پرست حاجت روائی کے لئے بتوں اور ان کے مجاوروں کے لئے نذریں لے

---

(۱) بیہقی بروایت علیؓ (بحوالہ مشکوۃ کتاب العلم)

جاتے ہیں، ویسے ہی قبر پرست بھی اپنی تمام مشکلات میں بزرگوں کی قبروں اور ان کے مجاوروں کے لئے نذر و نیاز لے جانا ضروری سمجھتے ہیں۔

۳۔ بت پرستوں کی ایک یہ بھی عادت ہے کہ ہر بت کی زیارت کے لئے ایک دن شمسی ماہ کے حساب سے مقرر کرتے ہیں، جس میں سب اکٹھے ہو کر پھول، شیرینی، نقد اور جنس وغلہ وغیرہ اس پر چڑھاتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں، پیر پرست بھی ہر قبر کی زیارت کے لئے قمری ماہ کا ایک دن مقرر کرتے ہیں، جس میں نہ صرف اکٹھے ہو کر وہ سب کچھ کرتے ہیں جو مذکور ہوا بلکہ سرود ورقص وارتکاب فواحش بھی ...... پیر کا مجرا سمجھ کر کرتے ہیں۔ یہ جو (درحقیقت) حشر کے دن ان کے بداعمال میں شمار ہوگا۔ افسوس اس جماعت نے ہنسی مذاق کو دین کی طرح محکم پکڑ رکھا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو کافر فرمایا ہے جو دین کو ہنسی مذاق بنا لیتے ہیں اور ان پر جنت کا آب ودانہ حرام کر دیا ہے۔ ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ.

اللہ تعالیٰ نے جنت کا آب ودانہ کافروں پر حرام کر دیا ہے جنھوں نے اپنے دین کو لہو ولعب بنا رکھا تھا اور جن کو دنیوی زندگی نے دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ سو آج ہم بھی ان کو اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح انھوں نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھا اور جس طرح ہمارے احکام کا انکار کرتے تھے۔

۴۔ بت پرستوں کی یہ بھی عادت ہے کہ مقررہ ایام میں اپنے بتوں کو سجا کر جلوس نکالتے ہیں۔ پیر پرست اور قبر پرست بھی جھوٹی قبروں کا تعزیہ بنا کر ایام عاشورہ میں گھماتے ہیں۔

۵۔ بت پرست اپنے بتوں کے نام کے جھنڈے بلند کرتے ہیں اور ان کو بتوں کا قائم مقام سمجھ کر ادب سے اٹھائے پھرتے ہیں، پیر پرست بھی شاہ مدار، خواجہ معین الدین چشتی، سالار مسعود غازی اور سخی سرور سلطان رحمہم اللہ کے نام کے جھنڈے ایام مقررہ میں اٹھا کر پھرتے ہیں اور گلی کوچوں میں گھما گھما کر ان کی منسوبہ قبروں پر گاڑ دیتے ہیں اور اس تمام کارروائی کو کار ثواب جانتے اور مشکلات کے حل کا ذریعہ سمجھ کر کرتے ہیں۔

بیرونی شہادت

بعض اہل علم باہر سے ہندوستان میں وارد ہوئے جنھوں نے یہ سب کارروائیاں بچشم خود ملاحظہ کیں، اس جماعت کے حالات دیکھے اور ان کی باتیں سنیں ان بزرگوں میں سے بعض کے الفاظ یہ ہیں:

هٰؤُلَاءِ عِنْدَ الشُّيُوْخِ وَالْقُبُوْرِ يَقْتَدُوْنَ بِكُفْرَةِ الْهِنْدِ وَنِيْ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ.

یہ لوگ قبروں پر اور اپنے پیروں کے سامنے اسی طرح کرتے ہیں جس طرح مشرکین ہند اپنے بتوں کے سامنے عبادت کرتے ہیں۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاجْتَنِبُوْا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ.

پس چاہیے کہ بتوں کی ناپاکی سے بچے رہو، نیز جھوٹ بولنے سے۔

۶۔ آتش پرستوں اور بت پرستوں کی یہ بھی عادت ہے کہ سال میں ایک دن بتوں کی عید مناتے ہیں۔ ان کی مانند یہ لوگ بھی عید غدیر مناتے ہیں، بزرگوں کے عرس منعقد کرتے ہیں، مشرکین کی طرح داد عیش وطرب اور لہو ولعب دیتے ہیں اور شیطانوں کی خبیث ارواح کو خوش کرتے ہیں۔

ایک عابد کا واقعہ

چنانچہ بعض معتبر لوگوں کی زبانی سنا کہ ایک عابد خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر آیا کرتا تھا اور ایام عرس میں ایک عالم کے پاس فروکش ہوا کرتا تھا۔ اس نے دیکھا جس عالم کے پاس ٹھہرتا ہے وہ عرس میں شریک نہیں ہوتا۔ اس نے وجہ پوچھی تو عالم نے کہا۔ ایام عرس میں زیارت کرنا کچھ ضروری نہیں۔ بلکہ اہل بدعت کے مجمع کو رونق نہ دینا ہی بہتر ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کو عیدگاہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد عابد مذکور نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے ہوئے کمر تک قبر سے باہر نکلے اور لوگوں کے اژدہام وہجوم سے بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر عابد مذکور نے بھی عرس میں شامل ہونا چھوڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ممانعت سے کہ میری قبر کو عیدگاہ نہ بنانا

ہدایت حاصل کی۔(۱)

علامہ ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ کا خیال

علامہ ابوالعباس احمد رحمۃ اللہ علیہ مفتی شام جو اپنے زمانے میں حجت الاسلام کے لقب سے مشہور تھے، اپنی تصنیف صراط مستقیم میں زیر حدیث مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (کہ جس نے کسی قوم کی ریس کی وہ انہی میں سے ہے) لکھتے ہیں "مشرکین کے ساتھ ہر قسم کا تشبہ ممنوع ہے" اس کی تائید حضور کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

خَالِفُوْا الْمُشْرِكِيْنَ(۲)

(مشرکوں کی مخالفت کرو)

علامہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں ایک باب باندھا ہے، جس کا نام ہے باب تحریم تشبیہ بالکفار در اعیاد و رسوم و عادات، اور اس میں آیات، احادیث اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مثالیں دیتے ہوئے ثابت کیا کہ مسلمانوں کو اپنی عیدوں اور رسوم و عادات میں کفار کی ریس کرنا حرام ہے۔ آگے چل کر زیر حدیث۔

مَا اَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً اَلَّانَزَعَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مِنْ سُنَّتِهِمْ مِثْلَهَا۔

جب کسی قوم نے کوئی بدعت ایجاد کی، اللہ تعالیٰ نے اُسی جیسی ایک سنت ان سے اٹھالی (۳)

لکھتے ہیں:

"ایام عاشورہ کی بدعات جو شیعہ و روافض کرتے ہیں، تشبہ بالکفار میں داخل ہیں" آگے لکھتے ہیں۔

---

(۱) تخریج۔ یہ حدیث سنن ابی داؤد ۴۰۳۱) ومشکل الآثار طحاوی (۱/۸۸) واحمد (۵۱۱۴، ۵۱۱۵، ۵۶۶۷) میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے) ابن تیمیہؒ نے اقتضا الصراط المستقیم میں (۲/۳۹) جید اور حافظ عراقی نے تخریج احادیث الاحیا (۱/۳۴۲) میں صحیح اور ابن حجر نے فتح میں حسن قرار دیا ہے۔

(۲) متفق علیہ بروایت ابن عمرو لفظہ خالفوا المشرکین اوفوا اللحٰی واحفوا الشوارب و بروایت ابوھریرہ ولفظہ ان الیھود والنصٰری والصابیون خالفوھم. مشکوٰۃ شریف.

(۳) تخریج۔ احمد بروایت غضیف بن الحارث ولفظہ ما احدث قوم بدعتہ الارفع مثلھا من السنۃ. (دارمی بروایت حسان ولفظہ وما ابتدع قوم بدعتہ فی دینھم الانزع اللہ من سنتھم مثلھا. بحوالہ مشکوۃ باب الاعتصام.

پتھروں کا طواف کرنا ایام جاہلیت کی رسم تھی۔ اب اس کی مثل قبوں کا طواف کرنا ایجاد کیا گیا ہے۔ یہ ہرگز اسلامی رسم نہیں۔ اس کے لئے اجتماع کرنا اور اکٹھے ہو کر قبور کے پاس گانا بجانا منکرات میں سے ہیں۔

پھر لکھتے ہیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چلا چلا کر دعا کرنا اور دعاؤں میں حد سے زیادہ ہاتھوں کو بلند کرنا اور قبروں پر مردوں اور عورتوں کا اکٹھا ہونا بدعت ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

عید کی دو قسمیں ہیں، عید مکانی اور عید زمانی یعنی کسی مقام پر اکٹھے ہونا یا مقررہ روز جمع ہونا

اور فرماتے ہیں:

کسی مقام پر جمع ہونا، مقررہ روز جمع ہونے سے بدتر ہے۔ اس لئے کہ بت پرستی سے مشابہ ہے کیونکہ کسی مقام پر بت پرست اس لئے جمع ہوتے ہیں کہ اس مقام کے بت کی خوشنودی حاصل کریں، اسی طرح قبر پرستوں کا کسی جگہ جمع ہونا بھی اس لئے ہوتا ہے کہ اس بزرگ کی خوشنودی حاصل ہو۔

ایام جاہلیت میں لات، منات اور عزی کے پاس اجتماع ہوتا تھا۔ اہل عرب کے یہ تین بت تھے، لات اہل طائف کا بت تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ کسی نیک آدمی کا نام تھا، جو حاجیوں کو ستو پلایا کرتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو لوگ اس کی قبر پر جمع ہونے لگے۔ آہستہ آہستہ اس کا مجسمہ بنالیا اور اس کی پرستش کرنے لگے۔

منات مدینہ والوں کا بت تھا۔ لوگ اسے الہ العالم کہا کرتے تھے، اور اس کے قریب اپنی قربانیاں کیا کرتے تھے۔

’’عزی ایک درخت کا نام تھا، جس کے پاس لوگ قربانیاں کرتے تھے، آہستہ آہستہ لوگ اس درخت کی عزت کرنے لگے، اور اس کے نام کا بت بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی۔ اسی طرح ذات انواط ایک درخت تھا، جس پر کفار جنگ کے وقت ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قسم کے درخت مقرر

کردینے کی درخواست کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض ہوئے اور اسے تشبیہ بالکفار قرار دیا“

آگے لکھتے ہیں:

جب درخت پر ہتھیار لٹکانے میں کفار کی ریس کرنے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشبیہ بالکفار قرار دیا تو جو شخص کسی قبر پر قبہ بنائے، اس سے حصول برکت کی امید رکھے اور مساجد کی بہ نسبت قبہ میں نماز اور ذکر و دعا کو افضل جانے، اس کا کیا حال ہوگا۔

آگے لکھتے ہیں:

یہ لوگ قبوں پر روشنی کرنے کے لئے تیل ڈالنے کی نذر مانتے ہیں، حالانکہ فقہا کے نزدیک ایسی نذر ماننا ناجائز ہے۔ چنانچہ ایسی نذروں کے متعلق فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ نذر ماننے والے پر کفارہ لازم آتا ہے۔ امام احمد رحمتہ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال ہے اور ان کے دربانوں، مجاوروں، خادموں اور معتکفین کے لئے نقدی وغیرہ کی نذریں ماننا بھی ناجائز ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

یہ دربان تو لات اور عزیٰ کے دربانوں کی مانند ہیں، جو لوگوں کا مال ناجائز طریق سے کھاتے اور ان کو صراط مستقیم سے روکتے ہیں، یہ مجاور ان لوگوں کی مانند ہیں جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔

مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ

کہ یہ مورتیاں ہیں کیا چیز، جن پر تم صبح و شام بیٹھے رہتے ہو۔

تمام وہ قدم اور قبریں جو بلا سند انبیا و صلحا کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، مثلاً مسجد الکف (دمشق) میں ایک ہتھیلی کی تصویر رکھی ہوئی ہے جسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی کہا جاتا ہے، سب اسی حکم میں داخل ہیں۔

۷۔ ہندو ہر سال کرشن جی کا یوم ولادت مناتے ہیں، یہ لوگ بھی ۱۳ رجب کو ہر سال حضرت علی رضی اللہ عنہم کا یوم ولادت مناتے ہیں۔ مزید برآں، مجوس کی طرح نوروز بھی مناتے ہیں، حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہر دن ہمارے لئے نوروز ہے۔

۸۔ ہنود ملاقات کے وقت سلام کی بجائے جے سیتارام یا رام رام کہتے ہیں۔ یہ لوگ بھی

سلام کی بجائے "یا علی مدد" کہتے ہیں۔

۹۔ مشرک اقوام میں اگر بڑا آدمی مر جائے تو میت کے ساتھ باجہ بجاتے ہیں۔ جاہل مسلمان اور پیر پرست بھی اسی طرح کرتے ہیں۔

۱۰۔ مشرکین کی یہ بھی عادت ہے کہ بت خانوں میں عبادت کے وقت ڈھول وغیرہ بجاتے ہیں، اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ سے تقرب کا ذریعہ اور اس کی رضامندی کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ قبر پرست بھی قبروں پر باجے اور ڈھول وغیرہ بجاتے ہیں (قوالی وغیرہ) اور یہ ممنوع چیزیں باوضو ہو کر سنتے ہیں۔

۱۱۔ مشرکین کی یہ بھی عادت ہے کہ بالکل برہنہ رہنے والوں کو بزرگ سمجھتے ہیں، اور ان کے ہاتھ سے بھنگ جیسی نشہ آور چیز متبرک جان کر نوش کر جاتے ہیں (اسی طرح پیر پرست مجاوروں کے حکم سے بھنگ اور چرس کا استعمال شروع کر دیتے ہیں اور نماز پڑھنا ترک کر دیتے ہیں)

۱۲۔ مشرکین صبح کے وقت بزرگوں کا شجرۂ نسب وظیفہ کے طور پر پڑھتے ہیں، پیر پرست بھی ہر روز پیر کا نسب نامہ اہتمام اور التزام کے ساتھ پڑھتے ہیں اور اس کے مقابل فرض نماز کی پرواہ نہیں کرتے۔

۱۳۔ مشرکین پانی پلانے والی جگہ کا نام جسے عرف عام میں سبیل کہتے ہیں۔ اپنے بزرگوں کے نام پر رکھتے ہیں۔ پیر پرست بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام کی سبیل لگاتے اور انہی کے نام سے پانی پلاتے ہیں اور اس فعل کو حضرت امام کی نذر رکھتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے نام کی نذر ماننا قطعاً حرام ہے۔ کاش اس کے بجائے اگر یوں کرتے کہ محتاج کو کھانا وغیرہ اللہ کی رضامندی کے لئے کھلا کر اس کا ثواب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یا کسی اور کو پہنچا دیتے تو ثواب بھی ہوتا اور شریعت کی پابندی بھی برقرار رہتی۔

۱۴۔ مشرکین کی یہ بھی عادت ہے کہ بتوں کے نام پر جانور کھلا (آزاد) چھوڑ دیتے ہیں، پیر پرست بھی قبور کے نام پر جانور کھلا چھوڑ دیتے ہیں۔

۱۵۔ مشرکین ادب کی وجہ سے بت خانہ کو ٹھاکر دوارہ کہتے ہیں۔ اسی طرح یہ تعزیہ خانہ کو امام باڑہ کہتے ہیں۔

۱۶۔ مشرک بتوں کی نیاز کو متبرک سمجھتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ لوگ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی نیاز کو متبرک سمجھتے ہیں۔

۱۷۔ ہنود بتوں کی پوجا کے بعد ماتھے پر قشقہ لگاتے ہیں۔ قبر پرست بھی مجاوروں کے ہاتھ سے قبر کے پرانے غلافوں کے ٹکڑے سر پر بندھواتے ہیں۔

۱۸۔ مشرک بت خانہ کے خادموں کو بہت دوست رکھتے ہیں اور انہیں خدا کے ہاں اپنا وکیل وشفیع سمجھتے ہیں۔ قبر پرست بھی مجاوران قبور کو خدا کے ہاں اپنا شفیع سمجھتے اور ان کی ناراضگی سے ڈرتے ہیں۔

۱۹۔ ہنود کا عقیدہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد چھتیس جیونوں میں بدلتا ہے کوئی کسی جانور کی شکل میں کوئی کسی جانور کی شکل میں قبر پرستوں اور پیر پرستوں کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

مَعَاذَ اللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ.

حضرت شیخ جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک عجیب واقعہ

اللہ تعالیٰ نے انسان کی آزمائش کے لئے شیطان کو تصرف کی قوت بخشی ہے۔ اس کے ساتھ وہ ہمیشہ انسان کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔ سلف سے حضرت شیخ جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک واقعہ منقول ہے۔ حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ مجھے ایک بے آب وگیاہ جنگل میں چند روز ٹھہرنا پڑا۔ اتفاقاً ایک دن مجھے پیاس شدت سے لگی ہوئی تھی۔ میں پانی کی تلاش کرنے لگا مگر نہ ملا۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان پر ایک بادل کا ٹکڑا نمودار ہوا، جس سے پانی برسنے لگا۔ بارش ختم جانے کے بعد بادل میں سے ایک روشنی نکلی، جو تمام آسمان پر پھیل گئی۔ اس روشنی میں ایک عجیب صورت نمودار ہوئی، جو مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی۔

اے عبدالقادر! میں تمہارا پروردگار ہوں۔ تم پر تمام چیزیں حلال کرتا ہوں جو جی چاہے کھاؤ اور جو پسند ہو کرو۔ میں نے کہا اے ابلیس ملعون دور باش اور استغفار پڑھنے لگا اس کے بعد وہ صورت ناپید ہو گئی اور اندھیرا چھا گیا اور آواز آئی: اے شیخ تو نے اپنے علم ومرتبہ کے سبب مجھ سے نجات پائی، ورنہ میں اس مقام پر ستر بزرگوں کو گمراہ کر چکا ہوں، میں نے الحمدللہ پڑھا اور کہا اے

ملعون! علم و مرتبہ کے سبب سے نہیں، محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے۔

اس واقعہ پر غور کرو اور حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے آخری کلمات کو پھر پڑھو، کہ آزمائش میں ثابت قدم رہنے کو اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھا، محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے۔

مجھے اپنی ذات پر کبھی بھروسہ نہیں ہوا۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اعتماد رہا ہے جس طرح اس نے اس امتحان سے بچایا، آرزو ہے کہ اسی طرح آخری منزل تک اس کا فضل شامل حال رہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو اخبار الاخیار میں لکھا ہے اور حضرت شیخ نے اپنی تصنیف فتوح الغیب میں بھی ذکر کیا ہے۔

یاد رہے کہ اس سے بھی زیادہ قدرت شیطان کو گمراہ کرنے کے لئے حاصل ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ انسان آخری دم تک شیطان کے فریب سے غافل نہ رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے امتحان میں ثابت قدم رہنے کے لئے اس کے فضل کا طالب رہے۔

فَلَا یَاْمَنُ مَکْرَ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ

تو خدا کی مخفی تدبیروں سے بے خوف نہیں ہو سکتے مگر وہی جو تباہ ہونے والے ہیں۔

اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ جیسا واقعہ کسی دوسرے کو پیش آ جائے اور وہ ثابت قدم رہے تو اس کو مغرور نہ ہونا چاہئے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اب راہ حق کی تمام منزلیں طے کر چکا ہوں اور شیطان کے فریب سے وراء الوراء مقام پر پہنچ گیا ہوں۔

بھلا جہاں حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ جیسے ستر بزرگ گمراہ ہو گئے ہوں وہاں کسی کو اپنی ذات پر کیا اعتماد ہو سکتا ہے۔

نجات کی صرف یہی صورت ہے کہ کتاب و سنت کا دامن نہ چھوڑے اس کے موافق احوال کو قبول کرے اور ناموافق کو رد کرتا رہے۔

واقعہ مذکور شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کے اس قول کی بھی تصدیق کرتا ہے کہ بے علم نتواں خدارا شناخت جاہل خدا کو نہیں پہچان سکتا۔

اور علم و معرفت بغیر فقہ پڑھنے کے حاصل نہیں ہوتی، نہ دین درست رہ سکتا ہے اور نہ راہ حق

کی منزلیں طے ہو سکتی ہیں اور فقہ بغیر علم قرآن و حدیث کے حاصل نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ کہا گیا ہے

علم دین فقہ است و تفسیر و حدیث ہر کہ گیرد غیر ازیں گردد خبیث

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن، حدیث اور فقہ سے جاہل رہنے کا انجام یہ ہوتا ہے کہ آدمی شیطانی وساوس کا شکار ہو کر خبیث ہو جاتا ہے، ہر وقت نفسانی خواہشات کی طرف دھیان رہتا ہے اور شعبدوں کی وجہ سے چاہ گمراہی میں گر کر اپنے آپ کو لوگوں کا امام و پیشوا سمجھنے لگتا ہے۔

قصہ تلاوت سورۃ النجم

لکھتے ہیں کہ شیاطین میں سے ایک سفید شیطان ہے، جو لوگوں کو مذکورہ بالا طریق سے گمراہ کرنے کے کام پر مامور ہے۔ سورۃ النجم کے قصہ میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سورت نماز مغرب میں پڑھ رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے۔ (۱)

اَفَرَئَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی.

(کیا تم نے لات وعزیٰ اور تیسرے منات کو دیکھا)

تو سفید شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر یوں کہہ دیا۔

تِلْکَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتُھُنَّ لَتُرْجٰی

(یہ بڑے بت ہیں، ان کی شفاعت کی توقع کی جا سکتی ہے)

یہ سن کر مشرکین آپ سے خوش ہو گئے اور مسلمانوں کے ساتھ سجدۂ تلاوت میں شریک ہو گئے اور کہنے لگے۔

آج تو (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہمارے بتوں کی تعریف کی۔ شاید اب ہم میں موافقت ہو جائے۔

محققین اہل سلوک نے کہا ہے کہ سفید شیطان کی من جملہ دیگر خصوصیات سب سے خطرناک خصوصیت یہ ہے کہ ظلمات کو نور سے مشتبہ کر دیتا ہے اور معصیت اور گنہ گاری کو اطاعت مقبول اور نور تجلی کر کے دکھا دیتا ہے جس کی وجہ سے اس کے متبع نار کو نور سمجھ لیتے ہیں اور دوسروں کو

---

(۱) تخریج۔ ابو حاتم۔ طبری، ابن منذر، ابن اسحٰق، موسیٰ بن عقبہ اور ابومحشری نے اسے روایت کیا ہے اگرچہ اس کے اکثر راوی ضعیف ہیں، راوی منقطع مرسل مضطرب اور غیر صحیح ہیں۔ امام فخر الدین رازی اور قاضی عیاض نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ بحوالہ مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۶۰

اس اطاعت کی طرف دعوت دینے لگتے ہیں۔ ایسے وقت بفحوائے۔

يَهْدِ اللّٰهُ بِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

(اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی ہدایت فرماتا ہے)

مومن لوگ جو مضبوطی سے شریعت کی راہ پر قائم رہنے کی وجہ سے شیطانی فریبوں سے محفوظ رہتے ہیں، اس طرح اعلان کرتے ہیں۔

وَ يٰقَوْمِ مَالِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَالَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ

(اور اے میری قوم یہ کیا بات ہے کہ میں تو تمہیں نجات کی طرف دعوت دیتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو! تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ دیں اور اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کروں جس کا مجھے کچھ علم نہیں میں تمہیں زبردست بخشنے والے کی طرف دعوت دیتا ہوں)

مگر جاہل لوگ شیاطین کی دعوت پر لبیک کہتے اور ان کے ہاتھ سے شعبدہ بازی دیکھ کر ان کے دام فریب میں پھنس جاتے ہیں مگر جو لوگ عروۃ الوثقی لانفصام لھا کو پکڑتے ہیں وہ ہر وقت ہر جگہ شیطان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔

شیخ عبدالوہاب رحمتہ اللہ علیہ منڈوی
اور
شیخ عبدالحق رحمتہ اللہ علیہ دہلوی کے واقعات

شیخ عبدالحق دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اخبار الاخیار میں شیخ عبدالوہاب رحمتہ اللہ علیہ منڈوی کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا:

بعض اوقات استدراج سے فاسق اور بدعتی لوگوں کو ایسی قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ عوام کے دل اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور شریعت سے بے خبر لوگوں کو راہ حق سے متزلزل کر دیتے ہیں۔

چنانچہ اپنا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ مجھے دکن جانے کا اتفاق ہوا، میں قاضی شہر عبدالعزیزؒ کے ہاں فروکش ہوا۔ قاضی صاحب سے میں نے ایک روز پوچھا: ''آپ کے شہر میں کوئی صالح اور فقیر منش آدمی ہو تو بتلائیں۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں'' قاضی صاحب نے فرمایا ''ایک شخص ہے تو سہی، مگر میں اس کی خلاف شرع حرکات کی وجہ سے اس سے خوش نہیں ہوں''۔ بہر حال میں اس فقیر کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ ایک بلند مقام پر بیٹھا ہے۔ اردگرد مردوں اور عورتوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ فقیر نے مجھے آتا دیکھ کر خوش آمدید کہا اور آؤ بھگت کرنے کے بعد شراب منگائی پہلے خود پی، پھر مجھے دی۔ میں نے کہا میں نہیں پیوں گا۔ یہ حرام اور ممنوع ہے۔ اس نے کئی بار کہا۔ مگر میں انکار ہی کرتا رہا آخر کہنے لگا۔ دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتا ہوں۔ یہ سن کر چلا آیا اور کسی سے یہ واقعہ بیان نہ کیا، رات کو جو سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک خوبصورت باغ ہے، جس میں بے شمار میوہ اور درخت ہیں اور نہریں بہہ رہی ہیں۔ لیکن راہ اس قدر پر خطر اور دشوار گزار ہے کہ وہاں تک پہنچنا سخت مشکل ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فقیر شراب کا پیالہ لئے ہوئے آن پہنچا اور کہنے لگا

کہ یہ شراب کا پیالہ پی لو تو اس باغ میں پہنچا دوں گا۔ میں نے پھر انکار کر دیا۔ اس کشمکش میں میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے لاحول پڑھی اور کروٹ بدل کر پھر سو گیا۔ لیکن بار بار یہی واقعہ پیش آتا میں پھر جاگ پڑتا اور لاحول پڑھتا آخر جب کئی مرتبہ یہ صورت پیش آئی تو میں تنگ آ کر اٹھ بیٹھا، وضو کیا نوافل پڑھے درود شریف پڑھا اور دعا مانگ کر سو گیا، اب کے خواب میں اپنے آپ کو بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر پایا، میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں عصا ہے اور وہ بدعتی وہاں بھی آن پہنچا اور مجھ سے لگا وہی حرکت کرنے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مارنے کے لئے اپنے ہاتھ والی لکڑی اس کی طرف پھینکی، لکڑی لگتے ہی وہ کتے کی صورت بن گیا اور دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھاگ گیا۔ آپ نے فرمایا اس شہر میں نہیں رہے گا۔ اس کے بعد میری آنکھ کھلی تو صبح کا وقت تھا، نماز پڑھ کر میں اس کے مقام پر گیا تو سنا کہ واقعی وہ وہاں موجود نہیں چند لوگ بیٹھے کہہ رہے تھے کہ خدا جانے اسے کیا ہوا، اپنا مکان گرا کر کہیں بھاگ گیا ہے۔

زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنا بلاشبہ انسان کے دل اور روح کو منور کرنے والی چیز ہے لیکن وساوس شیطانی کی وجہ سے محققین اہل سلوک رحمہم اللہ نے بہت سی شرائط مقرر کر دی ہیں اور لکھا ہے کہ صرف وہ زیارت معتبر اور صحیح ہے جس میں آپ کی آخری شکل نظر آئے، جبکہ آپ کے تقریباً بیس بال سر اور داڑھی میں سفید ہو گئے تھے۔

مشکوٰۃ کتاب الرویا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ رَآنِيْ فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِيْ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُ فِيْ صُوْرَتِيْ اور مَنْ رَآنِيْ فَقَدْ رَأَى الْحَقَّ (۱)

(جس نے مجھے خواب میں دیکھا اسے یقین رکھنا چاہیے کہ مجھ کو دیکھا، کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا۔ جس نے مجھے دیکھا بلاشبہ اس نے مجھی کو دیکھا)

حضرت شیخ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”ان ارشادات نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ

---

(۱) متفق علیہ بروایت ابوہریرہؓ ابوقتادہؓ مشکوٰۃ کتاب الرویا

وسلم سے ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس نے واقعی آپؐ ہی کو دیکھا، کیونکہ کذب وبطلان کو آپ کی ذات میں دخل نہیں اور وساوس شیطانی سے آپ کی ذات والا صفات بالاتر ہے اور یہ سنت اللہ ہے کہ شیطان باوجود قوت تصرف کے آپ کی صورت اختیار نہیں کرسکتا، علمائے کرام نے اس چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا دوسرے کسی شخص کو یہ خصوصیت حاصل نہیں اور شیطان ہر بڑے سے بڑے شخص کی صورت اختیار کرسکتا ہے۔

زیارت نبویؐ کے متعلق تین خیال

لیکن اس کے باوجود زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق تین خیال پائے جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری عمر کی صورت میں دیکھا اس کا خواب صحیح ہے۔ دوسرا یہ کہ جوانی، ادھیڑ اور آخری عمر کی شکلوں میں سے جونسی دیکھے، صحیح ہے۔ تیسرا خیال پہلے سے ملتا ہے صرف اتنی اور قید لگائی گئی ہے کہ وہی صورت دیکھے جو رحلت کے وقت تھی جب کہ سر اور داڑھی میں قریباً بیس بال سفید تھے۔

ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کا قول

مشہور معتبر علامہ ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب کوئی شخص زیارت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ آپ سے بیان کرتا تو آپ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ پوچھتے جو اس نے خواب میں دیکھا۔ اگر وہ خاص حلیہ بیان کرتا جو ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک درست تھا تو اس کی تصدیق کرتے ورنہ کہتے ”تم نے کسی اور شخص کو دیکھا ہے“۔

آگے لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے خواب میں سنا ہوا کلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے۔ اگر صحیح اور موافق نظر آئے تو تصدیق کرنا چاہئے، ورنہ بیان کنندہ کی سماعت کا نقص سمجھنا چاہئے۔

ایک عجیب خواب

میں نے مفتی عبدالوہاب رحمتہ اللہ علیہ سے سنا کہ بلاد مغرب کے ایک فقیر نے خواب میں سنا

کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شراب پینے کی اجازت دے رہے ہیں۔ مشائخ وقت کے سامنے اس خواب کو پیش کیا گیا تو ہر شخص نے اپنی عقل کے مطابق اس کی تاویل کی۔ ان دنوں مدینہ منورہ میں ایک بزرگ رہتے تھے جو سنت کے نہایت شائق اور پابند تھے۔ جب آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا:

"بیان کنندہ کی سماعت کا قصور نظر آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے **لاتشربوا الخمر** (شراب مت پیو) فرمایا ہوگا۔ اس نے **اشربوا الخمر** (شراب پیو) سمجھا ہوگا"

بعض علما نے کہا کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں شیطان نے ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز میں آواز ملا کر لوگوں کو دھوکہ دیا تھا اسی طرح ممکن ہے کہ خواب میں فقیر کو مغالطہ دیا ہو، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں اس شخص سے بولے بھی نہ ہوں ہمارے نزدیک یہی درست ہے۔

ہمزاد کی موت کہیں مذکور نہیں

غرض اس واقعہ پر غور کرو اور دیکھو کہ جہاں بڑے بڑے متقی عالم خواب میں دھوکا کھا گئے وہاں دوسرے بزرگوں کا کیا اعتبار، جن کی صورت شیطان اختیار کر سکتا ہے؟ مزید برآں، ہر شخص کا ہمزاد اس کی موت کے بعد بھی زندہ ہی رہتا ہے، اس کی صورت اختیار کر کے دھوکا دے سکتا ہے اور جملہ شیاطین کے سالار اعظم ابلیس علیہ اللعنۃ کا زندہ رہنا تا قیام قیامت نص قرآنی سے ثابت ہے تو ابلیس اور اس کے معاونین کے فریبوں سے بچنے کی راہ صرف یہ کہ کتاب وسنت پر عمل کیا جائے اور زندگی کے ہر گوشہ میں اسوہ حسنہ کی پیروی کی جائے۔ بحکم اللہ العالمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (۵۱:۵۰)

خدا کی طرف دوڑو میں اس کی طرف سے تمہیں کھلا کھلا ڈرانے والا بن کر آیا ہوں۔

ایک مغالطہ

پیر پرست کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ہمارے پیر کی شکل اختیار کرنا بھی شیطان کے لئے ناممکن ہے، کیونکہ پیر صاحب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طرح مظہر ہدایت ہیں، مگر یاد رہے کہ یہ مغالطہ ہے۔ صحیح بات وہ ہے جو شریعت سے ثابت ہے۔ ان کے اس

قول کی تردید خود انہی کی بیان کردہ حکایتوں سے ہو رہی ہے۔ مثلاً وہ بیان کرتے ہیں کہ:

> ہم نے حسنین رضی اللہ عنہما کو تعزیہ کے ساتھ ننگے سر پھرتے دیکھا اور ناچار ان کی پیروی کی۔ اور ایک رات مجھے فلاں بزرگ کے مقبرہ میں ایک مرد و عورت نظر آئے جو زنا کاری کر رہے تھے۔ مجھے ان کی حرکت سے طیش آ گیا اور دھکے دے کر مقبرہ کی چاردیواری سے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد جو سو گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ صاحب قبر مجھ سے خفا ہو کر فرما رہے ہیں: ''اے بے خبر خشک ملا! وہ دونوں عاشق و معشوق تھے۔ مدت سے وصال کے طالب تھے۔ آج یہاں انہیں موقع ملا تو تم نے ان کی تمنا پوری نہ ہونے دی تمہیں اتنی عقل بھی نہ آئی کہ انھیں روکنا ضروری ہوتا تو ہم خود روک سکتے تھے۔ یہ کہہ کر مجھے ایسی لات ماری کہ لنگڑا کر دیا۔

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (۹:۳۰)

خدا انہیں غارت کرے کہاں جا رہے ہیں۔

سنا ہے کہ اس واقعہ کے بعد اس مزار کے خادموں نے کسی برے سے برے فعل میں بھی مداخلت نہ کی۔ اور جب پوچھا جائے تو کہتے ہیں کہ جب ہمارا پیر پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے تو ہم اس کی متابعت کیوں نہ کریں؟ اگر کہا جائے کہ تمہارا پیر مظہر ہدایت ہو کر برے کاموں سے کیوں نہیں روکتا تو کہتے ہیں، یہ اس کی مرضی۔ پھر دیوان حافظ کا یہ شعر پڑھ دیتے ہیں۔

نہ قاضیم نہ امیرم نہ محتسب نہ فقیہ
مرا چہ شود کہ منع شراب خوارہ کنم

(میں نہ قاضی نہ امیر نہ محتسب اور نہ فقیہ ہوں مجھے کیا پڑی ہے کہ شراب خوری سے روکتا پھروں)

غرض ان داستانوں سے واضح ہوتا ہے کہ شیطان انہیں گمراہ کرنے کے لئے بزرگوں کی صورتیں اختیار کر لیتا ہے۔ نیز اس حدیث پر غور کرنا چاہئے کہ دجال جب ایسے لوگوں سے ملے گا جو اس کی دعوت قبول نہیں کریں گے اور کہیں گے کہ ہمارے بزرگ دین اسلام پر گزر رہے ہیں اور ہمیں بھی اسی پر قائم رہنے کی تاکید ہے تو دجال شیاطین کو حکم دے گا کہ ان کے بزرگوں کی صورتیں اختیار کر کے لوگوں کو گمراہ کرو۔ تو وہ ایسا کر کے انہیں گمراہ کر دیں گے۔

مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ میں اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نباید داد دست

(بہت سے شیطان آدمی کی شکل میں پھرتے ہیں۔ پس ہر شخص کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دے دینا چاہئے)

اور خود اللہ تعالیٰ نے کلام پاک کی آخری صورۃ میں **من الجنۃ و الناس** فرمایا ہے جس کا مطلب ہے کہ خناس جنوں میں سے بھی ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے بھی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ کی مختصر تفسیر کر دی جائے۔

تفسیر سورۃ الناس

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے عبادت غیر اللہ کی کامل طور پر تردید فرمائی ہے اور اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ. (سورۃ الناس)

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔

آپ کہیے کہ میں آدمیوں کے مالک، آدمیوں کے بادشاہ، آدمیوں کے معبود کی پناہ لیتا ہوں وسوسہ ڈالنے والے، پیچھے ہٹ جانے والے (شیطان) کے شر سے، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے، خواہ وہ وسوسہ ڈالنے والا جن ہو یا آدمی۔

اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض صفات کا ذکر بندوں کی نسبت سے کیا ہے حالانکہ نسبت کے لحاظ سے ان صفات کا تعلق جیسا ان سے ہے۔ ویسا ہر مخلوق سے ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ بنی نوع آدم کا پروردگار ہے اسی طرح باقی تمام مخلوق کا بھی ہے اور جس طرح انسانوں کا مالک اور معبود ہے اسی طور پر کائنات کی ہر چیز کا مالک و معبود ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (۱۷:۴۴)

اور کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان نہ کرتی ہو لیکن تم لوگ ان کی پاکی بیان کرنے کو سمجھتے نہیں ہو۔

رب، ملک اور الہ کی تشریح

مفسرین کرام نے اس جگہ خاص طور پر رب، ملک اور الہ کے لائے جانے کے متعلق عجیب عجیب نکتے بیان فرمائے ہیں، جن میں سے بہترین خیال یہ ہے کہ لوگ چونکہ غیر اللہ میں انہی اوصاف کا اعتقاد رکھنے کی بنا پر کفر اور شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مطلع فرما دیا ہے کہ یہ صفات صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہیں۔ ان میں سے کسی صفت کو غیر اللہ میں نہ ماننا چاہئے، کیوں کہ کسی مخلوق کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنا بلاشبہ شیطانی وسوسہ ہے بلکہ اوصاف مذکورہ کو صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ مان کر اس کی پناہ طلب کی جائے۔

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اکثر لوگ ان صفات کو غیر اللہ میں ماننے کی وجہ سے شرک کے مہلک مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ دنیا کی مختلف اقوام کے عقائد پر نظر ڈالو تو تم دیکھو گے کہ مدتوں سے بعض قومیں اس ہلاکت کے گڑھے میں پڑی ہوئی ہیں کہ آج تک برابر اس مرض میں مبتلا ہیں:

عَافَانَا اللّٰهُ وَإِيَّاهُمْ مِنْ كُلِّ بَلَاءِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَةِ

اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان کو دنیا کی آفتوں اور آخرت کے عذاب سے بچائے۔

درجہ فنا فی الشیخ کا مطلب

کفار کے مذاہب باطلہ کو چھوڑیں اور قبر پرستوں کو لیں۔ قبر پرست بھی انہی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ ان کے نزدیک یہ امر واجبات میں سے ہے کہ عبادت کرتے وقت پہلے پیر کا تصور باندھا جائے اور اس میں اس طرح مستغرق ہو جائیں کہ اپنے تئیں بھول جائیں۔ اس چیز کو ان کے ہاں فنا فی الشیخ کہا جاتا ہے اور جس پر یہ کیفیت طاری ہو جائے اسے فانی فی الشیخ کہتے ہیں۔

غور کرنے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ لوگ شیخ میں ربوبیت کی صفت مانتے ہیں۔ اس لئے اس کی شکر گزاری میں محو رہنا لازم سمجھتے ہیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ پیر کو کرامات کا مالک سمجھتے ہیں اور اس کی پہنچ سے باہر نکلنا ناممکن خیال کرتے ہیں۔ اس لئے ایسا کرتے ہیں یا پھر ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ شیخ جی کو مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا پورا علم حاصل

ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ ان باتوں کا ثبوت چاہو تو دیکھ لو کہ جب ان میں سے کوئی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو کس کی طرف رجوع کرتا ہے، خدائے زندہ و توانا کی طرف یا مردوں کی روحوں کی طرف؟ حالانکہ خداوند کریم کی صفت مالکیت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ اپنے عاجز بندوں کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ (۶۴:۶)

کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اس (موجودہ) تکلیف سے اور ہر غم سے نجات بخشتا ہے لیکن تم پھر بھی اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔

لیکن یہ لوگ بیماری میں شفا و صحت اور تنگدستی میں خوشحالی و فارغ البالی کے لئے پیروں ہی سے دعا کرتے ہیں، حالانکہ اللہ میں صفت ربوبیت ماننے کے یہی معنی ہیں کہ چونکہ وہ تمام مخلوقات کو صحت اور رزق عطا فرما کر قائم رکھتا ہے اس لئے مخلوقات کا رب ہے۔ پھر یہ لوگ بزرگوں کی قبروں پر ایسی باتیں کرتے ہیں جنہیں بیت اللہ میں کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مثلاً غلاف چڑھانا، قربانی کرنا، اس کے غسل کے پانی کو آب زمزم کی طرح متبرک سمجھنا، عبادت سمجھ کر قبروں کی زیارت کرنا، ان کو قبلۂ توجہ بنانا اور ان میں عبادت کرنے کو تمام مقامات سے بہتر خیال کرنا وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو الٰہ الناس ماننے کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے مقرر کردہ آداب اس کے گھر میں جا کر بجا لائے جائیں، اور کسی دوسری جگہ ایسی حرکتیں نہ کی جائیں۔

ہر بستی کے لئے حاجت روا جدا ہے

قبر پرستوں نے ہر شہر اور ہر بستی کے لئے الگ الگ ولیوں کی قبریں مقرر کر رکھی ہیں اور ان کی طرف تمام مشکلات و مصائب میں حاجت روائی کے لئے رجوع کیا جاتا ہے۔ بعض جگہ جب بچوں کی شادی کرتے ہیں تو دولہا کو اس ولی کی قبر پر سلام کے لئے لے جاتے ہیں۔ دولہا اس کی پائنتی میں کھڑے ہو کر سلام کرتا ہے اور کچھ نذرانہ ادا کر کے برات میں شامل ہوتا ہے۔

یہ لوگ مجاوروں کا اس طرح احترام کرتے ہیں جس طرح شاہی خدام کا کیا جاتا ہے اور مہمات میں ان کو اپنا وکیل مقرر کرتے ہیں تاکہ وہ صاحب قبر کے پاس ان کی سفارش کر دیں۔ عرس کے موقع پر ان کے ہاتھ سے دستار بندی کراتے ہیں اور ان کی دی ہوئی پگڑی کو شاہی خلعت کی طرح قابل فخر و عزت سمجھتے ہیں۔

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (۲۳:۵۳)

تمام گروہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس پر خوش وخرم ہیں۔

قبر پرستوں کی گپیں

قبر پرست گپیں بہت ہانکتے ہیں کہ مثلاً کہتے ہیں کہ ایک چشتی نے نقشبندیوں کی حدود میں قدم رکھنا چاہا مگر کچھ پیش نہ گئی اور اسے بے نیل مرام واپس جانا پڑا۔

یا شاہ مدار رحمتہ اللہ علیہ ہندوستان میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ جب تک کہ خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ سے اجازت نہیں لے لی وغیرہ وغیرہ۔ غضب ہے کہ ایسی ایسی بے سروپا کہانیاں فقرا کی سوانح عمریوں میں بھی درج کر دی گئی ہیں۔

محکمات اور متشابہات

علمائے محققین نے کہا ہے کہ اولیا کے احوال کی دو قسمیں ہیں۔ محکمات اور متشابہات۔ جو احوال شریعت کے موافق ہوں وہ محکمات میں سے ہیں اور جو نا موافق ہوں وہ متشابہات سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جو احوال محکمات کی مانند اشتباہ سے پاک ہیں وہ قابل حجت بھی ہیں اور پیروی کے لائق بھی۔ لیکن جو احوال متشابہات کی طرح مشتبہ المراد ہیں ان سے بچنا ہی لازم ہے وہ نہ قابل حجت ہیں نہ لائق اتباع ہیں۔ ان کے سبب سے کئی لوگ ہدایت یاب ہو جاتے ہیں اور کئی گمراہ ہو جاتے ہیں۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا (۲:۲۶)

(گمراہ ہو جاتے ہیں اس کے سبب بہت سے اور ہدایت پاتے ہیں اس سے بہت سے)

محکمات اور متشابہات کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ. (۳:۷)

اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب نازل فرمائی۔ اس کی بعض آیتیں ہر قسم کے شبہ سے محفوظ ہیں اور یہی آیتیں اس کتاب کا اصل مدار ہیں اور بعض آیتیں ایسی ہیں جو مشتبہ المراد ہیں، پس جن لوگوں

کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے وہ اس کے دوسرے حصہ کی پیروی کرتے ہیں جو مشتبہ المراد ہیں، دین میں فتنہ پیدا کرنے اور غلط مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے حالانکہ ان کا صحیح مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

صاحب مصابیح رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَنْزَلَ الْقُرْآنَ عَلٰی خَمْسَةِ اَوْجُهٍ حَلَالٌ وَحَرَامٌ وَمُحْكَمٌ وَمُتَشَابَهٌ وَاَمْثَالٌ فَاَحِلُّوْا الْحَلَالَ وَحَرِّمُوْا الْحَرَامَ وَاعْمَلُوْا بِالْمُحْكَمِ وَاٰمِنُوْا بِالْمُتَشَابَهِ وَاعْتَبِرُوْا بِالْاَمْثَالِ. (۱)

قرآن مجید میں پانچ قسم کی آیتیں اتاری گئی ہیں۔ حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال۔ پس ان کے حلال کا حلال جانو، حرام کو حرام سمجھو، محکم پر عمل کرو، متشابہ پر ایمان رکھو اور امثال سے عبرت پکڑو۔

غرض اولیا کے بعض احوال پر صرف اپنی سمجھ کے فتویٰ پر عمل نہ کرنا چاہیے، کیونکہ بسا اوقات ایسا کرنا فساد کا موجب ہوتا ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

کتب احادیث میں ایک بدری صحابیؓ کا واقعہ مذکور ہے بدری صحابیؓ وہ ہیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم خدا یہ مژدہ سنایا تھا کہ

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ قَدْ غَفِرْتُ لَكُمْ (۲)

یعنی اللہ فرماتا ہے کہ آج کے بعد جو تمہارا جی چاہے کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔

انہی میں سے ایک شخص نے شراب پی لی۔ جب گرفتار کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے لایا گیا تو کہنے لگا میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں خدا نے بخش دیا۔ اس لئے نہ مجھ پر اس فعل سے حد قائم ہو سکتی ہے اور نہ میں گنہگار کہلا سکتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ عذر بالکل

---

(۱) بیہقی بروایت ابوہریرہؓ۔ مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

(۲) خ تفسیر سورہ ٦۔ ادسنہ ٨ جہاد، ٩٨ ت تفسیر سورہ ١٠٦

نہ سنا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے اس پر حد لگا دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام مسلمان بلا لحاظ مرتبہ یکساں طور پر شرعی احکام کے لئے مکلّف ہیں اور جو عمل شریعت کی نگاہ میں برا ہے وہ کسی ولی یا متقی کے کرنے سے اچھا نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی متقی یا ولی اس دنیا میں احکام اسلام کی خلاف ورزی کر کے شرعی مواخذہ سے چھوٹ سکتا ہے۔ (۱) باقی رہا عاقبت کا معاملہ، سو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ (۲:۲۸۴)

جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے۔

تنبیہ

یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے ساتھ محبت کرنے یا عداوت رکھنے کے لحاظ سے خوارج و روافض کی طرح لوگوں کی دو جماعتیں ہو گئیں ہیں اور دونوں غفلت میں مبتلا اور گمراہی اور ضلالت میں پڑی ہوئی ہیں اور خارجی منش آدمی کہتا ہے کہ فلاں شخص نے اگرچہ بہت سے نیک اعمال کئے ہیں۔ مگر ناشائستہ بات کی وجہ سے مردود ہے اور قابل پیروی نہیں، اور رافضی روش کہتا ہے کہ فلاں بزرگ کا ہر عمل مستحسن اور واجب الاتباع ہے چاہے اس کا ہر عمل احکام اسلام کے مخالف ہو جیسا کہ حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا

یعنی مرشد کہے تو شراب پی لو، کیوں کہ سالک منزل طریقت کی راہ و رسم سے ناواقف نہیں ہوتا۔

---

(۱) اخرجہ البخاری (المغازی باب فضل من شہد بدراً) و مسلم
(فضائل الصحابہ، و فضائل اہل بدر، ۲۴۹۴)
و ابوداؤد (الجہاد، باب فی حکم الجاسوس اذا کان مسلما ۳/ ۱۰۸، ۱۱۰، ۳۶۵)
و الترمذی التفسیر سورۃ المتحنۃ ۲۳۰۲ (والدارمی (ارقاق ۲/ ۳۱۳)
عن ابی ہریرۃؓ و احمد (۱/ ۸۰، ۲/ ۲۹۶_ ابو ہریرہ) و النسائی
فی تفسیرہ (۲/ ۴۱۴، ۶۰۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا: ''اے علی تیری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہے، کہ یہود نے ان کی عداوت میں یہاں تک کہ غلو کیا کہ معاذ اللہ ان کی والدہ محترمہ پر بہتان باندھے اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی تو خدا کا بیٹا بنا کر چھوڑا۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے:

يَهْلِكُ فِيَّ رَجُلَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ يُفْرِطُنِيْ بِمَا لَيْسَ فِيَّ وَمُبْغِضٌ يَّحْمِلُهٗ شَنَانِيْ عَلٰى اَنْ يَّبْهَتَنِيْ

میری وجہ سے دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے ایک حد سے زیادہ مجھ سے الفت کرنے والے کہ مجھ میں وہ چیز ثابت کریں گے جو مجھ میں نہیں ہے اور دوسرے مجھ سے دشمنی کرنے والے کہ بے جا عداوت کی وجہ سے مجھ پر بہتان باندھیں گے۔ (۱)

غرض الفت وعداوت میں مبالغہ کرنے کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا ہو جانے کی یہ دلیل کافی ہے۔

طریقہ اہل سنت

مفسرین کرام نے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے مراد یہود ہیں، جن کی مثل مسلمانوں میں فرقہ خوارج ہے، جو بزرگوں کی شان میں گستاخی کرتا ہے اور ضالین سے مراد نصاریٰ ہیں، جن کی مثال اہل اسلام میں روافض کی جماعت ہے، جنھوں نے تعظیم والفت کو حدِ تحریم تک پہنچا کر چھوڑا ہے۔ راہ توسط پر چلنے والی صرف ایک جماعت ہے یعنی اہل سنت، جو ہر قسم کے افراط وتفریط سے محفوظ ہیں۔ اہل سنت کا اصول ہر معاملہ میں:

خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَاكَدَرَ

(اچھی چیز لے لو اور بری چیز کو چھوڑ دو)

پر ہے۔ یہ جملہ اس حدیث کا ہم معنی ہے، جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت

---

(۱) مسند احمد (۱/۱۶۰) والحاکم (۳/۱۲۳) وصححہ وخالفہ الذہبی بقولہ! الحکم بن عبدالمالک وھاہ ابن معین

حسنؓ بن علی رضی اللہ عنہما کو فرمایا:

دَعْ مَا یُرِیْبُکَ اِلٰی مَا یُرِیْبُکَ

(مشکوک چیز کو چھوڑ دو اور غیر مشکوک چیز اختیار کرو)

اہل سنت سلف صالحین رحمہم اللہ کے حق میں سوائے نیک گوئی کے لب کشائی نہیں کرتے۔

ان کی دعا ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (۸:۳)

رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (۱۰:۵۹)

اے ہمارے پروردگار! ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کیجیو، اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائیو (کیوں کہ) تو ہی رحمت عطا فرمانے والا ہے۔

اے پروردگار ہمارے! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں مومنوں کی طرف سے کینہ پیدا نہ ہونے دے، اے ہمارے پروردگار! تو ہی مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔

وظائف شرکیہ

قبر پرستوں کی دوسری علامت یہ ہے کہ اپنے شیخ کو واقف الاسرار سمجھتے ہیں اور دور اور نزدیک سے اپنی جملہ مہمات میں شیخ کو امداد کے لئے پکارتے ہیں۔ بعض لوگ اس قسم کے وظیفے، جو بالکل سلسلہ کے ناموں پر مشتمل ہوتے ہیں، مسنونہ اوراد و اذکار کی طرح بلاناغہ صبح و شام پڑھتے ہیں۔ بعضوں نے پیروں کے نام کے استخارے تجویز کر رکھے ہیں، تاکہ ان کو پڑھ کر مہمات کا انجام بزرگوں کی ارواح سے معلوم کرلیں۔

شرکیہ وظائف کے چند نمونے

بعض لوگ اٹھتے بیٹھتے ''یا بہاء الدین مشکل کشا'' پڑھتے ہیں، اور اپنے آپ کو حضرت خواجہ بہاء الدین کا محب کہتے ہیں۔ بعض فراخی رزق کیلئے ''یا نظام الدین اولیاء زری زر بخش'' کا وظیفہ

پڑھتے ہیں اور بعض ہر مشکل کیلئے ''یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاءً للہ'' کا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ (۱)

ایسے وظیفے پڑھنے کی ممانعت

خبردار رہنا چاہئے کہ یہ وظیفے سب افترا اور بہتان ہیں یہ صحیح طریقت کے کسی پیر سے مروی نہیں ہیں۔ اور نہ ان کی روایت کرنے والے معتبر ہیں، بلکہ بزرگوں کے صحیح حالات دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام بزرگ اپنے مریدوں کو مخلوق کی طرف نگاہ امید رکھنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ عوارف المعارف میں حضرت شیخ الشیوخ رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَايَتَحَقَّقُ صِدْقُ الْمُرِيْدِ وَاِخْلَاصُهٗ اِلَّا بِاتِّبَاعِ السُّنَنِ وَبِمُتَابِعَةِ اَمْرِ الشَّرْعِ وَقَطْعِ النَّظَرِ عَنِ الْخَلْقِ وَكُلُّ الْاٰفَاتِ حَلَّتْ عَلٰى اَهْلِ الْبِدَايَةِ لَمَوْضِعِ نَظْرِهِمْ اِلَى الْخَلْقِ وَبَلَغَنَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ لَا يَكْمُلُ اِيْمَانُ الْمَرْءِ وَحَتّٰى يَكُوْنَ النَّاسُ عِنْدَهٗ كَالْاَبَاعِرِ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى نَفْسِهٖ فَيَرَاهَا اَصْغَرَ صَاغِرًا

کسی مرید کا صدق و اخلاص صحیح اور درست نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ شریعت کا پورا پیروکار نہ ہو جائے اور مخلوق سے پورے طور پر بے نیاز ہو کر امید منقطع نہ کر لے۔ اس راہ کے مبتدیوں پر اسی لئے آفتیں نازل ہوتی ہیں کہ ان کی نگاہ امید مخلوق پر لگی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک کوئی شخص مومن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ تمام انسان اس کے نزدیک اونٹ جیسے نہ ہوں اور جب تک کہ اپنے کو سب سے کم درجہ نہ سمجھے (یعنی جب تک تمام انسانوں کو اپنے سے زیادہ درجہ والا نہ سمجھے گا اور دوسروں کے مقابلہ میں اپنے کو معمولی نہ سمجھے گا اس وقت تک مومن کامل نہ ہوگا)

خواجہ علاء الدین عطار رحمتہ اللہ علیہ کے احوال میں مولانا جامی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب نفحات الانس میں فرماتے ہیں کہ آپ نے ایک دفعہ خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر کیا کہ وہ فرمایا کرتے تھے!

---

(۱) اخرجہ الترمذی (القیامۃ باب (توکل ۲۵۲۰) والنسائی (۸، ۳۲۷، ۳۲۸) باب الحث علی ترک الشبہات) واحمد (۱/۲۰۰) وقال الترمذی حسن صحیح۔ الحاکم (۲/۱۳، ۱۳، ۴/۹۹) کلہا عن حسن بن علیؓ۔ صححہ ووافقہ الذہبی والبغوی (۸/۷۱، ۲۰۲۳) عن الحسن بن علی وصححہ ابن حبان (۵۱۲)

’’خدا کا مجاور بننا اس کی مخلوق کے مجاور بننے سے بہتر ہے‘‘۔ خواجہ صاحب اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

تو تا کے گور مرداں را پرستی
بگرد و کار مرداں کن درستی

تو کب تک قبر پرستی کرے گا۔ جا لوگوں کے کام آ۔

حضرت سید المشائخ ابو محمد محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو اولیا محققین کے سرخیل وسپہ سالار ہیں، اپنی کتاب فتوح الغیب میں فرماتے ہیں:

مَنْ اَرَادَ السَّلَامَةَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فَعَلَیْهِ بِالصَّبْرِ وَالرِّضٰی وَتَرْکَ الشَّکْوٰی اِلَی الْخَلْقِ وَاِنْزَالِ حَوَائِجِهٖ بِرَبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ وَانْتِظَارِ الْفَرَجِ مِنْهُ تَعَالٰی اِذْ هُوَ خَیْرٌ مِّنْ غَیْرِهٖ

جو شخص دنیا اور آخرت میں سلامتی کا طالب ہے، اسے چاہئے کہ صبر کو اپنا شعار بنائے، ہر حال میں راضی برضا رہے، مخلوق سے شکایت نہ کرے اور اپنی حاجات کا سوائے پروردگار کے بذریعہ دعا وسوال یا زبان قال وحال کے اور کسی سے ذکر نہ کرے۔ ہر ایک مشکل کشائی کی توقع اسی کی ذات سے رکھے، کیوں کہ اسی کی ذات تمام موجودات سے برتر واعلیٰ ہے۔

ایک عجیب خبط

قبر پرستوں کی یہ بھی عادت ہے کہ جب آیات کلام الٰہی، احادیث رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اقوال اولیا کرام رحمہم اللہ پیش کیے جائیں تو ان کا جواب اپنی عقلی تاویلوں سے دیتے ہیں، کہتے ہیں ارواح اولیا کرام رحمہم اللہ اگرچہ خدا کی مخلوق ہیں مگر بوجہ اس قرب کے جو ان کو بمقابلہ دوسری مخلوق کے اپنے خدا کے ساتھ حاصل ہے، ان کو حاجت روا سمجھ کر پکارنا برا نہیں، جیسا کہ کہا گیا ہے۔

اولیا راہست قدرت از الٰہ تیر جستہ باز گردانند زراہ

(اولیا اللہ کو خدا کی طرف سے ایسی قوت حاصل ہوتی ہے کہ وہ چھوڑے ہوئے تیر کو راہ سے واپس پلٹا دیتے ہیں)۔

حاشا وکلا! اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے:

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ. (۱۰:۱۰۷)

اگر اللہ تعالیٰ تجھے نقصان پہنچانا چاہے تو کوئی شخص اس کو دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ کوئی راحت پہنچانا چاہے تو بھی اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے:

لَوْ جَمَعَ الْعِبَادُ عَلٰی اَنْ يَّنْفَعُوْكَ بِشَيْئٍ لَمْ يَقْضِهِ اللّٰهُ لَكَ لَمْ يَقْدِرُوْا عَلَيْهِ وَلَوْ جَمَعَ الْعِبَادُ عَلٰی اَنْ يَّضُرُّوْكَ بِشَيْئٍ لَمْ يَقْضِهِ اللّٰهُ عَلَيْكَ لَمْ يَقْدِرُوْا!

اور تمام لوگ اکٹھے ہو کر تجھے کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں جو خدا کو منظور نہیں تو نہیں پہنچا سکتے اور (اسی طرح) اگر نقصان پہنچانے پر اکٹھے ہو جائیں جو خدا نے تیرے مقدر میں نہیں لکھا تو نہیں پہنچا سکتے۔(۱)

اس حدیث کا پہلا حصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ:

بَيْنَ اَنَا رَدِيْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِذْ قَالَ لِيْ يَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ اَمَامَكَ فَاِذَا سَئَلْتَ فَاسْئَالِ اللّٰهَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ الخ (رواہ الترمذی مشکوٰۃ باب التوکل)

میں ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے سوار تھا کہ آپ نے فرمایا اے لڑکے! تو اللہ تعالیٰ (کے امر و نہی کو) نگاہ میں رکھ اللہ تعالیٰ تیری حفاظت کرے گا اگر تو اللہ تعالیٰ کی طرف نگاہ رکھے گا تو اس کو اپنے سامنے پائے گا۔ اگر سوال کرنے کی حاجت ہو تو اللہ تعالیٰ سے سوال کر، اور اگر مدد کی ضرورت ہو تو اس کی مدد مانگ، ہر چیز کی نسبت قلم لکھ کر خشک ہو چکا۔

تمام کتب صحاح میں مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث آئی ہے۔ فتوح الغیب میں اس حدیث کے بعد لکھا ہے:

---

(۱) اخرجہ الترمذی (قیامۃ ۵۹، ۲۶۳۵) وقال حسن صحیح احمد (۱/۲۹۳، ۳۰۳، ۳۰۷) والقضاعی فی مسند الشہاب (۱/۴۳۴، ۷۴۵) والطبرانی فی الکبیر (۱۱۲۴۳)

فَیَنْبَغِیْ لِکُلِّ مُؤْمِنٍ اَنْ یَّجْعَلَ ھٰذَا الْحَدِیْثَ مِرْاٰۃً لِقَلْبِہٖ وَشِعَارِہٖ وَدِثَارِہٖ وَحَدِیْثِہٖ فَیَعْمَلُ بِہٖ جَمِیْعَ حَرَکَاتِہٖ وَسَکْنَاتِہٖ حَتّٰی یُسْلَمَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَیَجِدَالْعِزَّۃَ فِیْھِمَا بِرَحْمَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی.

ہر مومن کو چاہیے کہ اس حدیث کو اپنے دل کا آئینہ بنائے، اور اپنی گفتگو، لباس اور جملہ حرکات وسکنات میں اس پر عمل کرے تا کہ خدا کی رحمت سے دنیا وآخرت میں نجات اور عزت پا سکے۔

آگے لکھا ہے:

وَاَرْضَاہُ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ مَا سَئَلَ اِلَّا بِجَھْلِہٖ بِاللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَضُعْفِ اِیْمَانِہٖ وَمَعْرِفَتِہٖ وَیَقِیْنِہٖ وَقِلَّۃِ صَبْرِہٖ.

جو شخص ضرورت کے وقت لوگوں سے مانگتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے بے خبر ہے۔ یہ اس کے ایمان کی کمزوری ہے اور طبیعت کی بے صبری کی علامت ہے۔

حدیث شریف اور شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ پیر پرستوں کا طریق شریعت اور طریقت دونوں سے جدا ہے اگر وہ کہیں کہ یہ مقام حقیقت کی باتیں ہیں تو انہیں بتانا چاہیے کہ منزل طریقت وحقیقت کے امام حضرت شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فتوح الغیب میں فرماتے ہیں:

کُلُّ حَقِیْقَۃٍ لَایَشْھَدُ لَھَا الشَّرْعُ فَھِیَ زِنْدَقَۃٌ

(جو حقیقت شریعت کے مخالف ہو وہ کفر والحاد ہے)

حقیقت، شریعت کے مخالف نہیں

اس قول کی تشریح میں شیخ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حقیقت، شریعت کے مخالف نہیں ہو سکتی، کیونکہ کسی چیز پر ایمان لانے کے یہ معنی ہیں کہ اس پر کاربند ہو کر اس کی حقیقت کو پہنچ سکیں۔ اور یہ ایک ہی راستہ ہو گا۔ جس کی انتہا اس کی ابتدا کے مخالف نہیں۔ پس اگر کسی کو کوئی امر خلاف شرع نظر آئے تو اسے باطل سمجھنا چاہیے اور اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ جان بوجھ کر باطل پر عمل کرنے والا کافر ہوتا ہے۔

ابو سلیمان دارانی علیہ الرحمتہ کا قول

ابو سلیمان دارانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بسا اوقات مجھ پر ایک نکتہ ظاہر ہوا مگر میں نے اسے اس وقت تک قبول نہ کیا جب تک کہ کتاب وسنت سے اس کی تصدیق نہ کر لی۔

آگے فرماتے ہیں:

جان لو کہ (حدود شریعت کی حفاظت کے ساتھ) مقام شہود وتوحید صدیقوں اور عارفوں کا مقام ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں بہت سے سالک پہنچ کر حیران وششدر رہ جاتے ہیں، بلکہ بعض تو ایمان ودین سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

پھر فرماتے ہیں:

یاد رہے کہ دین ایک ہے شریعت، طریقت اور حقیقت جدا جدا، تینوں دین نہیں ہیں بلکہ یہ اسی ایک کی شاخیں ہیں، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل......انتھی کلامہ۔

حضرت ابو سعید خزاز رحمتہ اللہ علیہ کا قول

ابو سعید خزاز رحمتہ اللہ علیہ اکابر مشائخ میں سے گزرے ہیں۔ آپ کا قول ہے:

كُلُّ بَاطِنٍ يُخَالِفُهُ الظَّاهِرُ فَهُوَ بَاطِلٌ وَّمَلُوْمٌ

جس باطن کا ظاہر مخالف ہو وہ باطن باطل ہے، اور ملامت کے قابل ہے۔

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ

کتاب سیر المشائخ میں باطن کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ ملتانی حسب معمول صبح کی جماعت میں شریک ہوئے ایک رکعت ہو چکی تھی اس لئے تشہد میں امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نماز کے بعد امام نے کہا: اے شیخ! امام کے سلام پھیرنے سے پہلے مقتدی کو اٹھنا جائز نہیں۔ کیوں کہ ممکن ہے ابھی کچھ باقی ہو اور امام کی متابعت فوت ہو جائے"۔ شیخ نے جواب دیا "اگر نور باطن سے پتہ لگ جائے کہ نماز ہو چکی اور کچھ باقی نہیں تو ایسی صورت میں سر امام سے پہلے اٹھنے میں کیا مضائقہ ہے"۔ امام نے کہا "ہرگز جائز نہیں۔ جو نور شریعت کے مخالف ہو وہ نور نہیں تاریکی ہے"۔ اس پر حضرت شیخ نے کہا "آمنا"

شیخ ابوعبداللہ حارث بن اسدی رحمتہ اللہ علیہ کا قول

شیخ ابوعبداللہ حارث بن اسدی محاسبی رحمتہ اللہ علیہ متقدمین اہل طریقت کے علما میں سے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

مَنْ صَحَّ بَاطِنُهٗ بِالْمُرَاقَبَةِ وَالْاِخْلَاصِ زَيَّنَ اللّٰهُ ظَاهِرَهٗ بِالْمُجَاهِدَةِ وَاتِّبَاعِ السُّنَّةِ

جس کا باطن مراقبہ واخلاص سے درست ہوگیا اس کا ظاہر اللہ تعالیٰ سنت کی پیروی اور ریاضت سے آراستہ فرما دیتا ہے۔

ابو حفص کبیر حداد رحمتہ اللہ علیہ کا قول

ابو حفص کبیر حداد رحمتہ علیہ فرماتے ہیں:

مَنْ لَّمْ يَزِنْ اَحْوَالَهٗ وَاَقْوَالَهٗ وَاَفْعَالَهٗ بِمِيْزَانِيْ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَلَمْ يَتَّهِمْ خَوَاطِرَهٗ فَلَا تَعُدُّوْهُ فِيْ دِيْوَانِ الرِّجَالِ

جو شخص اپنے اقوال، احوال اور افعال کو کتاب وسنت کے مطابق نہیں رکھتا اور خواہشات کی پیروی کو برا نہیں سمجھتا اسے مردوں کی فہرست میں شمار مت کرو۔

ابو یزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا قول

سلطان العارفین ابو یزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَلَوْنَظَرْتُمْ اِلٰى رَجُلٍ اُعْطِىَ اَنْوَاعاً مِّنَ الْكَرَامَاتِ حَتّٰى يُطِيْرُ فِى الْهَوَآءِ اَوْمَشٰى عَلَى الْمَآءِ لَاتَعْتَبِرُوْا بِهٖ حَتّٰى تَنْتَظِرُوْا كَيْفَ تَجِدُوْنَهٗ بِاَدَاءِ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ وَحِفْظِ الْحُدُوْدِ وَاَدَآءِ اَحْكَامِ الشَّرِيْعَةِ

اگر تمہیں ایسا شخص نظر آئے جو تمہاری دانست میں بے شمار کرامتوں سے مشرف کیا گیا ہو، یہاں تک کہ ہوا میں اڑ سکتا ہو اور پانی کی سطح پر چل سکتا ہو تو جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ وہ امر ونہی، حفظ حدود شرعی اور پابندیٔ احکام اسلامی میں کیسا ہے، کبھی اعتبار نہ کرو اور اس کی کرامات کے قائل نہ ہو

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمتہ کا قول

امام طریقت سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

طُرُقٌ اِلَی اللّٰہِ بِعَدَدِ اَنْفَاسِ الْخَلَائِقِ وَکُلُّھَا مَسْدُوْدَۃٌ عَلَی الْخَلْقِ اِلَّا عَلٰی مَنِ اقْتَفٰی اَثَرَ اَثَرِ الرَّسُوْلِ

اللہ تک پہنچنے کے راستے خلق خدا کی سانسوں کی مقدار کے مطابق ہیں مگر یہ سب اس وقت تک ہر شخص پر بند ہیں جب تک کوئی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم بقدم نہ چلے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ان تمام بزرگوں نے سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی اور امر ونہی پر استقامت کو واجب سمجھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ (۶:۱۲۰)

ظاہر اور باطن دونوں طرح کے گناہ چھوڑ دو۔

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ شریعت کی ظاہر میں مخالفت کرنا بھی گناہ ہے اور یہ کسی کے لئے بھی جائز نہیں۔ اسی طرح شریعت کی خلاف ورزی کرنے والے کی پیروی کرنا بھی ظاہری گناہ ہے اور یہ کسی کے لئے جائز نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ابراہیم بن میسر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی ھَدْمِ الْاِسْلَامِ

جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی اس نے (گویا) دین حقہ اسلام کی تباہی اور بربادی میں امداد دی۔

یعنی یہ صحیح ہے کہ کسی بدعتی کی کبھی تعظیم وتوقیر نہ کی جائے کیونکہ بدعت کی عزت کرنا درحقیقت اسلام کی تذلیل وتحقیر کرنا ہے۔

مشائخ کا حزم واحتیاط

شریعت کی مخالفت سے بچنے کے لئے اکابر مشائخ کا یہ حال تھا کہ ہر معاملہ میں کمال درجہ احتیاط سے کام لیتے تھے، لکھا ہے کہ حسین بن منصور حلاج رحمتہ اللہ علیہ بہت ہی عبادت گزار شخص تھا۔ ہزار نفل ایک رات میں پڑھا کرتا تھا۔ مگر باوجود اس زہد وعبادت کے جب اس نے انا الحق کہا

یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کی تخریج ابن عدی نے الکامل (ل۔۹/۴) اور ابن حبان نے الضعفاء (۱/۲۳۵) میں اور ابن جوزی نے موضوعات میں (۱/۲۷۱) کی ہے۔

تو سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اور وقت کے دوسرے مشائخ نے اس کو قابل سزائے موت قرار دیا اور اس کے قتل کا فتویٰ لکھ کر پھانسی پر لٹکا دیا۔

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ سے شیخ ابن منصور حلاج کی نسبت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا وہ مردود ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مردود کہا جو وقت کا پیشوا تھا۔

سید محی الدین جیلانیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''منصورؒ کی کسی شخص نے اصلاح نہ کی، اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو اس کی اصلاح کرتا اور نوبت یہاں تک نہ پہنچتی''۔ ہوسکتا ہے جس چیز کو منصور کے مخالف حق سمجھتے ہوں وہی چیز ان کے بزرگوں کے نزدیک غلط ہو۔

غرض اس قصہ سے یہ ثابت ہوا کہ جو لوگ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے مخالف ہیں وہ مشائخ و بزرگان دین کے طریقہ کے بھی مخالف ہیں۔ ایسے لوگوں کا اپنے آپ کو محبّ مشائخ کہنا غلط ہے، بفحوائے۔

يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ (۳:۱۶۷)

(جو بات منہ سے کہتے ہیں وہ ان کے دل میں نہیں)

اس جماعت کا عجب حال ہے۔ جب آیات واحادیث اور آثار مشائخ رحمہم اللہ سے دلائل پیش کیے جائیں تو روافض کی طرح لاجواب ہو کر کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں سے یہ باتیں مروی نہیں ہیں، ممکن ہے کہ یہ باتیں انھوں نے اپنے خاص لوگوں سے کہی ہوں، خیال کرو کہ یہ لوگ کس طرح اپنے بزرگوں پر تقیہ کی تہمت لگاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے ہی لوگوں کی نسبت ارشاد فرمایا اور ان سے بچنے کی تاکید فرمائی۔ ارشاد ہے:

يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ كَذَّابُوْنَ دَجَّالُوْنَ يَاْتُوْنَكُمْ مِنَ الْاَحَادِيْثِ بِمَالَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا اٰبَآءُكُمْ فَاِيَّاكُمْ لَا يُضِلُّوْنَكُمْ وَلَا يَفْتِنُوْنَكُمْ (۱)

آخری زمانہ میں کذاب اور دجال پیدا ہوں گے۔ تم ان سے ایسی باتیں سنو گے جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہ سنیں۔ ان سے بچنا، کہیں تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

---

(۱) مسلم (مقدمہ ۶) مسند احمد (۲/۳۴۹) بغوی (۱/۲۲۳) الحاکم (۱/۱۰۳)

لفظ ’’دجالون‘‘ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کس عیاری سے اپنے شعبدوں کو کرامت ثابت کر کے گمراہ کریں گے، ان سے بچنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتباع سنت کی تاکید فرمائی ہے:

مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِی عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِی فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ

جو شخص فساد کے وقت میری سنت کی متابعت کرے گا اسے سو شہید کا ثواب ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر ایک خط کھینچا اور فرمایا: ھذا سبیل اللہ (یہ اللہ کا راستہ ہے) پھر اس کے دائیں بائیں خط کھینچے اور فرمایا: ھذا سبیل علی کل سبیل منھا الشیطان یدو موالیہ (۱) (ان راستوں میں سے ہر ایک پر شیطان ہے جو اپنی طرف بلا رہا ہے) پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔

هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ. (۶:۱۵۳)

یہ میرا راستہ سیدھا ہے اس پر چلو دوسری راہوں پر مت چلو ورنہ خدا کی راہ سے ہٹ جاؤ گے۔ یہ خدا کا تاکیدی حکم ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

یعنی دین حق کی بتلائی ہوئی صراط مستقیم پر چلے بغیر، شیطانی راہوں سے بچنا محال ہے۔

شرح السنہ میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ

کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس چیز کے تابع نہ ہوں جو میں

---

(۱) من حدیث ابن عباس رواہ ابن عدی فی الکامل (ل۹۰/ب) وابن بشران فی امالیہ (ل۹۳......م، ۳۴۱ب) وسندہ ضعیف جداو عزاہ المنذری فی الترغیب (۱/۸۰) الی البیھقی ورواہ ابونعیم فی الحلیۃ (۸/۲۰۰) والطبرانی فی الاوسطہ کما فی المجمع (۱/۱۷۲) قال ابونعیم ”غریب“ وقال الھیثیمی ومحمد ابن صالح العدوی لم ارمن ترجمہ ومنہ تعلم ان قول المنذری: واسنادہ الاباس بہ لیس کما ینبغی مسند احمد (۱/۴۳۵، ۴۶۵) والدارمی فی سننہ (المقدمۃ، باب کراھیتہ اخذ الآی ۱/۶۷) والحاکم (۲/۲۳۹/۳۱۸ وصححہ ووافقہ الذہبی

لے کر آیا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ آدمی کو چاہئے کہ مقدمات ایمانی اور امور اسلام میں خواہش نفس کی پیروی نہ کرے، ورنہ ایمان جاتا رہے گا اور وہ قیود شرع سے آزاد ہو کر شیطان کی غلامی میں پھنس جائیگا۔

عقائد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے موافقت ضروری ہے

مخفی نہ رہے کہ دین اسلام دو چیزوں پر مشتمل ہے، عقائد اور اعمال بلاشبہ یہ مشکل امر ہے کہ ہمارے اعمال زندگی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمال جیسے ہو جائیں اور جو جو کام انھوں نے اپنی مبارک زندگیوں میں انجام دیئے ہم بھی انجام دے لیں۔ یعنی اعمال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ پوری پوری مماثلت پیدا کر لینا چونکہ ہر شخص کے لئے مشکل بات تھی اس لئے شریعت نے ہر شخص کو بقدر طاقت ووسعت مکلّف کیا ہے لیکن عقائد کی حالت اس سے بالکل مختلف ہے۔ عقائد میں تو ان کے ساتھ پوری مماثلت پیدا کرنا ہر مسلم کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے اور ادنی سی مخالفت کو بھی بے دینی اور گمراہی بتایا گیا ہے، کیا یہ انبیا علیہم السلام سے عقائد میں اختلاف کرنے کا نتیجہ نہ تھا جس نے یہود ونصاریٰ کو گمراہ کر دیا اور وہ اکہتر ۷۱، بہتر ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے؟ اسی چیز سے متنبہ کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ:

لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِىْ زَمَانٌ كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ حَذْ وَالنَّعْلَ بِالنَّعْلِ حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِىْ اُمَّتِىْ مَنْ يَّصْنَعُ ذٰلِكَ وَاِنَّ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى اِثْنَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِنْهُ وَتَفَرَّقُ اُمَّتِىْ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِيْنَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِى النَّارِ اِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً قَالُوْا مَنْ هِىَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ (۱)

جو واقعات بنی اسرائیل پر گزرے ہیں وہی واقعات میری امت پر گزریں گے۔ ٹھیک ایسے ملتے جلتے جیسے ایک جوتی دوسری جوتی کے برابر ہوتی ہے یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے

---

(۱) الترمذی الایمان باب افتراق ہذہ الامۃ وقال حدیث حسن وغریب

اگر کسی نے اپنی ماں سے بدکاری کی ہوگی تو مسلمانوں میں بھی ایسے شخص پیدا ہوں گے جو اسی طرح کریں گے۔ اور بنی اسرائیل بہتر ۷۲ فرقوں میں بٹ گئے۔ مسلمان تہتر ۷۳ فرقے بن جائیں گے جن میں صرف ایک جماعت جنتی ہے باقی تمام دوزخی ہیں۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنتی گروہ کونسا ہے؟ فرمایا اس طریق پر چلنے والے جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔

اس حدیث کو ابوعیسیٰ ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ میں اس کے خاتمہ پر یہ الفاظ بھی ہیں:

وَهِيَ الْجَمَاعَةُ وَاِنَّهُ سَيَخْرُجُ فِيْ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ تَتَجَارٰى بِهِمْ تِلْكَ الْاَهْوَآءُ كَمَا يَتَجَارٰى الْكَلْبُ بِصَاحِبِهٖ وَلَا يَبْقٰى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ اِلَّا دَخَلَهٗ. (۱)

وہ ناجی گروہ ایک جماعت ہے اور مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جن میں یہ باتیں (بنی اسرائیل کی عادتیں) اس طرح سرایت کر جائیں گی جس طرح دیوانے کتے کا زہر آدمی کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے کہ وجود میں کوئی پٹھہ اور ریشہ اس کے اثر سے بچا ہوا نہیں رہتا۔

حاصل یہ ہوا کہ ہوائے نفس کے پیچھے چلنا بے دینی پیدا کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق کی پیروی کرنا یقیناً موجب نجات ہے پس جب یہ صحیح ہے کہ سنت کی پیروی میں نجات اور اس کی مخالفت میں ہلاکت اور تباہی ہے تو ہر حال میں اپنے احوال، افعال اور اقوال کو کتاب و سنت کی ترازو پر جانچتے رہنا چاہئے۔ بڑے بڑے علما و مشائخ نے یہی کہا ہے اور ان کے اقوال اوپر گزر چکے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے اس وسیع مضمون کو ایک شعر میں ادا کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں

خلاف پیمبر کسے راہ گزید　　　که هرگز بمنزل نخواهد رسید

(جس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ ہرگز منزل مقصود تک نہیں پہنچے گا)۔

بلاشبہ عملی مخالفت بھی معصیت اور گناہ ہے لیکن اگر اس کے مرتکب کو اپنے اپنے قصوروں کا اعتراف ہو تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے یہ گناہ معاف ہو سکتا ہے۔ حضرت شیخ

---

(۱) احمد (۴/۱۰۲) ابوداؤد (۵/۵، ۴۵۹۷) السنۃ باب اول اسناد صحیح

سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق بھی اشارہ فرمایا ہے۔

نماند بعصیاں کسے درگرد   کہ وارد چنیں سید پیشرد

جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا پیشوا رکھتا ہے وہ ہرگز گناہوں کے بدلے عذاب میں نہ جائے گا۔

شیخ موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد میں پیشرو کا لفظ عمل میں کوتاہی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کیوں کہ جو لوگ سرے سے اعتقاد ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ متفق نہیں، آپ ان کے پیشرو کس طرح ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

اِنَّ الَّـذِیۡـنَ فَـرَّقُـوۡا دِیۡنَهُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا لَّسۡتَ مِنۡهُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ ؕ اِنَّمَاۤ اَمۡرُهُمۡ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ۔ (۶:۱۵۹)

جن لوگوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور گروہ گروہ ہو گئے (اے نبیؐ) آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ ان کو ان کی کارگزاریاں جتلا دے گا۔

تنبیہ

اے مدعیان طریقت، زمانہ نبوت کو گزرے مدت دراز ہو گئی اور قرون ثلاثہ کا وہ دور ختم ہو سکتا، جس کی دینداری وتقویٰ کی تعریف خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی تھی۔ اب یاد رکھنا چاہئے کہ اولیا کرام رحمہم اللہ اور علمائے دین کے مشہور اقوال واحوال کا معاملہ جو تواتر کے ساتھ ثقہ راویوں سے مروی نہیں، بالکل اہل کتاب کی روایتوں کے مانند ہو گیا ہے، جن کا ایک حصہ قرآن مجید کے موافق ہے، دوسرا مخالف ہے اور تیسرا نہ مخالف ہے نہ موافق۔ ہمیں حکم یہ دیا گیا ہے کہ جو حصہ موافق ہے اس کی تصدیق کرو اور جو مخالف ہے اس کی تکذیب وتردید کرو اور تیسرے حصہ سے کچھ سروکار نہ رکھو۔

علمائے ربانی کا ارشاد ہے کہ شعائر اسلام کی مخالفت کرنے والے کو سمجھانا چاہئے اور اس کی بدعملی سے بیزاری کا اظہار کرنا چاہئے اور اس کے ساتھ ہم نشینی نہ رکھنا چاہئے۔ کیوں کہ ایسا کرنا ان سے پیار کرنے کے برابر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ قَوْماً فَهُوَ مِنْهُمْ. (۱)

جس نے کسی قوم کو دوست رکھا وہ انہی میں سے ہے۔

فاسق و فاجر سے میل جول کا انجام عذاب الٰہی ہے

یہودیوں میں سبت کے روز مچھلی پکڑنا حرام تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی تین جماعتیں ہو گئیں۔ ایک وہ جس نے سبت کے دن مچھلیاں پکڑنی شروع کر دیں۔ دوسری وہ جو ان کو منع کرتی رہی اور تیسری وہ جو مذکورہ بالا جماعتوں کے بین بین رہی یعنی پکڑنے والوں کو تو کچھ نہیں کہا، لیکن روکنے والوں کو روکنے سے منع کرتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کا حال یکجا بیان فرمایا ہے:

اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ (۱۶۵:۷)

ہم نے (صرف) ان لوگوں کو نجات دی جو برائی سے روکتے تھے اور باقی ظالموں کو سخت عذاب میں پکڑ لیا کیونکہ وہ حکم عدولی کرتے تھے۔

مفسرین کا خیال ہے کہ عذاب الٰہی سے صرف وہ جماعت بچ سکی جو روکنے والی تھی۔ باقی دونوں جماعتیں بسبب ارتکاب و اعانت فسق ہلاک ہو گئیں۔ یعنی وہ بھی جو سبت کی بے حرمتی کرتی تھی اور وہ بھی جو یہ کہتی تھی:

لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْماَ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا (۱۶۴:۷)

(یعنی تم کیوں ایسی قوم کو نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرے گا یا عذاب شدید کا مزہ چکھائے گا۔)

مسلم کی ایک روایت

صحیح مسلم کی مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جب مدافعت کی طاقت نہ ہو اور بالکل بیچارگی کی حالت ہو گئی ہو تو بھی منکرات کے مرتکب سے بغض و نفرت رکھنا ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ نَّبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِيْ اُمَّتِهٖ قَبْلِيْ اِلَّا كَانَ لَهٗ فِيْ اُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَاَصْحٰبٌ

---

(۱) ان الفاظ میں یہ حدیث ابھی تک نہیں ملی البتہ ص ۲۷۱ پر ایک حدیث بلفظ المرء مع من احب سے آئی ہو جو صحیح ہے

يَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَالاَ يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَالاَ يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ (۱)

دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا مگر اس کی امت میں ایک جماعت حواریوں کی ہوتی ہے جو نبی کی سنت پر چلتے اور اس کا حکم مانتے ہیں جب یہ لوگ اٹھ جاتے ہیں تو ایسے لوگ پیدا ہوتے ہیں جو ایسی باتیں کہتے ہیں جنہیں خود نہیں کرتے اور ایسی باتیں کرتے ہیں جنہیں کرنے کا حکم نہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف زبان اور دل سے جہاد کرنے والا مومن ہے اور زبان سے جہاد کرنے والا مومن ہے اور دل سے جہاد کرنے والا مومن ہے اور جو دل سے بھی جہاد نہیں کرتا وہ رائی کے دانہ برابر بھی ایمان دار نہیں ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سنت کی مخالفت کرنے والے سے محبت رکھنا کفر سے قریب اور ایمان سے دور کر دیتا ہے اور ضمناً یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قبور پر منکرات کا ارتکاب کرنے والوں سے اولیائے کرام کی روحیں اگر بدنی اور لسانی جہاد سے قاصر ہیں تو بدرجہ اقل قلبی بغض تو ضرور رکھتی ہوں گی۔

مکالمہ

ایک دفعہ جوانی کے ایام میں مجھے ایک پیر پرست سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا کہنے لگا متشرع لوگ اولیاء اللہ کی قدر نہیں جانتے۔ انہیں جامد اور بے خبر سمجھتے ہیں اور ان کے مزاروں سے فائدہ نہیں اٹھاتے حالانکہ کہا گیا ہے۔

مردان خدا خدا نہ باشند لیکن ز خدا جدا نہ باشند

اللہ کے بندے خدا تو نہیں ہوتے لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہوتے۔

میں نے کہا ”اہل شریعت اولیا اللہ کی نسبت ایسا خیال کیوں کر سکتے ہیں جبکہ انہیں معلوم ہے کہ قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ شہدا فی سبیل اللہ زندہ ہیں اور پروردگار کے ہاں سے رزق پاتے ہیں! وہ تو ان کی پرستش سے منع کرتے ہیں، ورنہ ان کی قبروں کی زیارت کرنے اور ان کے حق میں دعائے مغفرت کرنے سے نہیں روکتے۔ رہا ان کے مزارات سے فائدہ اٹھانے کی بدعت تو یہ بعض

---

(۱) مسلم الایمان باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان (۱/۶۹۔۷۰،۵۰) واحمد (۱/۴۵۸،۶۱)

فقیروں کی من گھڑت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ بلکہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ تک بھی اس کا وجود نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ حضرت خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے اور قبر پر پہنچ کر انہیں خیال آیا کہ خدا جانے میرے آنے کی خبر حضرت خواجہ کو ہوتی ہے یا کہ نہیں، اس پر قبر سے آواز آئی۔ من آیم بجان، گر تو آئی بہ تن۔

"تو جسم کے ساتھ آیا ہے تو میں جان سے حاضر ہوں"۔

اس نے کہا: "اس سے یہ کیوں کر ثابت ہوا کہ حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں قبروں سے فائدہ اٹھانے کا وجود نہیں تھا، حالانکہ سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال ہی اس بات کی دلیل ہے کہ آپ فائدہ اٹھانے کے قائل تھے"۔

میں نے کہا: "آپ کا اس شک میں پڑ جانا کہ خدا جانے میرے آنے کی خبر ان کو ہوئی ہے یا نہیں، یہی بات میرے خیال کی تائید کرتی ہے"۔

اس نے کہا: "تو ان کے سوا باقی بزرگ سب قائل ہوں گے کیونکہ اس زمانہ کے کسی بزرگ سے انکار مروی نہیں"۔

میں نے کہا: "لو سنو! حضرت خواجہ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

تو تا کے گور مرداں را پرستی
بگردد کار مرداں کن درستی

اس نے کہا: "کہاں فائدہ اٹھانا اور کہاں پرستش"

میں نے کہا: "فائدہ اٹھانے کا طریقہ بتاؤ"

اس نے کہا: "جس طرح زندہ بزرگ کی صحبت میں بیٹھ کر باطنی توجہ کرنے سے فائدہ ہوتا ہے اسی طرح بزرگوں کے مزارات سے فائدہ حاصل ہوتا ہے کیوں کہ اولیا اللہ مرتے نہیں ہیں۔

ان اولیاء اللہ لایموتون،

میں نے کہا: "یہ قول تمہارے دعویٰ کی دلیل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ امور دینیہ کی دلیل صرف کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع امت پر مبنی ہے، نہ زید، بکر، عمر کے اقوال پر چنانچہ

اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مریدوں نے دف کے ساتھ گانا شروع کیا تو حضرت شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ مجلس سے اٹھ کر چلے گئے، دوستوں نے بٹھانا چاہا، مگر نہ بیٹھے اور فرمایا:

"یہ کام سنت کے خلاف ہے"۔

دوستوں نے کہا کیا آپ سماع کے منکر ہیں، حالانکہ آپ کے پیرومرشد اس کے جواز کے قائل تھے۔ آپ نے فرمایا: مشائخ کا کوئی فعل شرعی حجت نہیں، لکھا ہے، اس بات کا ذکر حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ہوا تو حضرت شیخ نے فرمایا: "نصیر الدین نے سچ کہا ہے" اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ حضرت شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد شیخ نصیر الدین سماع کے قائل ہو گئے تھے۔

میں نے کہا: خیر المجالس میں تو لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ سے ساز کے ساتھ گانے اور رقص کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا: دیکھو جو شخص مقام طریقت سے گرے گا، مقام شریعت میں پڑے گا، لیکن اگر مقام شریعت سے بھی گر جائے تو جہنم کے سوا کہاں جائے گا۔ پھر فرمایا، پہلے تو مطلق سماع ہی میں اختلاف ہے، بعض مشائخ نے چند در چند شرائط کے ساتھ خاص الخاص لوگوں کے لئے جائز کہا ہے اور وہ بھی بغیر ساز کے۔ ساز کے ساتھ تو بالا جماع حرام ہے۔

اس نے کہا شیخ موصوف نے سماع تو کیا ہے، خواہ مزامیر کے ساتھ نہ کیا ہو۔

میں نے کہا: اگر انھوں نے سماع کیا ہے تو میں انہی کے الفاظ میں کہوں گا کہ مشائخ کا کوئی فعل شرعی حجت نہیں ہے، خواجہ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ میں نہ ساز کے ساتھ سماع کرتا ہوں نہ بغیر ساز کے۔

میں نے کہا: آپ کو قبروں سے فائدہ حاصل کرنا ثابت کرنا تھا۔

اس نے کہا: اس موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی ہوئی موجود ہیں، شاید آپ نے دیکھی نہیں۔

میں نے کہا: یہ سب مجاوران قبور کی تصنیف ہیں، جن میں بزرگوں پر بہتان لگائے گئے ہیں، چنانچہ خیر المجالس کے حوالہ سے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے شیخ نصیر الدین محمود رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے

کہ آپ نے فرمایا:

دو مادہ گائیں ذبح کرنا ایک قتل انسان کے برابر اور دس بھیڑ بکریاں ذبح کرنا ایک قتل انسان کے برابر ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا خواجہ صاحب ہارونی نہیں تھے۔ ہر دن ایک بستی کا نام ہے جو آپ کا وطن تھا۔ پھر فرمایا یہ الفاظ خواجہ صاحب کے نہیں ہو سکتے۔ میں نے اور بھی اس قسم کی باتیں ان کے متعلق سنی ہیں۔ مگر یہ سراسر بہتان وافترا ہے، جو خواجہ صاحب پر ان کے ناخلف مریدوں نے تراشا ہے پھر فرمایا، حضرت شیخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے کوئی تصنیف نہیں لکھی، کیوں کہ مجھ سے بہتر شیخ فریدالدین اور شیخ قطب الدین و دیگر چشتی خواجگان رحمتہ اللہ علیہم اجمعین نے کوئی تصنیف نہیں لکھی۔

اس نے کہا: اس کی کیا وجہ ہے؟ دیگر اصفیا وعلما نے ہزاروں تصانیف لکھی ہیں۔

میں نے کہا: شاید اس لئے کہ کوئی تصنیف نہ لکھی ہوگی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی تصنیف نہیں لکھی۔ مزید برآں یہ خیال آیا ہوگا کہ بزرگان سلف کی تصانیف لوگوں کی ہدایت کے لئے کافی ہیں۔

اس نے کہا: صوفی کے لئے سلف کے طریقے کی متابعت ضروری نہیں ہے کیونکہ کہا گیا ہے کہ الصوفی لا مذہب لہ اور مولانا روم فرماتے ہیں۔

ملت عشق از ہمہ ملت جدا است عاشقاں را مذہب وملت خدا است

عشق کا مذہب تمام مذاہب سے نرالا ہے، عاشقوں کا مذہب خدا ہے۔

میں نے پوچھا: کس طریقہ سے تعلق رکھتے ہو؟

اس نے کہا: تینوں طریقوں سے، مگر سلطان المشائخ کے ساتھ میری خاص محبت ہے۔

میں نے کہا: فوائد الفواد دیکھی ہے:

اس نے کہا: ہاں دیکھی ہے، یہ کتاب فقرا کے نزدیک قرآن مجید کے بعد سب سے بلند درجہ رکھتی ہے۔

میں نے کہا: اس کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ بزرگان سلف کا مذہب رکھتے تھے اور اپنے مریدوں کو بھی سلف کے اعمال وعقائد کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور آپ کا یہ قول بھی

مذکور ہے جو شخص مقام طریقت سے گرے مقام شریعت میں پڑے گا لیکن جو شخص مقام شریعت سے تجاوز کرے گا وہ کہیں کا نہ رہے گا۔

اسی کتاب میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ حسن سنجری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کہا: آپ کے مرید اکٹھے ہو کر ساز سن رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے تو اس سے ان کو منع کر دیا ہے۔ نہیں باز آتے تو برا کرتے ہیں۔ میرے نزدیک تو نماز میں غلطی سے امام کو آگاہ کرنے والی عورت کو تالی بجانا بھی جائز نہیں کیوں کہ یہ حرکت ساز بجانے سے مشابہ ہے اور لہو میں داخل ہے۔

اسی کتاب میں آپ سے ایک حکایت منقول ہے۔ آپ نے فرمایا:

قیامت کے دن ایک شخص سے سوال ہوگا، کیا تو نے سماع کیا۔ وہ کہے گا ہاں یا اللہ۔ پھر کہا جائے گا تو تو مضامین سماع کو ہی ہمارے اوصاف سمجھتا ہوگا۔

وہ اثبات میں جواب دے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا شاعروں کے مضامین میں بیان کردہ اوصاف تو فانی تھے اور ہماری ذات قدیم ہے۔ فانی کا اطلاق ذات قدیم پر کیوں کر درست سمجھا؟ عرض کرے گا بار خدایا! تیرے ساتھ محبت کی وجہ سے اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر میرے ساتھ محبت کی وجہ سے ایسا کیا تو معاف کرتا ہوں۔ یہ حکایت بیان کر کے آپ رو پڑے اور فرمایا، غور کرو، جب اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے متوالوں سے اس طرح باز پرس کرے گا تو دوسروں کا کیا حال ہوگا۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں، میں نے کہا! اے بھائی تمہارا کلام موضوع سے دور جا پڑا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ جس طرح زندہ پیر سے استفادہ ہو سکتا ہے اسی طرح پیر کی قبر سے بھی ہو سکتا ہے۔ مگر میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ خیال آپ کے ذہن میں کس طرح بیٹھ گیا۔ جب کہ یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین سے اس کا ثبوت مذکور نہیں۔

اس نے کہا: ان لوگوں سے تو ہمیں بھی اتفاق نہیں جو مردہ پیر کو زندہ پیر کی طرح قادر برکمالات سمجھتے ہیں، اور قلبی اور لسانی ذکر کے لئے محض قبروں کو قبلہ توجہ بناتے ہیں لیکن جو شخص قبر کی بجائے صاحب قبر کی روح کو قبلہ توجہ بنا کر ذکر الٰہی کرے اس سے جواز میں کیا کلام ہے؟

میں نے کہا: دیکھو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپؐ کی

زندگی میں قبلہ توجہ نہ بنایا اور نہ بعد وفات آپ کی پاک روح کو یہ منصب دیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی تمام امت کے لئے صرف ایک قبلہ توجہ الی اللہ قرار دیا، جسے کعبہ کہتے ہیں اور اس کے سوا کسی بشر کو اجازت نہیں دی کہ کسی نیک آدمی کی روح کو قبلہ توجہ بنا کر مشغول ذکر اللہ ہو۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی شخص ایسا کرے تو دین اسلام سے اس کے باغی ہو جانے میں کیا شک ہے، کیوں کہ وہ اپنے لئے نئی شریعت تجویز کرتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم نہیں دیا۔

اس نے کہا: کیا متاخرین نے اس معاملہ میں غلطی کھائی؟

میں نے کہا: اگر متاخرین نے نہیں کھائی تو کیا متقدمین نے غلطی کھائی جن میں تابعین رحمہم اللہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، کہ اختیاری قبلہ کو چھوڑ کر مجبوری قبلہ اختیار کیا اور اتنی بڑی پابندی اپنے سر لے لی؟

اس نے کہا: ہمارے نزدیک کسی نے خطا نہیں کی متقدمین نے اگر ذکر و دعا کے وقت ارواح و وسائط کے فیض سے بے پروائی کی تو اس زمانے کے لئے وہی ٹھیک تھا اور اگر متاخرین نے فائدہ اٹھانے کا طریقہ گھڑا تو اس وقت تعلق باللہ کی یہی قریب ترین راہ ہے۔

قبلہ توجہ کی دلیل

میں نے کہا: اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اب بھی دین میں نسخ جاری ہے اور احکام میں تغیر و تبدل ہو سکتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ دین مکمل کر چکے اور نسخ اور تبدیلی کو بند فرما چکے ہیں۔

ارشاد ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (۳:۵)

میں نے آج تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور دین اسلام کو تمہارے لئے پسند فرما لیا ہے۔

اس نے کہا: آگے بھی تو پڑھئے:

فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۳:۵)

لیکن وہ شخص جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہیں، اگر بھوک کی وجہ سے بے قرار ہو کر ایسا کرے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

یعنی دین اسلام میں جس طرح حرام اور حلال مقرر ہو چکا ہے اور اضطرار و اضطراب کی حالت میں پھر بھی حرام چیز سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، اسی طرح دوراول کے مقابلہ میں جو آفتاب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار سے پوری طرح منور تھا، اس زمانہ میں جب کہ اندھیری رات جیسے تاریک فتنوں کے ظہور نے بنی نوع انسان کے قلوب کو بالکل بے نور کر دیا ہے ارواح بزرگان سے نور حاصل کرنا جائز ہے تا کہ خدا کی راہ (صراط مستقیم) پر چلنے میں مدد ملے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب کسی امر میں پریشانی ہو تو اہل قبور سے مدد مانگ لیا کرو۔

میں نے کہا: ٹھہرو! ٹھہرو! یہ جو کچھ تم نے پڑھا ہے، حدیث نہیں ہے، مجاوروں کا قول ہے، جو تحصیل نذر و نیاز کے لئے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ کتب صحاح میں اس کا نام و نشان تک نہیں۔ محدثین و صوفیائے محققین رحمہم اللہ علیہم اجمعین نے کہا ہے کہ یہ قول اور اس قسم کے دوسرے اقوال مثلاً جب مشکل پیش آئے تو اہل قبور سے مدد مانگ لیا کرو اور اگر کسی کا پتھر پر اعتقاد ہو تو وہ بھی فائدہ دے سکتا ہے، یہ سب قبر پرستوں کی بنائی ہوئی حدیثیں ہیں۔ باقی رہا آپ کا خیال کہ فتنہ کے زمانے میں بزرگوں کی ارواح سے روشنی حاصل کرنا جائز ہے۔ بالکل لغو خیال ہے، یہ خیال سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل خلاف ہے اور سلف صالحین رحمہم اللہ سے اس کی نسبت کچھ بھی منقول نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتنوں سے بچنے کے لئے کتاب و سنت کے اتباع کرنے کا حکم فرمایا ہے اور کہیں یہ نہیں فرمایا کہ اضطرار کی حالت میں ملائکہ یا ارواح انبیا سے نور حاصل کر لیا کرو، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرماتی ہیں کہ میں شب قدر میں کیا پڑھوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا، یوں کہا کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ. (۱)

---

(۱) النسائی فی عمل الیوم واللیلۃ (ص ۴۹۹۔ ۸۷۳) الترمذی (۴/۲۶۴۔ ۳۵۱۳) قال حسن صحیح ابن ماجہ (الدعا باب الدعا بالعفو (۲/۳۴۵) ۳۸۹۵ احمد (۶/ ۱۷۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۰۸-۲۵۸) والحاکم (۱/ ۵۳۰) وصححہ علی شرط الشیخین

اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے اور معافی کو پسند کرتا ہے، مجھے معاف کر دے۔

حالانکہ ظاہر ہے کہ شب قدر میں فرشتوں اور ارواح کا نزول ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ (سورۃ القدر)

شب قدر ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ اس میں فرشتے اور روح، اللہ کے حکم سے برابر خیر کو لے کر اترتے ہیں۔

اور تمہارا یہ کہنا کہ اضطرار کی وجہ سے ارواح کو قبلہ توجہ بنانا جائز ہے، یہ بھی غلط ہے، کیونکہ یہ شرک یا مشابہ شرک ہے، جو حرام ہے۔ غور کرو وہ کلمہ کفر جو اضطرار کی حالت میں جان بچانے کے لئے کہنا جائز ہے اس کے ساتھ یہ شرط لگا دی گئی ہے کہ صرف زبان سے کہے دل سے اس پر یقین نہ رکھے۔ کیونکہ دل سے کسی چیز کو مان لینا اضطرار میں داخل نہیں ہے، اضطرار کی تو یہ کیفیت ہے کہ غالب جان مارنے کی دھمکی دے اور مغلوب معلوم کرے کہ حرام عمل کے ارتکاب کے بغیر چھٹکارا نہیں، تو حرام عمل کا ارتکاب کر لے، مگر دل میں اس سے نفرت ہی رکھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۱۶:۱۰۶)

جو ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کرے سوائے اس شخص کے کہ جس پر زبردستی کی گئی ہے، مگر اس کا دل ایمان پر قائم ہے۔ لیکن جو شخص دل کھول کر انکار کرے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

اس آیت پر غور کرو، میں نے صرف تمہارے سمجھانے کے لئے لمبی تقریر کی ہے، ورنہ خود تمہاری پیش کردہ آیت تمہارے لئے شافی جواب ہے، کیونکہ وہ آیت فطرت انسانی کی صحیح ترجمان ہے۔ ارشاد ہے

فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۵:۳)

پس جو شخص بھوک سے بے قرار ہو اور گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو، اسے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔

یعنی مجبور، اگر عمداً گناہ کا ارتکاب کرنا چاہتا ہے، یا علانیہ شریعت کی مخالفت کرنے پر کمر بستہ ہے تو ایسے مجبور سے ہرگز بخشش اور مغفرت کا وعدہ نہیں ہے۔

غرض انصاف سے بتاؤ کہ بزرگ کی روح زندوں کی التجا پر متوجہ ہو سکتی ہے اور ذکر و تعلیم کا القا کر سکتی ہے؟ کیا یہ محض ظن نہیں ہے؟ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ.

وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں۔

دوسری دلیل

اس نے کہا، یہ آیت تو بدگمانی کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ بدظنی سے اجتناب کیا جائے مگر ہم حسن ظن رکھتے ہیں، جس کا ذکر اسی حدیث قدسی میں ہے کہ:

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ (۱)

یعنی میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے ظن کے مطابق ہوں

اس کا جواب

میں نے کہا: یہاں تو ''بی'' (میرے ساتھ فرمایا گیا ہے، نہ کہ بقبر عبدی (میرے بندے کی قبر کے ساتھ)

اس نے کہا: ہم فقیر لوگ جھگڑا نہیں کرتے۔

میں نے کہا خوب: اب تک فقیر لوگ کیا کرتے رہے؟

ایک وضعی حدیث

اس نے کہا: ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **يَا عِبَادَ اللّٰهِ فَاَعِيْنُوْنِیْ** (اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو) کے متعلق کیا کرو گے، جو صحیح حدیث میں وارد اور صاف طور پر بندگان خدا سے استعانت پر دلالت کرتی ہے اور استفادہ بھی استعانت ہی کی ایک قسم ہے۔

---

(۱) بخاری (التوحید باب ۱۵، ۱۳/۳۸۴۔ ۷۴۰۵) ومسلم (التوبہ، باب ۱، ۴/۲۱۰۲۔ ۲۶۷۵)

اس کی تشریح

میں نے کہا، تم نے اسے صحیح حدیث کیوں کر مان لیا، درآن حالیکہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اور امام مسلم اور دیگر اصحاب صحاح ستہ رحمتہ اللہ علیہم نے اپنی اپنی کتابوں میں، امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے موطا میں اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ یہ حدیث غالباً حصن حصین میں بروایت طبرانی مذکور ہے۔ مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کے معانی پر غور کریں، یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ آیا طبرانی سے لے کر روایت کنندہ صحابی تک جس قدر راوی ہیں، ثقہ بھی تھے یا نہیں؟ اور آیا یہ حدیث متواتر ہے یا مشہور، منقطع ہے یا مرسل اور ضعیف ہے یا صحیح؟

دوسرے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حصن حصین میں یَا عِبَادَاللّٰہِ فَاَعِیْنُوْنِیْ کی بجائے اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَاللّٰہِ لکھا ہوا ہوگا۔ تیسرے اس کے سیاق وسباق پر غور کرنا بھی لازم ہے، نہ کہ بے دین لوگوں کی طرح صرف لَاتَقْرَبُو الصَّلٰوۃَ پر اڑے رہنا۔

جمع الجوامع میں ابویعلیٰؒ سے یہ حدیث اس طرح مروی ہے:

اِذَا انْفَلَتَتْ دَآبَّۃُ اَحَدِکُمْ بِاَرْضٍ فَلاۃٍ فَلْیُنَادِ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا عَلَیَّ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اِحْبِسُوْا عَلَیَّ فَاِنَّ لِلّٰہِ فِی الْاَرْضِ حَاضِرًا یَحْبِسُہُ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ۔

جب بیانات میں تمہارا کوئی چار پایہ گم ہو جائے، تو کہا کرو، اے اللہ کے بندو، میرے چار پایہ کو روکو، کیوں کہ اللہ کی طرف سے زمین پر حاضر رہنے والے مقرر ہیں، جو تمہارے جانوروں کو روک رکھتے ہیں۔

اور عتبہ بن غزوان سے اس طرح مروری ہے۔

اِذَا ضَلَّ اَحَدُکُمْ شَیْئًا اَوْ اَرَادَ غَوْثًا وَھُوَ بِاَرْضٍ لَیْسَ بِھَا اَنِیْسٌ فَلْیَقُلْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اَغِیْثُوْنِیْ فَاِنَّ لِلّٰہِ عِبَاداً لَا تَرَوْنَھُمْ۔

جب تم میں سے کسی کا کچھ جاتا رہے یا وہ مدد چاہے اور ایسی جگہ پر ہو جہاں کوئی یار و مددگار نہ ہو، تو وہ یوں کہے:

”اے اللہ کے بندو! میری فریادرسی کرو تو ان کی امداد کے لئے اللہ تعالیٰ سامان پیدا کر دے

گا کیوں کہ خدا کی طرف سے لوگوں کی امداد کے لئے صحراؤں میں ایسے نفوس مامور ہوتے ہیں جو دکھائی نہیں دیتے۔

ان دونوں حدیثوں سے حسب ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں۔

اول: یہ کہ صرف ان بندگان خدا کو امداد کے لئے پکارنا جائز ہے جو خدا کی طرف سے لوگوں کی امداد کے لئے صحراؤں میں مامور ہیں۔

دوم: یہ کہ اس قدر استعانت بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ زندوں میں سے کوئی اس کا یار و مددگار موجود نہ ہو۔

سوم: استعانت ایسے امور میں ہو جن میں لوگ ایک دوسرے کی امداد کیا کرتے ہیں۔

چہارم: اگر یہ حدیث معتبر ہے تو یہ استعانت خاص طور پر بحکم پیغمبر علیہ السلام مشروع ہوگی اور اگر یہ حدیث ہی معتبر نہ ہو تو حدیث کی رو سے اس پر عمل کرنا ممنوع ہوگا۔

اب صحیح حدیث سنو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا ہے۔

وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ(۱)

جب مدد مانگو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو

پھر قرآن شریف میں ارشاد ہے۔

اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَاِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ.

اے اللہ تعالیٰ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔

جس میں عبادت اور استعانت دونوں پر الگ الگ لفظ ''ایاک'' آیا ہے، جو حصر کے لئے ہے (یعنی عبادت و استعانت دونوں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں) بہر حال جملہ اَعِيْنُوْنِي يَا عِبَادَ اللّٰهِ سے استعانت بالقبور کے جواز کی دلیل لینا یا استفادہ من القبور کو استعانت کے مساوی جاننا گویا حاضر اور غائب کو برابر جاننے یا دو مخالف چیزوں کو ایک چیز سمجھنے کے مترادف ہے جو محال ہے کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (اس حدیث میں اگر صحیح ہے) ان

---

(۱) سورہ قیامۃ (۵۹، سورہ حم ۱/۲۹۳، ۳۰۳، ۳۰۷)

بندگان خدا کی زندگی، ان کا وظیفہ حیات اور ایسے مواقع پر ان کا حاضر ہونا سب کچھ واضح کر دیا ہے کہ ان للہ عباد لا ترونھم اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے موجود ہوتے ہیں جو نظر نہیں آتے۔

اس کے برعکس، اہل قبور کی وفات ورحلت اور اس دنیا سے انتقال ورخصت ایک ثابت شدہ امر اور ایک مسلمہ چیز ہے۔

ایک اور حدیث

اور اگر صوفیائے کرام ہی کی روایات پر اعتبار ہو تو سنو اس حدیث کو صوفیا نے روایت کیا ہے۔ یعنی:

مَنْ زَارَ حَيًّا وَّلَمْ يُرْزَقْ شَيْئًا فَكَاَنَّمَا زَارَ مَيِّتًا

(جس شخص نے کسی زندہ سے ملاقات کی اور اسے کچھ نہیں دیا گیا اس نے گویا مردہ کی زیارت کی (کیوں کہ مردوں سے کچھ دستیاب نہیں ہوتا)

ثمرات الحیات میں لکھا ہے کہ صوفیا اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ آدمی اگر کسی شخص سے ملے اور کھانے پینے کی کوئی چیز نہ پائے تو اس نے گویا مردہ سے ملاقات کی۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں جو انھوں نے کئے ہیں۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جس نے کسی زندہ ولی کو پایا اور اس سے کوئی باطنی فائدہ حاصل نہ کیا تو اس نے گویا مردے کی زیارت کی۔ (انتھی کلامہ) اور بقول حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث میں رزق کے معنی عام ہیں، یعنی کھانے پینے اور فائدہ اٹھانے کی چیزیں، لکھا ہے کہ بعض درویشوں نے جب آپ (شیخ بہاء الدین) پر اس وجہ سے اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا، فلاں بزرگ اپنے ملنے والوں کو اس حدیث کی بنا پر کچھ نہ کچھ کھانے پینے کو ضرور دیا کرتے تھے اور اگر کوئی شخص آپ کی عطا کردہ چیز نہ لیتا یا اس تکلف کی وجہ دریافت کرتا تو آپ یہ حدیث پڑھ کر سنا دیا کرتے تھے۔ غرض (آپ کے نزدیک) ظاہری اور باطنی دونوں طرح کے فائدہ اٹھانے پر رزق کا اطلاق ہو سکتا ہے، یہی وجہ ہے۔ لم یرزق شیئاً کہا گیا ہے لم یُرْزَقْ طعاما نہیں کہا گیا جیسے کہ اس مسنون دعا میں علم وفہم وغیرہ کے عطا کئے جانے پر رزق کا لفظ بولا گیا ہے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ عِلْمًا نَافِعًا وَّفَهْمًا كَامِلاً

(یعنی الٰہی، مجھے فائدہ دینے والا علم اور فہم عطا فرما)

اس نے کہا: اگر یہی بات ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو زیارت قبور کا حکم دیا ہے اس سے کیا فائدہ ہے؟

میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو خود ہی اس کا فائدہ بیان فرما دیا ہے کہ اس سے موت اور آخرت یاد آتی ہے مگر جو فائدہ تم ڈھونڈتے ہو، وہ کسی ایسے فقیر کی ایجاد ہے جس نے نذر ونیاز کی طمع سے یہ بدعت اختراع کی ہے، اور جس کا فقر قریب ہے کہ کفر ہو جائے کَادَالْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْراً (۱) اس کا فقر وہ فقر نہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لئے فخر کہا تھا (اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ (۲)) اور جس کی سب سے بڑی صفت ہر بدعت سے اجتناب و پرہیز ہے۔

اصل فقر کیا ہے

حضرت سید محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی وصایا میں فرمایا ہے کہ:

حَقِیْقَةُ الْفَقْرِ اَنْ لَّا تَفْتَقِرُ اِلٰی مَنْ هُوَ مِثْلُکَ

(اصل فقر یہ ہے کہ اپنے جیسے محتاج انسان کے سامنے اپنی ضرورت واحتیاج کبھی پیش نہ کرے)

اور قرآن مجید کی رو سے تمام لوگ یکساں طور پر اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں ارشاد ہے:

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰهِ (۳۵:۱۵)

اے لوگو! تم سب اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو۔

اس نے کہا: اس طرح تو ہدایت وارشاد کا کارخانہ اور پیری مریدی کا سلسلہ بالکل درہم

---

(۱) حدیث کاد الفقران یکون کفرا رواہ احمد بن بنسع عن ابی نعیم فی الحلیة وابن السکن فی مصنف والبیهقی فی شعب الایمان (ابن عدی فی الکامل وهو ضعیف) انظر مقاصد الحسنة (ص ۳۱۱) وکشف الخفاء (۲/۱۰۷-۱۰۸) حدیث کاد الفقر ان یکون کفرا اخرجه بلفظ الفاقة یناد (۳/۲۶۸_۱۴۱۶) وابن ابی شیبه (۹/۹۴) وابونعیم فی الحلیة (۳/۵۳، ۱۰۹، ۸/۲۵۲) وفی اخبار اصبهان (۱/۲۹) وابن الجوزی فی العمل المتناهیة (۲/۳۲۰) اور یہ حدیث ضعیف ہے۔

(۲) وحدیث الفقر فخری فهو موضوع باطل کما قال ابن حجر انظر المقاصد الحسنة (ص ۳۰۰) وکشف الخفاء (۲/۸۷)

برہم ہو جائے گا اور بزرگان دین پر خطا لازم آئے گی، حالانکہ کہا گیا ہے

ع خطائے بزرگاں گرفتن خطاست

(بزرگوں کی نکتہ چینی کرنا گناہ ہے)

میں نے کہا: اصل یہ ہے کہ جو فعل گناہ ہے وہ تو کسی بزرگ کے کرنے سے بھی گناہ ہی رہے گا۔ اور ایسے فعل کی پیروی کرنے والا بھی گنہگار ہوگا مگر میرے نزدیک اسی مصرعہ کا یہ مطلب ہے کہ بزرگوں کی عیب چینی کرنا اور عیب نمائی کے لئے ان کی اجتہادی غلطیوں کا جا بجا ذکر کرنا خطا ہے لیکن تحقیق حق کے لئے ذکر کرنا گناہ نہیں اور اس سے ان کی اجتہادی خطائیں قابل عفو و مغفرت ہیں۔ اور اس سے پیری مریدی کا سلسلہ درہم برہم نہیں ہو سکتا۔ دیکھو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قبر کو عیدگاہ بنانے سے منع فرمایا اور لوگوں کو تاکید فرمائی کہ آپ کے مرقد پاک کے ساتھ پرستاری کا ہرگز کوئی معاملہ نہ رکھیں۔ مگر تا حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیغمبری اور پیروی اسی طرح برقرار ہے اور قائم و جاری رہے گی۔

كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ کی تفسیر

اس نے کہا، میں نے مندرجہ ذیل آیت کی تفسیر ایک پیر صاحب سے اس طرح سنی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ. (٦٠:١٣)

اے مسلمانو! اس قوم کو دوست مت رکھو جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا۔ وہ لوگ آخرت کے ثواب سے اس طرح مایوس ہیں جس طرح کفار جو قبروں میں مدفون ہیں، ناامید ہیں۔

پیر صاحب نے فرمایا: میرے قلب پر اس آیت کے متعلق وہ چیز القا کی گئی ہے، جو متقدمین اور متاخرین کی تفسیروں میں بھی نہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس قوم سے دوستی مت قائم کرو جس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہے، اس لئے کہ وہ آخرت کے فائدہ سے اسی طرح مایوس ہے جس طرح اس امت کے کافر لوگ اہل قبور کے استفادہ سے مایوس ہیں۔

میں نے کہا: تفسیر تو نئی ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جملہ مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم کی تفسیر کے مخالف ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

ہے اور احادیث صحیحہ میں موجود ہے کہ جس نے اپنی رائے کے مطابق قرآن کی کسی آیت کی تفسیر کی اس کا مقام جہنم ہے۔

اس نے کہا: قرآن پاک کی ساری تفسیر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی منقول نہیں، ضروری بات ہے کہ مفسرین نے بعض آیات کے معانی اپنی رائے کے مطابق کئے ہوں گے۔

میں نے کہا: ضروری بات یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم ان کے معانی کے مخالف نہ ہوں یہ مطلب نہیں کہ ان کی رائے سے ملتی ہوئی رائے بھی نہ ہو اور جو کچھ تمہارے پیر نے کہا وہ تو بالکل مخالف ہے اسے رد کرنا چاہئے۔

اس نے کہا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس آیت کے متعلق کیا مذکور ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر

میں نے کہا: اصحاب القبور سے مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک مرے ہوئے کافر ہیں، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ مغضوب قوم اجر آخرت سے اسی طرح مایوس ہو چکی ہے۔ چنانچہ در منثور میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، مغضوب لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ اس کی آمد کے امیدوار ہیں۔ وہ اجر آخرت سے ایسے مایوس ہو چکے ہیں جیسے مرے ہوئے کافر ناامید ہو چکے ہیں۔ (۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے مراد مرے ہوئے کافر ہیں، جو آخرت کے ثواب سے مایوس و ناامید ہیں۔ یہ قول ابھی نہیں ملا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اصحاب القبور سے مراد مرے ہوئے کافر ہیں۔ حضرت مجاہد اور عکرمہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کفار جب قبروں میں داخل ہوتے ہیں تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) در منثور (۱۴۴/۸) عزاہ الیہ الفیر ابی وابن جریر وابن ابی حاتم والطبر انی

(۲) تفسیر ابن کثیر (۳۵۶/۴) لقول مجاہد وعکرمہ ومجاہد کا یہ قول ابن جریر نے تخریج کیا ہے (۸۲/۳۸)

تفسیر ابن جریر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ کفار میں سے جب ایک شخص مر جاتا ہے تو پس ماندگان اس کے دوبارہ جی اٹھنے سے مایوس ہو جاتے ہیں، کیوں کہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ انسان مرنے کے بعد زندہ نہ ہوگا۔

حضرت امام حسینؓ نے فرمایا، جیسے زندہ کافر، مردہ کافروں سے مایوس ہو چکے (۱)۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس سے مراد یہود ہیں، جو آخرت میں جی اٹھنے سے مایوس ہو گئے ہیں جیسے کفار مر کر جی اٹھنے سے مایوس ہیں (۲)۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے کفر کی وجہ سے آخرت کے ثواب سے مایوس ہو چکے ہیں جیسے کفار اپنے اعمال سے آخرت کو مایوس ہوں گے۔ (۳)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب ایک کافر مر جاتا ہے تو اس کے پس ماندگان اس کی ملاقات سے مایوس ہو جاتے ہیں، جیسا مرنے والا آخرت کے اجر و ثواب سے مایوس ہو جاتا ہے (۴)۔

تفسیر مدارک

تفسیر مدارک میں ہے کہ زندہ کافر آخرت کے اجر سے مایوس ہیں، جیسے ان کے اسلاف جو قبروں میں آخرت کے ثواب سے مایوس پڑے ہیں۔

تفسیر معالم التنزیل

تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ مغضوب قوم سے مراد یہود ہیں، اس طرح کہ محتاج مسلمان امرائے یہود کو مسلمانوں کی خبریں پہنچایا کرتے اور ان سے اس خدمت کا اجر لے لیا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس بات سے منع کر دیا تو یہود اپنی شرارتوں کے کامیاب ہونے سے ایسے مایوس ہو گئے جیسے مرے ہوئے کافر اجر آخرت سے مایوس ہیں۔

غرض میں نے کہا: صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی تفسیر تو یہ ہے، اب تمہیں معلوم

---

(۱) ابن جریر ۲۸/۸۱ (۲) ابن جریر ۲۸/۸۲ (۳) اخرجہ مجاہد فی تفسیرہ (۲/۶۷۰)

(۴) ابن جریر ۲۸/۸۲

ہو گیا ہو گا کہ پیر صاحب کے معانی ان کے مفہوم کے کس قدر متضاد ہیں۔

اس نے کہا: اتنی روایتیں تمہیں کیوں کر یاد رہ گئیں۔

میں نے کہا: دو تین روز سے میں تمہارے سوالات پر غور کر رہا تھا اور خیال تھا کہ شاید یہ آیت تمہارے لئے وسوسہ کا موجب ہو، اس لئے معتبر تفاسیر کے حوالے یاد کر لئے۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيْقِ وَهُوَ الْهَادِيْ اِلٰى سَوَآءِ الطَّرِيْقِ.

مسئلہ توسل

اس نے کہا: تقرب الٰہی کے لئے بزرگوں کو وسیلہ بنانا کیسا ہے؟

میں نے کہا: جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۵:۳۵)

مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو، اور اس کی راہ میں جہاد کرو، تا کہ فلاح پاؤ۔

لیکن اس کا استفادہ من القبور سے کوئی تعلق نہیں کسی بزرگ کو وسیلہ بنانے کا یہ مطلب ہے کہ قرب الٰہی حاصل کرنے کے لئے اس کے اعمال حسنہ کی پیروی کی جائے جو کتاب وسنت کے مطابق ہوں۔

آیت کے معنی

مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اصل میں ہر شخص کا وسیلہ اس کا اپنا عمل ہے نیک عمل اللہ کی رضا کا وسیلہ اور برا عمل اس کے غضب کا وسیلہ ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایمان وتقویٰ کا وسیلہ اس سے پہلے کیا گیا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا:

اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (۳۵:۱۰)

اچھا کلام اسی تک پہنچتا ہے اور عمل صالح اس کو پہنچاتا ہے۔

بعض نے اس سے قرآن مجید کی تلاوت مراد لی ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ

علیہ کے خواب کا قصہ پیش کیا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کا خواب

حضرت امامؒ نے کئی مرتبہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور سوال کیا کہ بار خدایا! تیرا قرب کس چیز سے حاصل ہو سکتا ہے؟ جواب یہی ملتا رہا کہ قرآن مجید کی تلاوت سے۔ حضرت امامؒ نے عرض کیا کہ تلاوت بے فہم یا بافہم؟ جواب ملا کہ دونوں طرح کی تلاوت سے۔

حبّ پیغمبر علیہ السلام بھی وسیلہ ہے

بعض علما متاخرین نے کہا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہل بیت عظام اور اولیا اللہ رحمتہ اللہ علیہم کے ساتھ محبت رکھنا بھی وسیلہ نجات ہے، کیوں کہ محبت اعمال قلبی میں سے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے، **المرء مع من احب** (۱) اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ہر شخص قیامت کے دن جس کی ہمراہی چاہتا ہے دنیا میں اس کے ساتھ محبت رکھتا ہے۔

سجدۂ تعظیمی

اس نے کہا: اچھا وسیلہ سے مراد عمل صالح ہے، تو جہاد فی سبیل اللہ سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا: جہاد فی سبیل اللہ کفار اور نفس نابکار کے ساتھ جنگ کرنے کا نام ہے۔ کفار کے ساتھ جنگ کرنے کی وجہ تو ظاہر ہے۔ نفس امارہ بھی ضرر رسانی میں کفار سے کم نہیں یہ لذت و آرائش دنیا کے سبز باغ دکھا دکھا کر گمراہ کرتا ہے اور ان لوگوں کو جو عمل صالح کی پروانہ کرتے ہوئے بزرگوں کو مان لینا ہی تقرب الٰہی کا وسیلہ سمجھتے ہیں، یہ سبق سکھا کر صراط مستقیم سے روکتا ہے کہ بزرگ اگرچہ مخلوق خدا ہیں تاہم عوام کے لئے بمنزلہ خالق کے ہیں اور چونکہ انہیں حاضر و ناظر و غیب کا تمام علم حاصل ہے، اس لئے ان کی تعظیم کرنا لازم ہے اور ان میں سے بعض حد سے بڑھنے والوں نے شیخ کے لئے سجدۂ تعظیمی بھی جائز بنا لیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ سجدہ عبادت کے لئے نہیں صرف تعظیم کے لئے ہے۔ کوئی پوچھے کہ کیا عبادت کے لئے جو سجدہ کیا جائے اس میں مسجود کی تعظیم مدنظر نہیں ہوتی؟ اگر ہوتی ہے تو دونوں میں فرق کیا رہ گیا؟

---

(۱) اخرجہ من ابی موسیٰ الاشعری البخاری ۱۰/ ۵۵۷ ومسلم ۴/ ۲۰۳۴ ومسند احمد ۴/ ۳۹۲ وھناد فی زھد ۱/ ۵۷۱

اس نے کہا: کیا شیخ کو وسیع العلم ماننا جائز نہیں؟

میں نے کہا: نہیں یہ صحیح نہیں، کیوں کہ کامل الاطلاع اور وسیع العلم ہونا اللہ تعالیٰ کی ذات کا خاصہ ہے۔ قرآن مجید میں ذکر ہے کہ امام الحنفا حضرت ابراہیم خلیل صلوٰت اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے ان مشرکوں کو جو بزرگوں کی ارواح کو وسیع العلم مانتے تھے، یہی دلیل پیش کر کے ڈرایا کہ:

وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ. (۸۰:۶)

(میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم خدا کا شریک بناتے ہو، ہاں اگر میرا پروردگار ہی کوئی امر چاہے تو دوسری بات ہے کیوں کہ میرے پروردگار کا علم ہر چیز پر حاوی ہے کیا تم اس سے نصیحت اندوز نہیں ہوتے؟)

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری اور اس کی جماعت کے رد میں جو گوسالہ پرستی کرتے اور گوسالہ کے پاس مراقبہ کے اعتکاف میں بیٹھے تھے، یہ ارشاد فرمایا کہ:

وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا. اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا. (۹۷:۲۰-۹۸)

اور دیکھ تیرے گھڑے ہوئے معبود کا اب کیا حال ہوتا ہے، جس کی پوجا پر تو جم کر بیٹھ رہا تھا، ہم اسے جلا کر راکھ کر دیں گے اور وہ راکھ سمندر میں ڈال دیں گے معبود تو تمہارا اللہ ہی ہے، اس کے سوا کوئی نہیں وہ ہر چیز پر اپنے علم سے چھایا ہوا ہے۔

فرشتوں کی زبانی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ یوں کہا کرتے تھے:

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ (۷:۴۰)

(اے ہمارے پروردگار! تو نے ہر چیز کو اپنے علم اور رحمت میں گھیر رکھا ہے۔ پس توبہ کرنے والوں اور اپنی راہ پر چلنے والوں کو بخش دے)

غرض نفس کا جہاد یہی ہے کہ اس نابکار کو شریعت کے خلاف کہنے، کرنے اور سوچنے سے روکا جائے، تاکہ نجات حاصل ہو۔

ایک سوال اور اس کا جواب

میں نے کہا: اے بھائی اب تک تو تم سوال کرتے رہے اور میں جواب دیتا رہا۔ اب میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ اب تم اس کا جواب دو۔ سوال یہ کہ قرآن مجید سے سامری اور اس کے متبعین کا تعلق گوسالہ کے ساتھ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس کے پاس بیٹھے رہتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ایک قول نقل کیا ہے۔

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى (۲۰:۹۱)

انھوں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو جواب دیا کہ جب تک موسیٰ علیہ السلام، ہمارے پاس واپس نہ آ جائے، ہم اس کے پاس اعتکاف میں بیٹھے رہیں گے۔

شریعت موسوی کا انکار ان سے کہیں مروی نہیں، بلکہ شریعت کی رو سے اپنے فعل کی یوں تاویل کرتے تھے کہ:

هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ (۲۰:۸۸)

(یہی ہمارا اور موسیٰ علیہ السلام کا معبود ہے مگر وہ بھول میں پڑ گیا)

یعنی وہ اتنا کہنے سے کافر ہو گئے۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو ان کو توبہ کرائی گئی۔ اور ایسا کرنے والوں کو قتل کیا گیا، کیوں کہ ان کے ہاں شرک کی توبہ اسی طرح قبول ہو سکتی تھی کہ مشرک کو قتل کر دیا جائے۔ تو اب میں پوچھتا ہوں کہ کسی چیز میں قدرت الٰہی کا ظہور دیکھ کر اسے فیض رساں سمجھنا اور اس سے مستفید ہونے کے لئے اس پر اعتکاف بیٹھنا اور ایسا کرنے کو عبادت سمجھنا یا ثواب کا موجب جاننا ہماری شریعت میں کیسا ہے؟

اس نے کہا: ہماری شریعت میں مباح ہے اور طریقت میں واجب، مثنوی شریف میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

ابلہاں تعظیم مسجد مے کنند   در جفائے اہل دل جدے کنند
آں مجاز است ایں حقیقت اے خراں   نیست مسجد جز درون سروراں
مسجدے کاں اندرون اولیا ست   سجدہ گاہ جملہ وآں جا خدا است

(۱) بیوقوف مسجد کی تو تعظیم کرتے ہیں، مگر اہل دل کو ایذا دیتے ہیں۔

(۲) ان سے کہیے اے بیوقوفو! وہ مجاز ہے اور یہ حقیقت۔ اصل مسجدیں تو برگزیدہ لوگوں کے سینوں میں ہیں۔

(۳) اولیاء اللہ کے اندر جو مسجد ہے وہی تمام لوگوں کی سجدہ گاہ ہے اور اسی جگہ خدا ہے۔

میں نے کہا: تو ان مظاہر کی عبادت و پرستش کی دلیل و جواب یہی مثنوی شریف کے اشعار ہیں یا کبار اہل طریقت کا کوئی قول بھی ہے۔؟

اس نے کہا: ”اہل طریقت اس مسئلہ کی پوشیدہ اشاعت کرتے تھے اور اپنے خاص دوستوں کے سوا کسی سے یہ راز نہیں کہتے تھے“۔

میں نے کہا: شریعت وطریقت کے جس قدر امور ہیں وہ تو سب کھلے کھلے اور ظاہر باہر ہیں، باقی جس قدر پوشیدہ راز بتلائے جاتے ہیں وہ سب بے ہودہ خیال اور بزرگوں پر تہمت والزام ہیں، جن سے ان کا وجود بری اور پاک ہے اور مظاہر کی تعلیم میں مبالغہ کرنے والوں کی نیت اگرچہ نیک ہو مگر اس میں کیا شبہ ہے کہ انھوں نے غلط راہ اختیار کر رکھی ہے۔ ان کا اتباع کسی صورت میں بھی جائز نہیں نہ شریعت میں نہ طریقت میں۔ بزرگان طریقت نے واضح طور پر فرمادیا ہے کہ:

كُلُّ حَقِيقَةٍ لَا يَشْهَدُ لَهَا الشَّرْعُ فَهِيَ زَنْدَقَةٌ.

ہر ایسی حقیقت کفر ہے جس پر شریعت کی مہر تصدیق نہ ہو۔

اس نے کہا: یہ کس بزرگ کا قول ہے؟

میں نے کہا: یہ قول فتوح الغیب میں درج ہے، جو حضرت سید محی الدین جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔

اس نے کہا: جو کچھ آپ نے بیان فرمایا درست اور صحیح ہے۔ کاملان طریقت نے بجا فرمایا ہے:

از حق جز حق مخواہ توحید ایں است — از سایۂ خود گریز تفرید ایں است

توحید یہ ہے کہ خدا سے حق کی طلب کر اور تفرید یہ ہے کہ اپنے سایہ سے بھی بھاگ

میں نے کہا: اے شیخ، واقعی یہ سب رسمی اور رواجی باتیں ہیں جو ایک دوسرے کو دیکھ کر رواج پا گئی ہیں، شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں۔

اس نے کہا: حضرت میں سمجھ گیا، انشاء اللہ تمام ایسی رسوم کو اپنے خاندان سے محو کر دوں گا۔

میں نے پڑھا:

وَ آخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

یہ بحث رسالہ ہذا میں اس لئے لکھ دی گئی ہے کہ تا کہ ناظرین اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں سے واقف ہو جائیں۔ قبر پرست عام طور پر اسی قسم کے سوالات کیا کرتے ہیں۔

وسیلہ کی بحث

اب تک جو کچھ بیان ہوا، مرض قبر پرستی کے لئے بیان کیا گیا۔ اب کتاب ختم کرنے سے پہلے مناسب نظر آتا ہے کہ وسیلہ کی تشریح بھی کر دی جائے اور ایسی حدیثوں کا ترجمہ لکھ دیا جائے جو اس مسئلہ کا ماخذ ہیں، تا کہ یہ مسئلہ پوری طرح روشن ہو جائے اور غلط اور صحیح وسیلہ میں پہچان پیدا ہو سکے۔

نابینا والی حدیث

ایک نابینا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ سے دعا فرمائیے کہ مجھے بصارت عطا فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا، وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ اور اس طرح دعا کر:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الرَّحْمَةِ یَا مُحَمَّدُ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ قَضَآءِ حَاجَتِیْ لِیُقْضِیَهَا اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ. (ترمذی)(۱)

اے اللہ میں تیری جناب میں التجا کرتا ہوں، اور تیرے نبی محمدؐ نبی الرحمۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میں اپنی اس حاجت میں آپ کے ساتھ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تا کہ اللہ تعالیٰ میری حاجت پوری کر دے۔ یا اللہ میری اس حاجت میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ

---

(۱) رواه الترمذی (دعوات۴/۲۸۱_۳۵۷۸) كما قال المصنف وقال الترمذی حدیث حسن صحیح غریب ورواه ایضا النسائی (عمل الیوم واللیلة ۴۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰) وابن ماجه (اقامة صلوٰة الحاجة (۱/۴۵۲_۱۳۸۱) وابن خزیمہ (۲/۲۲۵_۱۲۱۹) والحاکم (۱/۳۱۳، ۱/۵۲۶) واحمد (۴/۱۳۸)

وسلم کی شفاعت قبول فرما۔

نابینا نے اس طرح دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے بصارت عطا فرمائی۔

اس حدیث سے وسیلہ کے دو طریق صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو شرک کی آمیزش سے سالم ہے اور دوسرا وہ جو اسلم ہے۔

اسلم طریق یہ ہے کہ یہ صورت جو حدیث کے الفاظ سے نظر آئی ہے وہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ایک نابینا آیا اور آپ کی تلقین کے مطابق اس نے عمل کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کے ساتھ دعا میں شریک ہوگئے۔ اس کی تائید چار باتوں سے ہوتی ہے۔ (اوّل) الفاظ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ سے (دوم) علما نے اس واقعہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ شمار کیا ہے (سوم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ کے ساتھ دعا کرنے کا اعلان نہیں فرمایا اور (چہارم) اصحاب کبار میں سے کبھی کسی نے اس طرح دعا نہیں کی۔ اور احادیث پر نظر رکھنے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ بہت سی ایسی حدیثیں موجود ہیں جن پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل نہیں کیا اس لئے ان کا حکم جاری نہیں رہا، انہی میں سے یہ دعا بھی ہے۔

واقعہ کی یہ صورت معلوم ہوتی ہے کہ نابینا کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی شفاعت کرنے پر متوجہ ہوئے اور جب نابینا کو معلوم ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی دعا میں شریک ہیں تو اس نے یوں عرض کیا، یا اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

اس کو ایک مثال سے سمجھئے، فرض کیجئے کہ ایک بادشاہ کی طرف سے کسی شخص کو تکلیف پہنچی۔ وہ بادشاہ کے وزیر خاص کے پاس گیا، اور کہا: ایسی تدبیر بتلایئے جس سے بادشاہ میری تکلیف دور فرمائے۔ سائل کی اس درخواست پر وزیر نے یہ صورت بیان کی کہ میں بادشاہ کی طبیعت سے خوب واقف ہوں وہ عجز وانکساری کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے جب تک کمال عاجزی سے تو خود اس کے حضور میں اپنے مدعا کو عرض نہ کرے گا، اس وقت تک تیرے متعلق میری سفارش موثر ومقبول نہ ہوگی۔ تمہاری درخواست کی صورت یہ ہونی چاہئے کہ جب بادشاہ کے دربار میں آؤ تو پوری توجہ

کے ساتھ اس کی طرف دھیان رکھو، اور ضرورت بیان کرنے کے بعد میرے ساتھ جو دلی الفت ہے اس کا اظہار بھی ان الفاظ میں کرو کہ اے بادشاہ! تو اپنے وزیر پر بڑا مہربان ہے اور میں اس کے شیدائیوں میں سے ہوں۔ اس کی محبت کے وسیلہ سے تیرے دربار تک پہنچا ہوں۔ اور دیکھ لے یہ تیرا وزیر بھی میرے ساتھ تیرے دربار میں موجود ہے اور میرے لئے سفارش کر رہا ہے۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر کہنا کہ اے میرے بادشاہ کے وزیر میں نے اپنی عاجزی اور انکساری کی رو سے اپنی اس حاجت میں جو آپ کو معلوم ہے، آپ کا وسیلہ اختیار کیا ہے اس امید پر کہ بادشاہ میری یہ حاجب پوری کر دے اس وقت میں تیرے لئے سفارش کروں گا۔ مگر غافل نہ ہو جانا، میری سفارش کے بعد فوراً اس طرح عرض کرنا۔

اے شہنشاہ اپنے وزیر کی سفارش میرے حق میں قبول فرما، اور میری حاجت پوری کر، کیوں کہ تیرے سوا کوئی حاجت روا نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسوہ

بعینہ یہی مفہوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک فعل میں پایا جاتا ہے جب کہ آپ (رضی اللہ عنہ) نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے باران رحمت کے لئے دعا کی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خشک سالی کے زمانہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنی دعا کا وسیلہ بنا کر اس طرح دعا فرمائی۔

اے خدا! ہم پہلے ایسی حالت میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اب تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا رضی اللہ عنہ کو (اپنی دعا کا) وسیلہ بنا کر عرض کرتے ہیں کہ ہم پر باران رحمت نازل فرما۔

اس سے ثابت ہوا کہ اگر اس طرح زندوں کو اپنی دعاؤں میں وسیلہ بنایا جائے تو جائز ہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریق اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موافق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نابینا کو اسی طرح سکھایا تھا۔ اس میں یاد رکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ دعا میں کسی بزرگ کو شریک کرنے سے بجز توسل کے اور کوئی چیز مطلوب و مقصود نہ ہو۔

طریق سالم یہ ہے کہ اس کلام میں مشار الیہ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے اس

لئے مخاطب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہی ہو سکتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدم موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو مشار الیہ سمجھنا مجازی طور پر ہو سکتا ہے حقیقی طور پر نہیں ہو سکتا تو اب اطلاق مجاز کے لئے علاقۂ مجاز کا ہونا لازمی ٹھہرا ہے۔ جس کے معانی یہ ہیں کہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مخاطب ہے، اور سائل کی مراد اس سے یہ ہے کہ اے خدا! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانا میری دعا کی قبولیت کا وسیلہ ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یا محمدؐ کے ساتھ اسی لئے یا نبی اللہ کا جملہ تعلیم فرما دیا تھا۔

خیالی اضطراب

حاصل یہ کہ خدا سے دعا کرنے والا بعض اوقات اپنے دل میں حصول مراد کے لئے ایک خیالی اضطراب پیدا کر لیتا ہے۔ اگر یہ خیالی اضطراب مفضی الی الشرک نہ ہو تو بسا اوقات دعا کے قبول ہونے کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ مگر عام طور پر یہ چیز چونکہ شرک میں مبتلا کر دیتی ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا خاص طور پر کئی جگہ علاج ارشاد فرمایا اور یہاں بھی جملہ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ اسی غرض کے لئے لایا گیا ہے کہ کلمہ یا محمد حقیقی خطاب نہیں بلکہ خیالی خطاب ہے۔ اگر حقیقی ہوتا تو ''اے خدا پیغمبر کو میرا شفیع بنا'' کی بجائے ''اے پیغمبر میری شفاعت فرما'' کہا جاتا۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ فَشَفِّعْهُ میں ضمیر غائب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے اگر سائل کے قول ''یا محمد'' میں حقیقی خطاب ہوتا تو فَشَفِّعْهُ کی بجائے فَشَفِّعْ هٰذَا النَّبِيُّ کہا جاتا۔ بہر حال طریق اول اسلم عن الشرک اور اقرب الی الصواب ہے۔

قبیح طریقے

اب وسیلہ کے ناجائز اور غیر صحیح طریقوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں ایک سب سے زیادہ برا وہ ہے اور دوسرا قبیح۔

۱۔ سب سے زیادہ برا وہ ہے جو قبر پرستوں نے اختیار کر رکھا ہے کہ ارواح سے حاجت روائی چاہنا مسنون و مستحب سمجھتے ہیں، اس میں اقبحیت کی وجہ یہ ہے کہ جو چیز شریعت کے نزدیک گناہ اور معصیت ہے اسے حلال ماننا پڑتا ہے اور یہ کفر ہے۔

۲۔ اور قبیح حال یہ ہے کہ ارواح کو حاجت روائی کے لئے اپنا شفیع بنانا اور ان کی شفاعت کو

اپنے لئے قبولیت کا یقینی سبب خیال کرنا، اس میں قباحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر امور دین میں ایک نئی چیز تجویز کرنی پڑتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَالَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ (۴۲:۲۱)

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ. (۳۹:۴۳)

”کیا ان کے اور (بھی) شریک ہیں جنھوں نے ان کے واسطے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟“۔

اور فرمایا

”کیا انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنائے ہیں۔ اے نبی کہہ دے کیا اگرچہ وہ عقل سے کورے ہوں اور کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ

اس وہم کے رد میں اسے کافی جانا چاہئے، یہ بہت لوگوں کے پھسل جانے کا مقام ہے۔ انھوں نے سفارش کرنے والے اور جس کی سفارش کی جائے دونوں میں فرق نہیں سمجھا۔ کہتے ہیں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاء اللہ یعنی اے عبدالقادر ساکن جیلان خدا کے لئے کچھ دے۔ اس کلام میں انھوں نے خدا کو سفارشی بنایا ہے اور حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کو دینے والا۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس معلوم ہوتی ہے۔

ایک حدیث

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اور کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خدا کو آپ کے پاس شفیع لاتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعرابی کے اس قول سے ناراض ہوگئے۔ چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا، اور فرمایا اللہ تعالیٰ اس سے بلند ہے کہ کسی کے پاس اسے شفیع بنا کر لایا جائے۔(۱)

اس سے ثابت ہوا کہ زندہ اور غیر مخلوق کے پاس اللہ تعالیٰ کو شفیع بنا کر لانا اس کا واسطہ دے

---

(۱) اخرجہ ابوداؤد (السنۃ، باب فی الجہمیۃ: ۵/۹۴۔ ۴۷۲۶)

کر مخلوق سے حاجت روائی چاہنا گویا خدا کو عاجز سمجھنا اور مخلوق کو توانا جاننا ہے معاذ اللہ من ذلک۔

قرب الٰہی کا وسیلہ صرف دو چیزیں ہیں

جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ صرف دو چیزیں ہیں اعمال صالحہ (کسبی ہوں یا حسبی) اور اوصاف حمیدہ ان دونوں کا ذکر اذان کی دعا میں موجود ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو تلقین فرمائی ہے۔

دعا یہ ہے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدِ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالدَّرَجَۃَ الرَّفِیْعَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَاماً مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ.

(اے اللہ! تو جو رب ہے اس پوری دعوت کا اور نماز کا جو ابھی قائم ہونے والی ہے، دے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ کی بزرگی اور بلند درجہ اور پہنچا دے آپ کو مقام محمود میں جس کا تو نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ کر رکھا ہے۔(۱)

اس دعا میں لفظ وسیلہ یا تو مصدر ہے یا صفت بمعنی ما یتوسل بہ اور دونوں صورتوں میں یہ کسی صفت کا نام ہوگا نہ کہ ذات اور جنس کا۔

پس وسیلہ اگر صفت کا نام ہے تو آت محمد الوسیلۃ کے یہ معنی ہوں گے کہ خدایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ صفت عطا کر جو مقام محمود کے حصول کا باعث ہو، مزید برآں وسیلہ کے ساتھ فضیلت کا لفظ ہے، جو ظاہر کرتا ہے کہ جس طرح فضیلت ایک صفت کا نام ہے، وسیلہ بھی کسی صفت کا نام ہوگا۔

نتیجہ بحث

مذکورہ بالا بحث سے نتیجہ نکلا کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال کی

---

(۱) الحدیث بدون والدرجۃ الرفیعہ اخرجہ البخاری (فتح الاذان، باب الدعاء عند النداء ۴/۹۴، ۶۱۴) وغیرہ مثل ابی داؤد والنسائی والترمذی وابن ماجہ وغیرھم ولیس عندھم "الدرجۃ الرفیعۃ" وقعت تلک الزیادۃ عند ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ (۹۳) وقد جرح بذلک ابن حجر فی التلخیص (ص۷۸) والبخاری فی المقاصد الحسنۃ (ص۲۱۲) مع ان الحدیث عن طریق النسائی فھی مدرجۃ من بعض النسّاخ

پیروی چھوڑ کر، جو حقیقی وسیلہ ہے محض بزرگوں کی ذات کو وسیلہ بناتے ہیں، غلطی پر ہیں، کیونکہ وسیلہ اعمال صالحہ اور اوصاف حمیدہ کا نام ہے۔

تین مسافروں کا قصہ

صحیحین میں ایک قصہ مذکور ہے کہ ایک دفعہ تین آدمی صحرا میں سفر کر رہے تھے۔ جب ایک پہاڑ کے قریب پہنچے تو زور کی بارش آ گئی۔ بارش سے بچنے کے لئے انھوں نے ایک غار میں پناہ لی۔ ابھی داخل ہوئے ہی تھے کہ ایک بہت بڑا پتھر کھسک کر غار کے منہ پر آ گیا اور وہ تینوں اس کے نیچے آ گئے۔ جب مسافروں نے اپنے آپ کو اس طرح گھرا ہوا اور بے بس پایا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے بھائیو! بچنے کی ایک صورت ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے خالص ترین عمل کو وسیلہ بنا کر خدا سے دعا کرے شاید اللہ تعالیٰ ہمیں اس مصیبت سے نجات بخشے۔ اس پر ایک شخص نے اپنے زنا سے بچنے کا واقعہ بیان کر کے اس طرح کی دعا کی۔ (۱)

اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اِنِّیْ فَعَلْتُ ذٰلِکَ ابْتِغَاءَ وَجْھِکَ فَاخْرُجْ عَنَّا

(کہ اے پروردگار، اگر تیری نگاہ میں میں نے یہ کام صرف تیری رضا جوئی کے لئے کیا تھا تو اس غار کا منہ کھول دے)

اس کا دعا ختم کرنا تھا کہ غار کا منہ اتنا کھل گیا کہ آسمان نظر آنے لگا۔ پھر دوسرے نے دعا شروع کی اور اپنے بوڑھے والدین کی خدمت گذاری کا ایک واقعہ بیان کیا اور آخر میں انہی الفاظ میں دعا کی۔ اب غار کا دو تہائی منہ کھل گیا۔ اب تیسرے نے ایک مزدور کے ساتھ معاملہ میں اپنی امانت داری کا واقعہ بیان کیا اور انہی الفاظ پر دعا ختم کی تو پتھر کھسک کر بالکل ہٹ گیا اور وہ باہر نکل آئے۔

نتیجہ

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت کو مقصد اوّل جانتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو اس کا وسیلہ گردانتے ہیں اور آپ کی پیروی کرنا اپنے لئے ضروری سمجھتے ہیں اور بزرگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیرو ہونے کی حیثیت سے دوست رکھتے ہیں، ان لوگوں کے لئے یہ فعل

---

(۱) بخاری (فتح الباری ۶/ ۵۵۰ حدیث ۳۴۶۵، الانبیا باب حدیث الغار) مسلم (الذکر باب قصہ اصحاب الغار الثلاثۃ ۴/ ۳۹۹ حدیث ۲۷۴۳)

وسیلہ نجات ہوگا چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ مِنْ نِّعْمَتِہٖ وَاَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰہِ وَاَحِبُّوْا اَھْلَ بَیْتِیْ لِحُبِّیْ۔ (۱)

اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اس لئے کہ وہ تمہیں نعمتیں دیتا ہے اور مجھ سے محبت کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ محبت رکھتا ہے اور میرے اہل بیت سے پیار کرو اس لئے کہ میں ان سے پیار کرتا ہوں۔

پیروں کے ساتھ محبت کرنے کا معیار

مسلمانوں کو چاہئے کہ اس حدیث کو معیار ٹھہرالیں اور کسی پیر کے ساتھ اس وقت تک رشتہ الفت نہ جوڑیں جب تک یہ معلوم نہ کرلیں کہ اس کا قول وفعل نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول وفعل کے مطابق ہے۔

لیکن قبر پرستوں کے اس قسم کے اقوال مثلاً عصائے پیر بجائے پیر اور گور پیر بحکم پیر تو یہ شریعت وطریقت دونوں سے خارج ہیں اور وسیلہ کے کسی مفہوم میں داخل نہیں۔ قبر پرستوں نے اس قسم کے اقوال عوام الناس کو مغالطہ دے کر خود ان کے پیشوا بننے کے لئے مشہور کر رکھے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے یاد رکھنا چاہئے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی قرب الٰہی کا وسیلہ بنانا صرف آپ کی پیروی کرنے ہی کے ذریعہ سے ممکن ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔ (آل عمران ۳۱)

اے نبی کہہ دو کہ اگر اللہ کے ساتھ محبت رکھنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے پیار کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

اس سے ثابت ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کرنا ہی وسیلہ ہے۔

شفاعت کن لوگوں کیلئے

اگر کوئی کہے کہ قیامت کے روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت وسیلہ نجات ہوگی تو

---

(۱) ترمذی بروایت ابن عباسؓ۔ بحوالہ مشکوٰۃ باب مناقب اہل بیت۔

اسے بتانا چاہئے کہ کسی شخص کی شفاعت اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہیں ہوگی۔

چنانچہ ارشاد ہے:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ. (۲:۲۵۵)

ایسا کون ہے جو اس کے اذن کے بغیر اس کے پاس سفارش کرے۔

اور اللہ تعالیٰ کا اذن مومن کے لئے ہوسکتا ہے۔ غیر مومن کے لئے نہیں ہوسکتا۔ تو اس طرح بھی نتیجہ وہی نکلا کہ آدمی کا اصل وسیلہ اس کا اپنا ایمان ہے، جو بندے کا عمل ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

کار خود کن کار بیگانہ مکن   در زمین دیگران خانہ مکن

دوسروں کا کام چھوڑ کر اپنا کام کر دوسروں کی زمین میں اپنا گھر نہ بنا۔

عمل مطابق سنت ہی قرب کا وسیلہ ہے

اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ وہی چیز اللہ کے قرب کا وسیلہ ہوسکتی ہے جو سنت کے مطابق ہو لیکن اس کے برعکس وسیلہ کو جو لوگ سنت کے مطابق سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں نے قبروں کو وسیلہ سمجھ رکھا ہے جیسے کفار مورتیوں کو سمجھتے ہیں تو یاد رکھنا چاہئے کہ وہ لوگ بے خبری میں غیر ہادی کا اتباع کر رہے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اَفَمَنْ یَّهْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْٓ اِلَّآ اَنْ یُّهْدٰی فَمَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ. وَمَا یَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا. (۱۰:۳۵-۳۶)

بھلا جو حق وصداقت کی راہ دکھا سکتا ہے وہ قابل اتباع ہے یا وہ جو بے بتلائے خود بھی راستہ نہ پاسکے۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ کس طرح انصاف کرتے ہو؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ صرف وہم کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ حق کے مقابلے میں وہم کی کوئی حقیقت نہیں۔

اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ظن کی پیروی کرنے والوں کے عذاب کا موجب ان کا اپنا عمل ہے نہ کہ کسی اور کا۔

عمل صالح کی تعریف اور وسیلۂ نجات

الغرض ہر شخص کے لئے عمل ہی وسیلۂ نجات ہو سکتا ہے۔ پھر جو معاملہ بزرگوں کی قبروں کے ساتھ کیا جاتا ہے وہ اگر عمل صالح میں داخل نہیں ہے تو کیوں کر نجات کا وسیلہ ہو سکتا ہے؟ کیوں کہ عمل صالح کی تعریف تو یہ ہے کہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہو، تفسیر حسینی نے آیت

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ (۱۸:۱۱۰)

کی تفسیر لکھتے ہوئے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال نقل کئے ہیں کہ عمل صالح وہی ہے جو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہے۔

پس جو شخص اپنے رب سے ملنے کا آرزو مند ہے، اسے نیک عمل کرنا چاہئے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہئے۔

شرک فی العبادات کا مفہوم

آگے شرک فی العبادات اور شرک بالعبادت کے درمیان فرق بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

غیر کی ذات کو اللہ کی عبادت میں شریک ٹھہرانا یہ ہے کہ اس کی ذات کو اپنے حق میں مثل عبادت الٰہی مفید اور فائدہ مند جانے۔ اس کی مثال جاہلوں کا یہ عمل ہے کہ بزرگوں کی عزت اور ان کے ناموں کو وسیلہ سمجھتے ہوئے اعمال صالح ترک کر کے صرف ان کی ذات کا واسطہ دے کر خدائے تعالیٰ سے دینی اور دنیاوی ترقی چاہتے ہیں، یہ شرک فی العبادات ہے، یعنی عبادت میں ریا اور دکھاوا کیا جائے۔

عدم خلوص قرب کا وسیلہ نہیں

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ دکھاوا کرنے اور شہرت چاہنے کی وجہ سے عبادت کے اندر خلوص نہیں رہتا۔ اور ایسی عبادت آدمی کو شرک خفی میں مبتلا کر دیتی ہے کیونکہ اس نے اپنی عبادت کو شرک کا ذریعہ بنایا۔ بہر حال صرف وہی عبادت تقرب الٰہی کا وسیلہ ہوتی ہے، جو خالص اللہ کے لئے ہو۔

پس غور کرو! جب خدا کی عبادت بھی خلوص نیت کے بغیر اس کے تقرب کا وسیلہ نہیں ہو سکتی تو

غیر کی عبادت خدا کے تقرب کا وسیلہ کیوں کر ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاعۡبُدِ اللّٰهَ مُخۡلِصًا لَّهُ الدِّيۡنَ. اَلَا لِلّٰهِ الدِّيۡنُ الۡخَالِصُ

پس اللہ کی عبادت خالص نیت سے کرو اور یاد رکھو خلوص نیت سے بندگی کا مستحق اللہ ہی ہے۔

خاتمہ سخن!

اے اللہ! میں اس کتاب کو تیرے تقرب کا وسیلہ بناتا ہوں، اور تیری وسیع بخشش کے لئے اسے ایک ذریعہ گردانتا ہوں۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک اور بے نیاز ہے۔ تیرے دربار میں غلامی کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

اے الہ مجھے بخش دے۔ اور امت مسلمہ پر رحم فرما۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمارا بھروسہ تجھی پر ہے۔ تیری طرف رجوع کرتے ہیں اور ہم سب کو تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

اے اللہ! ہماری ذمہ صرف تبلیغ کرنا ہے۔ ایسی تبلیغ کہ گمراہ اور نافرمان کے سوا کوئی ہلاکت میں نہ رہے۔ سو اللہ کا دین واضح ہوگیا۔ اور اس کی مدد آگئی۔ اب ہم بری ہیں اس بات سے کہ بے دین لوگ محروم رہیں۔

اے اللہ! اپنی بہترین مخلوق حضرت محمدؐ اور ان کی ساری آل اور ان کے تمام اصحاب پر ہزاروں رحمتیں نازل فرما۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

العقيدة الحسنة

تصنیف

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ترجمہ

عبدالحمید سواتی

تحقیق و تعلیق

مولانا مفتی عطاء الرحمٰن قاسمی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيدنا محمد خاتم النبيين وآلهٖ وصحبهٖ اجمعين

اما بعد! پس کہتا ہے بندہ اپنے رب کی رحمت کا محتاج، احمد جس کو ولی اللہ بن عبدالرحیم کے نام سے پکارا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں پر احسان فرمائے کہ میں اللہ تعالیٰ کو اور جو ملائکہ، جنات اور انسان حاضر ہیں، ان کو گواہ بنا کر اپنے عقائد کے بارے میں کہتا ہوں (۱) کہ میں خلوص قلب سے اس بات کا اعتقاد رکھتا ہوں کہ تمام عالم کا ایک صانع (بنانے والا) قدیم ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، اس کا وجود واجب ہے اور اس کا عدم ممتنع ہے (جس کا ہونا ضروری اور اس پر فنا اور عدم، محال) اور وہ بڑا اور عالی شان ہے اور تمام کامل صفات کے ساتھ متصف ہے اور زوال اور نقص کی تمام علامتوں سے پاک اور منزہ ہے وہ تمام مخلوقات کا خالق ہے اور تمام کائنات کی باتوں کا جاننے والا ہے اور تمام مخلوقات پر پوری قدرت رکھتا ہے اور تمام کائنات کی (ایجاد وقیام) کا ارادہ کرنے والا ہے اور زندہ ہے، سننے اور دیکھنے والا ہے، کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں اور نہ کوئی چیز اس کی ضد اور مقابل ہے اور نہ کوئی چیز اس کی مثل ہے اور اس کے واجب الوجود ہونے اور عبادت کے استحقاق پیدا کرنے اور تدبیر میں کوئی اس کا شریک نہیں پس عبادت کا استحقاق اس کے سوا کسی

یہ رسالہ جس کا نام ''العقیدة الحسنة'' ہے، علم عقائد کے موضوع پر ایک جامع رسالہ ہے جو عقیدة الطحاوی کے طرز وانداز پر ہے اور یہ اصلاً عربی زبان میں ہے بلاشبہ یہ رسالہ اس لائق ہے کہ جو دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں داخل ہو اور اہل مدارس کو اس رسالہ کو داخل نصاب کرنے پر غور کرنا چاہئے۔ (قاسمی)

کے لئے نہیں اور عبادت انتہائی درجہ کی تعظیم کو کہا جاتا ہے کسی مریض کو اس کے سوا کوئی شفا نہیں بخشتا اور نہ کسی کو اس کے سوا کوئی روزی پہنچاتا ہے اور ضرر اور تکلیف کو اس کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔

اور اس کا یہ کام اس طرح ہے کہ جب وہ کسی چیز کو (بغیر ظاہری اسباب کے) کہہ دے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے اس طرح نہیں جس طرح ظاہری اور عادی اسباب کے تحت کوئی چیز ہوتی ہے جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ طبیب نے مریض کو شفا دی اور امیر لشکر نے لشکر کو رزق دیا کیونکہ یہاں مراد ظاہری اسباب کے تحت علاج و معالجہ کرنا اور تنخواہ وغیرہ دینا ہوتا ہے یہ معنی اس کے علاوہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے اگرچہ الفاظ ایک جیسے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کوئی معین اور پشت پناہ نہیں اور نہ وہ کسی دوسری چیز میں حلول کرتا ہے اور نہ وہ غیر کے ساتھ مل کر متحد ہوتا ہے اور اس کی ذات کے ساتھ کوئی حادث چیز قائم نہیں ہو سکتی (نو پیدا چیز جو پہلے نہ تھی) پس اس کی ذات میں اور صفات میں کسی قسم کا حدوث نہیں ہے البتہ جب اس کی صفات کا تعلق اپنے متعلقات کے ساتھ ہوتا ہے تو اس تعلق میں حدوث ہوتا ہے تاکہ افعال ظاہر ہوں۔ اور حقیقت میں یہ تعلق بھی حادث نہیں ہے حادث صرف ان صفات کے متعلقات (تمام کائنات کی اشیاء اللہ تعالیٰ کے سوا) ہی ہوتے ہیں، اس لئے اس تعلق کے احکام بھی مختلف اور متفاوت ہوتے ہیں (ورنہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات میں مطلقاً کسی قسم کا حدوث نہیں) اور وہ باری تعالیٰ ہر وجہ اور ہر طریق پر حدوث اور تجدد سے بری اور پاک ہے اور وہ نہ جوہر ہے (جو کسی زمان یا مکان میں خود قائم ہوتا ہے) اور نہ عرض ہے (دوسری چیز کے ساتھ قائم ہو جیسا رنگ، شکل وغیرہ) اور نہ وہ جسم ہے اور نہ کسی مکان یا جہت میں ہے اور نہ اس کی طرف یہاں اور وہاں کے ساتھ اشارہ کیا جا سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں نہ حرکت کرتا ہے اور نہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے اور نہ بدلتا ہے اور اس میں جہل اور کذب بھی روا نہیں یعنی کذب اور جہل کا صدور اس سے محال ہے اور وہ عرش کے اوپر ہے جیسا کہ اس نے خود اپنے بارے میں فوق العرش ہونا بیان کیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ عرش اس کا مکان ہے اور فوق اس کی جہت ہے بلکہ اس کی فوقیت اور استواء کی حقیقت اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، یا پھر وہ پختہ کار علما جانتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم لدنی عطا فرمایا ہے۔ اور

باری تعالیٰ کا دیدار ایمان والوں کو قیامت کے دن نصیب ہوگا اور اس دیدار کی دو طرح وضاحت کی گئی ہے ایک اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان مومنین پر ایسا انکشاف تام ہو جائے گا جو عقل تصدیق سے بہت زیادہ ہوگا۔ گویا کہ آنکھ سے ہی دیکھا ہے، لیکن اس میں سامنا، مقابلہ اور جہت ، رنگ اور شکل نہیں ہوگا۔

اور یہ وجہ ایسی ہے کہ اس کا قول فرقہ معتزلہ نے اور دوسرے لوگوں (مثلاً شیعہ وغیرہ) نے بھی کیا ہے اور یہ بات فی نفسہ حق اور درست ہے، لیکن ان کی غلطی یہ ہے کہ وہ رویت کا یہی معنی (بیان) کرتے ہیں یا رویت کو اسی معنی میں منحصر مانتے ہیں (جس کی وجہ سے رویت بالا بصار کا انکار کرتے ہیں) اور دوسرا معنٰی رویت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مختلف صورتوں میں ان کے سامنے متمثل ہو جیسا کہ سنت اور احادیث میں مذکور ہے، پس وہ لوگ باری تعالیٰ کو اپنی آنکھوں کے ساتھ شکل، صورۃ اور رنگ اور آمنے سامنے کی طرح دیکھیں گے جیسا کہ خواب میں واقعہ ہوتا ہے جس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے جہاں آپ نے فرمایا ہے کہ ”میں نے اپنے رب کو اچھی صورۃ میں دیکھا ہے“۔ اسی طرح لوگ قیامت میں اس کو عیاناً یعنی بالکل ظاہر آنکھوں سے دیکھیں گے جس طرح دنیا میں خواب کے اندر دیکھتے ہیں اور رویت کی یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں جن کو ہم سمجھتے ہیں اور ان پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

اور اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد رویت سے ان کے علاوہ کوئی اور معنی ہو، تو پھر ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کی مراد ہے۔ اگرچہ ہم بعینہٖ اس معنی کو نہ سمجھتے ہوں، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ اور کفر اور دیگر معاصی اور گناہ اس کے پیدا کرنے اور ارادہ کرنے سے ظاہر ہوتے ہیں لیکن وہ ان کو پسند نہیں کرتا۔ اور وہ ایسا غنی اور بے نیاز ہے جو اپنی ذات اور صفات میں کسی چیز کی طرف احتیاج نہیں رکھتا، اور نہ اس پر کوئی حاکم ہے اور نہ اس پر کوئی چیز کسی غیر کے واجب کرنے سے واجب ہوتی ہے۔ ہاں لیکن وہ خود (از راہِ لطف وکرم) کسی چیز کا وعدہ فرماتا ہے۔ تو پھر وہ اس کو پورا کرتا ہے اس وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ جیسا کہ حدیث میں اس قسم کے الفاظ آئے ہیں ”کہ وہ چیز اللہ کے

ذمہ ہے یا اللہ تعالیٰ اس کا ضامن ہے''، اور اللہ تعالیٰ کے تمام کام حکمت اور مصلحت کلیہ (عمومی مصلحت) جیسا کہ وہ بہتر جانتا ہے، پر مشتمل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر کسی خاص فرد یا خاص جزی چیز کے بارے میں جو بات اصلح (بہتر بات) ہو واجب نہیں (جیسا کہ معتزلہ وغیرہ کا اعتقاد ہے کہ جو چیز بندہ کے لئے اصلح ہو وہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہوتی ہے) اور کوئی بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبیح نہیں ہوتی، اور اللہ تعالیٰ کو اپنے کاموں میں اور اپنے فیصلوں میں ظلم اور ناانصافی کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا (اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم اور ناانصافی نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے یا جو حکم دیا ہے اس میں حکمت کی رعایت فرمائی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنی ذات وصفات میں کسی شئے سے تکمیل حاصل کرتا ہے (حکمت کی رعایت سے اس کی ذات یا صفات میں کچھ کمال پیدا ہوا ایسا نہیں) اور اس کو کسی چیز کی طرف حاجت اور غرض بھی نہیں کیونکہ یہ کمزوری اور قباحت (بری) بات ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے اس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ پس عقل کیلئے اشیا کے حسن وقبح میں کوئی حکم یا دخل نہیں ہے (جیسا کہ معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اشیا کا حسن وقبح عقلی ہے) اور اسی طرح کسی فعل کے ثواب یا عقاب کے سبب ہونے میں بھی عقل کا دخل نہیں ہے، اشیا کا حسن وقبح اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور اس کے حکم سے ہوتا ہے اور اس وجہ سے کہ اس نے لوگوں کو مکلف بنایا ہے (یعنی حسن وقبح امور شرعیہ کے مکلف ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ عقل کی وجہ سے) اب بعض باتیں ایسی ہیں کہ عقل ان کو سمجھتی ہے اور ان میں ثواب یا عقاب کی مصلحت اور مناسبت کو بھی جانتی ہے۔

اور بعض چیزیں ایسی ہیں کہ عقل ان کے حسن وقبح کا ادراک نہیں کر سکتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے رسول خدا تعالیٰ کی طرف سے بتلا نہ دیں اور اللہ تعالیٰ کی ہر ایک صفت اپنی حقیقت اصلیت کے اعتبار سے واحد ہے، اور باعتبار تعلقات کے غیر متناہی اور بے انتہا ہے۔ اور حدوث وتجدد اس صفت میں نہیں بلکہ اس چیز (ممکن وحادث اشیاء) میں ہوتا ہے جس کے ساتھ اس صفت کا تعلق ہے اور اللہ تعالیٰ کے ملائکہ ہیں جو عالم بالا میں رہتے ہیں اور وہ مقرب بارگاہ ہیں اور کچھ دوسرے ملائکہ ہیں جو لوگوں کے اعمال کے لکھنے اور ان کی حفاظت پر مقرر ہیں۔ اور کچھ ایسے ہیں جو بندوں کی مہلک خطرات سے اور ہلاکتوں سے حفاظت کرتے ہیں اور کچھ دعوت الی الخیر دیتے

ہیں اور بندوں کی طرف اچھے خیالات ڈالتے رہتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا ایک مقام اور ٹھکانا مقرر ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ ان کو حکم دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل میں سرگرم رہتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں شیاطین بھی ہیں جن کا کام یہ ہے کہ انسانوں میں برے خیالات اور وسوسے ڈالتے رہتے ہیں، اور قرآن کریم، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (سورۃ زخرف آیت ۱۵) ''کہ کسی بشر کیلئے یہ ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ اس سے کلام کرے۔ مگر یہ کہ وحی کے ذریعہ سے یا پس پردہ، یا کسی فرشتہ کو بھیج دے کہ جو پیغام اللہ تعالیٰ کو منظور ہو وہ فرشتہ اس کے حکم سے پہنچا دے'' اور یہی وحی کی حقیقت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسما پاک اور اس کی صفات میں الحاق (زیادتی) جائز نہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے ناموں اور صفتوں کے ساتھ دوسرے اسماء اور صفات اپنی طرف سے بڑھائیں جائیں) لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ناموں اور صفات کے اطلاق میں شریعت پر توقف کرنا چاہئے۔ جو نام اور صفت شریعت میں وارد ہو اس کا اطلاق درست ہوگا، ورنہ درست نہ ہوگا۔

اور قیامت کے دن جسم کے ساتھ زندہ ہونا برحق ہے جس میں لوگوں کے اجسام جمع کئے جائیں گے اور ان جسموں میں روحوں کو لوٹایا جائے گا اور یہ ابدان وہی ابدان ہوں گے جو دنیا میں تھے۔ اور شریعت اور عرف میں جن کو ابدان سمجھا جاتا ہے اگرچہ ان میں قامت کی درازی یا کوتاہی ہو، جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، کہ کافر کا دانت اُحد پہاڑ کے برابر ہوگا۔ یا وہ اجسام لطیف خوبصورت اور پاکیزہ ہوں جیسا کہ حدیث میں اہل جنت کے بارے میں آیا ہے اس کی مثال ایسی ہے جس طرح چھوٹا بچہ جو بعینہٖ وہی ہوتا ہے جو ایک وقت جوان اور دوسرے وقت بوڑھا ہو جاتا ہے، چاہے اس کے اجزا بدن میں ہزار مرتبہ سے بھی زیادہ تبدیلی کیوں نہ واقع ہوئی ہو (لیکن ہوتا وہی ہے)

اور اعمال کی جزا اور حساب اور پل صراط اور میزان برحق ہے اور جنت اور دوزخ حق ہیں، اور یہ اس وقت مخلوق ہیں (یہ بات نہیں کہ ان کو قیامت میں پیدا کیا جائے گا جیسا کہ معتزلہ کہتے

ہیں بلکہ فی الوقت موجود ہیں)۔ اور کسی نص نے ان کا محل اور مکان متعین نہیں کیا بلکہ یہ دونوں وہاں ہیں جہاں اللہ تعالیٰ چاہے کیونکہ ہم اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق اور جہانوں کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

اور کسی مسلمان کو جس سے کبیرہ سرزد ہوا ہو ہمیشہ دوزخ میں نہیں رکھا جائے گا اور اس بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم سورہ نساء آیت ۳۱ میں اس طرح فرمایا ہے کہ ”جن کاموں سے تم کو منع کیا جا رہا ہے اگر تم ان ممنوعات میں سے جو بڑے بڑے گناہ ہیں ان سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے قصور تم سے زائل کر دیں گے“، یعنی نماز اور دیگر کفارات کی وجہ سے اور یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہوں کو معاف کر دے لیکن اللہ تعالیٰ کے افعال دنیا اور آخرت میں دو طرح ہیں، ایک یہ کہ دستور اور عادت کے مطابق واقع ہوں اور دوسرے یہ کہ عادت اور دستور کے خلاف ہے، جو شخص کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو اور بلا توبہ مر جائے اس کو معاف کر دینا جائز ہے لیکن یہ بات عادت اور دستور کے خلاف ہے۔ اور اسی طرح حقوق الناس کو معاف فرما دینا بھی جائز ہے مگر عادت و دستور کے خلاف ہے۔

اور یہی تطبیق ہے ان متعارض نصوص میں جو بظاہر ایک دوسرے سے متعارض معلوم ہوتی ہے اور شفاعت حق ہے اس کے لئے جس کے بارے میں خدائے رحمٰن اجازت دے گا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت آپ کی امت کے اہل کبائر کے لئے برحق ہے اور آپ کی شفاعت مقبول ہوگی اور جہاں قرآن میں شفاعت کی نفی واقع ہوئی ہے اس سے مراد وہ شفاعت ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت اور رضا کے بغیر ہو۔

اور قبر میں فاسق اور بدکار کے لئے عذاب کا ہونا اور نیکوکاروں اور ایمان والوں پر نعمت کا ہونا حق ہے اور قبر میں منکر و نکیر (دو فرشتوں) کا سوال و جواب، مردوں سے حق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا مخلوق کی ہدایت کے لئے رسولوں کا مبعوث فرمانا حق ہے اور انہیں انبیا و رسل کی زبانوں پر امر و نہی کرنا اور بندوں کو شرعی احکام کی تکلیف دینا برحق ہے اور یہ انبیا علیہم السلام چند باتوں کے ساتھ ممتاز ہوتے ہیں یہ باتیں اکٹھی دوسرے لوگوں میں نہیں پائی جاتیں اور یہ باتیں اس کا ثبوت ہوتی ہیں کہ یہ انبیا ہیں۔

ان میں سے ایک خرق عادت (معجزات) کا ان سے ظاہر ہونا۔ اور ان باتوں میں یہ بھی ہے کہ ان کی فطرت سلیم ہوتی ہے اور ان کے اخلاق کامل درجہ کے ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو انبیا علیہم الصلوٰۃ میں پائی جاتی ہیں۔

اور تمام انبیا علیہم السلام کفر، شرک اور عمداً گناہ کبیرہ سے اور صغائر پر اصرار کرنے سے معصوم اور پاک ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو بچاتا اور معصوم رکھتا ہے تین طریقوں سے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو پیدائشی طور پر ہی سلیم الفطرت اور اخلاق کے کامل اعتدال پر پیدا کرتا ہے۔ اس لئے وہ معاصی میں رغبت نہیں کرتے بلکہ ان سے متنفر ہوتے ہیں۔

دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی نازل کرتا ہے کہ معاصی پر خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا ہوگی اور طاعات اور نیکیوں پر اچھا بدلہ دیا جائے گا اور یہ وحی ان کے لئے گناہوں اور معاصی سے روکنے کے باعث ہوتی ہے۔

اور تیسری صورت یہ ہے ان انبیا علیہم السلام کے درمیان اور معاصی کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہو جاتا ہے کسی لطیفہ غیبیہ کے ظاہر کرنے سے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت کا ظاہر ہونا، انگلی کو دانتوں سے دبائے ہوئے۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں (آپ کے بعد کسی کو نبی نہیں بنایا گیا آپ پر اس مرتبہ کو ختم کر دیا گیا ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا "خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ" کہ مجھ پر نبیوں کو ختم کر دیا گیا ہے) اور آپ کی دعوت تمام جن وانس کے لئے عام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس خصوصیت کی بنا پر اور اس کے علاوہ دیگر خصوصیات کی وجہ سے تمام انبیا سے افضل ہیں۔

اور اولیا کرام کی کرامات برحق ہیں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ان کرامتوں کے ساتھ نوازتا ہے اور اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اولیا، ان مومنوں کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت رکھتے ہیں اور ایمان میں پختگی اور مضبوطی کے ساتھ نیکیاں کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور ہم جنت اور بہتری کی گواہی دیتے ہیں عشرہ مبشرہ کے حق میں (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ دس صحابہ جن کو آپ نے ایک ہی مجلس میں بہشت کی بشارت سنائی تھی

خلفا اربعہ، سعیدؓ، سعدؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، ابوعبیدہ ابن جراحؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ)، اسی طرح ہم حضرت فاطمہؓ اور ام المومنین خدیجہؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور حسنؓ اور حسینؓ کے حق میں بھی جنت کی گواہی دیتے ہیں۔

اور ہم ان کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں اور اسلام میں ان کے عظیم مرتبہ کا اعتراف کرتے ہیں اور اسی طرح اہل بدر اور اہل بیعۃ الرضوان کے حق میں بھی بہتری اور بہشت کی گواہی دیتے ہیں۔

اور امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق ہیں ان کے بعد حضرت عمرؓ، ان کے بعد حضرت عثمانؓ، ان کے بعد حضرت علیؓ، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔

ان چاروں بزرگوں کے زمانہ تک خلافت راشدہ ختم ہوگئی (۱)۔ ان کے بعد جو خلفا ہوئے ہیں وہ بادشاہ تھے۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں پھر ان کے بعد فضیلت میں حضرت عمرؓ کا مرتبہ ہے اور ان بزرگوں کے افضل ہونے کا یہ معنی نہیں کہ یہ تمام وجوہ سے دوسروں سے افضل ہیں حتیٰ کہ نسب، شجاعت، قوۃ، علم اور اس جیسے دیگر امور میں (ممکن ہے کہ بعض دوسرے صحابہ افضل ہوں) بلکہ ان بزرگوں کے افضل ہونے کا یہ معنی ہے کہ اسلام میں ان سے جو نفع عظیم ہوا ہے وہ دوسروں سے نہیں ہوا، پس امیر تو اصل میں آنحضرت ﷺ ہیں اور ابوبکرؓ، عمرؓ آپ کے دو وزیر ہیں۔ انھوں نے حق کی اشاعت میں ہمت بالغہ سے کام لیا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت اللہ تعالیٰ سے اخذ کرنے کی ہے اور دوسری جہت مخلوق کو دینے کی ہے۔ اور ان دونوں بزرگوں (شیخینؓ) کو خلق خدا کی ہدایت میں اور لوگوں کو جمع کرنے میں اور جہاد کی بہتر تدبیریں کرنے میں بہت کمال حاصل تھا۔

اور تمام صحابہ کے بارے میں ہم اپنی زبانوں کو روکتے ہیں اور سوائے بھلائی اور خیر کے ان کا ذکر نہیں کرتے (یعنی ان پر کسی قسم کی تنقید و جرح نہیں کرتے) وہ دین میں ہمارے مقتدا اور پیشوا ہیں، صحابہ کو گالی دینی حرام ہے اور ان کی تعظیم واجب ہے، اور ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں

---

(۱) صرف ۲۳ سال تک روئے زمین پر قرآن کی حکومت قائم رہی ہے وہ خلفائے راشدین کا دور ہے، آج بدقسمتی سے روئے زمین پر کہیں بھی قرآنی حکومت قائم نہیں ہے۔ (قاسمی)

کہتے ہیں جب تک کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے خدا تعالیٰ صانع، قادر المختار کی نفی ہو۔ یا غیر اللہ کی عبادت کرے، یا معاذ اور قیامت کا انکار کرے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرے یا دوسری ضروریات دین کا انکار کرے (ضروریات دین میں کسی ایک چیز کا انکار یا ان کی غلط تاویل کرنے سے کافر ہو گیا)۔ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے بشرطیکہ کسی فتنہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو اور قبول کرنے کا گمان ہو۔

یہ میرا عقیدہ ہے اسی کے ساتھ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہوں، ظاہراً و باطناً اور اوّل، آخر، ظاہر، باطن میں سب ستائش اللہ تعالیٰ کیلئے ہے۔ اے اللہ میرا حشر بھی ان لوگوں کے گروہ میں فرما جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے والوں کا اتباع کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو اس کی مخلوق میں سب سے بہتر ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اور تمام صحابہ اور ان کے اتباع پر اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

شاہ ولی اللہ انسٹی ٹیوٹ کی اہم مطبوعات

مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ (جلد اول)	مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی	325.00
مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ (جلد دوم)	//	300.00
مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ (جلد سوم)	//	300.00
مجموعہ رسائل امام شاہ ولی اللہ (جلد چہارم)	//	300.00
دلی کی تاریخی مساجد (حصہ اول)	//	200.00
دلی کی تاریخی مساجد (حصہ دوم)	//	100.00
پنجاب وہریانہ کی تاریخی مساجد	//	200.00
امام شاہ ولی اللہ اور ان کے افکار ونظریات	//	250.00
الواح الصنادید (حصہ اول)	//	150.00
الواح الصنادید (حصہ دوم)	//	100.00
مولانا عبدالماجد دریابادی، خدمات وآثار	//	200.00
ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں کا حصہ	//	200.00
ہندو مندر اور اورنگ زیب کے فرامین (اردو)	//	20.00
ہندو مندر اور اورنگ زیب کے فرامین (ہندی)	//	20.00
نقوش خاطر (قلمی چہرے)	//	100.00
۱۸۵۷ء اور ہریانہ (ہریانہ کے مجاہدین آزادی کا تذکرہ)	//	250.00
المساجد التاریخیه بدهلی	//	500.00
معمار قوم ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی	//	300.00
مرد مومن ڈاکٹر اخلاق الرحمن قدوائی	//	300.00
شاہ ولی اللہ خصوصی نمبر (ماہنامہ براہین)	//	195.00
الامام الدہلوی خصوصی شمارہ (ماہنامہ براہین)	//	195.00
وقف ترمیمی بل ۲۰۱۰ء منظر، پس منظر	//	زیر طبع
اعجاز القرآن (اعجاز قرآن اور اس کے مراجع)	ڈاکٹر ابوالحسن محمد خالدی مرتب مولانا مفتی عطاء الرحمن قاسمی	300.00
الاشباہ والنظائر فی القرآن الکریم (قرآن کے مترادف الفاظ اور امثال ونظائر)	//	350.00
وفیات اعیان الہند (امراء وسلاطین کی تاریخ ہائے وفات اور مختصر حالات)	//	300.00
مضامین خالدی (اسلامیات، قرآنیات اور دینیات پر مشتمل مقالات)	//	300.00
قرآنی تشبیہات واستعارات	//	150.00
نشریات (ریڈیائی تقریروں کا مجموعہ)	مولانا جنید احمد بنارسی	100.00
سفر وسیلۂ ظفر	خورشید انور عارفی	100.00

SHAH WALIULLAH INSTITUTE
Masjid Kaka Nagar, Dr. Zakir Husain Marg, New Delhi-110003
Ph.: 011-26953430 Mob.: 9811740661
Email: shahwaliullah_institute@yahoo.in, urduqd@gmail.com
Website: www.shahwaliullah.in